طریقِ نسبتِ اویسیہ

افادات

امیر محمد اکرم اعوان

شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ناشر

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منارہ

ضلع چکوال ۔ پاکستان

طریقِ نسبتِ اویسیہ

افادات

امیر محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ناشر
ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منارہ
ضلع چکوال ○ پاکستان

نام کتاب : طریق نسبت اویسیہ
تعداد : بارہ سو
بار اول : نومبر ۱۹۹۹ء
طباعت : عالمین پریس، ریٹی گن روڈ، لاہور
مرتبہ : سید عبدالودود شاہ اخوندزادہ
ناشر : ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
کمپوزنگ : خالد ضیاء - ۷۲۲۸۴۱۷
قیمت : ۲۵۰/-

ملنے کا پتہ

اویسیہ کتب خانہ، اویسیہ ہاؤسنگ سوسائٹی، کالج روڈ
ٹاؤن شپ، لاہور

فہرست مضامین

-1	پیش لفظ	3
-2	سلسلہ اویسیہ کی عظمت	7
-3	نسبت اویسیہ کا کمال	25
-4	نسبت اویسیہ کا مقام	42
-5	راہ سلوک کے تقاضے	62
-6	ضرورت شیخ	73
-7	توجہ شیخ	87
-8	تصوف میں شیخ کی مرکزی حیثیت	107
-9	شیخ سے توقعات	132
-10	ذکر فرض ہے	162
-11	ذکر اللہ اور اس کے ثمرات	179
-12	ذکر و قلب	199
-13	ذکر قلبی کی فرضیت	213
-14	ذکر اسم ذات کا حکم	224
-15	صاحب لب و دوام ذکر	243
-16	طریقہ ذکر کے اصول	267
-17	ذکر الٰہی و برکات نبوت کی کیفیت	283
-18	نسبت اویسیہ کا طریقہ ذکر	297

-19	حقیقت روح	312
-20	قلب کی اہمیت	334
-21	مکلّف قلب	347
-22	تزکیہ قلب	363
-23	تزکیہ نفس	378
-24	قلب کی موت	388
-25	تزکیہ اور فلاح	400
-26	تصوف کی حقیقت اور اہمیت	419
-27	معیت باری کے درجات	436
-28	نبوت حقیقی شرف انسانی ہے	445
-29	کمالات برکات نبوت	475
-30	معیت رسول ؐ کے تقاضے	495
-31	عشق رسول ؐ کے تقاضے	517
-32	کشف و مشاہدہ ضروری ہے	534
-33	کشف و مشاہدہ	544
-34	راہ سلوک و مجاہدات	560
-35	راہ سلوک کے لوازم	579

☆ ☆ ☆ ☆

پیش لفظ

انسان کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ اس عالم آب و گل میں اللہ تعالیٰ کا نائب و خلیفہ ہے۔ حامل نبوت ہے اور بارشاد خالق کل (لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم) اللہ کی بہترین مخلوق ہے۔

انسان جسم و روح کا مرکب ہے۔ جس میں جسم اربعہ عناصر یعنی آگ، پانی، مٹی اور ہوا سے مل کر بنا۔ پانچواں اس کا نفس جو انہیں اربعہ عناصر سے تخلیق کیا گیا ہے لیکن لطیف ہے۔ نفس جو جسم کی مادی ضرورتوں کے لئے بطور محرک کام کرتا ہے۔ مادی ساخت کی وجہ سے نفس کا میلان مادہ کی طرف رہتا ہے۔ قرآن کریم اس کی پانچ حالتوں کی نشاندہی فرماتا ہے۔ (۱) نفس امارہ (۲) نفس لوامہ (۳) نفس مطمئنہ (۴) نفس راضیہ اور (۵) نفس مرضیہ۔ چونکہ جسم مادی کا جزو اعظم مٹی ہے۔ اس لئے اس کی تمام ضرورتوں کا مرکز مٹی ہے اور اپنی ضرورتوں کے حصول کے لئے جسم ایک مادی دماغ سے لیس ہے۔ کہ جسم ذہنی قوتوں کو کام میں لا کر اپنی ضروریات زمین سے پوری کر سکے۔ یہاں بتاتا چلوں کہ روز اول سے آخر تک انسان کی بنیادی ضرورتیں ایک ہی قسم کی ہیں۔ ہاں ان ضرورتوں کے پورا کرنے کے ذرائع وقت کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں۔

انسان کے دوسرے حصے کا نام روح ہے۔ جو عالم امر سے متعلق ہے اور امر صفات باری میں سے ہے اس کو فنا نہیں۔ چونکہ روح کا تعلق عالم امر سے ہے۔ اس لئے اللہ کی شان ربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ روح کا عالم امر سے رابطہ کرائے تاکہ وہاں سے روح اپنی غذا حاصل کر سکے۔ دراصل روح کی غذا تعلق باللہ کے قیام میں ہے۔ جتنا یہ تعلق مضبوط یا کمزور ہو گا۔ روح اتنی ہی طاقتور یا کمزور ہو گی لیکن جب روح کا تعلق عالم امر سے ٹوٹ جاتا ہے تو انسان کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے اور روح مسخ ہو جاتی ہے اور اس لمحے اس کا غضب

الہی کا شکار ہو جانا ہی اس کی موت ہے۔

روح کی زندگی تعلق باللہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی شان ربوبیت کے مطابق انبیاء علیہما السلام کی بعثت سے انسانوں کو مہیا فرمایا ہے۔ اسی مقصد کیلئے سب سے پہلے انسان کو نبوت عطا ہوئی اور پھر مختلف قوموں' علاقوں' زمانوں میں پے در پے انبیاء آتے رہے۔ جس کی آخری کڑی حضرت محمدﷺ' خاتم النبیین' رحمت للعلمین و سراجا" منیرا کی ذات ستودہ صفات ہے۔ آپ ﷺ کی رحمت عامہ سے تمام کائنات اور اس میں موجود مخلوق اور رحمت خاصہ سے صرف مسلمان اپنے عقیدے' استعداد اور اعمال کے مطابق فیض یاب ہوتے ہیں اور سراجا" منیرا کی برکات سے روحانی دنیا آپ ﷺ سے اس طرح فیض یاب ہے جس طرح مادی دنیا سورج سے فیض یاب ہے آپ ﷺ کی نبوت کے دو پہلو ہیں ایک ظاہری یعنی شریعت مطہرہ اور دوسرا باطنی یعنی طریقت اور یہ دونوں پہلو آپ ﷺ کے فرائض نبوت سے مترشح ہیں' آپ ﷺ کے فرائض نبوت چار ہیں۔ تلاوت آیات' تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت یہ ایک شعبہ ہے جسے تعلیمات حضرت محمدﷺ کہا جاتا ہے جب کہ دوسرا شعبہ تزکیہ ہے جس کو برکات حضرت محمدﷺ کہتے ہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات نقل در نقل ہم تک پہنچیں جو آج قرآن کریم' احادیث نبوی کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں اور ہم دنیا کی واحد قوم ہیں جو بلا خوف تردید یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ تعلیمات ہمارے پاس اپنی اصلی حالت میں بغیر کسی تحریف کے موجود ہیں۔ ان کے حصول کے لئے ایمان بھی شرط نہیں۔ آپ ﷺ چونکہ پوری انسانیت کے نبی ہیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات تحریری طور پر موجود ہیں اس لئے ہر انسان ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے مستشرقین اور غیر مسلم دنیا پر نظر ڈالیں جہاں بھی انہوں نے آپ ﷺ کی تعلیمات کو اپنایا ان کی بگڑی بن گئی۔

دوسرا شعبہ برکات کا ہے۔ انہیں حاصل کرنے کے لئے ایمان شرط ہے۔ خیرالقرون کے دور میں یہ برکات بغیر کسی تکلف کے محض اگلے کی صحبت میں بیٹھ

کر حاصل کر لی جاتی تھیں اور تزکیہ نفس کی تکمیل ہو جاتی تھی۔ حضور ﷺ کی صحبت عالیہ سے صحابہ کرامؓ نے اس انداز میں حاصل کیں کہ ہر آنے والا نفس مرضیہ سے سرفراز ہوا۔ نہ اپنی کوئی رائے رہی' نہ اپنی کوئی پسند رہی بلکہ اپنی ذات کو بھی مرضیات باری میں ہار بیٹھا۔ صحابہ کرامؓ کے منور سینوں سے یہ برکات تابعینؒ اور ان سے تبع تابعینؒ میں بلاتکلف منتقل ہوئیں۔ خیر القرون کے دور کے آخر میں ان برگزیدہ ہستیوں نے یہ محسوس کیا کہ زمانے کے بُعد کی وجہ سے اب قلوب میں وہ قوت جذب نہ رہی کہ صرف صحبت میں بیٹھنے سے وہبی طور پر برکات مل جائیں اور مکمل تزکیہ ہو جائے لہٰذا محنت مجاہدہ کرنا لازمی ٹھہرا یعنی اب معاملہ کسبی ہو گیا۔ لہٰذا جملہ سلاسل تصوف وجود میں آئے۔ قبل ازیں ان کی ضرورت ہی نہ تھی۔

جملہ سلاسل تصوف حضرت علیؓ سے چلتے ہیں سوائے سلسلہ نقشبندیہ کے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے چلتا ہے جو پوری انسانیت میں بعد از انبیاء علیہم السلام سب سے افضل ہیں۔ اس ذاتی معیت کے حامل' یارِ غار نے مکمل برکات حضور ﷺ سے اخذ کیں جن سے منتقل ہو کر یہ برکات سینہ بہ سینہ حضرت امام حسن بصریؒ' حضرت داؤد طائیؒ' حضرت جنید بغدادیؒ' حضرت عبیداللہ احرارؒ' حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ' ابو ایوب حضرت محمد صالحؒ' سلطان العارفین حضرت اللہ دین مدنیؒ (لنگر مخدوم والے) حضرت عبدالرحیمؒ' قلزم الفیوضات و برکات حضرت مولانا اللہ یار خانؒ سے ہوتی ہوئی حضرت امیر محمد اکرام اعوان مدظلہ العالی تک پہنچیں۔ دور حاضر میں ان برکات کی تقسیم آپ کے ذمہ ہے۔ جو گذشتہ پندرہ برس سے چار دانگ عالم میں جہالت میں غرق اور غفلت میں مدہوش مسلمانوں تک پہنچا کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے قافلہ کے سپہ سالار کے طور پر ابھرے ہیں۔ چونکہ ان برکات کی تقسیم کا طریقہ کار وہ ہے جو حضرت اویس قرنیؒ جیسی برگزیدہ ہستی کے حصہ میں آیا اس لئے اسے نسبت اویسیہ کہا جاتا ہے اور ہمارا سلسلہ عالیہ اسی نسبت سے "سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ" کہلایا۔

"کنز الطالبین" کے بعد "طریق نسبت اویسیہ" میرے محترم شیخ کے طرز تقسیم برکات نبوی ﷺ کا ایک انوکھا انداز ہے جو ہر طالب کی رہنمائی کے لئے ایک روشن مینار کی حیثیت ثابت ہو گی۔ اللہ کریم ہمیں اس سے پورا پورا استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں آخر میں کرنل (ر) مطلوب حسین' ناظم اعلیٰ صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جن کی پدرانہ شفقت اور ماہرانہ رہنمائی سے میں اس قابل ہوا کہ حضرت مدظلہ العالی کے یہ عظیم الہامی مضامین المرشد کی دبیز تہوں سے تلاش کر کے آپ تک پہنچا سکا۔ اللہ مجھے اور سب سالکین کو شیخ کے ساتھ سچی عقیدت' نیز للّٰہیت اور اخلاص نصیب فرمائے۔ اللہ کریم ہماری طلب کو کھرا رکھے اور ہم سب کو اس راہ میں استقامت نصیب فرمائے۔ (آمین)

ناچیز

سید عبدالودود شاہ اخوند زادہ

26-8-1999

☆ ☆ ☆

سلسلہ اویسیہ کی عظمت

ہر خلق ذاکر ہے

کائنات بسیط میں جس قدر اللہ کی تخلیق ہے' وہ ذوالا رواح میں سے ہے' یا ٹھوس اجسام میں سے ہیں۔ زمین و آسمان' چاند' ستارے اور سیارے ہیں' ہوائیں اور بادل ہیں' یا درخت پتھر اور جانور ہیں' حیوان ہیں' درندے ہیں یا پرندے' آسمانی مخلوق ہے یا زمینی مخلوق ہر طرح کی مخلوق کے وجود کا بقا کا دارومدار ذکر الٰہی پر ہے۔ وہ گھاس کا تنکا ہے' یا کوئی بہت بڑا پہاڑ ہے' دونوں کی حیات اور دونوں کے وجود کی بقا کا دارو مدار اللہ کے ذکر پر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں' اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں' جو کوئی خواہ وہ زمینوں میں ہے یا آسمانوں میں۔ جس چیز کو بھی وجود عطا ہوا ہے' اس وجود کی بقا کا انحصار اللہ کے ذکر پر ہے خواہ وہ پرندے ہوں' جو فضا میں اڑتے پھرتے ہیں یا کوئی دوسری مخلوق۔

قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ

ذکر و بقائے وجود

ان میں شعور ہے یا نہیں' مخلوق جاندار ہے یا بے جان' اور کسی بات کے سمجھنے کی استعداد رکھتی ہے یا نہیں' لیکن اللہ سے دعا کرنے اللہ کو یاد کرنے کی'

اللہ کی اطاعت کرنے کی اور اللہ کی پاکی بیان کرنے کا شعور ہر ایک میں موجود ہے۔ اس طرح کی آیات سے استدلال فرماتے ہوئے مفسرین فرماتے ہیں کہ جو چیز ذکر سے غافل ہو جائے' اس کا وجود باقی نہیں رہتا اگر درخت سے ذکر چھوٹ جائے' وہ سوکھ جاتا ہے' پہاڑ سے ذکر چھوٹ جائے' وہ پھٹ جاتا ہے' گر جاتا ہے' تباہ ہو جاتا ہے' سبزہ زار ویرانوں میں بدل جاتے ہیں' اور چیزوں کا وجود عدم کی نذر ہو جاتا ہے' حتیٰ کہ علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ جس جانور کو شکاری شکار کرتا ہے' وہ درندہ ہو یا پرندہ ہو تو وہ جانور جو شکار ہوتا ہے' وہ عدم ذکر میں ملوث پایا جاتا ہے' اس سے ذکر چھوٹ چکا ہوتا ہے' گویا جس طرح ہماری ظاہری نگاہ میں زندہ چیز کے لئے سانس لینا ضروری ہے' وہ سانس لینے کے عمل کو جانتا ہے یا نہیں جانتا ہے' اسی طرح ہر وجود کی بقا کے لئے اللہ کی تسبیح اور اللہ کا ذکر ضروری ہے اور اس عمل کے کرنے کو ہر ایک قدرتی اور طبعی طور پر جانتا ہے' اس سارے نگار خانے میں انسان ایک ایسی عجیب مخلوق ہے کہ جب ذکر کرتا ہے' تو اس کے کمال اور اس کے حسن و خوبی تک چلا جاتا ہے' اور اگر نہیں کرتا' یا انکار کرتا ہے' یا چھوڑ دیتا ہے' تو بالکل ہی چھوڑ بیٹھتا ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان ذکر نہیں کرتا وہ تو باقی رہتا ہے وہ زندہ تو رہتا ہے لیکن میرے خیال میں یہ سوال بڑا عامیانہ سا ہے اور بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے کیا جاتا ہے ورنہ جو بھی انسان ذکر سے غافل ہو جاتا ہے اس کے اندر کا انسان مر جاتا ہے۔

جیسا کہ ایک عربی شاعر نے فرمایا۔ وَاَجْسَامُهُمْ قَبْلَ الْقُبُوْرِ قُبُوْرٌ
کسی انسان سے جب اللہ کا ذکر چھوٹ جاتا ہے یا کوئی انسان جو اللہ کا ذکر نہیں کر پاتا تو ایسے لوگوں کے وجود قبر میں جانے سے پہلے انسانیت کی قبر بن جاتے ہیں۔

درجات ذکر

ذکر کیا ہے؟ ذکر کا کم از کم درجہ ایمان ہے' اللہ پر ایمان لے آنا'

حضور ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنا ذکر کا ادنیٰ ترین درجہ ہے چونکہ ایمان دل کا فعل ہے اور جب دل اس کی تصدیق کرتا ہے تو ایمان نصیب ہوتا ہے' یہ ذکر کا ادنیٰ ترین درجہ ہے۔ ہر مومن ایک درجے میں ذاکر ہے' ہر وہ کام جو شریعت کے مطابق کیا جاتا ہے' فرض' واجب' سنت یا مستحب ذکر الٰہی ہے اور ہر وہ کام جس سے شریعت روک دے اور وہ رک جائے یہ ذکر الٰہی ہے' یہ عملی ذکر ہے پھر اس کے بعد تلاوت کرتا ہے' تسبیحات پڑھتا ہے' مناجات کرتا ہے' یہ ذکر لسانی اور زبانی ذکر ہے پھر اگر اللہ کریم کسی کو اس سے زیادہ کی توفیق دیتے ہیں یا زیادہ انعام فرماتے ہیں' تو اسے ذکر قلبی نصیب ہو جاتا ہے پھر اس میں جہاں تک اللہ چاہتا ہے' وہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے لیکن اگر کلی طور پر انسان کے وجود سے ذکر نفی ہو جائے' مثلاً" ذکر قلبی سے محروم ہو یا ذکر عملی سے محروم ہو یا پھر ذکر زبانی سے محردم ہو تو پھر ایمان ہی سے محروم ہو گیا اور اگر ایمان نصیب نہ ہوا تو اس صورت میں انسان انسان نہیں رہتا' اس کے اندر کا انسان مر جاتا ہے' جانور جیسا ہے ویسا ہی ہے۔

ذکر و فنا

انسان کے اندر کوئی خاص چیز ضرور ہے' زندگی کی یہ حرارت تو محض روح حیوانی سے ہے' جس طرح پرندے' درندے غرض ساری مخلوق اسی طرح کی ہے کہ جب ان سے ذکر چھوٹتا ہے' تو ان پر طبعی موت وارد ہو جاتی ہے' ان کی حیات مستعار ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح بے جان اجسام ہیں' ان کے وجود ہی وجود ہیں اگر ان سے ذکر میں غفلت ہو جاتی ہے تو ان کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن انسان صرف وجود کا نام نہیں ہے' انسان صرف جسم کا نام نہیں ہے نہ صرف ڈھانچہ ہے' بلکہ دنیا میں کام کرنے کے لئے جسم انسان کا ایک آلہ' ایک ہتھیار ہے' اس کے اندر ایک حقیقی انسان بستا ہے' حقیقی انسان تو وہی ہے' جس کے رخصت ہو جانے سے باپ بیٹے کو بھائی بھائی کو بیٹا باپ کو سپرد خاک کر دیتا ہے'

وہی وجود جسے لوگ بڑے ناز و نعم سے پالتے ہیں' اسی کو اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کر دیتے ہیں' اس لئے کہ وہ صرف وجود ہی رہ جاتا ہے' اس میں وہ چیز جس سے اس کی عزت تھی' عظمت تھی یا جس سے وہ محبت کے قابل تھا گویا وہ جس سے یہ تن مزین تھا تو جیسے وہ چیز نکل جائے تو پھر وجود کو ہم کسی قابل نہیں سمجھتے اور اسے زیر زمین دبا دینا ہی مناسب سمجھا جاتا ہے۔ وہ اصل انسان ہوتا ہے اور اگر انسان سے ذکر چھوٹ جائے تو اس کے اندر کا وہ انسان مرجاتا ہے' پھر وہ محض ایک ڈھانچہ رہ جاتا ہے' اپنی روح کی ایک چلتی پھرتی قبر ہوتی ہے یا ایک حیوان ہوتا ہے جو حیوانوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے' جیسا قرآن حکیم نے فرما دیا' اُولٰٓئِکَ کَالْاَ نْعَامِ چوپایوں کی طرح زندگی بسر کرنے والے لوگ ہیں' ایک روٹین میں ایک زندگی کے سرکل میں چلتے رہتے ہیں' کھاتے پیتے ہیں سوتے جاگتے ہیں' بچے پالتے ہیں اور مرجاتے ہیں' اس کے علاوہ ان کی زندگی کا کوئی فنکشن اور کوئی مقصد نہیں رہتا۔

اختیاری ذکر شرفِ انسانی ہے

اب انسان کی یہ حیات جو ہے' یا انسان کے جو ذکر اذکار ہیں' یہ عام روٹین کے تو نہیں ہیں' جانوروں کو' زمینوں کو' آسمانوں کو' پتھروں کو' پہاڑوں کو' دریاؤں کو جو ذکر تعلیم فرمایا گیا' جس پہ ان کی بقا کا مدار ہے' یہ ایک طبعی عمل کی طرح ان کے وجود کا حصہ ہے۔ جب اللہ کریم کسی کو فنا کرنا چاہتے ہیں تو اس سے ذکر روک لیتے ہیں لیکن اسے انسان کے وجود کا طبعی طور پر حصہ نہیں بنایا گیا' بلکہ انسان کو وہ شعور بخشا گیا' کہ یہ اسے سمجھ کر اپنی پسند سے اختیار کرے' پھر اس کے کمال تک کو پائے' اسے قرب الٰہی کا زینہ بنا کر اللہ کے حضور میں حاضر ہو اور براہ راست رب جلیل سے اپنا تعلق استوار کرے۔ یہ اتنا بڑا کام تھا کہ اگر اسے اللہ کریم ہر انسان کی طبیعت میں سمو دیتے تو انسان انسان نہ رہتا۔ اس کی زندگی فرشتے کی طرح ہو جاتی تو پھر جو شرف انسان بننے

میں تھا' جو کمال انسان کی تخلیق میں تھا' جو مقصد و مدعا انسانیت کی تخلیق میں تھا وہ تو پورا نہ ہوتا تو ایک اور طرح کے فرشتے بن جاتے' لہٰذا اللہ کریم نے اس کا انتخاب انسان پر چھوڑ دیا اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا۔

دونوں راستے اس کے سامنے کھول دیئے' اگر چاہے' تو شکر کرے' اگر وہ چاہے' تو ناشکری کر کے بھی دیکھ لے' ناشکری والا راستہ شیطان کی قسمت میں تھا وہ اس پر ہمیشہ کے لئے جم گیا' جب تک دنیا قائم ہے وہ اس پر بیٹھا ہے اور اپنا کام کر رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی ضرورت

جہاں تک اللہ کی یاد کا' ذکر کا' شکر کا تعلق تھا اس کے لئے اللہ نے انبیاء اور رسل کو مینار نور بنا کر بھیجا' وہ ایسے لوگ تھے جو درد دل کے سوداگر تھے' محبتوں کے بیوپاری تھے جو اللہ کا عشق' اللہ کا تعلق اور اللہ کی یاد' اللہ کا ذکر' لٹاتے تھے' تقسیم فرماتے تھے اور قاعدہ یہ رہا کہ جہاں انسانوں کا کوئی ایک طبقہ وجود میں آیا' ان کی ضروریات بڑھی' تو وہاں ایک نبی علیہ السلام مبعوث فرما دیا گیا' انبیاء علیہم السلام کی بعثت مخصوص قوموں کے لئے بھی مخصوص شہروں کے لئے بھی تھی اور مخصوص زمانوں کے لئے بھی تھی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلامؑ اللہ کے اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں اور ابو الانبیاء ہیں' لیکن اس کے باوجود ان کے اپنے زمانے میں بھی ان کی نبوت اور ان کی برکات کی ایک حد تھی' اس سے آگے حضرت لوط علیہ السلام کا دائرہ کار تھا' ان کی قوم تھی وہ بھی اس زمانے میں نبی تھے' ان کی نبوت اور برکات کی ایک حد تھی۔ آپ کو یاد ہو گا' قرآن حکیم میں ذکر ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب کچھ فرشتے آئے تو انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت دی تو ساتھ یہ بھی بتایا کہ ہم قوم لوطؑ کو غرق کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ تو اس کا واضح مفہوم ہوا کہ اس زمانے میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان

کی قوم بھی موجود تھی، ان کا اپنا علاقہ تھا، ایک حد سے جب آپ آگے بڑھتے ہیں تو آپ کے لئے حضرت لوط علیہ السلام کا اتباع ضروری ہو جاتا ہے اور اس سے دوسری طرف جاتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اتباع ضروری ہے تو اس طرح سے انبیاء علیہم السلام کے زمانے بھی، اقوام بھی اور علاقے بھی اپنے اپنے دائرہ کار کے اندر محدود تھیں پھر حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ کی بعثت کے بعد روئے زمین پر پیدا ہونے والے ہر انسان کے لئے آپ ﷺ ہی کی برکات کفایت کرتی ہیں۔

لہٰذا یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھا، قوم حضرت لوط علیہ السلام کا حصہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس تھا، قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھا، قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکات کا حصہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس تھا لیکن جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے تو یہ حصص کی تقسیم نہ رہی کہ کس کا حصہ ہے اور کس کا نہیں ہے یا کس حد تک برکات ہیں یا کس حد تک نہیں ہیں، کس زمانے تک ہیں اور کس زمانے تک نہیں ہیں بلکہ ساری کی ساری انسانیت میں سے جو بھی آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے، جو بھی آپ ﷺ پر ایمان لائے اپنا حصہ پا سکتا ہے۔

برکاتِ نبوت

اس طرح سے حضور اکرم ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی برکات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو پہنچیں اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے امیر و امام چونکہ خلفائے راشدین تھے تو یہی اصل منبع برکات تھے۔ وہ نبی کریم ﷺ سے براہ راست لیتے تھے اور جن وجودوں سے آگے جاتی تھیں وہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہ دو ہستیاں پوری امت میں ایسی تھیں کہ جن کے وجود جب

تک باقی رہے برکات نبوت ﷺ اس طرح سے باقی رہیں' بعینہ اس حال میں باقی رہیں' جس حال نبی کریم ﷺ دنیا میں تشریف رکھتے تھے تو باقی تھیں۔

اس کی باطنی صورت کو دیکھنے کے لئے تو دل کی آنکھ چاہئے لیکن اس کی ظاہری دلیل کو دیکھنے کے لئے صرف مطالعہ کی ضرورت ہے۔ آپ اگر تاریخ کو دیکھیں گے تو آپ کو یہ بات تاریخ میں موجود ملے گی کہ جس طرح سے اسلام میں شان و شوکت' قوت و سطوت' محبت و اخوت' اقتدار و دبدبہ اور اللہ کی طرف دعوت' لوگوں کے رجحان اور لوگوں کو برکات کے پہنچنے کا عالم عہد نبوی میں تھا عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں وہی رہا' عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں وہی رہا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد دو طرح سے ہے' ابتدائی عہد اسی جمال کا مظہر ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھا' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھا' فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھا' اور آپ کے اقتدار کے آخری چند سال جو ہیں' ان میں وہ قوت نہ رہی' وہ شان و شوکت نہ رہی' فتنے پیدا ہونے شروع ہو گئے' محبتوں کی جگہ نفرتوں اور امن کی جگہ خانہ جنگی نے دخل دینا شروع کر دیا' یعنی برکات کی وہ قوت' انوارات کی وہ تیزی اور کیفیات کی وہ حالت نہ رہی حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو عرصہ خلافت ہے' وہ خانہ جنگی کی نذر ہو گیا۔ یہ عرصہ خلافت راشدہ کا حصہ ہے اور اس کی اصل جو اہل اللہ بیان فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ عہد فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک کلی طور پر برکات نبوت ﷺ تھیں تو اس لئے شیخین کی خلافت کو منہاج علی النبوت کہا جاتا ہے' وہ نبوت ہی کے راستے پر تھیں تو اسی لئے عقائد اسلامی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پوری امت سے افضل ماننا عقائد اسلامی کی بنیاد ہے' اس کا انکار کفر ہے۔ شیخین رضی اللہ تعالیٰ کی فضیلت کا انکار ویسا ہی کفر ہے جیسا توحید و رسالت کا انکار کفر ہے اور یہ طے ہے کہ علماء میں فضیلتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ اسلامی عقیدے کی بنیاد ہے۔

برکاتِ نبوت اور ولایت کا فرق

سیدنا عثمان ؓ کے زمانے میں برکات تھیں' ان کی ابتدا برکاتِ نبوت ﷺ کی معراج کی طرح ہی ہیں اور آخر میں برکات ولایت آ جاتی ہے' ان میں وہ طاقت نہیں رہتی جو برکاتِ نبوت ﷺ میں تھی' وہ کیفیات مبدل بہ ولایت ہونا شروع ہو گئیں اور حضرت علی ؓ کا دور سارے کا سارا ولایت کا دور ہے اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ امت مرحومہ میں برکات کے جو سلسلے چلے ان کا حال بھی بالکل ویسا ہی ہے جیسا انسانیت میں نبوت کے دھارے بہتے نظر آتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام جس طرح مختلف افراد کو فیض یاب کرتے ہیں' مختلف زمانوں کو فیض یاب کرتے ہیں' مختلف قوموں کو فیض یاب کرتے ہیں' مختلف علاقوں کو فیض یاب کرتے ہیں' جہاں تک ان کا دائرہ کار ہے' اس سے باہر جو چلا جائے اس کے ساتھ وہ سروکار نہیں رکھتے' نہ ان کی اتباع کا وہ مکلف رہتا ہے نہ ان کی برکات حاصل کرتا ہے۔

حضرت علی ؓ سے سلاسل تصوف شروع ہونے کا سبب

اس طرح سے برکات جب سلاسل تصوف میں تقسیم ہوئیں' حضرت علیؓ تک تو ساری مل کر آئیں اس لئے آپ سے اوپر کوئی سلسلہ الگ نہیں ہوتا لیکن حضرت علی ؓ سے جب نیچے آتے ہیں تو ہر کوئی اپنا ایک الگ سلسلہ اپنا لیتا ہے یا اپنی ذکر کا ایک الگ رستہ بنا لیتا ہے اگرچہ یہ برکات وہی ہیں' فیوضات وہی ہیں' لیتا اسی مرکز سے ہے' لیکن اس کا اپنا ایک اسلوب ایک طریقہ' ایک حد بن جاتی ہے۔

لیکن جس طرح پوری تاریخ انسانیت میں آقائے نامدار ﷺ کی بعثت لامحدود ہے' انسانیت کا ہر فرد جو بھی آپ ﷺ پر ایمان لائے' آپ ﷺ سے تعلق قائم کرے وہ آپ ﷺ سے مستفید ہو سکتا ہے۔ واحد یہ رسالت ہے' جس میں یہ بات نہیں ہے' کہ فلاں کا حصہ ہے' اور فلاں کا نہیں ہے' ساری انسانیت

کا حصہ بیک وقت وہاں موجود ہے۔ اگر کسی کو نہیں ملتا تو وہ یا نہ پانے والے کی اپنی نالائقی یا اس کی اپنی کمزوری یا اس کی اپنی بدنصیبی ہے' اگر وہ وہاں تک پہنچتا ہے تو اسے حصہ پانے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ تمہارا حصہ یہاں نہیں ہے۔

نسبتِ اویسیہ کا منبع

اسی طرح سے تمام سلاسل تصوف میں اور تمام نسبتوں میں نسبت اویسیہ جو ہے۔ وہ براہ راست نبی کریم ﷺ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان مشائخ کو نصیب ہوتی ہے جو نسبت اویسیہ سے متعلق ہیں اور یہ واحد نسبت ہے جس میں یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں کا حصہ ہمارے پاس ہے اور فلاں کا نہیں ہے کہ جو آئے ہم دل کشادہ رکھتے ہیں۔ اس نسبت میں وہی محروم رہے گا جو ان تک پہنچے گا نہیں' وہ اللہ کی اپنی قسمت' لیکن جو فرد بشر بھی پہنچے گا اسے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تمہارا حصہ ہمارے پاس نہیں۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام میں ان کی نبوت میں کوئی کمی نہیں' ان کی شان میں کوئی کمی نہیں' ان کی صداقت میں کوئی کمی نہیں' لیکن ان کی برکات کو رب کریم نے افراد پر محدود کر دیا ہے' زمانوں پر محدود کر دیا ہے' قوموں پر محدود کر دیا ہے اور اس سے ان پر کوئی طعن نہیں آتا' ان کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا' اللہ کریم کی اپنی مرضی' ان میں کسی کی نبوت کا انکار کیا جائے' کسی کی توہین کی جائے' کسی کی بے ادبی کی جائے' تو آدمی کافر ہو جائے لیکن یہ اللہ کی تقسیم ہے کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام کو زمانے مخصوص کر دیئے' افراد مخصوص کر دیئے' بعض کے علاقے مخصوص کر دیئے' لیکن جب آقائے نامدار ﷺ مبعوث ہوئے تو نہ کوئی علاقہ مخصوص رہا' نہ کوئی زمانہ مخصوص رہا' نہ کوئی قوم مخصوص رہی' نہ کوئی فرد مخصوص رہا بلکہ پوری انسانیت کو قیامت تک کے لئے اذن عام دے دیا

گیا' جو بھی آئے' وہ جتنا اٹھا سکتا ہے' اتنا سمیٹ کے یہاں سے لے جائے۔ اب یہ اس کی ہمت ہے کہ وہ کتنا لیتا ہے' کس مقام تک پہنچتا ہے' کتنی محنت کرتا ہے' اس کی کتنی طلب ہے' کتنا مجاہدہ کرتا ہے' اور کیا کچھ لے جاتا ہے اسی لئے آپ نے بڑا سیدھا فرما دیا کہ۔

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰہُ یُعْطِیْ

میرا منصب بانٹنا ہے اور یہ خزانہ اللہ کا ہے' دیتا وہ ہے' اس لئے اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی کہ کوئی کتنا لے کر جا رہا ہے۔

سلاسل برحق ہیں

اس طرح سے تمام سلاسل تصوف برحق ہیں۔ جو تصوف کے نام پر بدعات ہیں یا خرافات ہیں یا رسومات ہیں' میں ان کی بات نہیں کر رہا' میں بات ان کی کر رہا ہوں جو واقعی سلاسل تصوف ہیں اور جن میں کیفیات ہیں۔ ہمارے ہاں اگر چار سلاسل کی شہرت ہے تو یہ صرف چار نہیں بلکہ یہ چار ہزار بھی ہو سکتے ہیں' اس سے زیادہ اور کم بھی ہو سکتے ہیں' کتنے سلاسل بنے' اور پھر وہ معدوم ہو گئے' کتنے تاریخ میں ملتے ہیں' کتنے ایسے ہیں' جن کا تذکرہ تاریخ میں نہیں ملتا' اللہ ہی ان کی تعداد بہتر جانے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی تعداد لاکھوں میں تھی اور ہر صحابی ؓ صاحب سلسلہ ہو سکتا ہے' ان کی اپنی ایک عظمت ہے' ان کے پاس برکات کا اتنا خزانہ ہے کہ ہر صحابی ؓ سے ایک سلسلہ جاری ہو سکتا ہے اور یہ لاکھوں میں بھی ہو سکتے ہیں۔

کمالاتِ نبوت کی تقسیم

لیکن ایک بات ہے۔ جس طرح آپ ﷺ کے بعد کمالات ظاہری تقسیم ہو گئے' آپ ﷺ کے وجود عالی کو دیکھیں' آپ ﷺ کے وجود عالی میں ساری صفات جمع تھیں' مفسر بھی خود تھے' جرنیل بھی خود تھے' حکمران بھی خود تھے اور

قاضی و مفتی بھی آپ ہی ﷺ تھے، مدرس بھی آپ ﷺ تھے، نکاح خوان بھی آپ ہی ﷺ تھے، کسی کا جنازہ ہوتا، تو جنازہ کے امام بھی آپ ﷺ تھے یعنی چھوٹے کام سے لے کر بڑے کام تک۔ قرآن کی تفسیر ہے، اللہ سے بات کرنا ہے، وحی کی بات ہے، یا چھوٹے چھوٹے معاملات ہیں، میاں بیوی کے جھگڑے ہیں، ان سب میں آپ ﷺ ہی کی ایک ہستی کار فرما نظر آتی ہے لیکن جب آپ ﷺ کے بعد بات چلتی ہے تو یہ اوصاف تقسیم ہو جاتے ہیں، کہیں صداقت ہے، تو دوسری طرف عدالت ہے، کہیں حیا اور سخاوت ہے کہیں علم اور حلم، جرأت و بہادری ہے، ایک طرف آدمی مفسر بنتا ہے، تو دوسرا فقیہ کہلاتا ہے، ایک محدث بنتا ہے، تو دوسرا صوفی اور زاہد بن جاتا ہے، تو یہ اوصاف یا کمالات تقسیم ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسا جامع فرد بعد از نبی علیہ السلام اگر کوئی نظر آتا ہے تو پوری امت میں صرف ایک ہستی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہیں۔ یہ یاد رکھیئے کہ نبیوں پر کبھی سُکر نہیں آتا، بے ہوشی نہیں آتی، ایسا سُکر نہیں ہوتا ہے جیسے کہ صوفی بے ہوش ہو جاتے ہیں، پاگل ہو جاتے ہیں، غلط اور صحیح کی تمیز نہیں رہتی، جو منہ میں آتا ہے کہتے رہتے ہیں یا بعض بالکل پاگل ہو جاتے ہیں، کھانے پینے کا ہوش نہیں رہتا یا لباس کا ہوش نہیں رہتا اور کچھ تو پیدائشی پاگل ہوتے ہیں۔

مجذوبِ حقیقی

مجذوب یا جس پر سُکر وارد ہوتا ہے وہ شخص ہوتا ہے جو اپنی زندگی میں ان برکات کو حاصل کر رہا ہوتا ہے اور حاصل کرتے کرتے قوتِ برداشت جواب دے جاتی ہے، وہ پھر پاگلوں میں شامل ہو جاتا ہے لیکن یہ سُکر یا یہ جذب یا پاگل پن آپ کہہ لیں نہ کمال نہیں، یہ نقص کی دلیل ہے، کمزوری کی دلیل ہے، قوت برداشت کی کمی کی دلیل ہے۔ جب وہ اس حال کو پہنچتا ہے کہ اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکتا تو کسی دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی بھی اس میں اہلیت نہیں رہتی ہے، نہ شعور رہتا ہے، جب وہ اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکتا، کسی

دوسرے کو کیا سنبھالے گا۔ اس لئے پہلی بات تو یہ ہے' کہ اکثر مجذوب مجذوب نہیں ہوتے' پیدائشی پاگل ہوتے ہیں' اور اگر کوئی مجذوب بھی ہو' تو وہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی استعداد نہیں رکھتا۔ اس لئے آپ نے دیکھا ہو گا کہ کسی سلسلے میں کوئی مجذوب شیخ سلسلہ نہیں ہے یہ اس لئے کہ مجازیب سے سلسلہ چلتا ہی نہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے' کہ قرب قیامت میں مجذوبوں کو اللہ مناصب دے دے گا' مثلاً" اقطاب کے مناصب یا غوث کا منصب مجذوبوں کو دے دے گا' جس کے نتیجے میں وہ تباہی آئے گی' کہ قیامت بپا ہو جائے گی' یعنی وہ سنبھال ہی نہیں سکیں گے' انتظام کائنات کو یا اہتمام کائنات کو وہ سمجھ ہی نہیں سکیں گے۔

عظمت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

تو نبیوں علیہم السلام پر سُکر نہیں آتا' نبی علیہ السلام کبھی بے ہوش نہیں ہوتا' یہ کمال نبوت ہوتا ہے' کہ کوئی بھی نبی علیہ السلام سُکر کی بات نہیں کرتا لیکن پوری اُمت میں کوئی ایسا فرد نہیں ہے جس پر کوئی نہ کوئی لمحہ سُکر کا نہ آیا ہو' حتیٰ کے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مضبوط انسان پر بھی سُکر کا ایک لمحہ وارد ہو گیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو انہوں نے تلوار میان سے نکالی اور فرمایا جس نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں' میں اس کا سر قلم کر دوں گا' تم بکواس کرتے ہو' ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ہوش کی بات نہیں تھی' یہ سُکر کی بات تھی' پوری امت میں صرف ایک ہستی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسے تھے' جنہوں نے بات سن کر دوسروں کو بھی سنبھالا اور انہیں سمجھایا کہ اللہ باقی ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جا چکے' اس لئے جو اللہ کی عبادت کرتا ہے' اسے فکر کرنے کی ضرورت نہیں' اور جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو چکے۔ تو یہ واحد ہستی ہے' جو جمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل آئینہ

ہے' آپ ﷺ کے بعد بلند سے بلند ترین ہستیوں میں بھی رخ انور کا یا جمال نبوی ﷺ کا ایک پہلو ہے' دوسرا دوسرے آئینے میں ہے' تیسرا تیسرے آئینے میں ہے۔ جمال اقدس کے لاکھوں کروڑوں رنگ ہیں' اور ہر ایک کے پاس ایک رنگ ہے لیکن تمام طرح کے جہتوں کو اگر محیط ہے' تو وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وجود عالی ہے اس لئے قرآن حکیم میں معیت ذاتی جس طرح انبیاء میں نبی کریم ﷺ کو نصیب ہے' اس طرح ذاتی معیت غیر انبیاء میں پوری کائنات پوری انسانیت میں پوری اولاد آدم میں صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہے۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا

اس میں صرف دو ہستیاں ہیں' انبیاء میں ایک حضور نبی کریم ﷺ کی ہستی اور غیر نبیوں میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہستی ہے۔

سلسلہ اویسیہ کی عالمگیریت

تو نسبت اویسیہ کا سوتا براہ راست ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پھوٹتا ہے' اور اس میں وہ قوت ہے' کہ روئے زمین کا جو انسان شامل ہونا چاہے اور برکات حاصل کرنا چاہئے' جو بھی اس کو اپنا لے' اسی کا حصہ اس میں موجود ہے' باقی سارے سلاسل میں کچھ لوگوں کا حصہ الگ سلسلے میں ہے' کچھ لوگوں کا دوسرے میں اور کچھ لوگوں کا تیسرے میں ہے۔

اویسیت کی سلبی قوت

دوسرے سلاسل میں ایک بات اور بھی چلتی ہے۔ کچھ لوگوں نے محض رواج بنا رکھی ہے لیکن یہ حقیقت بھی ہوتی ہے' کہ بعض منازل بالا کے حامل ولی اللہ اپنے سے کم تر درجے والے پر اپنی قوت القاکر کے سلب کرنا چاہئیں تو اس کی کیفیات کو اس کے انوارات کو سلب کر لیتے ہیں اور باقی سلاسل میں اسی طرح ہوتا رہتا ہے' لیکن

روئے زمین کا کوئی سلسلہ نسبت اویسیہ کو سلب نہیں کر سکتا اس لئے کہ سارے اس سے نیچے ہیں' اس سے کمزور ہیں' اور سب کی قوتیں اسی کا عشر عشیر بھی نہیں بنتیں چونکہ سب کے پاس قوت کا ایک ایک پہلو ہے اور یہ سارے کمالات نبوت کا جامع ہے اس کے شیخ اگر چاہیں تو روئے زمین کے سلاسل کو سلب کر سکتے ہیں لیکن روئے زمین کا کوئی صوفی اس کے کسی متبدی کی کیفیات کو بھی سلب نہیں کر سکتا اگر ایک آدمی کو ہم ایک لطیفہ قلب کروا دیتے ہیں دنیا کے کسی بڑے سے بڑے صوفی کو کہو اس کے انوار سلب کر کے دکھائے' نہیں کر سکتا' وہ ان کو احاطہ ہی نہیں کر سکتا' انہیں پکڑ ہی نہیں سکتا' اس کی گرفت سے' اس کی لپیٹ سے' اس کی وسعت سے' وہ باہر ہوتے ہیں اور خود جو مشائخ اس سلسلہ کے ہیں ان کا دستور یہ ہے کہ وہ سلب نہیں کیا کرتے' وہ دیتے رہتے ہیں' سلب نہیں کرتے الا ماشاء اللہ۔ کبھی کوئی ایسا ہوا کہ کوئی شخص بھٹک جائے اور دوسروں کی گمراہی کا اندیشہ ہو تو پھر یہ لوگ سلب کرتے ہیں لیکن اگر اپنی ذات میں بھٹکتا ہے' تو پھر یہ چھوڑ بھی دیتے ہیں کہ جب یہ گمراہ ہو گا تو یہ خود از خود اس سے چلی جائے گی۔ اللہ کریم اس سے واپس لے لیں گے' مشائخ سلب نہیں فرماتے' لیکن کوئی شخص اگر گمراہ ہو کر دوسرے انسانوں کی گمراہی کا سبب بننے لگے تو پھر یہ لوگ سلب کر لیتے ہیں۔

سلب اویسیت کی شدت کا سبب

ان کا سلب اتنا شدید ہوتا ہے کہ جب یہ سلب کرتے ہیں تو پھر صرف کیفیات نہیں جاتیں' وجود کے ذرے ذرے سے ایمانیات بھی چلے جاتے ہیں اور جس شخص سے بھی مشائخ اویسیہ نے اپنی نسبت سلب کی ہے وہ مسلمان بھی نہیں رہ سکتا۔ پھر یہ اتنی شدت سے اس چیز کو سمیٹتے ہیں اور یہ اس طرح انگ انگ میں رچی بسی ہوئی ہوتی ہے کہ جب یہ کیفیت چلی جاتی ہے تو اس کے ساتھ سارے ایمانیات اور عقائد بھی چلے جاتے ہیں۔ پھر آدمی بالکل ہی خالی رہ

جاتا ہے اور ایسے لوگ ایک آدھ سہی ہم نے بھی دیکھے ہیں جن سے یہ چیز سلب ہوئی۔ کبھی کسی زمانے میں ایسے تھے کہ وہ جمال باری کو دیکھے بغیر سجدہ نہیں کرتے تھے اور پھر ان کا یہ حال بھی دیکھا کہ وہ وجود باری کا انکار کیا کرتے تھے کہ اللہ ہے ہی نہیں۔ اس کی بنیاد اس بات پر ہے جیسے نبی کریم ﷺ کو کافر ایذا دیتے تو آپ ﷺ دعا فرماتے تھے لیکن آپ نے دیکھا ہوگا کہ پوری حیات نبوی ﷺ میں جس شخص نے دوسرے لوگوں کے عقائد پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی اس تنہا فرد کو قتل کرنے کے لئے حضور ﷺ نے خدام کو مقرر فرمایا' طعنے دیتے ہیں ایذا پہنچاتے ہیں' اس کے لئے تو دعا کے ہاتھ اٹھاتا ہے' اور ایک کافر دور دراز اپنے گھر بیٹھا ہوا ہے' آپ سے بالمشافہ اس کی بات نہیں ہوتی' ملاقات نہیں ہوئی اس کو قتل کرنے کے لئے حضور ﷺ خدام کو مقرر فرماتے ہیں کہ اسے قتل کر دو۔ یہ فاصلہ کیوں ہے؟ فاصلہ یہ ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کو ایذا دے رہا تھا اور وہ دوسرا شخص اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنے پر لگا ہوا تھا جس کے قتل کا حکم حضور ﷺ نے صادر فرما دیا' ذاتی ایذا برداشت فرمائی لیکن بندوں کو جہنم میں جانے کا فعل اور بندوں کو گمراہ کرنے کا فعل رسول اللہ ﷺ نے برداشت نہیں فرمایا۔ یہی قانون اس سلسلہ عالیہ میں جاری ہے۔ اگر کوئی شخص ذاتی طور پر گنہگار بھی ہو جاتا ہے' خطاکار بھی ہو جاتا ہے' ذکر اذکار چھوڑ بھی دیتا ہے تو مشائخ سلب نہیں فرماتے' اس کی اپنی کوتاہی یا سستی کی وجہ سے ازخود وہ برکات اس سے ختم ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور اگر خود برکات چلی بھی جائیں تو کم از کم ایمان بچ جاتا ہے' ان کا اثر ضرور رہتا ہے کہ کفر پہ نہیں مرتا' گنہگار بھی ہو جائے تو اس کے رگ و پے سے اسلام نہیں نکلتا لیکن اگر کوئی شخص ذاتی خطاؤں سے بڑھ کر دوسروں انسانوں کے عقائد سے کھیلنے لگے' انہیں گمراہ کرنے کا سبب بنے' تو پھر یہ لوگ سلب کر لیتے ہیں۔ اگر یہ سلب کرتے ہیں' تو پھر جس طرح نیام سے تلوار کھینچ لی جاتی ہے اور نرا کھوکھا سا رہ جاتا ہے اس طرح انسان کا وجود ایک کھوکھا سا رہ جاتا ہے' اس میں کچھ نہیں بچتا

کیونکہ یہ اتنی مضبوط اور اتنی قوی نسبت ہے کہ پھر یہ باقی کچھ نہیں چھوڑتی۔

یہ چند باتیں میں نے اس لئے کہیں ہیں کہ یہ موضوع بہت کم چلتا ہے حالانکہ یہ سب سے زیادہ ضروری ہے کہ کل ایک ساتھی مجھ سے یہ پوچھ رہے تھے کہ ہم پہلے کسی اور سلسلے میں بیعت تھے' پھر ہم نے وہاں بدعات پائیں اور خلاف شریعت امور کو دیکھا تو چھوڑ دیا' اب اس سلسلہ میں اللہ اللہ کرتے ہیں' وہ ہمیں کہتے ہیں کہ وہاں سے تمہیں فیض نہیں مل سکتا۔ بھلا کوئی بات ہے کرنے کی' اب اگر ندی نالے سمندر کی طغیانیوں کو روکنے لگیں تو ان کے بس کی بات ہے۔ سمندر سے جو ٹکرائے گا مٹ جائے گا' سمندر کو تو نہیں مٹا سکے گا' ندی ہو یا نالہ' دریا ہو یا طوفان' اس کا وجود تب تک ہے جب تک وہ سمندر سے خارج ہے' سمندر کے ساتھ کوئی بڑے سے بڑا سیلاب بھی ملے گا تو سمندر باقی رہے گا وہ باقی نہیں رہے گا۔ تو یہ نسبت اویسیہ امت محمدیہ میں برکات نبوت ﷺ کا سمندر ہے' کسی بھی سلسلے میں سوائے خلیفہ مجاز اور صاحب مجاز کے کسی دوسرے کو کہو کہ وہ کسی ایک آدمی کو ایک قلب کرا دے اور وہ جو خلیفہ مجاز ہو گا وہ بھی ایک قلب کروانے کے لئے سالوں لگائے گا۔ اس سلسلہ عالی میں جو آج یہاں سے لطائف سیکھ کر جاتا ہے اسے جا کر کہو' سارے گھر والوں کو بٹھا کر ذکر کرائے' سب کے لطائف جاری ہو جائیں گے' نہ وہ صاحب مجاز ہے' نہ اسے کوئی منصب ملا ہے' نہ اس کے پاس کوئی مقامات ہیں۔ ایک دن' دو دن یا ایک رات رہا اور اس نے توجہ لی' اپنے لطائف پر ذکر کرتا ہوا چلا گیا' اسے کہو جا کر ہزار آدمیوں کو بٹھا کر توجہ دے' ہزار آدمیوں کے لطائف جاری ہو جائیں گے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاں بدعات و خرافات ہیں وہاں تو برکات ہیں ہی نہیں' وہاں سلسلہ ہے کہاں' لیکن اگر کسی کے پاس واقعی کسی سلسلے کی نسبت بھی ہو اور وہ یہ چاہے کہ اس سلسلے کے کسی ادنیٰ ساتھی کی کیفیات یا انوارات سلب کرنا چاہے تو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے وہ اپنے چھوڑ کے چلا جائے گا۔

چونکہ کوئی ندی نالہ' کوئی دریا' کوئی سیلاب کوئی طوفان' سمندر کو ہڑپ نہیں کر سکتا' وہ سمندر سے ٹکرا کر خود اس میں ضم ہو جاتا ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ کسی دوسرے سلسلے کا اگر صوفی ذاکر بھی ہو' اس کے پاس کیفیات بھی ہوں' وہ ملنا چاہے' تو اسے ضرورت پڑتی ہے' کہ وہ پہلے بتائے کہ میں فلاں سلسلے کا آدمی ہوں' اور میں ذکر کرتا ہوں' میرے پاس کیفیات ہیں' تو ہم خاص طور پر یہ اہتمام کرتے ہیں' کہ اس کی کیفیات سلب نہ ہو جائیں۔ اگر بغیر بتائے آ کر پاس بیٹھ جائے' جب اٹھے گا تو خالی ہو گا' اور یہ بارہا ہوا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ہم سلب کرتے ہیں' بلکہ وہ ازخود اس طوفان میں بہہ جاتی ہیں۔ ہمیں خبر بھی نہیں ہوتی تو اس طرح کا اندیشہ درست نہیں ہے۔ یہ واحد نسبت ہے' جو جس طرح انبیاء علیہ السلام کی برکات تقسیم ہوئیں اسی طرح سے برکات ولایت کی تقسیم بھی ہوئیں۔ باقی تمام سلاسل بھی حضور اکرم ﷺ کی نبوت کے مظہر ہیں۔ اس میں میرا کمال نہیں ہے یا کسی دوسرے کا کمال نہیں ہے۔ یہ تقسیم ہی اللہ کی ایسی ہے اور یہ شعبہ ہی ایسا ہے کہ جس طرح سارے نبی علیہم السلام برحق تھے اسی طرح سارے سلاسل برحق ہیں' ان کی برکات برحق ہیں لیکن ان کی اپنی حدود ہیں' افراد کے لئے' زمانے کے لئے' جگہوں کے لئے اور یہ ابر کرم کا ایک سیل بلا ہے جس کی حدیں مقرر نہیں ہیں' نہ زمانے میں' نہ افراد میں' نہ علاقوں میں' نہ اوقات میں بلکہ جسے اللہ توفیق دے۔ جو بھی آئے وہ یہاں سے لے کر جا سکتا ہے۔ یہاں کوئی یہ بات نہیں ہے کہ فلاں کا حصہ ہے' فلاں کا نہیں ہے۔ ساری انسانیت کا حصہ موجود ہے' اسے لینا' اسے پانا' اسے حاصل کرنا' اسے نبھانا' اللہ کی توفیق سے ہر ایک کے اپنے ذمے ہے۔

لہٰذا کسی بھی ساتھی کو اس خطرے کو محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جو وہ حاصل کرتا ہے یا جو کیفیت حاصل کرتا ہے دوسرے کسی سلسلے کا کوئی بڑے سے بڑا آدمی اس میں سے ایک رتی بھی اسے چھین سکے گا یا کسی برکت کو اس سے روک سکے گا یا کوئی رکاوٹ ڈال سکے گا۔ یہ ممکن نہیں' اصولاً" یہ

ممکن ہی نہیں ہے اور جو صوفی اہل اللہ واقعی صاحب حال ہوتے ہیں وہ کسی کا حال سلب کرنے کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جو بہت زیادہ طاقتور ہو' کمزور اس کے پاس بیٹھے' تو ازخود اس کا وہ رنگ چلا جاتا ہے' سلب ہو جاتا ہے۔ لیکن نسبت اویسیہ میں یہ ہوتا ہے کہ باقی ساری سلاسل کی نسبتیں نالے دریا ہیں وہ سمندر کو اپنے میں سمو نہیں سکتے۔ اللہ کریم جس نے اپنے احسان سے اس نسبت سے تعلق قائم فرمایا وہ اپنے احسان و کرم سے ہی اس کو قائم رکھے۔

☆ ☆ ☆

نسبت اویسیہ کا کمال

لطائف کیا ہیں؟

انسان کا اہم حصہ اس کی روح ہے اور جس طرح بے شمار نعمتیں بدن کی تعمیر اور اصلاح کے لئے ہیں' اسی طرح روح کی تعمیر' اصلاح' غذا اور دوا کے لئے بھی ایک عالم ہے۔ انسان دراصل عناصر اربعہ سے نہیں' بلکہ اس میں خمسہ عناصر عالم امر سے بھی موجود ہیں۔ جس طرح بدن میں حواس ایک مقام رکھتی ہیں' اسی طرح عالم امر کے یہ عناصر روح کی محسوسات کا اور روح کو غذا پہنچانے کا بھی سبب ہیں جنہیں اصطلاح میں لطائف کہا جاتا ہے۔ چونکہ روح خود ایک جسم لطیف ہے اس کے یہ اعضائے رئیسہ روح سے بھی لطیف تر ہیں۔ جس طرح بدن کے اعضائے رئیسہ دل' دماغ' گردے' پھیپھڑے اور جگر میں اسی طرح روح کے بھی اعضائے رئیسہ ہیں۔ اب بدن کو جو غذا پہنچتی ہے اس کا اہم عنصر تو مٹی ہے لیکن اس کے ساتھ مختلف چیزیں پانی سے' ہوا سے اس میں شامل ہو کر اسے مختلف صورتیں دیتی ہیں اور یہ رب العلمین کا ایک نظام ہے کہ مختلف غذاؤں کی شکل میں رزق کہیں انسان کے بدن کی تعمیر کے لئے' کہیں اصلاح کے لئے' کہیں غذا اور دوا کی صورت میں پہنچتا ہے۔

اسی طرح روح کی جب تعمیر ہوتی ہے' اسے عالم امر کی تجلیات نصیب ہوتی ہیں تو ان کا سبب اور منبع الوالعزام رسولؑ بنتے ہیں۔ تمام انبیاءؑ میں تین سو تیرہ رسول ہیں' رسول وہ نبی ہیں' جو صاحب کتاب بھی ہیں اور اپنی

شریعت بھی لائے۔ باقی انبیاء علیہم السلام انہی کی شریعت کی تائید کے لئے تشریف لائے۔ ان تین سو تیرہ میں پانچ رسول الوالعزام ہیں۔ حضرت آدم (جد امجد) حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام۔ اور پھر یہ پانچوں ہستیاں آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ (جو الوالعزم رسولوں کے سردار ہیں) سے اکتساب فیض کرتی ہیں جس طرح مٹی میں جسم انسانی کی ساری ضرورتوں کو پورا کرنے کے اجزا رکھے گئے ہیں اسی طرح روح انسانی کی ساری ضرورتوں کو پورا کرنے کے اجزا اس لطیفہ اخفی میں رکھے گئے ہیں۔ تو انسانی روح کا یہ حصہ' خمسہ یا پانچواں لطیفہ روح کے لئے حسیات کی مانند یا روح کے لئے اعضائے رئیسہ کی مانند ہے ان لطائف کا انسان کے سینے میں مختلف جگہوں پر تعین فرمایا گیا ہے اور یہ لطائف متذکرہ انبیاء کرام علیہم السلام سے درجہ بدرجہ اکتساب فیض کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ملتا ہے کہ کسی صحابیؓ نے باوجود صحابیؓ ہونے کے حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں کچھ قلبی یا روحانی پریشانی کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیر دیا جس کا منشا ہی یہی تھا کہ براہ راست ان لطائف کو حضور ﷺ کے مس کرنے سے جلا مل جائے اور وہ کمی دور ہو جائے۔

لطائف و انوارات

یہ پانچوں لطائف انسان کے سینے میں ہیں' جب ان پر ذکر کیا جاتا ہے تو یہ ان الوالعزام ہستیوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ پہلے لطیفے پر آسمان اول سے حضرت آدم علیہ السلام کی وساطت سے انوارات آتے ہیں جن کا رنگ اگر قلب کی آنکھ کھل جائے تو زرد نظر آتا ہے۔ زرد رنگ کی روشنی آسمانوں سے آکر اس میں سماتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اسی طرح دوسرے لطیفے پر جسے روح کہا جاتا ہے اس پر دو رسول حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم

علیہ السلام معین ہیں جن کی برکات آسمان دوم سے آتی ہیں جس میں سرخی مائل سنہری رنگ کے انوارات ہوتے ہیں' روشنیاں ہوتی ہیں' جو منعکس ہو کر اسی میں سرائیت کرتی جاتی ہیں۔ تیسرے لطیفے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انوارات آسمان سوم سے آتے ہیں جو بالکل روشن اور سفید ہوتے ہیں۔ چوتھے لطیفے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکات آسمان چہارم سے آتی ہیں' گہرے نیلے رنگ کے انوارات ہوتے ہیں' کبھی کبھی اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ سیاہی کا دھواں سا نظر آتا ہے۔ پانچواں لطیفہ جو ان چاروں کے درمیان ہے' اس پر براہ راست نبی کریم ﷺ کے انوارات آسمان پنجم سے آتے ہیں' ان کا رنگ گنبد خضراء کے رنگ کی طرح سبز ہوتا ہے۔ چھٹے اور ساتویں لطیفے پر جو ذکر کیا جاتا ہے اس پر براہ راست تجلیات باری ہوتی ہیں جو بجلی کی طرح چمک کر غائب ہو جاتی ہیں' جن کے رنگ' کیفیت یا کمیت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا جیسے روشنی کے چھپاکے ہوتے ہیں اور جس کی وجہ سے ہم اس کا کوئی رنگ متعین نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ان کا رنگ متعین نہیں ہوتا۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب ساتوں لطائف روشن ہو جائیں تو وجود کا ذرہ ذرہ ذاکر ہو جاتا ہے۔ جس طرح ارشاد خداوندی ہے۔ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ۔ اور یہی برکات نبوت کا کمال تھا۔

یہ تو ابتداء ہے' بنیاد ہے' الف ب ج ہے۔ وہاں بیک نگاہ انتہا تک کے کمالات حاصل ہو گئے۔ اس کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ذکر اذکار ضرور کرتے تھے۔ اگرچہ انہیں سب کچھ بیک نگاہ مل جاتا تھا کیونکہ ذکر کرنے کا حکم نہ صرف عام مسلمانوں کو ہے' نہ صرف اہل اللہ کو ہے' نہ صرف صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ہے' بلکہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو ذکر کی تاکید فرمائی گئی' جس کا حکم قرآن حکیم میں موجود ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کو باوجود علومرتبت اور عظمت و شان کے' ذکر اسم ذات کی تلقین فرمائی گئی' اس کی وجہ یہ ہے کہ قرب الٰہی کی منازل کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

مقامات سلوک

بعض کتابوں میں ہمیں جو مل جاتا ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں جگہ سے فیوضات حاصل کئے اور سلوک تمام کر دیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ اس کی وسعت سے واقف نہیں ہوتے۔ یہ تمام ہونے والا راستہ ہی نہیں۔ یہ ایک ایسی راہ ہے جو ابدالآباد چلتی رہے گی اور کبھی ختم نہ ہو گی۔ حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ کے درجات ہر آنے والی ساعت میں پہلے سے بلند ہوں گے یعنی قرب الٰہی کی کوئی انتہا نہیں ہے' کوئی ایسا مقام نہیں آتا' کہ جہاں آدمی پہنچے اور آگے رب جلیل بیٹھے ہوں' تشریف فرما ہوں' اس سے آگے کوئی بات نہ ہو نہیں' اگر کروڑوں زندگیاں بھی نصیب ہوں اور انسان کروڑوں گنا تیزی سے سفر بھی کرتا رہے' سفر ہی کرتا رہے گا اور ان ہی وسعتوں میں چلتا ہی رہے گا۔ جیسا کہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کو آپ دیکھیں کہ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ قرب الٰہی میں زیادتی کرتا رہتا تھا۔ وصال کے بعد ہر آن آپ ﷺ کو ترقی نصیب ہوتی رہتی ہے۔ یہ اربوں انسان جو روئے زمین پہ سجدے کرتے ہیں' کائنات کا چپہ چپہ انہی کی عطا کردہ ہدایت سے منور ہے' انہی کے وسیلے سے یہ جہاں قائم ہے' تو یہ ساری مختلف النوع نیکیاں جو اللہ کی مخلوق کرتی ہے۔ ان سب کا اتنا ہی ثواب حضور اکرم ﷺ کو پہنچتا ہے جو ان کے تعلیم فرمانے والے تھے۔ ان سب ترقیوں کے باوجود حضور ﷺ خود فرماتے ہیں کہ روز حشر میں جب سب طرف سے لوگ مایوس ہو کر میری خدمت میں حاضر ہوں گے اور یہ چاہیں گے کہ آپ ﷺ یہ دعا کر دیجئے کہ حساب شروع ہو جائے' عرصہ محشر ختم ہو' جسے بخشش ملے ملے' جسے نہ ملے نہ ملے' اب تو عرصہ محشر کی شدت تو سارے برداشت کر رہے ہیں۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے کچھ ایسے کلمات تعلیم فرمائے جائیں گے جو اس سے پہلے میں نہیں جانتا تھا۔ یعنی عرصہ محشر میں بھی حضور ﷺ کی ترقی بدستور ہو رہی ہو گی۔ اس میں کمی کا پہلو نہیں ہے' بلکہ اس میں

اشارہ یہ ہے کہ اِس وقت بھی حالات یا آپ ﷺ کے مقامات پہلے سے بلند تر ہو رہے ہیں۔ جنت میں تو ہر جنتی کو ہر آن ترقی نصیب ہوتی رہے گی' حتیٰ کہ جنت کی غذاؤں کا بھی یہ حال ہے کہ آپ ایک پھل سے ایک لقمہ کھالیں گے' تو اسی پھل کا دوسرا لقمہ پہلے سے لذیذ ہو گا یعنی اس میں ہر آن ہر چیز میں ترقی ہوتی رہے گی اور یہ ترقی کبھی ختم نہیں ہو گی۔

یہی حال اس راہ سلوک کا ہے کہ سلوک ختم نہیں ہوتا' یہ وسیع ترین شے ہے اور اللہ جس قدر چاہے جس کو جہاں لے جائے۔ اب اگر کسی کو مدرس اور کوئی مکتب نہیں مل سکا' وہ صرف پرائمری تک یا چار جماعتوں تک پڑھ سکا ہے۔اس کے علم میں کوئی مدرسہ یا مدرس ہی نہیں آیا تو وہ اگر کہہ دے کہ میں نے سارے علوم پڑھ لئے تو یہ اور بات ہے۔ لیکن اگر کسی کو یہ سعادت نصیب ہوتی چلی جائے تو اس کی وسعتیں ختم نہیں ہوتیں' حضور ﷺ کی توجہ سے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی صحبت سے تابعین رحمتہ اللہ تعالیٰ اجمعین کی صحبت سے تو بیک آن نہ صرف یہ لطائف منور ہوتے تھے بلکہ منازل سلوک طے ہو جاتے تھے اور آدمی کا تعلق عالم امر سے قائم ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

صورتش برخاک و جان درلا مکان
لامکان فوق و ہم سالکان

کہ ان کے وجود تو زمین پر ہوتے تھے لیکن ان کی ارواح عالم امر میں ہوتی تھیں

مراقبات ثلاثہ

مقام احدیت : عالم امر اتنا دور ہے کہ اس راہ کے چلنے والوں کی سمجھ سے بھی بہت دور اور بالاتر ہے اور جب لطائف منور ہوتے ہیں تو پھر جب آپ قلب پر مراقبہ کرتے ہیں تو یہ انوارات عروج کرتے ہیں' پہلے اسی طرف سے

یعنی ماخذ سے لطائف پر نزول ہوتا ہے لیکن جب قلب پر مراقبہ کرتے ہیں تو قلب سے عروج ہوتا ہے' قلب سے نور اٹھ کر اوپر جاتا ہے جس کا عرش عظیم تک ایک تعلق قائم ہو جاتا ہے جسے اصطلاح تصوف میں رابطہ کہتے ہیں۔ روح کے سفر کرنے کا اور روح کے منازل کو طے کرنے کا یہی بنیاد بنتا ہے۔ اگر یہ رابطہ مضبوط ہو جائے اور کوئی ایسا شیخ نصیب ہو جسے یہ اللہ ہمت دے کہ وہ آپ کو یہ مراقبہ کرا سکے تو ایک توجہ سے وہ روح کو مقام احدیت تک پہنچا دیتا ہے۔ مقام احدیت عرش عظیم کا دروازہ ہے' محققین نے لکھا ہے کہ روح کی رفتار سے مقام احدیت زمین سے پچاس ہزار سال کے فاصلہ پر ہے۔ورنہ تو سب سے تیز حساب جو لگایا جاتا ہے وہ روشنی کے سفر کا ہوتا ہے اور نوری سالوں کے اعتبار سے لاکھوں سالوں سے زیادہ کا راستہ تو صرف آسمان اول تک ہی بنتا ہے لیکن روح کی رفتار نوری سالوں سے بھی کروڑوں گنا زیادہ ہوتی ہے۔ تو روح کی رفتار سے جو سال بنتے ہیں' وہ پچاس ہزار سالہ راستہ بنتا ہے اور محققین لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ کی طرف سے یہ قوت رکھتا ہو کہ وہ کسی کو مراقبہ احدیت کرا دے تو اس سے مزید کسی کرامت کا طلب کرنا جہالت ہے۔یہ اتنا بڑا کام ہے' اتنا بڑا کام ہے' کہ اگر اتنی زندگی ملے' جو کروڑوں سالوں پر محیط ہو اور کوشش کرتا رہے تو ازخود چل کر روح کا وہاں پہنچنا ممکن نہیں۔

مقام معیت

احدیت سے گویا عرش عظیم کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس کے اوپر معیت باری کا مراقبہ ہوتا ہے جس کی باقاعدہ ایک منزل ہے اور جس میں یہ احساس و شعور اجاگر ہوتا ہے۔احدیت کا اثر عملی زندگی پر یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ کی وحدانیت پر اعتماد پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ مقام معیت میں جو کیفیات حاصل ہوتی ہیں ان کا عملی زندگی پر یہ اثر ہوتا ہے کہ انسان کسی جگہ بھی اپنے آپ

کو تنہا نہیں پاتا۔ یوں تو اللہ کریم ہر جگہ موجود ہے لیکن کتنی دنیا ہے جو اس کی موجودگی سے بے خبر ہے۔ اللہ تو ہر جگہ موجود ہے لیکن کتنے لوگ ہیں' جو اس کے وجود ہی کے منکر ہیں۔ کتنی مخلوق ہے جو اسی کے وجود کا اقرار کرتی ہے' کلمہ پڑھتی ہے' لیکن اپنے افعال و کردار میں اس طرح سے آزاد ہے' کہ جیسے خدا کو ان کی کچھ خبر ہی نہ ہو' اللہ انہیں دیکھ ہی نہ رہا ہو' تو زبان سے یہ کہنا تو آسان سی بات ہے لیکن اسے اپنے اندر سمو لینا' اپنے محسوسات میں' اپنے شعور میں' اپنے دل میں یہ بہت بڑی بات ہے اور مراقبہ معیت کا اثر عملی زندگی پر یہ ہوتا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے' چلتے پھرتے' ہر وقت اللہ کریم کی معیت کا احساس ہوتا ہے۔

مقام اقربیت

پھر اس سے آگے مقام اقربیت ہے' انہیں تین مقامات کو مراقبات ثلاثہ کہا جاتا ہے۔ جس میں قرآن ہی کی آیات کی کیفیات کو دل میں سمونے کی ایک کوشش ہوتی ہے جو بغیر شیخ کی توجہ کے ازخود نصیب نہیں ہوتیں۔ جس طرح بغیر حضور ﷺ کی صحبت کے ازخود کوئی صحابی نہیں بن سکا' جس طرح صحابی کی صحبت کے بغیر کوئی تابعی نہیں بن سکا' اسی طرح شیخ کی مجلس اور صحبت اور توجہ کے بغیر یہ چیزیں حاصل نہیں ہوتیں۔ بے شمار لوگ کوشش کرتے ہیں' ٹیلی پیتھی میں' شعبدہ بازی میں' ہندوؤں کے جوگ میں عجائبات ہوتے ہیں لیکن ایک اصولی بات یاد رکھئے کہ اس ساری محنت سے وہ صرف یہ کمال حاصل کر سکتے ہیں جو آپ ویسے بھی مادی ذرائع سے حاصل کر سکتے ہیں' ٹیکنیکلی کر سکتے ہیں' مثلاً" یہاں بیٹھ کر کوئی ہندو مراقبہ کر کے کراچی کی بات بتا دے اور آج کل تو یہ بات آسان ہو گئی ہے۔ ٹیلی ویژن پر ہم دیکھتے ہیں کہ میچ دنیا کے کسی گوشے میں ہو رہا ہے اور ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔ مشینری بھی اتنی آگے بڑھ گئی ہے۔ اسی طرح سے یہ کمال بھی حاصل ہوتا ہے کہ یہاں بیٹھے نظر آئے اور پھر وہ آن

واحد میں آپ کو ابو ظہبی میں ملیں گے، پاکستان میں مل جائیں گے، یعنی وجود کو توجہ سے منتقل کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف آج کل مشین نے بھی یہ ملکہ حاصل کر لیا ہے کہ ایک جہاز مہینوں کا راستہ چند گھنٹوں میں سینکڑوں آدمیوں کو لے کر طے کر لیتا ہے۔ پرندوں کو پہلے سے یہ قوت حاصل ہے کہ وہ اپنے وجود کو فضا میں لے جاتے ہیں، تو اس طرح کی جتنی باتیں ہیں، جو زمین سے اوپر اور آسمان سے نیچے عالم امکان میں موجود ہیں ان میں کسی قسم کی دسترس حاصل کر لینے کے لئے ایمان کی کوئی شرط نہیں۔

برزخ میں جھانکنے کی قوت

لیکن برزخ میں جھانکنے کے لئے، عالم غیب میں جھانکنے کے لئے یا بالائے آسمان نگاہ کو لے جانے کے لئے ایمان بنیاد ہے اور صحبت شیخ شرط ہے۔ بڑے سے بڑے کامل شخص میں بھی اگر ایمان نہ ہو تو یہ دولت نہیں لے سکتا، ایمان اس کی شرط ہے۔ اور ایمان کے ساتھ شیخ کی صحبت اور توجہ نصیب نہ ہو تو یہ نعمت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ اس کا سبب ہے۔ تو جب روح میں قوت پرواز آجائے اور اسے یہ مراقبات ثلاثہ نصیب ہو جائیں تو اس میں اس بات کی ایک استعداد آجاتی ہے کہ وہ برزخ میں قدم رکھ سکتی ہے اور اللہ کریم نے ہمارے اس سلسلہ عالیہ کو نسبت اویسیہ کو جو کمال بخشا ہے وہ ہے ہی یہی کہ ہم یہ جو بیعت ظاہری لیتے ہیں یہ محض تکمیل سنت کے لئے اور ثواب کے لئے لیتے ہیں ورنہ اصل بیعت ہی یہ ہے کہ آدمی کو مراقبات ثلاثہ سے گذار کر برزخ میں لے جایا جائے اور براہ راست نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس کی روح کو روحانی طور پر کھڑا کر دیا جائے اور اس کی روح حضور ﷺ کے دست اقدس پر بیعت سے مشرف ہو۔ اس کا دعویٰ بہت چوٹی کے بزرگان دین نے کیا ہے۔

اویسیت کی تاریخی عظمت

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اویسی ہوں۔ میں مدینہ منورہ میں تھا' مجھے حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور حضور ﷺ نے نہ صرف مجھے بیعت فرمایا بلکہ میں نے قرآن وہاں رہ کر حضور ﷺ سے پڑھا۔

اسی طرح اگر آپ اسی پائے کے لوگوں کی تصانیف دیکھیں گے' تو اس میں بہت بڑا کمال یہی نظر آئے گا' کہ ان کی رسائی حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں ہوتی ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ کہ صدیوں کا فاصلہ عبور کر لیا جائے' میلوں کا فاصلہ پس پشت ڈال دیا جائے اور عالموں کی وسعتوں کو عبور کر لیا جائے۔ تو یہ اتنی بڑی قوت ہے جو صرف انسان کو نصیب ہو سکتی ہے۔ جو فرشتے کے حصے میں نہیں آئی' کیونکہ وہ اپنے مخصوص اور معین راستے اور معین جگہ میں رہتے ہیں' ان کے پاس بھی یہ قوت نہیں ہوتی۔

اور جب یہ نعمت نصیب ہوتی ہے' تو تمام سلاسل میں اور تمام تاریخ تصوف میں یہ بات ملتی ہے کہ تبع تابعین کے بعد جب یہ سلاسل تصوف شروع ہوئے' علوم ظاہری کے جس طرح چشمے بن گئے' مختلف شعبوں میں بٹ گئے اور مدارس وجود میں آ گئے۔ اسی طرح کمالات روحانی کے لئے بھی خانقاہیں وجود میں آ گئیں اور اللہ کے بندوں نے عمر بھر محنتیں کر کے ان نعمتوں کو حاصل کیا اور بڑی بڑی محنتیں کیں۔

خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد تیس برس مسلسل ان کے مرقد کے ساتھ مراقب رہے' ان سے فیوضات حاصل کرتے رہے اور تیس سال کی محنت کے بعد انہیں مشاہدات و مراقبات نصیب ہوئے۔ فرماتے ہیں۔

پس از سی سالہ ایں نقطہ محقق شد بخاکانی
کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

تو آپ ان مجاہدوں کا ان محنتوں کا اندازہ فرمائیں' لیکن ایک بات ان

میں قابل غور رہی کہ تبع تابعین سے لے کر آج تک تمام بزرگان دین نے اگرچہ ان کے گرد لاکھوں لوگ جمع ہو گئے' ان میں سے انہوں نے چند افرا کو اس نعمت یعنی روحانی بیعت کے لئے چن لیا' دو چار پانچ چھ دس۔ باقی سب حضرات کو دعا دی' انہیں نیکی کی تلقین کی اور لسانی اذکار اور دعائیں بتائیں کہ یہ پڑھتے رہو لیکن اس نعمت کے لئے بڑے بڑے اچھے' چنے ہوئے' بڑے باہمت باحوصلہ' نہ ڈگمگانے والے لوگ' منتخب کئے اور آج تک یہ نعمت اس طرح سے چل رہی ہے۔ ہر سلسلے میں آپ دیکھتے ہیں' کہ بڑے سے بڑے شیخ نے صرف دو تین چار آدمیوں کی تربیت فرمائی اور ان کی روحانی تکمیل فرمائی باقی سب کو ظاہری اوراد وظائف اور نیکی پر رکھا۔

عظمت سلسلہ و حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ

اب یہ سعادت چودہ سو سال بعد ہمارے شیخ المکرم رحمۃ اللہ علیہ کے حصے میں تھی' اللہ کی مرضی وہ کسی کو کیا دیتا ہے' پوری تاریخ تصوف میں تبع تابعین کے بعد حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے یہ فرمایا' کہ جنہیں ظاہری تعلیم و تعلم کی ضرورت ہو' تو اس کے لئے علماء ہر جگہ موجود ہیں' اس کے لئے میرے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں' ہر جگہ یہ کام ہو سکتا ہے' میرے پاس جو بھی آئے گا' میں اسے روحانی تربیت سے سرفراز کروں گا اور میں یہ کوشش کروں گا' کہ اسے میں فنا فی الرسول تک بارگاہ نبوت میں پیش کر سکوں۔ پھر ہم نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا' ہمارے ہاں دیہات میں عموماً" جو خادم مسجد ہوتے ہیں جو پانی وغیرہ بھرتے ہیں' صفائی کرتے ہیں' وہ اکثر ۹۹ فیصد نماز بھی نہیں پڑھتے' گاؤں کے غریب لوگ ہوتے ہیں' انہیں نماز یاد تک نہیں ہوتی۔ آتے ہیں' مسجد میں صفائی کر دی پانی بھر دیا لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں جو خادم مسجد ہوتا تھا' اس کو بھی فنا فی الرسول ہوتا تھا اور جب کبھی ہم اس کے پاس بیٹھتے تھے' تو بارگاہ نبوت کی باتیں سنایا کرتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے' یہ کتنی

عجیب بات ہے' مجھے یاد ہے ایک دن وہ ہمیں بتانے لگا' کہ میں اکیلا تھا' ذکر کے لئے بیٹھ گیا' تو کہیں سے سانپ نکل آیا (وہ جو پھنکارتا ہے اسے ناگ کہتے ہیں) منہ پر پگڑی ڈالے لطائف کر رہا تھا' تو سانپ کی عادت ہوتی ہے' جدھر کوئی حرکت کرے ادھر وہ ڈنگ مارتا ہے' میں لطائف کرتا رہا اور سانپ میرے ساتھ ڈنگ مارتا رہا اور میری پگڑی پر اس کا منہ لگتا رہا۔ میں نے کہا کہ تھک کر چھوڑ دے گا میں کیوں اپنا ذکر خراب کروں اور واقعی وہ سانپ تھک کر چلا گیا۔ یہ مسجد کا خادم تھا۔ ایک اور بوڑھا سا بابا غریب دو تین میل باہر زمیندار کے پاس چوکیداری کرتا تھا۔ رات کو اس کی حویلی کی بھی نگہبانی کرتا۔ عشاء پڑھ کر ذکر کر کے باہر جاتا اور سحری کے نوافل مسجد ہمارے ساتھ آ کر پڑھتا۔ وہ غریب آدمی تھا اسے جرابیں میسر نہیں تھیں وہاں بڑے سانپ تھے تو اس نے گھٹنوں تک پاؤں کے ساتھ کپڑا لپیٹا ہوتا تھا' کھیڑی اس نے پہنی ہوتی تھی وہ پتلی چپل جو دیہات میں بنتی ہے۔ بوڑھا آدمی تھا' لاٹھی ہاتھ میں ہوتی تھی اور پنڈلیوں تک اس نے پرانے کپڑے لپیٹ رکھے ہوتے تھے ہم مبتدی تھے' اس کے اسباق آگے تھے' حضرتؒ کے آنے تک ہم اسے گھیر لیتے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا تو ہم بہت زیادہ احترام کرتے تھے' کوئی بات کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی' تو اسے ہم چھیڑ لیتے اور وہ پھر ہمیں دور دور تک کی باتیں سناتا' بعض اوقات برزخ میں بزرگان دین کے بارے ہم اسے شروع کرا دیتے اور وہ ان کے حالات بتاتا جاتا۔

ایک دفعہ میں نے اسے کہا کہ یہاں سے ہم روز گذرتے ہیں یہ ایک بزرگ کا مزار ہے اس کی حالت کو دیکھو کہ کیسا ہے' اس سے بات تو کرو' وہ کہنے لگا' تم نے مروا ہی دیا۔ وہ مجھے کہتا ہے کہ تمہارا بھی تھوڑا ہی وقت رہ گیا' تمہاری قبر میرے ساتھ ہی بنے گی' اس وقت باتیں کر لیں گے۔ کیسے عجیب لوگ تھے اور اللہ کی شان جب وہ فوت ہوا بغیر کسی وصیت کے' بغیر کسی خبر کے اس کا مدفن اسی کے ساتھ بنا۔

کہیں ایک بوڑھے بزرگ فوت ہو گئے تو جنازے کے بعد حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا کہ اس کی قبر یہاں کھود دو' بعد میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا سبب پوچھا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ زمین ہنس رہی تھی اور کہتی تھی میری امانت ہے' یعنی زمین کا وہ قطعہ خوش ہو رہا تھا' ہنس رہا تھا کہ یہ اللہ کا بندہ مجھ میں رہے گا۔ مجھے سمجھ آ گئی تو میں نے بتا دیا کہ اس کی جگہ تو یہ ہے یہ عام سی بات تھی۔

شہر سے باہر دور ویرانے میں ایک آدمی قتل ہو گیا۔ اس کے کچھ عزیز ہمارے ساتھ ذکر کرتے تھے۔ ایک بزرگ ساتھی ان کے ساتھ تھے وہاں سے وہ گذرے تو انہوں نے کہا یار ہمیں اگر بتا سکو کہ ہمارے بھائی کو یہاں کس نے قتل کیا تھا' لیکن انہوں انکار کر دیا کہ مجھے کیا ضرورت ہے۔ دراصل اس کے حالات اچھے نہیں تھے' وہ گرفتار عذاب تھا' تو انہوں نے بتانا مناسب نہ سمجھا۔ پھر ایک دن حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہمارا اس قبرستان سے گزر ہوا تو اس شخص نے ایک قبر پر انہیں روک لیا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ گھوڑی پر جا رہے تھے' ہم پیچھے پیدل تھے۔ اس نے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ یہ میرا رشتہ دار ہے' اس سے بات تو کرو۔ اس نے کہا کہ اس سے بات نہیں ہو سکتی کیونکہ اس قبر میں وہی بدبو ہے جو اس جگہ تھی' جہاں تم نے مجھے اگلے دن روکا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہی آدمی یہاں دفن ہے۔

تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ ایک عام انداز تھا اسے ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ جسے بڑی بڑی کتابوں میں بہت بڑی کرامت کر کے بتایا جاتا ہے' اس کو ہم کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ اصل کرامت تو یہ ہے کہ اللہ کا قرب نصیب ہو' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کی حضوری نصیب ہو اور پھر یہ رب جلیل کا احسان ہے کہ پوری تاریخ تصوف میں یہ سعادت حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے حصے میں آئی' کہ جو بھی حلقہ ارادات میں آیا' مرد یا عورت عالم یا ان پڑھ امیر یا غریب' وہ سینہ روشن لے کر گیا اور حق یہ ہے' عین سنت یہ ہے' کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو حاضر ہوا' وہ صحابیؓ بن گیا' یہ نہیں کہ کچھ منتخب لوگوں کو صحابی رضی اللہ عنہ بنا دیں اور باقیوں کو محروم کر دیں' جو بھی آیا' بنیادی طور پر شرف صحابیت سے مشرف

ہوا۔ اب اس میں کسی کو کتنی ترقی نصیب ہوئی' یہ سب کے اپنے مدارج ہیں لیکن تبع تابعین" سے لے کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تک یہ بزرگان دین کا تعامل کیوں نہیں رہا' یہ ان کی مجبوری تھی' اللہ کریم نے جتنا جتنا کام ان سے لینا تھا' وہ لیا' اگر خدا نے کسی کو یہ توفیق اور یہ ہمت نہیں دی تو اللہ کا یہ احسان کیا کم ہے کہ انہوں نے اس دولت کو ضائع نہیں ہونے دیا اور صوفیا کرام رحمتہ اللہ علیہم اجمعین جب چند آدمیوں کو یہ نعمت دیتے تھے اور بات باہر نکلتی تھی تو ان پر کفر کے فتوے لگتے تھے جن بزرگوں کو آپ آج بہت عظیم سمجھتے ہیں' ان غریبوں نے جنگلوں میں جانیں دیں' لوگ انہیں پتھر مار مار کر شہروں سے نکال دیتے تھے' حکومتیں انہیں شہربدر کر دیتی تھیں اور بڑی تکالیف دیتیں۔

سلسلہ کی عالمگیر شہرت

یہ اللہ کا احسان ہے' کہ اس نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فیض عام کرنے کی توفیق بھی دی اور مخلوق کی ایذا سے بچنے کی قوت بھی دی اور خود حفاظت بھی فرمائی۔ آپ گھبراتے ہیں' یہ چھوٹی چھوٹی رکاوٹیں آتی ہیں' کسی نے مسجد میں تقریر نہ کرنے دی اور کہا کہ انہیں فلاں کلب میں لے جاؤ' یہ تو بڑی معمولی بات ہے۔ آپ صوفیا کرام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تاریخ پڑھیں تو انہیں لوگوں نے اپنے شہروں' اپنے گھروں سے نکال دیا۔ بڑی عجیب بات ہے۔ ہمیں تو اللہ کریم نے یہ عجیب قوت دی' اس سلسلہ اویسیہ کو ایک عجیب طاقت دی کہ آپ اندازہ کریں' روئے زمین کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں لوگوں کے قلوب اسی نور سے منور نہ ہوں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے؟ ان ممالک میں جن کی ہم نے کبھی بات نہیں سنی۔ ناروے جو قطب شمالی کے قریب واقع ہے' پچھلے دنوں وہاں سے مجھے ایک عزیزہ کا خط آیا جو دارالعرفان سے ہو کر گئی ہے کہ حضرت ابھی ہمارا دو مہینے کی رات باقی ہے' ابھی باقی ہیں' دو مہینے کے بعد سورج طلوع ہو گا۔ وہاں چھ مہینے دن ہے چھ مہینے رات ہوتی ہے۔ پھر ان کے مسائل

عجیب عجیب ہیں، روزہ کیسے رکھیں، نمازیں کیسے پڑھیں۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو افق کے ساتھ چلتے چلتے غروب ہو جاتا ہے، پھر باہر نکل آتا ہے، پھر افق میں ڈوب جاتا ہے۔ جس طرح سانپ چلتا ہے اس طرح سورج افق کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔ میں نے یہ مسئلہ پاکستان میں بڑے علماء سے پوچھا کہ انہیں کیا جواب دیا جائے۔ تو کسی کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ میں نے یہ مناسب سمجھا کہ بھئی دنیا کے ساتھ تو تمہارا لین دین ہے، کسی ملک کے اوقات کے ساتھ اپنے اوقات کو ملاتے ہو گے جس کے حساب سے سوتے جاگتے ہو، اس طرح کام کرتے ہو، بینکنگ کرتے ہو، لین دین کرتے ہو۔ تو جو اوقات لوگوں سے صبح و شام اور دن رات کے حساب سے مقرر کر رکھے ہیں انہیں اوقات سے اپنی نمازیں ترتیب دے لو اور روزے ترتیب دے لو اللہ قبول فرمائے گا۔ اس کے علاوہ کوئی حل میری سمجھ میں نہیں آتا۔ جب باقی معمولات کے لئے آپ نے ایک ٹائم ٹیبل بنا لیا ہے کہ اتنے بجے دفتر کھلے گا مثلاً" آج آٹھ بجے کھلتے ہیں تو آپ کا دن طلوع ہو چکا ہو گا، جب آپ چھٹی کرتے ہیں اور دفتر بند کر دیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے، عصر ہو گئی، اس کے ایک گھنٹہ بعد مغرب ہو گی، آپ اوقات اس طرح سے ترتیب دے لیں سورج کو مزے کرنے دیں، ڈوبا رہے یا نکلا رہے تو ناروے کے اس شمالی علاقہ سے اگلے دن جو مجھے خط ملا اسی میں لکھا تھا کہ اب ہم یہاں سولہ فیملیز ہو گئی ہیں جو نمازیں بھی پڑھتی ہیں، ذکر بھی کرتے ہیں اور ہم یہ سوچ رہے ہیں اور آپ سے اجازت چاہئے تھی کہ اوسلو نام کا ایک شہر ہے جہاں ہم رہتے ہیں۔ ہم شہر سے باہر کوئی علیحدہ جگہ لے کر اپنے اپنے گھر بنائیں اور مسجد کے لئے ایک ہال بنائیں۔ اب ہم کمروں میں مل کر نماز نہیں پڑھ سکتے کیونکہ زیادہ ہو گئے ہیں۔

یہ ہیں وہ برکات۔ میرے خیال میں ان میں تین چار آدمی ایسے ہیں، جنہیں فنا فی الرسول حاصل ہے، اور جو کچھ عرصہ یہاں رہ کر فنا فی الرسول حاصل کر کے گئے ہیں۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ امریکہ اخلاقیات کے بارے میں تباہی کے آخری دہانے پر ہے' پھر امریکہ میں نیویارک سب سے زیادہ تباہی پر ہے اور نیویارک میں مین ہیٹن کا جو علاقہ ہے وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ برائی کا مرکز ہے اور اس پر سارا قبضہ یہودیوں کا ہے۔ وہاں سے بھی ہمیں جو ملنے آیا اسے نور ایمان بھی نصیب ہوا' قلب بھی روشن ہو گیا اور اب تک صرف ان کے اپنے خطوط ہی نہیں آتے بلکہ ان سے آگے جن کو برکات ملی ہیں ان کے بھی آتے ہیں۔ اگلے دن مجھے کسی جوان بچی کا ایک خط ملا۔ اس نے بڑے تفصیل سے لکھا کہ میری عمر اکیس سال ہے اور میں اتنی خوش نصیب ہوں کہ میں ابھی والدین کے ساتھ رہتی ہوں اور ہم اچھے کھاتے پیتے لوگ ہیں' امریکہ میں بچی ہو یا بچہ ہو' جیسے بالغ ہوتا ہے وہ دروازے سے باہر نکال کر دروازہ بند کر دیتے ہیں چونکہ پیدا ہونے سے لے کر بلوغ تک حکومت اس کا وظیفہ دیتی ہے تو والدین بھی ساتھ رکھتے ہیں لیکن بالغ کا والدین کو وظیفہ نہیں ملتا۔ پھر اسے ملازمت ملتی ہے یا بے روزگاری الاؤنس یہ بچے کا پرابلم ہے اگر گھر میں رہنا ہے تو کمرہ کرایہ پر لو' اتنے پیسے کھانے کے ہوں گے' اتنے کمرے کے۔ اگر نہیں رہنا ہے تو جہاں جی چاہتا ہے رہو۔ تو وہاں یہ بھی بڑے فخر کی بات ہے کہ ہم ایسے آسودہ حال لوگ ہیں کہ میری عمر اکیس سال ہو گئی ہے لیکن میں ماں باپ کے ساتھ رہتی ہوں۔ اللہ کے نام سے وہ آشنا نہیں تھی ہم چلے آئے تو بعد میں سلسلہ عالیہ کی خواتین سے اس کا رابطہ ہوا۔ میں نے انہیں یہ اجازت دی تھی کہ کوئی ایمان کی شرط نہ لگاؤ' ایسوں کو اللہ اللہ کرنے کے لئے کہہ دو۔ اب چند مہینے جب اس نے اللہ اللہ کی تو اللہ کی شان اسے ایمان بھی نصیب ہو گیا' اس کا دل بھی روشن ہو گیا' انوارات و تجلیات بھی نظر آئیں۔ اس نے پھر میرے ساتھ رابطہ کیا کہ میں آگے کیا کروں مجھے تو احکام کی بھی صحیح سمجھ نہیں ہے' نماز کیسے پڑھنی ہے' اس کے معنی کیا ہے' وضو کا طریقہ' یہ سب مجھے کون بتائے گا۔ تو پھر میں نے وہاں ایک ساتھی کی ذمہ داری لگائی ہے۔ کوئین میری کے علاقے میں جو

یونیورسٹی ہے اس کی وہ سٹوڈنٹ ہیں تو انہیں چھٹیاں ہو رہی تھیں' لہٰذا جنوری میں پاکستان آنے کی بجائے اپنی چھٹیاں وہیں گذاریں اور یہ جو نئے آنے والے لوگ ہیں' ان کی تربیت کا کام کریں۔

آپ اندازہ فرمائیے' کہ کتنی عجیب قوت ہے' جو مین ہیٹن میں پیدا ہونے والی بچی کو بھی نور ایمان عطا کر دیتی ہے۔ کتنی عجیب برکت ہے' کتنی عجیب بات ہے تو اس کا عملی زندگی پر یہ اثر ہے اور ہر آدمی اپنی زندگی کو سامنے رکھ کر یہ محسوس کر سکتا ہے۔ ایسا آدمی جو بفضل اللہ پہلے بھی نمازی تھا لیکن ذکر کے بعد اور ذکر سے پہلے کی نمازوں میں فرق محسوس کرے گا۔ ایسا آدمی جو پہلے خطا کار تھا اپنی خطاؤں میں کمی محسوس کرے گا۔

تعلیمات اویسیت و مداومت

تو اس کے لئے جیسا کہ میں نے اعلیٰ الترتیب عرض کر دیا ہے' یہ ضروری ہے' کہ آپ ہر لطیفے کو ایک مناسب وقت دیں اور اس میں ایک باقاعدگی پیدا کریں تاکہ برکات زیادہ سے زیادہ حاصل ہوں' یہ قوت زیادہ سے زیادہ حاصل ہو اور جتنی جس میں استعداد ہو گی انشاء اللہ اسے اس سے زیادہ ترقی نصیب ہو گی کیونکہ ہماری بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ ہر انسان کو جس قدر زیادہ سے زیادہ مدارج حاصل ہو سکیں' اس کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

تو کل جو بات میں نے عرض کی تھی یہ اس کا تکملہ ہے کہ اس طرح سے لوگ کہاں کہاں سے برکات حاصل کرتے ہیں۔ یہ اللہ کی بہت بڑی عطا ہے کہ جس طرح حضور ﷺ سے ہمیں بہت طویل زمانے کے بعد پیدا کیا لیکن اس کے ساتھ ہمیں بے شمار ایسی برکات دے دیں جنہوں نے ان فاصلوں کو مٹا دیا۔ تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اور یہ کسی ایک شخص کے لئے مختص نہیں ہے۔ اس کی سب سے عظیم تر شان ہی یہ ہے کہ کوئی مرد ہو' خاتون ہو' بچہ ہو' بوڑھا ہو' جسے اللہ عطا فرمائے اور جو محنت کرے' جسے استعداد نصیب ہو' اس کو عطا کی

جائے۔ تو یہ تھی وہ مختصر سی صورتحال جس کے لئے میں آپ سے عرض کروں گا کہ آپ اپنے معمولات میں تسلسل پیدا فرمائیں کیونکہ یہ جو درمیان سے چھوٹ جاتا ہے اس سے ایسا ہوتا ہے جیسے بجلی کا ایک لنک کٹ جائے تو وہ ساری لائن خالی ہو جاتی ہے۔ اس کی قضا نہیں ہوتی۔ نماز چھوٹ گئی ہے تو دوسری نماز کے ساتھ قضا کر لیں' لیکن یہ چھوٹ جائے تو اس قرب کی کوئی قضا نہیں ہوتی یہ پھر سے بنانا پڑتا ہے اور اگر تسلسل قائم رہے تو بفضل اللہ اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے' آپ محسوس کریں یا نہ کریں۔ اور استعداد پیدا ہو جائے تو پھر کسی ایک ملاقات میں بھی سارے مراقبات کرائے جا سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ محنت کر کے استعداد جمع کر لی جائے۔

اللہ کریم آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور حاضر و غائب تمام احباب کی نگہداشت فرمائے اور تمام مومنین کے سینے منور فرمائے۔

☆ ☆ ☆

نسبت اویسیہ کا مقام

ذکر کا طریقہ

ہر سلسلے کا اپنا اپنا طریقہ ذکر ہوتا ہے جس کی اللہ کریم نے اجازت دی ہے۔ اللہ رب العزت نے مطلق ذکر کا حکم دیا ہے اور اس پر کوئی قید نہیں لگائی گئی، کوئی خاص صورت اس طرح متعین نہیں فرمائی گئی جس طرح نماز، روزے کی حدود و قیود ہیں، تو حدود شرعی کے اندر رہ کر جو بھی طریقہ ذکر اختیار کیا جائے اس کی اجازت موجود ہے۔ اس سلسلہ عالیہ کا جو طریقہ ذکر ہے وہ قلبی طور پر کیا جاتا ہے، سانس تیزی سے لینے کا یا وجود کی حرکت کا یا دماغی سوچ کا اس میں اپنا اپنا کردار ہے۔ ہر سانس میں یہ سوچا جاتا ہے کہ اندر جانے والا سانس اپنے ساتھ لفظ اللہ کو دل کی گہرائی تک لے کر جا رہا ہے اور جب باہر خارج ہوتا ہے تو "ھو" کی چوٹ لطیفہ قلب پر پڑتی ہے یا اس کے بعد دوسرے تیسرے چوتھے لطیفہ پر۔ اس میں تسلسل شرط ہے کہ سانس نہ ٹوٹنے پائے، آدمی بات نہ کرے، زبان نہ کھولے، زبان بند ہو، آنکھیں بند ہوں، مسلسل ذکر سے جو حدت اور روشنی پیدا ہوتی ہے، تو جب دوسرے لطیفے پہ جاتا ہے تو اس گرمی کو، اس روشنی کو ساتھ لے کر جاتا ہے۔ وہاں پر ذکر کرنے سے اس میں مزید قوت پیدا ہوتی ہے تو اسے ساتھ لے کر تیسرے لطیفے پہ لے جاتا ہے۔ اسی طرح چوتھے، پانچویں پر لے جاتے ہیں مگر چھٹے لطیفہ پر "ھو" کا شعلہ پیشانی سے نکلتا ہے اور ساتویں لطیفے پر اندر جانے والا سانس اپنے ساتھ لفظ اللہ کو ساتھ لے کر جاتا ہے لیکن جب خارج ہوتا ہے تو بدن کے ہر ریشے سے "ھو" نکلتی ہے۔ پورا بدن ایک

شعلہ بن جاتا ہے لیکن یہ بات مدنظر رہے کہ لفظ اللہ سارے ذکر کے دوران قلب میں جائے گا اور ھو کی ضرب اس لطیفہ پر لگے گی، جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔

ساتوں لطائف پر ذکر کرنے کے بعد پھر اس ساری قوت کو لطیفہ قلب پر واپس لایا جاتا ہے جو قلب سے شروع ہو کر دوسرا' تیسرا' چوتھا' پانچواں' چھٹا' ساتواں لطیفہ کرنے تک سات گنا بڑھ چکی ہوتی ہے۔ اس ساری گرمی اور روشنی کو پھر قلب پر لایا جاتا ہے۔

رابطہ کی تعریف

مراقبے کی ابتداء یہ ہوتی ہے کہ تیزی سے سانس لینا چھوڑ کر یہ خیال کیا جائے' اس طرف توجہ کی جائے کہ جو حدّت اور جو گرمی ذکر الٰہی سے پیدا ہوئی تھی' اس نے اس خاکی وجود کو جلا دیا' یہ مٹی کا ایک ڈھیر تھا' جل کر خاک سیاہ ہوا' حیات صرف اور صرف قلب میں رہ گئی جس کی ہر دھڑکن میں اس سے لفظ اللہ' اٹھتا ہے' اور ھُو کی ٹکر عرش عظیم سے جا کر لگتی ہے یعنی اللہ قلب سے اٹھتا ہے اور ھُو عرش عظیم کو لگ جاتی ہے۔ جب قلب پہ یہ خیال کیا جاتا ہے یا یہ مراقبہ کیا جاتا ہے تو قلب کے انوار جمع ہو کر اس "ھو" کے ساتھ یا آدمی کے اس سوچ و فکر کے ساتھ جب وہ عرش کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو قلب سے وہ نور بلند ہونا شروع ہو جاتی ہے جو بڑھتے بڑھتے عرش عظیم تک پہنچ جاتی ہے' قلب سے عرش عظیم تک سفید اور روشن انوارات کی ایک سڑک سی بن جاتی ہے' راستہ بن جاتا ہے' ایک رسی بن جاتی ہے' سیڑھی بن جاتی ہے' اسے اصطلاح میں رابطہ کہتے ہیں۔ ساتوں لطائف کرنے کے بعد جو مراقبہ کیا جاتا ہے تو اس کی غرض و غایت یہی رابطہ استوار کرنا ہوتا ہے۔ جب قلب کا رابطہ عرش عظیم سے ہو جائے' تو پھر توجہ دی جاتی ہے کہ روح اس رابطے میں سفر کرے اور احدیت تک پہنچے۔

احدیت کا فاصلہ

احدیت عرش عظیم کا دروازہ ہے۔ صوفیاء کے نزدیک آسمان اول کا فاصلہ زمین سے چودہ ہزار سال کا ہے یہ ہزاروں سال جو شمار ہوتے ہیں یہ روح کی رفتار سے شمار ہوتے ہیں ورنہ روح کی رفتار' روشنی کی رفتار سے کروڑوں گنا زیادہ ہوتی ہے۔ نوری سال سے مراد یہ ہے کہ روشنی ایک سال میں جتنا سفر کرتی ہے۔ اس طرح اس کا شمار ہوتا ہے۔ جو سماوی میں بعض سیارے ایسے ہیں جو لاکھوں نوری سال کے فاصلے پر زمین سے دُور ہیں ۔ اس اعتبار سے تو اللہ جانے آسمان کا فاصلہ کتنا ہو گا؟ لیکن جو رفتار روح کی ہوتی ہے' مجرو روح میں سفر کے کرنے کی جو استطاعت ہے اگر اس سے شمار کیا جائے تو آسمان اول تک چودہ ہزار سال کا راستہ بنتا ہے اور مقام احدیت کا راستہ اس رفتار سے پچاس ہزار سال کا بنتا ہے۔ یعنی آسمان اول سے چھتیس ہزار سال کا راستہ اور بلندی پر ہے اور یہ فاصلہ روح کی رفتار سے ناپا جاتا ہے۔

مقامات سلوک

ذکر الہٰی سے جو روشنی اور گرمی پیدا ہوتی ہے اور اس سے روح کو جو قوت پرواز ملتی ہے اس میں یہ کمال ہوتا ہے یا شیخ کی توجہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ ایک توجہ میں اسے وجود سے مقام احدیت تک پہنچا دیتا ہے۔ محققین فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی صحبت میں اگر کسی ایک آدمی کو بھی مراقبہ احدیت نصیب ہو جائے تو اس سے مزید کسی کرامت کا طلب کرنا جہالت ہے۔ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے متعلق سوچنا بھی آسان نہیں کہ اتنے فاصلوں کو سمیٹ کر ایک لمحے یا ایک آن میں انہیں طے کر دیا جائے۔اور جہاں تک روح کو مراقبہ نصیب ہو جاتا ہے وہاں تک اس کی رفتار کا کوئی حساب یا کوئی حد یا اس سفر کی پیمائش کا کوئی شمار نہیں رہتا' مثلاً" جیسے سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے طلوع ہونے

میں' اور اس کی شعاعوں' اور اس کی کرنوں کو زمین کے گوشوں کو منور کرنے میں کوئی وقت نہیں لگتا' کوئی لمحہ تاخیر نہیں ہوتی۔ جیسے سورج سامنے آتا ہے ویسے ہی دھوپ زمین پہ پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح سے روح جن مراقبات کو پالیتی ہے ان کے لئے اسے کوئی وقت درکار نہیں ہوتا' جیسے آپ متوجہ ہوتے ہیں' تو وہ آخری منازل تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ عالم امر کی طرف روح کے سفر کی ابتداء ہوتی ہے۔ عالم امر کے ساتھ روح کے رابطے کی' اپنے اصل کو پہنچنے کے لئے' اپنے آپ کو پانے کے لئے' اپنے ان کمالات کو جو روح کی خصوصیات ہیں انہیں مضبوط کرنے کے لئے یا انہیں باقی رکھنے کے لئے' یہی سفر روح کے لئے ضروری ہوتا ہے اسی طرح اس سے آگے' اس سے اوپر مقام معیت' مقام اقربیت یعنی مراقبات ثلاثہ' دوائر محبت یا پھر اس کے بعد کے مراقبات حتیٰ کہ فنا بقا سے گزر کر سالک الجذوبی پر جب کوئی پہنچتا ہے تو سالک الجذوبی کی سات منازل میں کوئی سوا لاکھ کے قریب نورانی حجابات ہیں جن کی فراخی یا وسعت یا موٹائی سے اللہ کریم ہی واقف ہیں۔ لیکن یہ اللہ کا احسان ہوتا ہے اور شیخ کی توجہ میں کمال ہوتا ہے کہ آنا" فانا" ان سے روح گزرتی چلی جاتی ہے۔ پہلی بار پہنچنے کے لئے کچھ وقت' کچھ محنت' کچھ مجاہدہ ضرور کرنا پڑتا ہے لیکن جب توجہ نصیب ہو تو بہت کم وقت بھی لگتا ہے۔ اس کے بعد عرش کے منازل شروع ہوتے ہیں۔ تو تقریبا" اتنے ہی منازل پہلے عرش میں آتے ہیں' کم و بیش سوا لاکھ کے قریب منازل ہیں جن میں ہر منزل کا فاصلہ ان فاصلوں سے زیادہ ہوتا ہے جو زمین سے احدیت تک ہیں۔ پہلے اور دوسرے عرش کے درمیان میں خلا ہے جس کی صرف موٹائی پہلے عرش کی موٹائی سے زیادہ ہے جبکہ دوسرے عرش کی وسعت اس کی موٹائی سے زیادہ ہوتی ہے' پھر دوسرے اور تیسرے عرش کے درمیان خلاء ہے' جو اس کی وسعت سے زیادہ ہوتا ہے' اسی طرح ہر عرش کے درمیان خلا بڑھتا چلا جاتا ہے اور ہر عرش کی موٹائی اور وسعت بڑھتی چلی جاتی ہے' حتیٰ کہ نو عرش اس ترتیب سے آتے ہیں۔

آن کہ آمد نُہ فلک معراج او
انبیاء و اولیاء محتاج او

یہ راستہ وہی راستہ ہے' جو شب معراج نبی کریم ﷺ کے نقوش کف پا کا امین ہے' ہر بلندی ہر عظمت آپ ﷺ کے نقوش کف پا کی مرہون منت ہے اور ہر راستہ آپ ﷺ ہی کے اتباع سے مزین ہے' اور آپ ﷺ کے نقوش کف پا اس کے نشان منزل ہیں۔ یہی وہ راستہ ہے جہاں کوئی بڑے سے بڑا باکمال محض اپنی روحانی لطافتوں کے بل پر ان فضاؤں میں' اگر اللہ کریم اسے لے جائیں' تو جاتا ہے لیکن آقائے نامدار ﷺ کا وجود اطہر اس سے زیادہ لطافتوں کا امین تھا کہ جہاں انسانی ارواح کے لئے پہنچنا آسان بات نہیں الاماشا اللہ' اربوں کھربوں کی آبادی میں سے چند نفوس قدسیہ کو یہ منازل نصیب ہوتے ہیں' تو ان بلندیوں سے بہت آگے آپ ﷺ کا وجود عالی تشریف لے گیا جہاں فرشتے بھی دم نہ مار سکتے تھے۔ انسانی ارواح بھی جن منازل کو نہیں پا سکتیں' ان منازل کو آپ ﷺ کے وجود اطہر نے طے فرمایا۔ تو آپ ان لطافتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وجود اطہر ﷺ میں کس قدر لطافت' کس قدر تزکیہ' کس قدر پاکیزگی' کس قدر نورانیت تھی اور اللہ کی قدرت کا کیا کرشمہ تھا' جسے سمجھنا انسانی بس' انسانی شعور' انسانی عقل' انسانی علم اور انسانی ادراک کی رسائی سے بہت بالاتر ہے۔ ان وسعتوں میں جب یہ نو عرش ختم ہوتے ہیں تو عالم امر کا پہلا دائرہ شروع ہوتا ہے حالانکہ عرشوں کی وسعت ایسے ہے اور ہر عرش اس قدر وسیع ہے کہ جیسے اس کے نیچے کی ساری کائنات ایک انگوٹھی کے برابر ہو جسے ایک وسیع صحرا میں پھینک دیا جائے۔ اس کی وسعتیں اس سے بھی زیادہ اور بے پناہ ہیں۔

جو شخص اللہ کے احسان سے یہ منازل طے کرتا ہوا عالم امر میں وارد ہوا درحقیقت اس نے کوئی بڑا کمال نہیں کیا۔ بلکہ وہ واپس بمشکل اپنی جگہ پر پہنچا جہاں سے چلا تھا۔ عالم امر میں داخلے سے اس کی روح میں وہ خصوصیات بحمداللہ آ جاتی ہیں جو روح کا خاصہ ہوتی ہیں' ترقی اس سے آگے چلنے کا نام ہے۔

جن حضرات نے مراقبات فنا بقا کو انتہا کہا ہے ان کا بھی قصور نہیں ہے ان کی ساری عمر' سارے مجاہدے' ساری محنتیں' انہیں وہیں تک پہنچا سکیں' اور وہ وہیں رہ گئے' لیکن حق یہ ہے کہ فنا بقا کے مراقبات ابتدا ہے۔
مشائخ نقشبندیہ نے اس لئے فرمایا تھا' کہ اول ما آخر ہر منتہی' کہ کوئی اور سلسلہ جس کو انتہا بتاتا ہے وہ ہماری ابتداء ہے اسے ہم الف ب ج د شمار کر کے چلتے ہیں' اور آخر جیب تمنا تھی' اور ہماری انتہا یہ ہے' کہ آدمی کے پاس مانگنے کے لئے کچھ نہیں رہتا' سوال کرنے کی گنجائش نہیں رہتی' کہ اسے اس کی سوچ' اس کے علم' اور اس کے ادراکات سے بہت زیادہ نصیب ہو جاتا ہے۔
عالم امر کے یہ دائرے کم و بیش چالیس سے اوپر ہیں اور ہر دائرہ اپنے سے نیچے ساری کائنات سے وسیع ہوتا ہے۔ ان دوائر میں داخلہ بھی اللہ کی عطا اور شیخ ہی کی توجہ سے ممکن ہے۔ اور ان کو عبور کرنے کے لئے بھی توجہ ہی کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ آدمی کو لاکھوں بار عمر نصیب ہو اور ساری عمر لگا کر اس دائرے میں سفر کرتا رہے تو شاید اس کی وہ لاکھوں عمریں بھی کم پڑ جائیں اور وہ دائرہ قطع نہ ہو سکے اگر کوئی ایسا خوش نصیب ہو کہ یہ سارے دوائر قطع کر سکے' تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ ان دوائر کی انتہا پر یوں سمجھ آتی ہے جیسے ایک چوتھائی سلوک ختم ہو گیا کیونکہ اس سفر کی کوئی انتہا نہیں قرب الٰہی کی کوئی حد نہیں ہے اور کوئی ایسا مقام نہیں ہے کہ جو مقام ایسا ہو کہ وہیں پر اللہ کریم کی ذات موجود ہو بلکہ وہ ہر جگہ بھی ہے' لیکن اس کے قرب کو پانے کے لئے منازل کی بہت بے پناہ وسعتیں ہیں نہ صرف اس زندگی میں بلکہ برزخ میں' میدان حشر میں اور جنت کے ہر لمحے میں' ان لوگوں کو مسلسل ترقی نصیب ہوتی رہے گی۔ جنت کی زندگی جو کبھی ختم نہ ہو گی اس میں کبھی نہ ختم ہونے والی ترقی بھی ہوتی رہے گی پھر بھی کوئی منزل انتہائی منزل نہیں ہو گی۔ یہ کہہ دینا کہ فلاں نے سلوک تمام کر لیا یہ صرف اس بات کی دلیل ہے' کہ وہ آدمی سلوک کو سمجھ ہی نہیں سکا' کیونکہ اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

مقصد سلوک

سلوک قرب الٰہی کا نام ہے اور قرب الٰہی کی کوئی انتہا نہیں ہے جیسے آقائے نامدار ﷺ کی حیات طیبہ ہر لمحہ پہلے کی نسبت زیادہ ترقی پاتی ہے۔ آپ ظاہری طور پر بھی اندازہ فرمالیجئے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد کائنات بسیط میں جو کوئی اللہ کا نام لیتا ہے تو محمد رسول ﷺ اس کا معلم ہے۔ کوئی پیشانی سجدہ کرتی ہے تو وہ سجدہ حضور اکرم ﷺ نے سکھایا۔ کوئی اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اطاعت حضور ﷺ نے سکھائی۔ کوئی اللہ سے محبت کرتا ہے تو وہ محبتیں حضور ﷺ نے تقسیم فرمائیں۔ تو گویا کائنات کا ہر فرد جتنی عبادت کرتا ہے اس میں حضور اکرم ﷺ کا حصہ ہے۔ صرف بعثت کے بعد نہیں بلکہ اس سے پہلے جس قدر انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے وہ بھی برکات محمدیہ کے امین تھے۔ ان کی وساطت سے لوگوں کو جو ہدایت نصیب ہوئی بالواسطہ وہ عطا بھی نبی کریم ﷺ کی تھی بعثت کے بعد انسانیت براہ راست اور بعثت سے پہلے اپنے انبیاء علیہم السلام کی وساطت اور واسطے سے مستفید ہوئی تو اس میں جو اللہ کی گئی' جو نیکی کی گئی' جو جہاد کئے گئے' جو محنتیں ہوئیں' جو ہجرتیں ہوئیں' ان سب میں اتنا ہی ثواب نبی کریم ﷺ کا ہے جتنا کائنات کے کسی انسان کا ہے۔ اب اس کے علاوہ حضور اکرم ﷺ کی ذاتی عبادتیں' آپ ﷺ کی ذاتی طلب اور آپ ﷺ کے ذکر و اذکار ان کا اپنا ایک مقام ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ایک سجدہ ساری کائنات کے دائمی اور ابدی سجدوں سے کروڑوں گنا بڑھ کر فضیلت رکھتا ہے۔ یہ وہ فضائل ہیں جنہیں ہم بظاہر یا علمی اعتبار سے یا عقلی اعتبار سے دیکھتے ہیں یا شمار کر سکتے ہیں۔

آپ ﷺ کی وہ خصوصیات' وہ منازل اور وہ عطا جو ہر لمحہ آپ ﷺ پر متوجہ ہے اور جس کے لئے قرآن حکیم نے استمرار کو استعمال فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ۔ ہر آن اللہ اپنی رحمتیں حضور

ﷺ پر متوجہ رکھتا ہے ہر فرشتہ ہر آن حضور ﷺ کے لئے طلب رحمت کرتا ہے یہ وہ مقامات ہیں جنہیں ہم سمجھ نہیں سکتے' شمار نہیں کر سکتے۔ ان سب کو اگر دیکھا جائے تو حیات طیبہ کے ایک لمحہ میں جو ترقی نبی کریم ﷺ کو نصیب ہوتی تھی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا' وہ ترقی بدستور اسی طرح ہے' اللہ کی رحمتوں کا نزول اسی طرح ہے' فرشتوں کا طلب رحمت اسی طرح ہے' مومنین کا درود اسی طرح ہے اور اللہ کی ساری کائنات میں اللہ کی اطاعت اسی طرح ہے تو گویا یہ ساری ترقی جو حیات دنیوی میں نبی کریم ﷺ کو نصیب تھی وہ حیات برزخی میں یا روضہ اطہر میں اسی قوت اسی کروفر' اسی شان سے ہر لمحہ' ہر آن نصیب ہے' حضور اکرم ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ روز محشر رب العزت مجھے وہ کلمات تعلیم فرمائے گا کہ جنہیں میں اس سے پہلے نہیں جانتا' دعا کرنے کے لئے' خلق خدا کا حساب شروع کرانے کے لئے۔ اس کا مطلب ہے عین عرصہ محشر میں بھی نبی کریم ﷺ کی ترقی ہو رہی ہو گی' وہ منازل جو اس سے پہلے نہیں ہیں اس وقت طے ہو رہے ہوں گے۔ جنت میں تو ہر جنتی کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ ہر لمحہ پہلے سے بہتر ہو گا' ہر کھانے کی لذت پہلے سے بڑھ جائے گی' ہر لباس کی خوبصورتی پہلے سے بڑھ جائے گی' ہر لمحے کی کیفیات پہلے کی نسبت زیادہ ہوں گی۔ اگر ہر جنتی کے لئے یہ ہے تو نبی اکرم ﷺ تو جنتوں کے سنگھار ہیں۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ تخلیق سے لے کر ابدالاباد درجات نبویہ ﷺ مسلسل ترقی کرتے رہیں گے اور منازل قرب کی انتہا نہیں آئے گی۔

سلوک ہو یا تصوف' ولایت ہو یا نیکی' بزرگی ہو یا پاکدامنی' یہ ساری چیزیں حضور اکرم ﷺ کی گرد پا ہیں۔ نہ آپ ﷺ کا سفر تھمے گا نہ آپ ﷺ کی ترقی ختم ہو گی اور نہ آپ ﷺ کے نقوش کف پا سے پھول چننے والوں کے لئے کوئی منزل آخری منزل ہو گی۔ اس کی کوئی انتہا نہیں ہے' اس کا اندازہ کرنا انسانی بس کی بات نہیں ہے بلکہ یہ مسلسل چلنے' مسلسل اس میں فنا ہونے' مسلسل مرنے' مر کے جیے جانے کا نام ہے یہ آگ ہے جو لگ تو سکتی ہے اس کا بجھنا

ممکن نہیں ہوتا' اس کی کوئی انتہا نہیں۔

نسبت اویسیہ کا حصول

یہ نعتیں یا یہ بحث یا باتیں جو میں بیان کر رہا ہوں یہ باتیں کرنا حاملین نسبت اویسیہ کا کام ہے' دوسرا کوئی اس دروازے کو کھٹکھٹا بھی نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ کہ آپ کو اندر کی بات بتائے۔ اس لئے کہ کائنات میں نبوت کا نظام جس طرح سے جاری رہا ہے ہر نبی علیہ السلام اللہ کا برحق نبی علیہ السلام تھا' ہر نبی علیہ السلام نے مخلوق کو واصل باللہ کیا' اللہ کی بارگاہ میں پہنچایا' ہر نبیؑ نے اللہ کی معرفت عطا کی لیکن ہر نبیؑ کی اپنی خصوصیات تھیں' اپنا عبادت کا طریقہ تھا اور اس کی برکات کی زمانے کے اعتبار سے ایک حد تھی۔ بعض نبی علیہما السلام صرف ایک گاؤں کے لئے مبعوث ہوئے دوسرے گاؤں والوں کے لئے ان کا اتباع ضروری نہیں تھا' بعض نبی علیہما السلام ایک قوم کے لئے مبعوث ہوئے دوسری قوم کے لئے نہ ان کا اتباع ضروری تھا اور نہ دوسری قومیں ان کی اتباع کی مکلف تھیں' نہ انہوں نے دوسری قوم کو دعوت ہی دی اس سے ان کی شان نبوت میں فرق نہیں آیا اور نہ ان کے فرائض میں فرق آیا۔ آپ دیکھتے ہیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسا اولوالعزام رسول موجود ہے لیکن درمیان میں ایک چھوٹا سا دریا ہے' دریا کے اس پار حضرت لوط علیہ السلام موجود ہیں' دریا کے اس پار لوط علیہ السلام کا اتباع واجب ہے' دریا کے اس طرف آئیں' تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت ہے۔ اسی ایک وقت میں وہی ایک فرشتہ ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے پیدا ہونے کی خوشخبری دیتا ہے اور وہ ہی یہ خبر بھی بتاتا ہے کہ میں ان فرشتوں کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ تو ایک ہی وقت میں ایک دریا کے اُس کنارے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت ہے اور اِس کنارے حضرت لوط کی نبوت ہے اور یہ حال ہمیں پورے عرصہ نبوت میں ملتا ہے تاآنکہ نبی کریم ﷺ مبعوث

ہوتے ہیں کہ وہ سوتا فیض کا، ہر وہ ذرہ نور کا، ہر وہ روشنی، ہر وہ قدم قرب الٰہی کا، ہر وہ ذرہ محبت اور عشق الٰہی کا ہر وہ پہلو طلب الٰہی کا، وہ ساری خوبیاں، وہ سارے حسن، وہ ساری طلب، وہ ساری محبتیں، سمٹ کر ایک وجود اقدس میں سما جاتی ہیں اور پھر ہر ایک کو جیسا اس کا مزاج ہے، جیسی اس کی طلب ہے، جیسی اس کی استعداد ہے، ویسی برکات صرف ایک ذات سے نصیب ہونا شروع ہو جاتی ہیں، یہی معنی ہے ختم نبوت کا۔

یہ جن باتوں پر بڑا جھگڑا ہوتا ہے، دلیلیں دی جاتی ہیں، وہ محض علمی الجھاؤ ہیں، محض باتیں ہی باتیں ہیں، حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد پوری انسانیت کا کوئی متنفس ایسا نہیں رہ جاتا کہ جسے اس کی طلب، اس کے مزاج کے مطابق یہ برکات نصیب نہ ہوں، یعنی کسی نئے نبیؑ کی بعثت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ ختم نبوت کا یہی معنی ہے اور یہ کہ اگر حضور ﷺ کے بعد کسی کو نیا نبیؑ تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ کمال جو ہے اس کا انکار کیا جاتا ہے، یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انسانیت کا کوئی پہلو تشنہ رہ گیا، جس کی تکمیل آپ ﷺ کی ذات سے نہ ہو سکی، اس کے لئے کسی دوسرے نبی کو مبعوث فرمایا جائے، اسی لئے کسی نئے نبیؑ کا ماننا اجماعی طور پر کفر ہے، حضور ﷺ کے کمالات کا انکار کفر بنتا ہے، یہ تو تھا ایک ضمنی سا حوالہ ختم نبوت کا۔ کمالات رسالت پناہی میں یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر انبیاء و رسل مبعوث ہوئے، جس قوم میں مبعوث ہوئے، جس سرزمین پر مبعوث ہوئے، جس زمانے میں مبعوث ہوئے اور جس طرح کے انسانوں میں طلب تھی یا ان میں قبولیت کی استعداد تھی، یا ان کے مزاج تھے، ہر قوم میں، ہر وقت میں، ہر زمانے میں، ہر حلقے میں، جو اس وقت کی استعداد اور طلب تھی اس کے مطابق کرامات، معجزات اور برکات کے ساتھ انبیاءؑ کو مبعوث کیا گیا۔ لیکن جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے تو انسانیت کے ہر فرد کی طلب کی تکمیل کا جو سامان تھا، وہ آپ ﷺ کی ذات میں موجود تھا اور ہر

شخص اس چشم صافی سے سیراب ہو سکتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ کتنے خوش بختوں کو نصیب ہوا اور کتنے محروم القسمت اس سے محروم رہے' لیکن محروم رہنے والوں کا قصور اپنا تھا اس طرف سے ان کے لئے کوئی کمی نہ تھی' وہاں سب کچھ موجود تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جامع کمالات نبوت

یہی حال سلاسل تصوف کا ہوتا ہے۔ اس موضوع پر ایک بڑا معرکۃ الارا سوال یہ کیا جاتا ہے کہ سارے سلاسل حضرت علی کرم اللہ الوجہ الکریم پر کیوں منتہی ہوتے ہیں باقی کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے کوئی سلسلہ بنتا یا چلتا کیوں نظر نہیں آتا' یا آپ رضی اللہ عنہ سے پہلے کوئی سلسلہ کیوں نہیں بنتا؟ بعض نے اسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا معیار بنا کر شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر افضل ماننے کی سعی کی ہے۔ تو یہ ساری باتیں اس ایک سوال سے پیدا ہوئیں۔ حق یہ ہے کہ جو برکات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم فرمائیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بعد مختلف شعبے وجود میں آئے کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جو ان سب برکات کو بیک وقت سمیٹتا' بلکہ وہ تقسیم ہو گئیں' کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن بیان ملا' کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم و ادراک سے اپنی استعداد کے مطابق کوئی ذرہ نصیب ہوا' کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و کرم کا کوئی پرتو یا ذرہ نصیب ہوا' کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال ظاہری کا کوئی پرتو نصیب ہوا' کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جرات و دلیری کا کوئی شمہ نصیب ہوا' کسی دوسرے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی وسعتوں میں سے کوئی قطرہ نصیب ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تم پر نماز' روزے سے سبقت نہیں لے گیا' کسی نیکی اور عبادت سے سبقت نہیں لے گیا' بلکہ ان کیفیات اور اس دولت سے تم پر سبقت لے گیا ہے جو میرے دل اطہر صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی اور جسے میں نے اس کے سینے میں انڈیل دیا۔ یہ ایک حدیث کا مفہوم ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ساری کائنات مستفید ہوتی رہی لیکن جس جامع طور

پر برکات کو ان سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سمیٹا کوئی دوسرا اس طرح نہ سمیٹ سکا۔ اس لئے کسی نئے سلسلے کی ضرورت پیش نہ آئی بلکہ نبی کریم ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی برکات کو مختلف لوگوں نے مختلف انداز سے وصول کیا لیکن جامع طریقے سے وصول کرنے والے کا نام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہی امانت اس طرح جامع طور پر جس نے وصول کی اس کا نام حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابو طالب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سلاسل کے اجرا کا سبب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد پھر پانچواں کوئی شخص ایسا جامع نہیں ملتا جو ان سب صفات کو بیک وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جامع طور پر وصول کرتا اس لئے آپ رضی اللہ عنہ کی ذات پر آ کر ان برکات کے بے شمار سوتے پھوٹتے ہیں اور بے شمار سلاسل شروع ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے انداز میں ان برکات کو لیتا ہے۔ اس لئے ہر سلسلہ تصوف وہاں جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ بحر نبوت کی جو لہر آپ ﷺ سے نکلتی ہے وہ اس جوش و جذبے' اسی روانی سے بحر صدیقیت میں سے گذرتی ہے' فاروقیت میں سے گزرتی ہے' بحر غنا میں سے گذرتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے لیکن آپ رضی اللہ عنہ سے آگے کسی کا اتنا وسیع ظرف نہیں جو اس سارے بحر کرم کو سمیٹ لے بلکہ پھر مختلف دریا' مختلف چشمے' مختلف نہریں اس میں سے نکلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ تو اب اگر کسی نہر کے راستے' کسی دریا کے راستے' کسی چشمے کے راستے کوئی وہاں تک پہنچے تو اس نے گویا اس بحر صافی کو پا لیا جس کا منبع سینہ اطہر رسول ﷺ ہے۔

نسبت اویسیہ کی قوت

لیکن ان تمام نسبتوں میں نسبت اویسیہ ایک واحد نسبت ہے جس میں مشائخ اویسیہ اور ذات نبوی ﷺ کے درمیان صرف ایک ہستی ہے اور وہ ہے

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' یہ آپ رضی اللہ عنہ کی مسلسل برکات کا وہ پہلو ہے' جو جسے نصیب ہو جائے' وہ تمام سلاسل کی انتہا سے بہت آگے جا کر ابتداء کرتا ہے۔ یہ اس کا بڑا عجیب پہلو ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل و برکات میں یہ بات بڑی واضح ہے' آپ ان ساری باتوں کو اگر چھوڑ بھی دیں اور صرف ایک بات کہ جو تین راتیں ہجرت کی غار ثور میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئیں' تین شبانہ روز پوری کائنات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرنے والا صرف اللہ کا ایک بندہ تھا' تین شبانہ روز اس سراج منیر سے جس نے سارے جہانوں کو منور کرنا تھا' جس کی پوری روشنی' پوری توجہ' پوری تمازت' پوری حدت کو سمیٹنے والا صرف ایک شخص تھا وہ اللہ کا بندہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھا۔

ذاتی معیت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عرض کیا تھا کہ اے حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ ایسا کریں کہ جو نیکیاں میں آج تک کر چکا ہوں وہ بھی اور جو مرنے تک اللہ مجھے نصیب کرے گا' وہ بھی (جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر کی نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں ایسی ہیں جیسے کسی رات میں ستاروں سے بھرا آسمان ہوتا ہے) یہ ساری نیکیاں میں آپ کی نذر کرتا ہوں' ایک رات غار ثور کی راتوں میں سے آپ مجھے عطا کر دیں' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں' یہ تو اللہ کی عطا ہے' اس نے جسے چاہا دے دی' آپ اپنی نیکیاں ضرور رکھیں' لیکن قرب کے وہ لمحات جو ان راتوں میں مجھے نصیب ہوئے' وہ میں کیسے دے سکتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سودا منظور نہیں کیا تھا۔ تو یہ استفادہ جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا اور جس کا سبب معیت الٰہی کا ایک خاص درجہ ہے۔ اس معیت میں صرف دو ہستیاں ہیں' انبیاء علیہم السلام میں امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور غیر انبیاء میں پوری انسانیت میں صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' یہ دو ہستیاں ایسی ہیں جنہیں براہ راست ذاتی

معیت الٰہیہ نصیب ہے' ان اللہ معنا اس معنا میں صرف یہ دو ہستیاں ہیں۔ یہ کیفیت معیت ذاتیہ کی حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے تقسیم ہوتی ہے' حضرت فاروق اعظم ؓ بھی پاتے ہیں' حضرت عثمان غنی ؓ بھی پاتے ہیں' حضرت علی المرتضیٰؓ بھی پاتے ہیں' دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی پاتے ہیں' تابعین اور تبع تابعینؒ بھی پاتے ہیں اولیاء اللہ بھی پاتے ہیں لیکن یہ ایسا بحر بے کراں ہے کہ اس کا مرکز حضرت صدیق ؓ کی ذات سے آگے نہیں بڑھتا پھر اس پائے کا اللہ کا بندہ' ان وسعتوں کا امین' یا ان منزلوں کا راہی کوئی بھی دوسرا نظر نہیں آتا جو اس کا مرکز ثانی بنے۔ یہ پھر ہمیشہ وہیں سے تقسیم ہوتی رہتی ہے اور اس تقسیم ہونے والی نسبت کو نسبت اویسیہ کہتے ہیں۔ اس لئے اسے تمام سلاسل پر یہ فوقیت حاصل ہوتی ہے کہ کسی بھی سلسلے کا کوئی فرد ذے سالک المجذوبی سے آگے بڑھنا نصیب ہو جائے' عرش کے منازل میں قدم رکھنا چاہے۔ تو نسبت اویسیہ ہی اس کی دستگیری کرتی ہے' اس سے آگے اسے یہی نسبت نصیب ہو جاتی ہے تب ہی وہ آگے چل سکتا ہے۔ اس لئے تمام سلاسل میں سے اس خاص مقام سے آگے بڑھنے والے حضرات اسی نسبت کو پا لیتے ہیں۔

جب اس نسبت کا ظہور ہوتا ہے تو پھر دنیائے تصوف میں یہی لوگ ہوتے ہیں جو تمام سلاسل کے لئے مرکز کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں اور روئے زمین پر اس کے حامل افراد اللہ کریم پیدا فرماتا ہے اور ان سے برکات تقسیم کرنا شروع کرتا ہے۔ اصول یہ بن جاتا ہے کہ روئے زمین پر جتنے سلاسل تصوف چل رہے ہوتے ہیں تو وہ پھر ان کے مشائخ سے اپنا حصہ وصول کرتے ہیں براہ راست پہنچنے کے لئے کسی کے پاس وہ قوت نہیں رہ جاتی اور یوں یہ سلسلہ تمام سلاسل تصوف کا مرکز بن جاتا ہے۔

اویسیت کی عالمگیریت

جس طرح پہلے انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں تھا کہ دریا کے اس پار

اتباع حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شرط ہے' دریا کے اس پار حضرت لوط علیہ السلام کی اتباع شرط ہے۔ اسی طرح باقی سلاسل میں ہے کہ کچھ لوگوں کو ایک سلسلے سے حصہ نصیب ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کا اس میں حصہ نہیں ہوتا انہیں کسی دوسرے سلسلے سے یہ برکات نصیب ہوتی ہیں۔ آپ نے مشائخ کے ارشادات میں سنا ہو گا کہ انہوں نے بعض لوگوں کو فرما دیا کہ تمہارا حصہ میرے پاس نہیں ہے تم فلاں شخص کے پاس جاؤ اور یہ انہوں نے صحیح فرمایا کہ باقی تمام نسبتوں میں یہ ہوتا ہے کہ ایک خاص مزاج یا خاص استعداد کے لوگوں کے لئے ان کے پاس ایک خاص نسبت ہوتی ہے۔ دوسری قسم کے لوگوں کو دوسری قسم کی نسبت کا شیخ تلاش کرنا پڑتا ہے۔

نسبت اویسیہ کی قوت

لیکن نسبت اویسیہ وہ وسیع سمندر ہے جس میں پوری انسانیت کے ہر فرد کا حصہ موجود ہے۔ یہ کسی کو نہیں کہتے کہ تمہارا حصہ میرے پاس موجود نہیں ہے اس لئے کہ ان کے پاس وہ پرتو جمال ہوتا ہے جو ساری انسانیت کے لئے ہے' اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ اور صرف یہ نسبت اویسیہ ہے جس میں کوئی قید نہیں ہے کہ کس کا حصہ ہے یا کس کا نہیں ہے۔ صرف آنے کی دیر ہے' طلب کی دیر ہے' تلاش کی دیر ہے' جو چاہے اس میں سے جتنا چاہے' وصول کر سکتا ہے۔ یہ وہ واحد نسبت ہے جسے روئے زمین کے کسی سلسلے کا کوئی شیخ اس کے کسی مبتدی کا ایک لطیفہ بھی سلب نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ سلب کرنے کے لئے اس سے بالا استعداد شرط ہے اور کوئی سلسلہ اس سے بالا ہوتا نہیں' سب اس سے نیچے ہوتے ہیں۔ اور نیچے والا اوپر سے کچھ نہیں چھین سکتا۔ خود اس کے اپنے مشائخ کا مزاج ایسا ہے کہ وہ سلب نہیں فرماتے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی اپنی کوتاہی سے' اپنی خطاؤں سے' اپنی سستی سے اس نعمت کو ضائع کر دے تو وہ الگ بات ہے۔ لیکن اس کے مشائخ کا اسلوب یہ ہے کہ اس وقت تک سلب

نہیں فرماتے جب تک کسی کے گمراہ ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور اگر سلب کرتے ہیں تو میرا کم از کم یہ تجربہ ہے کہ جن لوگوں سے میں نے یہ نسبت سلب ہوتی دیکھی ہے وہ اپنے ساتھ نور ایمان کو بھی لے کر نہیں گئے۔ پھر ان کے پاس کچھ نہیں بچتا۔ ہاں اس میں یہ قوت ہے کہ کسی سلسلے کا کوئی فرد اس کے کسی مبتدی کی نسبت کے کسی ذرے کو سلب نہیں کر سکتا۔ اور خود اس کے مشائخ وسیع الظرف ہوتے ہیں کہ ایسا وسیع الظرف انسان ہی اس نسبت کا حامل ہو سکتا ہے۔ کیا یہ کم وسیع الظرفی ہے کہ بلا تمیز رنگ و نسل' بلا تمیز جنس' بلا تمیز علم و عمل' بلا تمیز کسی کی عمر اور قد کے ہر آنے والے کا دل منور کر دیا جائے۔ اسے زیادہ وسیع الظرفی اور کیا ہو سکتی ہے ورنہ ہر سلسلے کے لوگ برسوں آدمی کو چلاتے رہتے ہیں' جانچتے رہتے ہیں' پرکھتے رہتے ہیں کہ کیسا آدمی ہے۔ پھر اگر مناسب سمجھتے ہیں تو اس کے دل میں کوئی نور انڈیلتے ہیں ورنہ نہیں۔ لیکن یہ ایسے مزاج کے لوگ ہیں کہ ان کے پاس چور آئے' ڈاکو آئے' بدکار آئے اس کا دل بھی منور کر دیتے ہیں۔ میں نے یہ دیکھا ہے کہ ان کے پاس کافر آئے' انہیں اللہ اللہ کرایا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ جاہل آئے اور عالم بن گئے۔ یہ عجیب لوگ ہیں۔ یہ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ کس میں کتنی استعداد ہے' اس کو کیا دیا جائے بلکہ جو آ جائے اسے عطا کر دیتے ہیں اور استعداد بھی ان کے دروازے سے مل جاتی ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے اور میرے خیال میں اس سے بڑھ کر وسیع الظرفی کا یا سخاوت کا دنیا میں کوئی تصور نہیں ہے۔ کوئی دینے والا نہ صرف دولت دے بلکہ دامن بھی اپنے گھر سے دے دے کہ اگر تمہارے پاس دامن نہیں ہے تو یہ دامن بھی مجھ سے لے جاؤ۔ دامن میں دولت کا ہونا الگ بات ہے دامن بھی ساتھ عطا کر دینا الگ بات ہے۔ اور اسی لئے یہ بہت کم یاب ہوتے ہیں کہ پندرہ صدیوں میں ان کے گیارہ مشائخ ملتے ہیں' ایک عرصہ دراز میں کتنی مخلوق گذری' کتنے ولی اللہ گزرے' کتنے کامل گزرے' کتنے واصل باللہ گزرے۔

اللہ نگاہ دے تو آسمان پر اتنے ستارے نہیں چمکتے جتنے زمین پر اولیاء اللہ کے انوارات چمکتے ہیں۔ جو لوگ پیوند زمین ہو چکے ہیں ان میں اور ان چودہ پندرہ سو سالوں میں صرف گیارہ افراد ایسے تھے جو اس نسبت کے حامل اور تقسیم کرنے والے تھے۔ تو کتنی قیمتی دولت ہے' کتنی بڑی بات اور کتنی عجیب خوش نصیبی ہے کہ رب کریم نے ہمیں ان کے دامن سے وابستہ کر دیا۔ اللہ کی عطا کسی کی استعداد کو نہیں دیکھتی بلکہ جسے وہ عطا کرتا ہے اسے استعداد بھی دے دیتا ہے اور یہ اس کا بڑا عجیب احسان ہے کہ مختلف اعتبارات سے ہم بہت محروم بھی رہے کہ بہت سے مبارک زمانے مثلاً" عہد نبوت ہم نہ پا سکے' قرب نبوت نہ پا سکے' صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا دور نہ پا سکے' تابعین و تبع تابعین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم کا دور نہ پا سکے۔ وہ فضائیں' وہ غزوات' وہ ہجرتیں' وہ نعمتیں اور قرب الٰہی کے وہ لمحات ہم نہ پا سکے۔

فنافی الرسول کا طرۂ امتیاز

دنیا میں بہت دیر بعد اللہ نے ہمیں بھیجا لیکن اس کا کتنا احسان ہے کہ ان ساری برکات کو سمیٹ کر نسبت اویسیہ کے طفیل ہمیں پھر بھی سرفراز فرما دیا ہے' اس وسیع کائنات میں جب لوگ مادیت پر فدا ہو رہے ہیں' مادی لذتوں کے لئے کٹ مر رہے ہیں' اس پر اپنا سب کچھ نچھاور کر رہے ہیں اور اپنے اوقات' اپنے لمحات' اپنی طاقتیں' اپنی قوتیں' اپنی محبتیں' اپنی طلب' اپنی آرزو' اپنی جستجو کو دنیوی لذتوں پر لٹا رہے ہیں۔ اس افراتفری کے زمانے میں اس طوفان بدتمیزی میں اس نے ہمیں نسبت اویسیہ سے وابستہ کر کے کتنا احسان فرمایا اس کا کتنا کرم ہے' اس کا کتنا احسان ہے' اس کی کتنی شفقتیں اور کتنی رحمتیں اور کتنی مہربانیاں ہیں کہ اس نے صدیوں کی وسعتوں کو سمیٹ دیا' اس نے زمانے کی بساط کو لپیٹ دیا اور "اللہ ھو" کی ایک ضرب سے ہم جیسے بدکاروں کی

ارواح کو بھی یہ قوت بخشی' کہ وہ بارگاہ نبوت ﷺ کے جمال جہاں تاب سے سیراب ہوں اور زمانوں کی وسعتوں کو' صدیوں کی وسعتوں کو' دنیا کی وسعتوں کو' عالم برزخ کی وسعتوں کو طے کرتی ہوئی حضور اقدس ﷺ کے پاس پہنچیں اور جمال مصطفوی ﷺ سے سیراب ہوں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ کوئی چھوٹا سا کام نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے ہمیں یہ قوت بخشی ہے اور یہ روزمرہ کا معمول بن جاتا ہے۔ یہاں یہ یوں بٹتی ہے جیسے کوئی عام سی چیز ہو' ہر آنے جانے والے کو دی جا رہی ہو' لیکن اس سے اس کی قیمت میں فرق نہیں آتا' اس کی قدر و منزلت نہیں گھٹتی۔ یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے یہاں لوٹ مچا دی اور لوگ خواتین ہوں یا حضرات' بچے ہوں یا بوڑھے دامن بھر بھر کر سمیٹتے ہیں۔ یہ بہت بڑی دولت ہے' اس کا بہت بڑا انعام ہے' بہت بڑی نعمت ہے اور اسے یوں لٹانا یہ صرف نسبت اویسیہ کا کام ہے ورنہ اس کے حصول میں عمریں صرف ہو جاتی ہیں۔

مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے قطب ارشاد تھے' بہت بڑی ہستی تھے فرماتے تھے کہ میں نے پینتالیس برس لگائے اور یہ نعمت حاصل کی۔ کوئی میرے پاس چار برس لے کر آئے' چار برس کا خرچہ اپنے بچوں کو دے کر آئے' چار برس اسے میرے پاس تنہائی میں بیٹھنا ہو گا تو میں اسے فنا فی الرسول کرا دوں گا۔ ان کے ارشادات آج بھی ان کی تقاریر کے مجموعوں میں' ان کے رسالوں میں موجود ہیں اور یہ اتنی بڑی بات تھی کہ میرے خیال میں ان کے علاوہ صدیوں میں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جس نے ایسا بھی کہا ہو۔

کہاں یہ شرائط اور کہاں اس نعمت کی یہ ارزانی' کوئی اپنے گھر میں رہے' اپنا کام بھی کرتا رہے' اپنے کاروبار میں بھی رہے' معمولات میں باقاعدگی کر کے

سلسلے کے مشائخ سے رابطہ رکھے تو جو جہاں ہے اور جیسا ہے وہیں اس کو یہ دولت نصیب ہو جائے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ یہ اندازہ تو وہ کر سکتے ہیں جو ان نعمتوں کے سمجھنے والے' جاننے والے ہیں' انہیں اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتنی عجیب بات ہے۔ تو یہ اسی نسبت کی خصوصیات ہیں' اس راستے کے یہ نشان ہیں' اس منزل کی طلب اور اس کی طرف بڑھنے کی قوت اگر عطا فرمائی ہے تو کچھ بندے کے ذمے بھی آتا ہے بندہ بھی مکلف ہوتا ہے اور نعمت کا شکریہ ہوتا ہے کہ اس کی عظمت کو پہچانا جائے' اس کی قیمت کو پہچانا جائے اور اس انداز سے سرنیاز خم کیا جائے' اس انداز سے خدا کا شکر ادا کیا جائے' جتنے اس کے احسانات ہیں اور اس کا کرم عجیب ہے کہ فرماتا ہے۔

تم شکر ادا کرو گے میں انعامات کو اور بڑھا دوں گا۔ شکر نعمت یہ ہے کہ اس نعمت کی یاد کو تازہ رکھنا' طلب و جستجو کو قائم رکھنا اور آگے بڑھنے کا نام شکر ہے' پیچھے ہٹنے کا نام شکر نہیں ہے۔ پیچھے ہٹنے کا نام ناشکری ہے' کفر ہے۔ شکر نعمت آگے بڑھنے کا نام ہے' مزید طلب و جستجو کا نام ہے' مزید مجاہدے اور اطاعت کا نام ہے' مزید محبت و عشق کا نام ہے۔

حاصل بیان

تو یہ اجتماعات' یہ حاضری' یہ مل بیٹھنا' یہ ذکر کی محفلیں کسی دینوی کام کے لئے نہیں ہیں' کسی دینوی رشتے کے لئے نہیں ہیں اور بڑے کم سوچ رکھنے والے وہ افراد ہیں جو اس میں سے بھی دنیا داری تلاش کریں۔ یہ خالص قرب الٰہی کی طلب کی محافل ہیں' خالص تجلیات باری کی طلب کی اور اس کی آرزو و جستجو کی محافل ہیں۔ جن احباب کو جتنا بھی وقت نصیب ہوا' الحمدللہ! یہاں کا ایک لمحہ بھی اُس کی بہت بڑی عطا ہے جنہیں بہت زیادہ نصیب ہوا' ان کی اپنی قسمت تھی' جنہیں جتنا جتنا نصیب ہوا ان کی اپنی قسمت۔ اللہ کریم اسے ہمیشہ کے لئے اور دائمی نعمت اور انعام کے طور پر عطا فرمائے۔ خطا اور لغزش و کوتاہی انسان

کی سرشت میں داخل ہے اور پھر جب انعامات عطا ہوتے ہیں تو شکر بھی اس درجے کا واجب ہو جاتا ہے۔انسان کے لئے بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ اس نعمت کا شکر ادا کر سکے۔اور حقیقتِ شکر ہے بھی یہ کہ جب آدمی کو ادراک ہو جائے کہ میں شکر بھی کر نہیں سکتا۔حقیقتِ شکر یہی ہے کہ آدمی کو یہ سمجھ آ جائے کہ اس کی نعمتیں اتنی ہیں کہ میں چاہوں بھی تو شکر ادا نہیں کر سکتا' میں جتنی کوشش کروں یہ کم پڑتا چلا جائے گا۔

دعا کے لئے تو یہی چند الفاظ ہیں کہ اللہ یہ طلب و جستجو آپ سے نہ چھینے۔

☆ ☆ ☆

راہ سلوک کے تقاضے

عقیدت کی تعریف

راہ سلوک کی چند بنیادی و ضروری باتیں عرض کروں گا۔ اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے لئے سب سے پہلی شرط عقیدت ہے۔ عقیدت آدمی کے اندر پیدا ہونے والے ایک ایسے جذبے کا نام ہے یعنی وہ جذبہ جو واقعتہً" کسی بھی ہستی میں اپنے مطلوب و مقصود کو جان کر پیدا ہوتا ہے' عقیدت ایک ایسی عجیب شے ہے جو بنانے سے نہیں بنتی۔

عقیدت کیسے پیدا ہوتی ہے؟

عقیدت جب بن جاتی ہے تو ہوتا یوں ہے کہ بغیر واقفیت بھی محض کسی کا ذکر سن کر بن جاتی ہے' کسی کے بارے میں چند باتیں سن کر عقیدت پیدا ہو جاتی ہے' کسی کے ساتھ نظریں چار ہونے پر بھی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ طبیعت کی مناسبت سے پیدا ہوتی ہے۔اگر طبائع میں تضاد ہو تو پھر عقیدت پیدا نہیں ہوتی۔ ایک شخص ذات باری کا طالب ہے' ایک شخص آخرت کا طالب ہے' ایک شخص قرب نبوی ﷺ کا طالب ہے' دوسرا کسی اور شے کا طالب ہے یا دنیا کا طالب ہے' اقتدار و وقار کا طالب ہے' مال و دولت کا طالب ہے۔ جب دونوں کی طلب جدا ہو گی تو دونوں کا مزاج نہیں ملے گا' دونوں کے طبائع نہیں ملیں گی اور جب طبائع میں تضاد ہو گا تو عقیدت نہیں بنے گی اور جب عقیدت نہیں ہو گی تو پھر استفادہ ممکن نہیں' فائدہ حاصل کرنا ممکن نہیں۔ پھر یہ بھی ضروری

نہیں ہے کہ وہ عقیدت جو کبھی تھی ہمیشہ قائم رہے۔ اس راہ کی مصیبت یہ ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی طلب مختلف ہو جائے گی عقیدت مجروح ہو جائے گی۔ ایک شخص آپ کے ساتھ چلتا ہے' راہ خدا میں خالص طلب لے کر' صحیح مقصد لے کر کسی بھی منزل پر کتنا عرصہ چلنے کے بعد بھی جب بھی اس کی طلب بدل جاتی ہے یعنی اس کی وہ طلب خالص نہیں رہتی' جو لے کر آپ کے ساتھ چلا تھا۔ تو جہاں سے وہ طلب بدلے گی' وہاں سے رشتہ قطع ہو جائے گا۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بعض لوگ حضور نبی کریم ﷺ کی بابرکت مجلس میں حاضر ہوئے' یہ ان کے لئے بہت بڑی بات تھی۔ ان کے لئے بہت بڑا درجہ تھا لیکن پھر تاریخ میں ایسے نام ملتے ہیں جو مرتد ہو گئے۔ حالانکہ جہاں تک کوئی انسان انسانی عظمت پا سکتا ہے' وہ صحبت نبوی میں حاصل ہو سکتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بڑی عظمت کی چیز صحبت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ہے اور انبیاء علیہم السلام میں جس طرح حضور سرور کائنات ﷺ ممتاز ہیں' اس طرح باقی مذاہب کے اصحاب میں حضرت محمد ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ممتاز ہیں' تو اتنے بلند مقام پر پہنچ کر بھی کچھ لوگ بھٹک گئے' مار کھا گئے' مرتد ہو گئے' کیوں ہوئے؟ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے تو کسی طرح کی کوئی کمی نہیں تھی' کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی' تو پھر وہ صحابیت سے ارتداد کے عمیق گھڑے میں کیوں گر گئے؟

عقیدت مانند بجلی

اس لئے کہ ان کی اپنی طلب بدل گئی تو جب بھی اور جہاں بھی طلب بدل جائے گی' خود پرستی انانیت آ جائے گی' جاہ طلبی عہدہ طلبی آ جائے گی اور جب طلب بدلے گی تو پھر ہوتا یہ ہے' کہ نہ صرف رستہ جدا ہو جاتا ہے بلکہ جو کچھ اس شخص نے حاصل کیا ہوتا ہے اور وہ سارا رشتہ صاف ہو جاتا ہے۔ یہ رشتہ بجلی کے تار کی طرح چلتا ہے' جہاں سے تار کٹ جائے' جہاں

سے ٹوٹتی ہے' اس سے آگے پھر کچھ نہیں رہتا۔ یہ نہیں ہوتا کہ تار ٹوٹ گئی تو صرف پیچھے سے بجلی آنا بند ہو گئی اور جو پہلے سے آ گئی تھی وہ تو موجود ہے' وہ بھی نہیں رہتی۔ اس کے لئے سب سے پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات کی نگرانی کرتا رہے' اپنی طلب کو' اپنی سمت کو بھٹکنے نہ دے اور یہ یقین کرے کہ دنیا تقسیم ہو چکی ہے' دولت بانٹی جا چکی ہے' عمریں بانٹی جا چکی ہیں' صحت و بیماری بانٹی جا چکی ہے' جس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے دعا دی تھی کہ خدا آپ کی عمر دراز کرے تو انہوں نے فرمایا تھا سیاہی تو خشک ہو چکی' جو لکھنا تھا لکھا جا چکا ہے' تم مجھے اگر دعا ہی دینا چاہتے ہو' تو سعادت مندی کی دو' آخرت کی دو' جہاں کا امتحان باقی ہے' جہاں کے فیصلے ہونا باقی ہیں' جہاں جا کر ہر شخص کو پرکھا جائے گا' وہاں کے بارے بات کرو' دنیا کی زندگی کی دعا بیشک نہ دو' یہ تو فیصلہ ہو چکا' تو اب جو فیصلے ہو چکے ہیں' انہیں ہماری خواہشات نہیں بدل سکتیں۔ یہ رب العالمین کا اتنا بڑا وسیع نظام ہے کہ اگر ہماری خواہشات کے مطابق اسے چلانا چاہے تو یہ ایک پل بھی نہیں چل سکتا۔ اربوں انسانوں کی کھربوں خواہشات ہوں گی اور ہر شخص کی خواہش مختلف ہو گی' کروڑوں لاکھوں اربوں انسان دھوپ کے حق میں ہوں گے تو اسی وقت اربوں انسان دھوپ کے نہ ہونے کے حق میں خواہش رکھتے ہوں گے۔ لوگوں کی متضاد خواہشات ہوں گی تو پھر وہ کیسے پوری ہوں گی۔

طلب کی اہمیت

عقیدت کے بعد اس منزل کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اپنی سارے کی ساری طلب اللہ پر' اللہ کی رضا پر' حضور نبی کریم ﷺ کے قرب کی تلاش پر مرتکز کرے' ہر اس خواہش سے دست بردار ہو جائے جو اس راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے اور ہمیشہ اپنا محاسبہ کرتا رہے کہ میرے دل میں پیدا ہونے والی خواہش اظہار کے قابل بھی ہے یا نہیں۔ دل میں خواہش کا آنا غیر اختیاری

ہوتا ہے لیکن اسے زبان پر لانا یا نہ لانا اس پر عمل کرنا یا نہ کرنا اس کا اللہ کریم نے اختیار دیا ہے' شعور دیا ہے۔ تو سب سے بنیادی بات یہ ہے' کہ اپنی طلب کو راست اور بہت بلند رکھے۔ لقائے باری' حضور الٰہی اور قرب نبوی علٰی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی طلب رکھے۔ یہی طلب اسے وہاں عقیدت پیدا کرنے میں معاون ہو گی جہاں پہلے سے یہ دولت موجود ہو اور اگر یہ طلب صحیح نہیں ہو گی تو وہ کسی صحیح اور مخلص انسان تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ آپ دیکھتے ہیں لوگ دنیاداروں' نقالوں' دغا بازوں اور دھوکہ دینے والوں کے پاس ساری عمر کیوں لٹتے جاتے ہیں؟ ہم لوٹنے والے کو ہمیشہ ظالم شمار کیا کرتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ لٹنے والا بھی ایک حیثیت میں ظالم ہوتا ہے' اس کی طلب صحیح نہیں ہوتی آپ بازار میں نکلتے ہیں تو جو چیز خریدنے نکلتے ہیں' جس دکان پر وہ نہ ہو' خواہ دکان کتنی سجی ہو' کبھی آپ وہاں رکے ہیں؟ جو چیز ضرورت کی ہے وہ تو وہاں ہے نہیں پھر وہاں رکنے کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن اگر وہی شے آپ کو کسی کھوکھے پر' کسی چھابڑی فروش کے ہاں مل جائے تو آپ وہاں رک جاتے ہیں خواہ وہ فٹ پاتھ پر بیٹھا ہو۔ بات تو طلب کی ہے۔ اگر طلب صحیح ہو تو انسان بدکاروں یا دھوکہ بازوں کے پاس رکتا ہی نہیں خواہ انہوں نے کتنی بڑی دکان سجا رکھی ہو اور جو رکتا ہے دراصل اس کی اپنی طلب صحیح نہیں ہوتی۔

جہاں یہ جنس گراں مایہ ملتی ہو وہاں اس کی قیمت بھی واللہ نے بہت بڑی رکھی ہے۔ اللہ نے اس کی قیمت طلب صادق رکھی ہے کہ جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے تو وہ سارا دے دے اور یہ نعمت لے لے۔ زندہ رہنے کا حق' روزی کمانے کا حق' مال خرچ کرنے کا حق' سونے جاگنے کا حق دے دے اور یہ جنس گراں مایہ لے لے۔ اگر ان چیزوں سے دست بردار نہیں ہو گا اور اگر کہے گا کہ میں اپنی مرضی سے سونا چاہتا ہوں' اپنی مرضی سے اٹھوں گا' میں اپنی مرضی سے کھانا چاہتا ہوں' جو چیز مجھے اچھی لگے کھاؤں گا جو اچھی

پسند سے دوستی و دشمنی کروں گا۔ تو پھر یہ نعمت نہیں ملے گی۔ یہ تو تب ملتی ہے جب یہ ساری چیزیں دے دے اور اگر زندگی کے کسی لمحے میں بھی تجھے یہ خیال آ جائے کہ میں اپنی چیزیں واپس لیتا ہوں تو خداوند عالم بھی یہ نعمت واپس لے لیتا ہے' ضد نہیں کرتے' زبردستی نہیں کرتے' جب بھی کوئی سودا منسوخ کرنا چاہے وہاں سے منسوخ ہو جاتا ہے۔

اطاعت

تو گویا حصول تصوف کی' راہ سلوک کی بنیاد یہ ہے کہ طلب کو درست رکھے اور پھر اس کے درست رہنے کی عمر بھر نگرانی کرتا رہے۔ زندگی بھر اپنے خیالات کا جائزہ لیتا رہے' اندازہ کرتا رہے' دیکھتا رہے' تو یہ کھری طلب اسے اس انسان یا خدا کے اُس بندے کے پاس لے جائے گی جہاں یہ دولت بٹتی ہو' جب یہاں تک پہنچا تو قاعدہ یہ ہے ۔

چنیں مردے کہ یابی خاک اوشو

اسیر حلقہ فتراک اوشو

کہ پھر اس دروازے پر اپنے آپ کو بیچ دے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔ جنت کیا ہے؟ اللہ کی رضا کا مظہر ہے' جنت رب کی رضامندی کی ایک سند ہے۔ تو فرمایا اللہ نے اپنی رضا کو دینے کے لئے انسان سے ہر وہ چیز خرید لی جس پر اس کو تصرف بخشا تھا لیکن اتنا کریم ہے کہ خریدنے کے بعد بھی چھینتا نہیں ہے' اپنے قبضے میں واپس دیتا ہے اور کہتا ہے ساری چیزوں کو استعمال کر' جان کو بھی' بدن کو بھی' مال کو بھی' لیکن چونکہ ملکیت بدل گئی تو نے بیچ دیا ہے اب یہ میری امانت تیرے پاس ہے اب جیسے میں کہوں ایسے استعمال کر' تُو تو بیچ چکا۔ تُو نے دے دیا میں نے تجھ سے نہیں چھینا ہے' تجھ سے قبضہ نہیں لیا' تیرے ہی پاس رہنے دیا' تو کھا پی بھی سکتا ہے' جتنی تیری ضروریات ہیں' سب پوری کر سکتا ہے۔ پیسہ کما' مکان بنا'

بیوی بچوں کو پال' اچھا لباس پہن' اچھی طرح سے رہ' لیکن ہر کام اس طرح سے کر' جس طرح کرنے کا میں حکم دوں' کسی کام کرنے سے روکتا نہیں ہے۔ پھر اس راہ میں دو طرح کی صورت پیش آتی ہے' ایک تو یہ ہے کہ غلطی سے' انسان ہوتے ہوئے بھول کر سہواً" خدا کے ملک میں کوئی تصرف کر بیٹھے' مال بھی خدا کا تھا' جان بھی خدا کی تھی' وجود بھی خدا کے ہاں بیچ دیا' لیکن نادانی سے اللہ کی پسند کو کہیں چھوڑ بیٹھا اور ٹھوکر کھا کر اپنی پسند کا کام کر بیٹھا۔ اللہ کریم فرماتا ہے اس صورت میں اس پر مواخذہ نہیں کروں گا۔ اگر تو فوراً" اقرار کر لے کہ خدایا میں نے غلطی کی' مجھے اس مال پر' اس جان پر' تصرف کا حق نہیں تھا جو میں نے تیرے پاس بیچ دی تھی' میں نے غلطی کی ہے۔ فرماتا ہے میں ناراض نہیں ہوں۔ لَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا غلطی ہو جائے تو اسے پیشہ نہ بنا لے اور اگر اس پر اس نے اصرار کیا' اسے دہرانا شروع کر دیا تو گویا وہ اپنے سودے سے منحرف ہو گیا۔ تو جب یہ اپنی چیز واپس لے گا اور وہاں سے جو عطا ہوا ہے وہ اپنی واپس لے گا اور اتنا نازک رشتہ ہے کہ ٹوٹ تو سکتا ہے لیکن ٹوٹنے کے بعد جڑنا بہت مشکل ہے۔ یہ اتنی بڑی گستاخی ہے' اتنی بڑی نادانی ہے' اتنی بڑی زیادتی ہے کہ پھر یہ انسان کو انتہائی تباہی تک لے جاتی ہے۔

عقیدت' طلب' ادب اور اطاعت

اگر یہ معاملہ درست ہو' طلب درست ہو پھر یہ سودا کر لے تو اسی کو عقیدت کہتے ہیں۔ جہاں عقیدت ہو گی وہاں یقیناً ادب ہو گا۔ جس کے ساتھ بھی عقیدت ہو اس کے ہاں بے ادبی نہیں کی جا سکتی اور ادب کسی بناوٹ کا نام نہیں۔ ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ جس کا ادب کرنا مقصود ہے تو دل کی گہرائیوں سے اس کی اطاعت کی جائے اور یہی حکم مومنین کے لئے آقائے نامدار ﷺ کے ساتھ پیش آنے کا ہے۔ سارے آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ وہاں سوئے ادبی اگر بھول کر بھی ہو جائے تو تمام اعمال کو اکارت کر دیتی ہے' ارشاد ہوتا ہے۔

لَاتَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ۔ کہ مجلس میں جہاں حضورﷺ تشریف رکھتے ہوں' آپ ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے' اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ تمہیں خبر بھی نہ ہو گی اور یہاں دوسرا معنی یہ بھی ہے' کہ تمہیں آواز بلند کرنے کی بھی خبر نہ ہو بے خبری میں بھی بے ادبی کر گئے تو اعمال اکارت کر دیے جائیں گے۔ تو جو لوگ قرآن کریم کے مخاطب اول ہیں' ان کی عبادتیں میری اور آپ کی طرح کی بے جان عبادتیں نہیں تھیں' بلکہ حضورﷺ کے دامن سے وابستہ رہتے ہوئے انہوں نے جانیں لٹا دیں' گھر لٹا دیئے' آبروئیں قربان کر دیں' ایذائیں برداشت کیں' ہجرتیں کیں' ملک چھوڑے' گھر چھوڑے' جہاد کئے' بھوک پیاس برداشت کی' دنیا کے تمام شدائد کا مقابلہ کرتے ہوئے' تمام تکالیف کو عبور کرتے ہوئے حضورﷺ کے دامن سے وابستہ رہے۔ جہاں صدیق رضی اللہ عنہ و فاروق رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ و حیدر رضی اللہ عنہ جیسی ہستیاں بیٹھی ہیں وہاں یہ خطاب ہو رہا ہے کہ کبھی بھول کر بھی تمہاری آواز حضورﷺ کی آواز پر بلند نہ ہو جائے۔ ورنہ تمہارے اعمال کی کارت کر دی جائے گی۔

ارکان سلوک کا توازن

ادب شرط ہے لیکن ادب اطاعت کو چاہتا ہے کیونکہ عدم اطاعت سے ادب نہیں ہو سکتا مثلاً" کہ حضور ﷺ ایک کام کے کرنے کا حکم دیں اور آپ کچھ اور کرنے لگ جائیں' یہ ادب تو نہیں ہے۔ ادب اطاعت کو چاہتا ہے تو گویا تسلسل یوں بنا کہ بنیاد عقیدت ہے جس کا تعلق ادب پر منحصر ہے اور ادب کا انحصار اطاعت پر ہے۔ جب یہ تین رشتے استوار رہیں گے تو بات بنتی رہے گی۔ ان تینوں میں سے جو ایک بھی ٹوٹے گا باقی دو کو ساتھ لے جائے گا اور پھر نقل رہ جائے گی' اصل نہیں رہے گا۔ سو انسان کو سب سے پہلے اپنی ذات کا محاسبہ کرنا چاہئے۔ یہی شرائط اللہ نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمائی ہیں' جو

برکات نبوی ﷺ بانٹتے ہیں۔ مثلاً" اس ضمن میں اعلیٰ ترین لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں تو ان کی کامل اطاعت کا حکم دے دیا۔ وَالسَّابِقُونَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ یہ مہاجر و انصار سابقین اولین ہیں۔ قیامت تک آنے والے لوگوں میں جس نے بھی خلوص قلب سے ان کی اطاعت کر لی اس نے رضائے باری کو پا لیا۔ چونکہ نبی ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ تو کامل اطاعت اور بے چوں و چرا اطاعت تو نبی ﷺ کی ضروری ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نبی تو نہیں ہیں۔ لیکن خود قرآن ان کے اتباع کا حکم دے رہا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ جس نے دل کی گہرائیوں سے ان کی اطاعت کر لی اللہ ان پر راضی ہو گیا۔ تو یہ اس لئے ہے کہ ان کی اطاعت عین رسول کریم ﷺ کی اطاعت ہے۔ وہ برکات نبوی کے حامل ہیں۔ جو ان کی اطاعت کرے گا اس کے بدلہ میں ان لوگوں سے برکات نبوی ﷺ کو حاصل کرے گا اور اطاعت نبوی ہی اطاعت باری ہے۔ جو حضور ﷺ کی اطاعت کرے گا' وہ تجلیات باری کو پانے والا ہو گا۔

ارکان سلوک کے توازن کا نتیجہ

تو جو لوگ حاملین سلاسل ہوتے ہیں ان کے پاس وہی برکات ہوتی ہیں جو بارگاہ نبوی ﷺ سے صحابہؓ کو' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تابعین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو' تابعین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے تبع تابعین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اور ان سے اللہ کے بندوں کو نسلاً" بعد نسلاً" سینہ بہ سینہ وراثتاً" توراث کے طور پہ منتقل ہوتی رہیں۔ تو ان سینوں میں سے' ان دلوں میں سے ان خزانوں کو حاصل کرنے کا صرف اور صرف یہی ایک طریقہ ہے' یہی ایک کنجی ہے۔ اس درخت کی یہ تین جڑیں ہیں۔ عقیدت' ادب اور اطاعت۔ اگر عقیدت کی طرف سے تار ٹوٹ جائے تو اوپر والی دونوں فنا ہو

جائیں گی اگر اطاعت کی طرف سے یہ تار ٹوٹے تو پچھلی دونوں کو تباہ کر دے گا اور درمیان سے کٹ جائے' ادب چھوٹ جائے' تو اطراف والی دونوں کو بھی اسی وقت کاٹ کر رکھ دے گا۔تو اس راہ میں چلنے کے لئے اللہ سے توفیق عمل اور اللہ سے ہر وقت استقامت کی دعا مانگنے کے ساتھ ساتھ اپنی خواہشات کی نگرانی ضروری ہے اور اپنے ہر دن کا محاسبہ خود کرنا انتہائی ضروری ہے کہ خود اپنے ہر گزرنے والے دن کا محاسبہ و محاکمہ کرتا رہے اور دیکھتا رہے کہ میرا دن کیسے بسر ہوتا ہے پھر تھوڑا سا محاسبہ کرے اور دیکھے کہ میں جو عقیدت کا مدعی ہوں اگر دن میں میں نے بیس کام کئے ہیں' بیس باتیں میری زبان سے نکلی ہیں' ان میں کتنی باتوں میں اطاعت کا رنگ اور کتنی باتیں اطاعت سے خالی ہیں اگر عدم اطاعت غالب ہے تو پھر اپنے دعویٰ پر غور کرے کہ میں کیا کہتا ہوں اور کیا کرتا ہوں۔ کیونکہ دنیا عالم اسباب ہے' یہ حکایات نہیں ہے' ہر سبب موثر ہے اور سبب کو اپنے کام کے خلاف رکھنا اور دعا اپنے کام کی مانگنا یہ گستاخی ہے۔ ایک شخص زہر کھا رہا ہو اور اللہ سے درازی عمر کی دعا کرے تو یہ بارگاہ باری تعالیٰ کی گستاخی ہے کہ جان بوجھ کر زہر کھا رہا ہے اور عمر کے بڑھانے کی دعا مانگ رہا ہے' یہ خود گستاخی ہے ہاں غلطی سے' دھوکے سے کھا گیا ہو تو پھر وہ دعا موثر ہو جاتی ہے' زہر کے اثر کو زائل کر دیتی ہے۔

توبہ و شرائط سلوک

اسی طرح دعویٰ محبت اور طلب برکات کے ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت کو چھوڑ دے' آپ ﷺ کے ادب کو چھوڑ دے' تو یہ دعویٰ خود گستاخی بن جاتا ہے لیکن کم از کم اس کے دل میں یہ بات ہو کہ میں آپ ﷺ کی ہر حال اور ہر ادا کی اطاعت کر لوں۔اپنی انسانی کمزوریوں کی وجہ سے کمی رہ جاتی ہو تو اسے خداوند عالم اپنی رحمت سے پورا فرما دیں گے۔تو ہم میں سے ہر ایک کو اور ہمہ وقت اپنے آپ پر نگاہ رکھنا ضروری ہے۔ یاد رکھیں حکم ہے۔ وَ اعْبُدْ رَبَّکَ

حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْن کہ اس کی پاسداری تجھی کو کرنا ہے' جب تک تجھے موت نہیں آتی۔ زندگی کے آخری سانس تک' اپنے دم واپسیں تک تجھے اپنی طرف سے نبھانا ہے۔ اگر تو وہاں تک لے گیا تو اللہ فرماتا ہے کہ اب تیری ذمہ داری ختم اور میری ذمہ داری شروع۔ پھر ابدالآباد تک اسے میں نبھاتا رہوں گا۔ اس کا جو طویل سفر ہے وہ اس نے اپنی ذات کریم کے ذمہ لے لیا اور یہ جو تھوڑا سا سفر ہے یہ اس نے انسان کی طرف رکھا اور اس میں بھی پھر یہ کہہ دیا کہ اگر تیری طلب خالص ہو گی تو تیرا سارا کام بھی میں کرتا رہوں گا۔ تجھے توفیقِ ادب بھی دوں گا' توفیقِ عمل بھی دوں گا لیکن کم از کم تو اپنی طلب کی تو خبر لے' تجھے کیا چاہیے۔ یہ تو پہلے سے طے کر لے اور اگر تیرے دل میں میری طلب' میرے نبی ﷺ کی طلب' میرے قرب کی طلب' میری رضا کی طلب پیدا ہو گئی جسے قرآن کی اصطلاح میں انابت کہا گیا ہے۔ تو فرمایا یَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ' جب تیرے دل میں انابت آ گئی تو ہدایت کے سامان میں پیدا کروں گا۔ ایسے لوگوں کے پاس بھی تجھے پہنچا دوں گا جو اس چیز کے حامل ہوں گے۔ زندگی میں ایسے لمحات بھی تجھے مہیا کر دوں گا کہ تو اس کو حاصل کر سکے۔ وہ برکات بھی تجھ تک پہنچا دوں گا' تجھے توفیقِ عمل بھی دے دوں گا' لیکن تب تک جب تک تیری طلب درست رہے۔ خدانخواستہ جب تو بدل گیا تو پھر سب کچھ بدل جائے گا۔ جب بھی اور جتنا بھی تو بدلے گا وہیں سے بات کٹ جائے گی' رشتہ کٹ جائے گا' تار ٹوٹ جائے گی اور جب ٹوٹے گی تو جو ضیاء' جو روشنی' جو نورانیت پہلے دل میں پیدا ہو چکی ہے وہ بھی اس کے ٹوٹنے پر اسی کے ساتھ چلی جائے گی۔

عظمتِ سلسلہ

یہ چند بنیادی باتیں تھیں جو میں نے عرض کیں۔ یہ محض کوئی دنیاوی بات نہیں ہے' یہ محض ایک رواجی سلسلہ نہیں ہے' یہ محض ایک پیری مریدی یا

محض ایک حکایاتی تعلق نہیں ہے' بلکہ بحمد اللہ اس وقت روئے زمین پر من حیث الجماعت اگر کوئی باجماعت ضیا پاشی کر رہا ہے' تو وہ یہ سلسلہ اویسیہ نقشبندیہ ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا' کہ کوئی اور سلسلہ ہے ہی نہیں۔ اور بھی ہیں۔ لیکن اس قوت کے ساتھ اور اس واقعی حیثیت کے ساتھ مصروف عمل کوئی بھی نہیں۔ فرداً" فرداً" لوگ ہیں' طالب ہیں' لیکن بیک وقت اس قدر کاملین کسی ایک مرکز پر جمع نظر نہیں آتے اور وہ شخص کتنا سعید ہے' جسے آب حیات کا یہ چشمہ مل جائے' جسے یہ چشمہ حیات ملے' جسے یہ منبع برکات ملے اور پھر وہ روٹی کے چند ٹکڑوں کے عوض چند دنیاوی سکوں کے عوض' جھوٹی انا کی تسکین کے لئے' وقتی اور لمحاتی اقتدار و وقار کے لئے اسے کھو دے یا اس سے محروم رہ جائے' تو میری ناقص رائے میں اس سے بڑا محروم القسمت شخص کوئی بھی نہیں۔ سو دوسروں کو دیکھنے سے پہلے اپنے آپ کو دیکھو' کسی کے بارے رائے قائم کرنے سے پہلے اپنی ذات کے متعلق رائے قائم کرو' اپنے آپ کو اس معیار پر پرکھو' جانچو اور ہمیشہ اللہ سے توفیق عمل' صحت طلب' توفیق ادب اور توفیق اطاعت کی درخواست کرتے رہو۔ اللہ کریم آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆

ضرورت شیخ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ۔

ذکر و دیگر عبادات کا فرق

ضرورت ذکر اور طریقہ ذکر اگرچہ ہم بار بار دہراتے رہتے ہیں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک بار پھر اسے دہرا دوں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ اگرچہ یہ ہمارا مقصد حیات ہے اور مشن ہے لیکن اس کے باوجود بعض احباب کا رویہ معذرت خواہانہ ہوتا ہے اور اصولی بات ہے کہ جو کام بھی آپ معذرت خواہانہ رویہ سے کریں گے اس میں جان پیدا نہیں ہوتی۔ دوسرا کوئی اس سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ وہ کسی حد تک آپ کو ایک طرح کا قابل معافی مجرم سمجھتا ہے کہ چلو درگزر کرو' یہ ویسے تو اچھا نہیں رہا خیر ہے' برداشت کر لو یہ رویہ سارے دینی امور کے لئے دین کی سربلندی اور عظمت کے لئے نہایت ہی مضر ہے۔

سب سے پہلی اور عجیب بات یہ ہے کہ اس موضوع پر سارے اعتراضات مسلمانوں ہی کی طرف سے وارد ہوتے ہیں۔ جو شخص دائرہ اسلام میں داخل نہیں اس کی جنگ یا اس کی لڑائی تو اسلام کے اثبات' اسلام کے حق ہونے یا نہ ہونے کے ساتھ رہتی ہے لیکن وہ حضرات جن پر اللہ کا احسان ہے' جنہیں اللہ نے ایمان اور اسلام کی نعمت عطا کی ہے وہ ایسی الجھنوں میں اور پیچیدگیوں میں پھنسے ہوتے ہیں کہ ان کا ہمیشہ یہ بہت بڑا سوال ہوتا ہے کہ "اللہ

کریم نے دین کے ارکان ارشاد فرما دیئے' حضور نبی کریم ﷺ نے ان کی تفصیل بیان فرما دی' نماز ہے' حج ہے' روزہ ہے' زکوۃ ہے۔ اب جو شخص نماز بھی پڑھ لیتا ہے' تلاوت بھی کرتا ہے' اپنی توفیق کے مطابق تسبیحات بھی پڑھتا ہے' روزے بھی رکھتا ہے' زکوۃ بھی دیتا ہے' تبلیغ بھی کرتا ہے' دین کو دوسروں تک پہنچاتا بھی ہے لیکن اس کے باوجود آپ حضرات کا مطالبہ ہے کہ پھر بھی اللہ کا ذکر کرے اور ذکر بھی کسی خاص آدمی کے ساتھ مل کر کرے اور کسی خاص آدمی سے توجہ بھی لے۔یہ دو علیحدہ علیحدہ سوال بنتے ہیں اور بڑے وزنی سوال ہیں۔

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی پھر وہ مزید ذکر کیوں کرے' کیا یہ سب کچھ ذکر نہیں ہے؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر ذکر کرنا ہی ہے تو اس کے لئے کسی خاص آدمی کی طرف متوجہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

کثرت ذکر کا حکم

اس ضمن میں سب سے پہلی گذارش تو یہ ہے کہ جب رب کریم نے ارکان دین متعین فرمائے ہیں تو تمام ارکان دین کے اوقات' ان کی تعداد اور ان کا طریقہ بھی متعین فرما دیا ہے مثلاً" نماز ہے تو نماز کے اوقات' اس کی رکعتوں کی تعداد' اس کے پڑھنے کا طریقہ' اس کے لئے وضو کا طریقہ' یہ سارا اس طرح سے بیان ہوا ہے کہ کہیں سے بھی آپ اس طریقے کو چھوڑ دیں تو نماز ادا نہیں ہوتی۔ اسی طرح روزہ ہے تو اس کے لئے اوقات متعین ہیں' رمضان المبارک کا بھی ایک مہینہ متعین ہے' اس کے حدود اور صبح شام کے اوقات متعین ہیں' پھر اس میں کیا کچھ کرنا ہے' کب کھانا ہے' کس چیز سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے' کس سے مکروہ ہو گا' یہ سارا کچھ مقرر ہے۔ اسی طرح زکوۃ کا اپنا نصاب ہے اور حج کے اپنے مناسک ہیں جو زندگی میں ایک بار فرض ہے لیکن قرآن حکیم نے اللہ کے ساتھ رابطہ رکھنے کا جو قاعدہ ارشاد فرمایا ہے وہ ذکر الٰہی

ہے۔ نماز ہو' حج ہو' روزہ ہو یا زکوۃ ہو' یہ سب اس وقت تک قائم ہوتے ہیں جب فرد کا رابطہ اللہ کریم سے قائم ہو جائے۔ اللہ سے رابطے کے لئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ذکر الٰہی۔ فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ۔ تم میرا ذکر کرو' تم مجھے یاد کرو' میں تمہیں یاد کروں گا۔ یہ نہیں کہا تم میری نماز پڑھو' میں تمہاری نماز پڑھوں گا' تم میرے لئے روزے رکھو' میں تمہارے لئے روزے رکھوں گا لیکن یہ ضرور فرمایا کہ تم میرا ذکر کرو' تم مجھے یاد کرو۔ تمہاری یاد نیازمندی کے لئے ہو گی' میں تمہیں یاد کروں گا میری یاد تو عطا کے لئے ہو گی' تمہارا یاد کرنا "لینے" کے لئے ہو گا میرا یاد کرنا "دینے" کے لئے ہو گا۔

یہ وہ رابطہ ہے جو انسان اور اس کے خالق حقیقی کے درمیان مطلوب ہے۔ جب یہ تعلق قائم ہو جائے گا تو اب اس کا سجدہ اپنی ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہو گا کیونکہ اس کا دل اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو گا اور اسے یہ حضوری تب حاصل ہو گی جب اللہ کریم اسے یاد فرمائیں گے۔ انسانی استعداد سے یہ بالاتر ہے کہ وہ اللہ کریم کے ساتھ اپنے آپ کو اس طرح سے جوڑے کہ کبھی اس پر غفلت نہ آئے۔ یہ ممکن نہیں ہے یہ دوام ذکر اللہ جل شانہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے' وہ جو کسی نے کہا ہے ؎

میں تو تیرے خیال کو سو بار چھوڑ دوں
لیکن تیرا خیال نہیں چھوڑتا مجھے

اگر انسان پر مدار ہو تو انسان ناقص ہے اور اپنی فطری کمزوری اور نقص کی وجہ سے دن میں ہزار بار اس رشتے کو توڑ بیٹھے لیکن جب اللہ کی طرف سے یاد ہوتی ہے' جیسے ارشاد ہے۔ اَذْكُرْكُمْ تو پھر انقطاع نہیں آتا' اس میں کمزوری نہیں آتی' غفلت نہیں آتی۔ چونکہ یہ سارے اوصاف اسی کی ذات کے لئے ہیں اسی لئے رب کریم نے تمام ارکان دین کے اوقات اور تعداد متعین فرمائی لیکن جب ذکر کی بات آئی تو فرمایا۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا اور رب کریم نے قرآن حکیم میں ایک بار نہیں متعدد بار اس ارشاد کو دہرایا ہے

کیونکہ یہ انتہائی ضروری ہے۔

ذکر اسم ذات کا حکم

دوسری وضاحت اس ضمن میں یہ ہے کہ نماز بھی ذکر ہے' روزہ بھی ذکر ہے' حج بھی ذکر ہے' تسبیحات و تلاوت بھی ذکر ہے' تبلیغ بھی ذکر ہے' یہ سب کچھ ذکر ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ صرف نماز ہی ذکر ہے' اس کے علاوہ ذکر کی ضرورت نہیں یا تلاوت ہی ذکر ہے' یا صرف حج ہی ذکر ہے' یہ درست نہیں۔ اس کے علاوہ بھی ذکر ضروری ہے۔ اس کا اندازہ آپ اس طرح لگائیں کہ عبادات کا ایک قاعدہ ہے کہ جتنی کسی کو منازل کی بلندی حاصل ہو گی اتنا اس کا کوئی رکن ادا کرنا اس کے نیچے والوں کے ہزاروں بار ادا کرنے سے بڑھ کر درجہ رکھتا ہے۔جس طرح حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے صحابی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ایک صاع کا خرچ کر دینا بعد کے آنے والوں کے "احد کے برابر سونا" خرچ کرنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔یہ اس لئے کہ وہ قرب الٰہی کی ان منازل میں ہیں جہاں خشوع و خضوع اور خلوص کی وہ کیفیت نصیب ہوتی ہے جو نیچے والا پہاڑ برابر سونا بھی خرچ کرے تو بھی اسے نصیب نہیں ہوتی۔

ذکر الٰہی کا مقام

جس طرح مرکز کے قریب کوئی نقطہ ہو تو اس کی تھوڑی سی حرکت بھی ایک چکر پورا کر لیتی ہے اور دائرے کے مرکز سے جو نقطہ دور ہو گا اس کا کافی لمبا سفر ایک چکر کو پورا کرے گا۔

قرب و منازل جو مخلوق کو نصیب ہو سکتے ہیں سب سے اعلیٰ اور انتہائی منازل آقائے نامدار ﷺ کو حاصل ہیں۔اس قرب کے ساتھ جو مجاہدہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس کی نظیر انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کی تاریخ میں بھی نہیں ملتی۔

خود ارشاد نبوی ہے کہ کسی نبی نے اتنے دکھ نہیں اٹھائے' کسی نبی کو اتنا مجاہدہ نہیں کرنا پڑا اور کسی نبی پہ اتنی تکلیفیں وارد نہیں ہوئیں جتنی مجھے برداشت کرنا پڑیں۔ ساری دنیا فرشتے سے لے کر انسانوں تک سر بسجود رہے لیکن جو سجدہ محمد ﷺ کا ہے وہ ان کا اپنا ہی ہے اس کی نظیر ممکن نہیں ہے۔ پھر وہ سجدے جو اعلان نبوت کے ساتھ مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ نے ادا فرمائے۔ کسی شخص نے اتنا مشکل ترین سجدہ روئے زمین پر نہیں کیا ہو گا۔ یہ تو انہی کو خبر ہے جنہیں اللہ کریم نے اس دور میں آپ ﷺ کی غلامی اور آپ ﷺ کے دامن کے ساتھ وابستہ فرمایا اور جنہوں نے وہ سجدے دیکھے جب بیت اللہ شریف میں نبی کریم ﷺ کا سجدہ کرنا اتنا مشکل تھا کہ گویا موت کو دعوت دینا ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم تبلیغ کرتے ہیں اور کیا تبلیغ ذکر الٰہی نہیں ہے۔ تبلیغ تو دین کا بہت بڑا رکن ہے' پھر آپ ہمیں بٹھا کر یہ اللہ اللہ پر کیوں لگاتے ہیں۔ ذرا غور کریں۔ دنیا میں ایک شخص گزرا ہے جس کا تکبر اور جس کا کفر مثالی ہے۔ قرآن کریم نے اس کے کفر اور اس کے جور و استبداد کی مثالیں دی ہیں وہ فرعون ہے اس کو دیکھیں کہ کس طرح تبلیغ کی گئی۔

فراعین مصر اپنے آپ کو خدا کہلواتے تھے اور اپنے سامنے لوگوں سے سجدے کرواتے تھے۔ بہت متکبر' جابر اور ظالم تھے۔ ان کی بہت مضبوط حکومت تھی۔ اتنے جابر تھے کہ حکم دے دیا کہ اس آبادی میں جو بچہ پیدا ہو قتل کر دیا جائے اور کوئی شخص فریاد لانے کی جرات نہیں رکھتا تھا۔ خداوند کریم نے تبلیغ کے لئے بھیجے اس کے پاس بیک وقت دو انبیاء علیہم السلام حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت ہارون علیہ الصلوۃ والسلام کو بھیجا اور انہیں فرمایا جا کر فرعون سے کہیں کہ تو ہدایت پر آجا اور اللہ کی ناراضگی سے ڈرنے لگ جا' تیرا بھی رب کریم سے اتنا ربط ہو جائے کہ تو اسے ناراض کرنا برداشت نہ کر سکے۔ لیکن کہاں فرعون اور اس کی فرعونیت اور کہاں یہ مقام اور اس کی کیفیات۔

یاد رکھیں! نبی جو کچھ ہوتا ہے اس کا تمام وجود ذاکر ہوتا ہے حتیٰ کہ جو

لباس، جو جوتا پہنتا ہے، جس چیز سے مس کرتا ہے، ہر چیز میں ذکر الہٰی پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے کوئی بھی اللہ کے نبی کے جوتے کی توہین کرے وہ بھی کفر ہے، نبی کے لباس کی توہین کفر ہے یعنی جس چیز کو پیامبر سے نسبت ہو جائے اس کی توہین کفر ہے۔

نبی پر کبھی ذکر الہٰی سے انقطاع وارد نہیں ہوتا۔ یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی دو کام کر رہا ہو تو ایک کی طرف اس کی توجہ زیادہ ہو جائے اور دوسرے کی طرف کم۔ مثلاً" ایک ڈرائیور کو اتنی مشق ہو جاتی ہے کہ وہ آپ سے باتیں بھی کرتا جا رہا ہے اور اس کی آنکھیں سامنے دیکھ رہی ہیں، ہاتھ مڑ رہے ہیں، پاؤں کی طرف وہ نہیں دیکھتا، لیکن اس کے پاؤں خودبخود ترتیب سے کام کرتے ہیں اور غیر شعوری طور پر چلتے رہتے ہیں جب کہ وہ آپ سے باتیں کر رہا ہوتا ہے یعنی آپ کی طرف وہ متوجہ ہے اور پیروں کی طرف اس کی توجہ کم ہے لیکن پھر بھی وہ غیر شعوری طور پر چل رہے ہوتے ہیں۔

جب اللہ کریم نے اپنے دونوں نبیوں کو فرمایا کہ فرعون کے پاس جاؤ، اس سے بات کرو، میں تمہارا محافظ ہوں اور تمہاری بات بھی سن رہا ہوں یعنی اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی میں دیکھ رہا ہوں میں سن رہا ہوں لیکن ایک بات یاد رکھنا وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ : فرعون کا رعب و دبدبہ، فرعون کا خوف یا شان و شوکت کوئی بھی چیز میرے ذکر کی طرف تمہاری توجہ کم نہ کر دے اور فرعون کی طرف تمہاری توجہ زیادہ نہ کر دے یعنی بات فرعون سے کریں، بڑے پیار سے کریں، بڑی جرأت سے کریں، بغیر کسی خوف و خطر کے کریں، میں خود تمہارے ساتھ ہوں، میں تمہاری بات سن رہا ہوں، جو سوال تم پہ کرے گا اس کا جواب دینا میرے ذمہ ہے، میں تمہیں پڑھاؤں گا۔

تبلیغ کی روح ذکر الہٰی ہے

وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ۔ تنیا کا معنی جو بنتا ہے وہ توجہ میں کمی بنتا ہے یعنی

آدمی تو کام کر رہا ہو لیکن وہ غیر شعوری یا لاشعوری طور پر ہو رہا ہو اس کی طرف توجہ کم ہو اور دوسری طرف زیادہ ہو،تو فرمایا تمام توجہ میرے ذکر کی طرف ہو اور دوسرے درجہ کی توجہ فرعون کی طرف ہو۔

تو کیا اس سے بڑی تبلیغ کوئی ہو گی جو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جا کر دعوت حق دی تھی۔ اللہ کا نبی بھی ہو' رسول بھی ہو اور فرعون کو اللہ کا پیغام بھی پہنچا رہا ہو،اسے تو حکم ہے کہ فرعون کی طرف توجہ دوسرے درجہ میں ہو اور پوری توجہ میرے ذکر کی طرف ہو۔ اب اس بات کی کیا حیثیت ہو گی کہ اگر ہم صرف تبلیغ پر ہی اکتفا کریں اور ذکر الٰہی کو ضروری نہ سمجھیں۔تو ہماری تبلیغ کی حیثیت کیا ہو گی۔

میدان جنگ و ذکر الٰہی

عبادات میں نماز کا' حج کا' روزے کا ان تمام کا بہت بڑا مقام ہے لیکن جب دین کو اور دینداروں کو طاغوتی طاقتوں کی طرف سے خطرہ پڑتا ہے' مقابلے کے لئے جانا پڑتا ہے' تو جہاد بھی فرض عین ہو جاتا ہے،اور یہ فرض ایسا ہے کہ جہاں تک ایک قوم یا ایک علاقے کے لوگ کھڑے ہیں اور ان سے وہ خطرہ رک نہیں رہا تو باقی دوسری قوموں اور علاقوں پر بھی جہاد اس طرح فرض ہوتا چلا جاتا ہے کہ آکر ان کے ساتھ شامل ہوتے چلے جائیں' کفر کا مقابلہ بڑھتا جائے حتیٰ کہ "لَا تَكُونُوا فِتْنَةً" کہ کوئی فساد باقی نہ رہے' کفر کی شان و شوکت ٹوٹ جائے' اس وقت تک جہاد سب پر فرض عین ہوتا ہے۔ مجاہد جب میدان جنگ میں اللہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ۔

> اللہ کے نزدیک خون کا وہ قطرہ جو میدان جہاد میں کسی کے جسم سے زمین پر گرتا ہے تمام کائنات سے محبوب ہوتا ہے۔ اس کی بہت بڑی عظمت ہوتی ہے۔

جب ایک شخص نے گھر بار چھوڑا' بیوی بچے چھوڑے' مال جائیداد

چھوڑا، جان لے کر اللہ کے لئے میدان میں سربکف کھڑا ہو گیا، کہ خدایا میں تیرے دین کی احیاء کے لئے اور تیرے کلمے کی سربلندی کے لئے جان دے دوں گا۔

اللہ اسے بھی حکم دیتا ہے، یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً جب مقابلہ آجائے فاثبتوا پھر جم کر لڑو، زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے، جم کر لڑو۔ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا، یعنی تلوار چل رہی ہو، گردنیں کٹ رہی ہوں، لاشے تڑپ رہے ہوں، لیکن ذکر میں کمی نہ آئے، وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا عین میدان جنگ میں بھی ذکر الٰہی کثرت سے جاری ہو۔

ذکر الٰہی کی اتنی اہمیت اور اتنی ضرورت ہے کہ تبلیغ ہو، عبادت ہو، جہاد ہو، کوئی بھی کام ہو رہا ہو، اس میں ذکر کو تقدیم حاصل ہے اور ذکر کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

آپ اس سے اوپر چلے جائیں، تبلیغ تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی کی، نوح علیہ السلام نے بھی کی، دوسرے انبیاء علیہم السلام نے بھی کی، نوح علیہ السلام نے بھی ساڑھے نو سو برس مسلسل مجاہدہ کیا، مسلسل محنت کی، لیکن ساری کائنات کی تبلیغ ایک طرف اور آقائے نامدار ﷺ کی تبلیغ دوسری طرف۔ کیونکہ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس صرف ایک قوم کے ساتھ لگائے اور آقائے نامدار ﷺ نے پہلے روز ہی پوری دنیا کو تبلیغ کی۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا وقت محدود تھا اور ان کے افراد محدود تھے لیکن جو تبلیغ حضور ﷺ کے سپرد ہوئی، اس کا وقت محدود نہیں ہے، ابدالاباد کے لئے ہے اور ساری دنیا پر بسنے والوں کے لئے ہے۔ اس کی مشکلات دیکھیں، کہ اللہ کا ایک بندہ پوری روئے زمین کے کفر کو دعوت حق دے رہا ہے، حضور ﷺ کا دنوں کو سفر کرنا، راتوں کو پیدل چلنا اور کافروں کے پاس جانا۔ ہم تو مسلمانوں سے دین کی بات کرتے ہوئے گھبراتے ہیں اور حضور ﷺ بڑے بڑے کفار اور مشرکین کے پاس تشریف لے جاتے تھے، جہاں جان کا خطرہ بھی ہوتا تھا اور ہر طرح کی اذیت پہنچنے کا بھی احتمال

ہوتا تھا۔ پھر ساتھ کوئی فوج نہیں' اکثر و بیشتر حضور ﷺ تن تنہا تشریف لے جاتے تھے' ساتھ کوئی خادم نہیں' کوئی دوست نہیں' سوائے اللہ کے' کوئی بچانے والا نہیں ہوتا تھا۔

اس راستے میں تکلیفیں آئیں' مصیبتیں جھیلیں' زخم اٹھائے' آوازے بھی کسے گئے حتیٰ کہ خود رب کریم نے ارشاد فرمایا۔ وَمَا اَنزَلنَا عَلَیکَ القُرآنَ لِتَشقٰی یعنی آپ ﷺ نے اتنا مجاہدہ کیا کہ رب کریم نے فرمایا قرآن کے نازل کرنے کا یہ مقصد تو نہیں کہ آپ ﷺ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالیں۔

اِنَّ لَکَ فِی النَّہَارِ سَبحًا طَوِیلًا کہ ہر طلوع ہونے والا سورج میرے محبوب تیرے لئے نیا مجاہدہ' نئی محنت لے کر آتا ہے۔ سجدے! حضور ﷺ کے مثالی روزے! محمد رسول اللہ ﷺ کے مثالی' صدقہ و خیرات! آپ ﷺ کا مثالی کہ جس نے ساری زندگی کوئی دولت اپنے پاس نہیں رکھی' تبلیغ! آپ ﷺ کی مثالی جس نے اسلام کی بنیاد لوگوں کو سکھائی اور تھوکنے سے لے کر سلطنت چلانے تک کے تمام طریقے سکھائے ہیں۔ پورا دین صرف حضور ﷺ کی تبلیغ سے عالم انسانیت تک پہنچا اور بلندی منصب اور بلندی مقامات یہ ہے کہ مخلوق میں کوئی دوسرا آپ ﷺ کا ثانی نہیں۔

اس عالی مقام پر کھڑے ہوئے اپنے محبوب کو رب کریم ارشاد فرماتا ہے۔ وَاذکُرِ اسمَ رَبِّکَ کہ یہ سارے کام کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے پروردگار کے ذاتی نام کا تکرار کیا کر: اے میرے حبیب! اللہ اللہ کیا کر اور اتنی کیا کر وَتَبَتَّل اِلَیہِ تَبتِیلًا اتنی کثرت سے ذکر کر کہ صرف اللہ رہ جائے' ساری کائنات تیرے سامنے محو ہو جائے۔

آپ اندازہ فرمائیے کہ کیا ہماری کوئی عبادت ہمیں ذکر سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے؟ کوئی مسلمان مرد ہو یا عورت جو شرعی احکام کا مکلف ہے وہ ذکر سے مستثنیٰ نہیں ہے' یہ اور بات ہے کہ لوگ اس کی اہمیت سے آشنا نہیں رہے' لیکن استثنیٰ کسی کے لئے نہیں ہے۔

اب آپ دوسری طرف آیئے اور دیکھئے۔اگرچہ ہم کہتے ہیں کہ لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں لیکن نمازیوں کی بھی کمی نظر نہیں آتی' آپ دیکھیں' اذان پر شہر کی کسی مسجد میں چلے جائیں' تو مساجد میں بھی جگہ نہیں ملتی۔لوگ زکوۃ اگر نہیں دیتے تو دینے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔دینے والے اتنے ہیں کہ ہر سال اربوں روپے زکوۃ میں جمع ہوتے ہیں۔حج اگر لوگ کم کرتے ہیں تو کرنے والے بھی اتنی کثرت سے ہیں کہ آپ جب بھی دوران سال وہاں جاکر دیکھیں تو مخلوق کا ہجوم ہوتا ہے اور دوران حج تو انسانوں کا ایک سمندر ہوتا ہے۔ ایسے ہی اگر لوگ روزہ نہیں رکھتے تو رکھنے والے بھی بہت ہیں۔انتہائی گرم دنوں میں بھی محنت اور مشقت سے روزی کمانے والے روزے دار لوگ میں نے خود دیکھے ہیں' جو چرواہے ہیں' جنگل میں پھرتے ہیں' دھوپ اور گرمی سے مویشیوں کی زبانیں لٹک جاتی ہیں' وہ انہیں تالابوں اور جوہڑوں پر پانی پلا رہے ہوتے ہیں اور خود روزے سے ہوتے ہیں۔ لیکن جب بات ذکر الٰہی کی آتی ہے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہر جگہ لوگ ذکر بھی کرتے ہیں یعنی جہاں بے نمازی ہیں' نمازی بھی ہیں۔ہر جگہ جہاں لوگ روزہ نہیں رکھتے تو رکھنے والے بھی موجود ہیں لیکن ذکر کے بارے میں ایسا نہیں۔یہ ایسی بدنصیبی ہے کہ جو ارکان دین کی بنیاد تھی' جس پر سب کا مدار تھا اور جس کے طفیل تمام اعمال کے کرنے کی توفیق نصیب ہوتی تھی' خود اس طرح چھوٹ گیا کہ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہر شہر میں لوگ ذکر کرتے ہیں۔ہرچند کہ ذکر ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ویسے ہی اہم ہے کہ جیسے دیگر عبادات کسی کے لئے اس میں کوئی رعایت نہیں ہے۔یہ اور بات ہے کہ لوگوں کے سمجھنے میں خرابی اور احساس میں کمی ہو۔

ذکر الٰہی اور ضرورت شیخ

اب اس کا دوسرا پہلو رہ گیا کہ کسی خاص آدمی کے پاس جاکر ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے جب ذکر ہی کرنا ہے' اللہ اللہ کرنی ہے' تو جہاں چاہے کرلو۔

ذکر کی اصل یہ ہے کہ یہ برکات نبوت میں سے ہے۔حضور اکرم ﷺ کی صحبت عالی میں جو پہنچا وہ صحابی رضی اللہ عنہ بن گیا۔ صحابیت وہ اعلیٰ مقام ہے جو نبوت کے بعد مخلوق میں سے کسی کو نصیب ہو سکتا ہے،اور صحابی رضی اللہ عنہ ہر طرح سے مثالی مسلمان ہوتا ہے' امانت' دیانت' خشوع و خضوع' قرب الٰہی اور خلوص ان تمام معاملات میں حتیٰ کہ کوئی صحابی رضی اللہ عنہ اگر تعلیم یافتہ نہیں ہے لیکن جو مسئلہ صحابی رضی اللہ عنہ بیان کر دیتا ہے' بڑے بڑے فاضل اس پر جرح نہیں کر سکتے کیونکہ صحابی رضی اللہ عنہ کا قول اپنی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس نے محمد رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا ہے۔ نبوت کے بعد صحابیت کسی پہلو بھی عظمت اور انتہائی منازل کی دلیل ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ کا کمال یہ ہوتا ہے کہ جو بھی نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچا' ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ ؕ جس پر نگاہ پڑ گئی اس کا بال بال ذاکر ہو گیا۔ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ ۔ جسم کا باہر کا حصہ کھال ہے اور انتہائی اندر دل ہے' کھال سے لے کر دل تک یعنی سارا وجود گوشت پوست ہڈیاں' خون' ریشے ذاکر بن گئے۔ جو بھی نگاہ اقدس میں صحبت اقدس میں آیا اُس کا رُواں رُواں اللہ کا ذاکر ہو گیا۔ یہ کیفیت ازخود نصیب نہیں ہوتی' ازخود کوئی صحابی رضی اللہ عنہ نہیں بنا۔جس طرح تعلیمات مفت تقسیم ہوئی ہیں اسی طرح برکات نبوت بھی تقسیم ہوئیں۔ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحبت میں پہنچا وہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ بن گیا جو تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے پاس پہنچا وہ تبع تابعی رحمۃ اللہ علیہ بن گیا۔ اسی طرح پھر اہل اللہ نے عمریں صرف کر دیں اور ان برکات کو حاصل کرنے میں اور حاصل کر کے آگے تقسیم کرنے میں زندگی لگا دی۔اس لئے ذکر الٰہی کے لئے کسی ایسے شخص کے دروازے پر ضرور جانا پڑتا ہے جو ان کیفیات کا امین ہو اور انہیں آگے تقسیم کرنے کی اہلیت و استعداد بھی رکھتا ہو۔ بات تب بنتی ہے' یہ قدرت کا قاعدہ ہے کہ جب آپ ازخود کہیں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا شروع کر دیں تو خدا آپ کو کسی ایسے شخص کے پاس لے جائے گا جہاں یہ برکات موجود ہوں گی۔

وَالَّذِینَ جَاهَدُوا فِینَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ یہاں محققین لکھتے ہیں کہ کوئی بھی شخص خلوص دل سے اللہ کی رضا کے لئے اللہ اللہ شروع کر دے، مجاہدہ شروع کر دے، خلوص دل سے توبہ کرے، تو خدا اس کو ایسے لوگوں کے پاس لے جاتا ہے جو اس کی تربیت کر سکیں۔ لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا سے مراد یہ نہیں ہے کہ خدا اس پر وحی نازل کرنا شروع کر دیتا ہے بلکہ ایسے لوگوں کے پاس لے جاتا ہے جو ہدایت یافتہ ہوتے ہیں اور اسے ہدایت کی طرف لے آتے ہیں۔

ضرورت ذکر و ضرورت شیخ

مختصراً" اس سوال کے دونوں حصوں کا جواب یہ ہے کہ ذکر ضروری ہے، اس کی بہت اہمیت ہے۔ جب حضور ﷺ کو حکم ہے کہ اپنے رب کے نام کی تکرار کیا کر تو دوسرا کوئی مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ اس کی کیفیات صحبت نبوی ﷺ سے آپ ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ اجمعین کی صحبت سے پھر تابعین رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسی طرح اہل اللہ مشائخ عظام کی صحبت سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسی لئے جس طرح تعلیمات نبوی ﷺ کا حصول علمائے کرام سے ممکن ہوتا ہے تو اسی طرح برکات نبوی ﷺ کا حصول اولیاء اللہ رحمتہ اللہ تعالیٰ اجمعین کی صحبت و فیض سے ہوتا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ ہر ارشاد نبوی ﷺ کے ساتھ روایت کا ایک سلسلہ ہے کہ فلاں نے فلاں سے بات سنی، فلاں نے فلاں سے اور بالآخر وہ روایت حضور ﷺ تک پہنچتی ہے۔ اسی طرح برکات نبوی کا بھی سلسلہ ہے کہ فلاں نے فلاں سے یہ برکات حاصل کیں، اس نے فلاں سے اس نے فلاں سے حاصل کیں حتیٰ کہ یہ سلسلہ بارگاہ اقدس نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ جس طرح حدیث و تعلیمات نبوی ﷺ کی روایت ہے اسی طرح شجرہ مبارکہ، ان برکات اور ان سلاسل کا جن میں فیوض و برکات تقسیم ہوتے ہیں اور بٹتے آئے ہیں ان کا بھی

سند ہوتا ہے۔ جس طرح تعلیمات نبوی ﷺ حاصل کرنے کے لئے ہمیں ان لوگوں کے پاس جانا پڑتا ہے جنہوں نے تعلیمات نبوی سے اپنے سینے منور کئے ہیں اور دوسروں کو پڑھانے کی استعداد رکھتے ہیں اسی طرح برکات ذکر حاصل کرنے کے لئے بھی ان لوگوں کے پاس جانا پڑے گا جنہوں نے یہ نعمت حاصل کی، جنہیں اللہ نے یہ نعمت بخشی ہے اور پھر وہ اس کو تقسیم کرنے کی استعداد بھی رکھتے ہیں۔

برکات سلسلہ عالیہ

اللہ جل شانہ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس گئے گزرے دور میں بھی جب لوگ مادی عیش پرستی میں اور ادنیٰ خواہشات کے پیچھے اپنی زندگیاں تلف کر رہے ہیں، اس ہنگامہ ہا ہو میں اور اس بھیڑ بھاڑ میں اپنی یاد، اپنے نام کے ذکر کرنے اور اپنی طرف بڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ایک بات یاد رکھیں تبلیغ میں دو برکتیں ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ آدمی دوسروں تک اللہ کی بات پہنچا کر اس کا اجر و ثواب لیتا ہے اور دوسری برکت یہ ہوتی ہے کہ جو شخص تبلیغ کرنا شروع کر دے، اس کی اپنی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔ جب کوئی بھی شخص دوسرے کو کسی برائی سے منع کرتا ہے تو اس کے اندر ایک احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ میں لوگوں کو منع کرتا ہوں، کم از کم خود تو نہ کروں۔

یہی حال یہاں برکاتِ ذکر کا بھی ہے۔ جب آپ دوسروں کو اس کی تلقین کریں گے تو آپ کا وجود اس کا پابند ہوتا چلا جائے گا۔ ایک تو حق نعمت ادا ہو گا، اپنے ملنے والوں کو، اپنے دوستوں کو، جہاں تک آپ کی آواز پہنچے گی وہاں تک یہ بات ضرور پہنچائیں۔ اس کے دو فائدے ہوں گے۔ اللہ کرے وہ بھی اللہ اللہ کرنے لگ جائیں تو اس کا اجر و ثواب بھی آپ کو ہو گا اگر کوئی نہ بھی کرے تو آپ خود اس کے پابند ضرور ہو جائیں گے، یہ برکت تو ضرور حاصل ہو گی۔

خداوند کریم ہم سب کو حاضر و غائب تمام احباب کو عامۃ المسلمین کو اس کی برکات سے مستفید فرمائے۔ (آمین)

☆ ☆ ☆

توجہ شیخ

توجہ شیخ کا مطلب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔

آپ کو یاد ہو گا کہ کل کے بیان کے اختتام پر ایک بزرگ ساتھی نے سوال کیا تھا کہ شیخ کی توجہ کیا ہوتی ہے اور وہ کس طرح سے توجہ کرتا ہے اور توجہ کا کیا اثر ہوتا ہے۔ تو یہ سوال میں نے اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ اس کا جواب ذرا وقت طلب ہے اور کل بیان کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ اس کا جواب سمجھنے کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ اس بات کو سمجھا جائے کہ آقائے نامدار ﷺ سے آپ ﷺ کے ان اُمتیوں کو جو ایمان لائے کیا فائدہ حاصل ہوا۔

تعلیمات نبوت

قرآن حکیم نے اس آیت مبارکہ میں جو میں نے تلاوت کی ہے اس کی منظر کشی فرمائی ہے۔ ایک تو ظاہر ہے کہ قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے۔ چونکہ آپ ﷺ کی ذات اقدس کے علاوہ کسی دوسرے نے اس کلام کو اللہ سے نہیں سنا۔ ساری مخلوق نے جنہیں اس پر ایمان نصیب ہوا یا ہوتا رہے گا ان سب نے ؟؟؟ کو محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات عالیہ سے حاصل کیا۔ وہ تفہیم جو قرآن حکیم کی ہے' جسے حدیث رسول اللہ ﷺ کہا جاتا ہے یہ سب یعنی قرآن و

حدیث کو ملا کر تعلیمات نبوت کہا جاتا ہے۔

نبوت و تزکیہ

لیکن ایک پہلو اس سے زیادہ ضروری اور بنیادی ہے اور وہ پہلو برکات نبوت ﷺ کا ہے۔ جس طرح قرآن حکیم کی ترتیب سے ظاہر ہے' يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اٰيٰتِهٖ فرائض نبوت ﷺ کیا ہیں' دعوت الی اللہ' يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ۔ اللہ کی آیات اللہ کے بندوں کو سنانا ہے اور جو قبول کرے وَيُزَكِّيْهِمْ' اس کا تزکیہ فرمانا۔ تزکیہ کے بعد اگلا درجہ ہے تعلیمات نبوت کا' يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ یعنی تزکیہ فرائض نبوت ﷺ میں سے ہے' تزکیہ کس طرح سے ہوتا تھا اس کی مثال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمائی۔

کہ جب حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو صحرائے عرب میں سب کچھ تھا۔ بڑے بڑے جوان تھے' طاقت ور تھے' شہ زور تھے' ادیب تھے' شاعر نامور لوگ تھے' کاروباری تھے' تلوار کے دھنی اور نیزہ بازی کے ماہر تھے' روئے زمین کا سفر کرنے والے اور بادشاہوں و امراء کے درباروں تک رسائی رکھنے والے لوگ تھے۔ لیکن اگر نہیں تھی تو انسانیت ناپید تھی۔ اگر نہیں تھا تو رب جلیل کا نامی نام لینے والا نہیں تھا۔ کوئی اسے جاننے والا' کوئی اسے ماننے والا' نہیں تھا۔ اگر نہیں تھی تو انسانیت کے لئے وہاں گنجائش نہیں تھی۔ ظلم و جور تھا' کفر و شرک تھا' ہر طرح کی برائی کے لئے بے شمار مواقع موجود تھے لیکن نیکی اصلاً ناپید تھی۔

تزکیہ کا معیار و معیت رسالت

تو تزکیہ کیسے ہوا' فرمایا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں

اور کمالات رسالت اگر دیکھنا چاہو تو ان لوگوں کو دیکھو جنہوں نے آپ ﷺ کی معیت اختیار کی۔ معیتِ رسالت میں یہ ایک بات یاد رکھیں کہ معیتِ رسالت سے مراد اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دینا ہے۔ اپنی پسند و ناپسند سے' اپنی خواہش و ضرورت سے' اپنی جراُت ہمت سے' اپنی ہر بات سے گزر کر اور اس سپردگی کی مثال حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے مسلمان کو شریعت کے ہاتھ میں اس طرح ہونا چاہئے یعنی جس طرح میت کو غسل دینے والا جس طرح چاہے' جدھر پلٹے' جہاں سے دھوئے' جہاں سے رہنے دے' جو سلوک چاہے اس سے کرے' وہ میت اعتراض نہیں کر سکتا۔ شریعت کے معاملے میں مسلمان کو شریعت کے سامنے اس طرح بے اختیار ہونا چاہئے کہ جس طرح میت غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یہ خود سپردگی اپنے آپ کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دینا بغیر کسی مطالبے اور شرط کے' بغیر کسی شرط کے سرنڈر کر دینا' ہتھیار پھینک دینا' ہاتھ اٹھا لینا' یہ ہے معیت۔ یعنی میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ میں جو کچھ ہوں وہ آپ ﷺ کے ساتھ ہوں۔ آپ ﷺ اٹھنے کا حکم دیں' میں اٹھ جاؤں' آپ ﷺ بیٹھنے کا حکم دیں' میں بیٹھ جاؤں' آپ ﷺ لڑنے کا حکم دیں تو میں لڑنے پہ تیار ہوں' آپ ﷺ دوستی کا حکم دیں تو میں دوستی کے لئے تیار ہوں۔ آپ ﷺ سونے کی اجازت دیں تو میں سو جاؤں' آپ ﷺ جاگنے کا حکم دیں تو میں کھڑا ہو جاؤں۔ میری اپنی کوئی پسند نہیں ہے کہ میں کس وقت سونا چاہتا ہوں' میں کیا کھانا چاہتا ہوں' میں کیا بننا چاہتا ہوں۔ تو یہ ہے معیت رسالت۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیا' اپنا آپ باقی نہ رکھا بلکہ وہ اگر باقی بھی رہے تو آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ لگ کر رہے۔

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ وہ لوگ جو ان کے ساتھ باقی ہیں' جن کا ان کے علاوہ یعنی تعلق نبوت کے سوا اپنے وجود کا کوئی تصور نہیں رہا' اپنے ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں رہا' اپنے ہونے پر کوئی مطالبہ اور اصرار نہیں رہا۔ صحابہ کرام رضی اللہ

تعالیٰ اجمعین کی یہ معیت جو تھی' اپنے آپ کو آپ ﷺ کے دست عالی میں سپرد کر دینا جو تھا' اس نے برکات نبوت ﷺ پہنچائیں یعنی جب وہ نبی ﷺ کے ساتھ پیوست ہوئے تو الگ سے وہ کچھ بھی نہ رہے تو اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ وہ برکات جو قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے پھوٹتی تھیں' وہ ہر شخص کو جتنا وہ آپ ﷺ سے پیوست ہو چکا تھا' اس کے مطابق' اپنی اس معیت و پیوستگی رسول کریم ﷺ کے مطابق اسے وہ برکات پہنچیں لیکن ان برکات کے پہنچنے سے کیا ہوا۔

برکات کا اثر

انسانوں کے قد کاٹھ وہی رہے' رنگ وہی رہے' شکلیں وہی رہیں' لیکن انسان بدل گئے' ان کے مزاج بدل گئے' ان کی سوچ بدل گئی' ان کے کردار بدل گئے۔ اب انہی لوگوں کو دیکھو جن کی نسلیں ظلم و جور کی بھینٹ چڑھ رہی تھیں' ان میں کوئی ایسی تبدیلی آئی کہ وہ ہر مومن کے لئے سراپا محبت بن گئے اور ہر کفر کے لئے کڑکتی ہوئی بجلی بن گئے۔ یعنی ایک شخص مجموعہ اضداد بن گیا ایک شخص کے ایک ہی وقت میں ایک ہی وجود' ایک ہی دل میں دو مختلف وصف جمع ہو گئے۔ اگر اس کے سامنے کافر آتا ہے تو وہی شخص اس پر بجلی کی طرح کڑکتا ہے اور اگر اس کے سامنے مومن آ جاتا ہے تو اس کے لئے باغ و بہار بن جاتا ہے۔ آدمی ایک ہی ہے' فرد ایک ہی ہے اس کا دل ایک ہے' وجود ایک ہے' لیکن رویئے دو ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں یعنی ایک طرف انتہائے غضب ہے اور دوسری طرف انتہائے محبت ہے۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ۔ اشداء کا لفظ یعنی کفر کے مقابلے میں سخت ترین لوگ ہیں۔ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ اور آپس میں مظہر رحمت الٰہی بن گئے ہیں۔ یعنی جس طرح اللہ رحمتیں لٹاتا ہے اس کا مظہر بن گئے ہیں' ایک دوسرے کے لئے اللہ کی رحمت بن گئے ہیں۔ پیار کی تو ایک حد ہوتی ہے۔ محبت کی تو ایک لمٹ (Limit) ہوتی ہے' انسانی پیار و محبتیں تو ایک انداز میں ہے' ایک

حد' ایک مقام پر جا کر ختم ہو جاتی ہیں' لیکن یہ رحمتیں تو لامحدود ہیں۔ یہاں اللہ کریم نے محبت سے بڑھ کر رحمت کا لفظ استعمال فرمایا' رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ جتنے اس طرف شدید ہیں اس سے زیادہ اس طرف رحمت کا مظہر ہیں۔ یہ کس وجہ سے بدل گئے تھے محمد ﷺ کی توجہ کی برکت تھی۔

شان صحابہؓ اور عظمت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

مقام صحابیت کے پانے کے لئے انہیں کوئی چلہ کشی نہیں کرنی پڑتی' تعلیمات کے لئے انہیں پڑھنا پڑا' سیکھنا پڑا' پوچھنا پڑا' یاد رکھنا پڑا۔ لیکن برکات نبوت کی کیفیات کے لئے صرف خلوص دل سے انہیں اپنے آپ کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا پڑا۔ اور جیسے ان کو نگاہ اطہر ﷺ نصیب ہوئی' تو ایک نگاہ میں آنے والا صحابی رضی اللہ عنہ ہو گیا' پھر ان کے آپس کے مدارج میں جو تفاوت ہے' وہ صحابیت کے بعد ہے۔ بنیادی طور پر سارے شرف صحابیت سے مشرف ہو گئے۔ اب اس میں ہر ایک کی معیت کا اپنا اپنا انداز ہے۔ جیسے نبی رحمت ﷺ کا فرمان ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تم پر نمازیں زیادہ پڑھنے سے یا علم زیادہ رکھنے سے فضیلت نہیں ہے بلکہ اس نے فضیلت اس چیز کی بدولت پائی ہے جو اس کے سینے میں ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے سینہ میں کیا تھا' وہی جسے ہم معیت کے نام سے یاد کر رہے ہیں کہ کوئی کتنا ذات رسول ﷺ میں فنا ہوا' کتنا کچھ اپنے آپ کو نقش کف پائے رسول اللہ ﷺ پر گم کر سکا' کتنی اپنی پسند کھو چکا اور دیکھو تاریخ گواہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ نے حکم دیا۔ وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ اپنے خدام سے مشورہ فرمایئے جب مجلس میں مشورہ فرماتے یا چند خدام سے فرماتے یا کسی ایک سے فرماتے' تو وہ اپنی استعداد کے مطابق مشورہ عرض کرتا' لیکن پوری تئیس سالہ حیات نبوت ﷺ' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی ایک مقام پر بھی مشورہ نہیں دیا۔ جب بھی پوچھا گیا' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ

اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے' جیسے آپ ﷺ کی پسند ہے ویسے کر دیجئے۔ یہ اپنی اپنی معیت کا انداز ہے' کہ کبھی یہ سوچا بھی نہیں' کہ میں کوئی مشورہ بھی دے سکتا ہوں۔ فرمایا کرتے تھے ہم تو ہیں ہی نہیں' آپ ﷺ ہی ہیں۔ آپ ﷺ جو چاہیں کر لیں' ہمارا کیا' ہم ہیں کہاں اور یہی وہ بات تھی' جو پوری کائنات میں انہیں سب سے آگے لے گئی۔ پھر اللہ کریم کی ایسی تقسیم ہوتی ہے' حضور نبی کریم ﷺ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کریم ابن کریم ابن الکریم ابن الکریم یعنی چار مسلسل پشتوں میں رسالت چلتی ہے' یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ الصلوۃ و تسلیم۔ تو نبوت کی چار مسلسل پشتیں چلتی ہیں اسی طرح پوری کائنات پر نبی کے صحابہ رضی اللہ تعالی اجمعین میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک ایسا صحابی رضی اللہ عنہ ہے جس کی چار پشتیں صحابی رسول اللہ ﷺ ہے۔ باپ صحابی رضی اللہ عنہ' خود صحابی رضی اللہ عنہ' اولاد صحابی رضی اللہ عنہ اور اولاد کی اولاد صحابی رضی اللہ عنہ یعنی چار پشتوں کو صحبت رسول اللہ ﷺ نصیب ہے۔ اللہ کی کیسی عجیب شان ہے۔

پھر اس کے علاوہ جس ہستی کی ایک نگاہ پر اگر ساری انسانیت ایمان لا کر بیک وقت سامنے آ جائے' تو اس ایک نگاہ میں سارے انسان صحابی بن جائیں' یعنی کبھی ان کی طرف دوسری نگاہ کی حاجت باقی نہ رہے گی۔ اسی عظیم مینارہ نور کو اللہ نے شب ہجرت ایک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں دے دیا اور ایسا کریم ہے کہ علامہ بازل ایران کا ایک مصنف و مورخ' بہت بڑا شاعر اور بے چارہ شیعہ بھی تھا اس کے باوجود بعض حقائق ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو منوا لیتے ہیں' وہ بھی "حملہ حیدری" کے نام سے تاریخ لکھتے ہوئے جو فارسی میں ہے اور منظوم ہے' جب ہجرت کے واقعہ سے گزرتا ہے تو کہتا ہے۔

چو رفتند چندیں ز دامان دشت
قدوم فلک سایہ مجروح گشت

کہ جب ہجرت کے موقع پر مکہ مکرمہ سے نکل کر تھوڑا ہی صحرا میں آپ ﷺ نے سفر فرمایا تو آپ ﷺ کے پائے مبارک زخمی ہو گئے۔

ابوبکر آنگاہ بدوشش گرفت
ولے ایں حدیث است جائے شگفت

وہ کہتا ہے کہ اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنے کندھے پر اٹھالیا' لیکن یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ

درکس چناں قوت آمد پدید
کہ بار نبوت تواند کشید

کہ اللہ نے ایک نحیف و نزار وجود میں اتنی طاقت دے دی کہ وہ نبوت کا بوجھ اٹھا کر لے جا رہا ہے۔

میں اپنے انداز میں اس کی توجیہہ کیا کرتا ہوں۔ میں نے اس سے یہ سمجھا کہ اس رب جلیل کو یہ منظور تھا کہ کائنات کا ہر ذرہ خواہ وہ ارض بسیط کا بھی ہو' اگر محمد ﷺ سے ملنا چاہتا ہے' تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قدموں کو چومے یعنی ایک ایسا لمحہ بھی آیا' کہ پوری کائنات میں سارے کا سارا نور نبوت اس ایک ہستی کے دوش مبارک پر ہے اور پھر تین دن تین راتیں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا۔ پوری شمع نبوت ایک شخص کے قلب پر مرتکز رہی اور ساری کی ساری توجہ پا رہا ہے' یعنی وہ توجہ جو اک نگاہ میں ساری انسانیت کو شرف صحابیت عطا کر سکتی ہے' وہ مسلسل تین دن تین راتیں صرف ایک انسان کو مل رہی ہے اور وہ ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ کیوں؟ اس کی معیت اللہ نے اسی درجے کی بنائی ہے۔ وہ علامہ مرحوم نے کہا ہے

آ امن الناس برمولائے ما
آں کلیم وادی سینائے ما

حضور اکرم ﷺ نے سفر آخرت کے وقت فرمایا تھا کہ انسان انسان کی خدمت کرتا ہے' اس کے کام آتا ہے۔ میری اگر کسی نے ذرہ برابر خدمت کی ہے' تو میں نے اسے بڑھ کر بدلہ دیا ہے۔ لیکن ایک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے احسانات کو میرا رب اسے آخرت میں لوٹائے گا۔ یہاں سے علامہ مرحوم نے لیا۔

آ امن الناس بر مولائے ما

ہمارے آقا و مولا پر روئے زمین پر سب سے زیادہ احسانات کرنے والا ہے۔

آں کلیم وادی سینائے ما

جس طرح پوری قوم بنی اسرائیل منتظر تھی اور ایک کلیم تھا' جو وادی سینا میں محو راز و نیاز تھا۔ پوری امت مرحومہ الگ ہے اور ایک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے جو محو راز و نیاز ہے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے' کہ میں نے زندگی بھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال کو اس طرح خرچ کیا ہے' جیسے یہ میرا اپنا مال ہو۔ کبھی مجھے خیال نہیں آیا' کہ یہ مال کسی دوسرے کا ہے' اس کا کوئی اور مالک بھی ہے۔ ہمیشہ اس طرح استعمال کیا ہے اسی طرح خرچ فرمایا کہ جیسے یہ میرا اپنا مال ہو۔

دولت او کشت ملت راچوں ابر
ثانی اثنین و غار و بدر و قبر

توجہ شیخ کے ثمرات

تو بہرحال اپنے اس موضوع سے جو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ ہے معیت رسالت' یعنی جب اللہ کے رسول ﷺ کی معیت نصیب ہوئی' توجہ نصیب ہوئی' تو کیا ہوا؟ ایک شخص بیک وقت مجموعہ اضداد بن گیا' کافر اور کفر کے لئے شدید تر مومن اور نیکی کے لئے رحیم تر۔ پھر فرمایا۔

تَرٰاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا۔ تو اے مخاطب تو جب ان لوگوں کو دیکھے رکوع اور سجود کر رہے ہوں گے۔ آپ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی مثال ہی لے لیجئے' تو کیا صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین صرف نمازیں پڑھتے رہے اگر یہ کہا جائے' تو یہ درست نہیں ہے' کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی اجمعین نے تو ایک عالم کو مسخر کر دیا' سیاسیات کے امام وہ' معاشیات کے امام وہ' اخلاقیات کے امام وہ' تعلیمات کے امام وہ اور روئے زمین کی انسانیت کو انسانیت تک پہنچانے والے وہ لوگ ہیں اور اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک وہی لوگ ہیں ترجمان نبوت بلکہ زبان نبوت کہو تو زیادہ موزوں ہو گا' کہ اللہ نے جو پیغام رسول اللہ ﷺ کو دیا' اسے لے کر وہ مثل نسیم سحر پھیل گئے اور زمین پر ایک گداگر کی جھونپڑی سے لے کر شہنشاہ کے محل تک آواز نبوت کو پہنچانے والے یہی لوگ ہیں آج کے زمانے میں جو لوگ زندگی بھر اقتدار کی طلب کرتے رہتے ہیں' لیکن پاتے تو جیل ہی ہیں۔ ان کی عمر قید میں ہی گزر جاتی ہے' کتنے لوگ ہیں' جو فتح کے لئے میدان میں اترتے ہیں اور قتل ہو کر شکست سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ طلب کرنا اور بات ہے' حاصل کر لینا اور بات ہے۔ تو ان میں طلب ہی طلب تھی یا ان لوگوں کو کچھ ملا بھی۔ خارجی کوششیں اپنی محنتیں کیا رنگ لاتی ہیں' وہ تو تاریخ ہمارے سامنے ہے' کہ کبھی وہ کامیاب ہوتی ہیں اور اکثر و بیشتر ناکام بھی ہوتی ہیں۔

لیکن یہ جو کسی کی توجہ تھی' اس توجہ سے جو طلب پیدا ہوئی' اس کا انجام کیا ہوا؟ فرمایا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔ میری تجلیات کو ان کی پیشانیوں پہ رقصاں پائے گا' یعنی یہ توجہ سے جو تڑپ پیدا ہوتی ہے اس میں ناکامی کا نام نہیں ہے۔ اس میں نہ پانے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے' اگر ان میں نبی ﷺ کی توجہ سے ذوق پیدا ہوا' تو جتنا ذوق تھا' اس سے بڑھ کر انہوں نے پایا۔ بلکہ اے دیکھنے والے' تو جب چاہے' ان کے رخ روشن کی طرف دیکھ۔ میرے جمال کو میری تجلیات کو سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم ان کے چہروں پہ

رقصاں پائے گا' تو ان کا ہر ہر سجدہ جمال یار سے مزین ہو کر پیشانی اٹھاتا ہے۔

توجہ کی برکات کا تعلیمات پر اثر

حتیٰ یہ توجہ کی اصل ہے۔ تعلیمات ہر شخص کو مل سکتی ہیں۔ برکات کہیں نہیں مل سکتیں۔ اس لئے کہ یہ برکات نبوت جو ہیں سب سے پہلی بات تو آپ کو میں یہ بتاؤں' کہ نبی کریم ﷺ نے یہ برکات اس طرح بانٹیں' جس طرح آپ کو زیبا تھیں۔ یعنی در رحمت کھولا' تو صرف ایک پابندی لگائی' کہ جو چاہے وہ آ جائے۔ نہیں آئے گا تو محروم رہے گا۔ آنے والے پہ کوئی پابندی نہیں لگائی' کہ آنے والا مرد ہے یا خاتون' بوڑھا ہے یا بچہ' امیر ہے یا فقیر' عالم ہے یا جاہل' جو بھی آیا' کسی نے علم سیکھا تو عالم کہلایا' لیکن ہر آنے والا ان کیفیات سے شرف صحابیت سے مزین ہو گیا۔ بدوی تھا' صحرائی تھا' امیر تھا' فقیر تھا' مرد تھا' خاتون تھی' بچہ تھا یا بوڑھا' جو بھی ایمان لا کر بارگاہ عالی میں حاضر ہوا' اسے شرف صحابیت سے مزین فرمایا۔ یعنی حضور اکرم ﷺ نے بانٹا نہیں ہے' لٹایا ہے۔ میں ایک دن ایک بزرگ کے حالات پڑھ رہا تھا۔ تو ان کی مجلس میں کسی نے کوئی ٹوکرا بھیج دیا فروٹ کا یا کھجوروں کا۔ اب مجھے صحیح یاد نہیں۔ کچھ کھانے پینے کی چیز تھی۔ لوگ بیٹھے تھے' تو انہوں نے خادم سے فرمایا' بھئی یہ تقسیم کر دو' تو وہ کہنے لگا حضور خدائی تقسیم سے بانٹوں یا مصطفائی تقسیم سے۔ انہوں نے کہا' یہ تو کیا کہتا ہے۔ اللہ کی تقسیم اور نبی کریم ﷺ کی تقسیم کوئی الگ الگ ہے۔ وہ کہنے لگا اللہ نے تو ہر چیز ایک اندازے سے تقسیم فرمائی' تو اگر آپ کہیں تو اس طرح بانٹوں گا کہ میں آدمی گنوں گا' کھجوریں گنوں

گا' جتنی جتنی جس کو آتی ہیں اسی طرح بانٹوں گا یہ لمبا کام ہے۔ تو انہوں نے پوچھا آپ مصطفائی تقسیم کیا ہے؟ تو کہنے لگا' حضور اکرم ﷺ نے تو لٹوایا ہے' جتنی ہاتھ میں آتی جائیں گی جس کی طرف بڑھتا جاؤں گا' اسی پر لٹاتا چلا جاؤں گا' حضور ﷺ نے تو لٹوایا ہے۔ بانٹنا اور شے ہے اور لٹوانا اور شے ہے۔ واقعی یہ اتنا بڑا منصب کسی قید کے بغیر لٹوانا یہ آپ ﷺ کا ہی تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا' اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ یُؤتِیۡ۔ ہمارا کام لٹوانا ہے' دیتا تو رب ہے۔ لیکن ہمارا تو کام ہی لٹوانا ہے۔

جسے تم موت کہتے ہو یہ حیات کا دوسرا رخ ہے۔ جو لوگ اس سے ڈرتے ہیں یا اس کا انکار کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اس کی تحقیق کریں۔ موت کسی فنا کا نام نہیں ہے۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

موت زندگی کا وہ رخ ہے جو کبھی ختم ہی نہ ہو گا۔ زندگی نے ایک کروٹ بدلی اور فانی جہاں سے نکل کر ایک دائمی جہاں میں چلی۔ پھر اس کا وہاں ایک پراسس ہے' سٹیجز ہیں' اس کے اپنے مدارج ہیں کہ کن سے گزر کر کہاں تک جاتی ہے لیکن ختم نہیں ہوتی۔

برکات و تعلیمات نبوت کا دوام

یہ بھی یاد رکھ لو آپ ﷺ کی حیات بھی باقی ہے' نبی رحمت ﷺ کی نبوت و رسالت بھی باقی ہے' دین بھی باقی ہے اور یہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ حضور ﷺ دنیا میں تشریف فرما تھے' حیات تو وہی تھی' لیکن نوعیت دنیوی تھی' اس کا تعلق عالم دنیا سے تھا۔ حضور ﷺ برزخ میں تشریف لے گئے' حیات ویسی ہی ہے' لیکن اس پر احکام برزخ کے اب وارد ہوں گے۔ اب اس حیات کی صورت برزخی ہو گی' حیات ویسی ہی ہے لیکن دنیا کی حیات کی صورت ختم ہو

گئی اور اب حیات برزخ کی ہو گئی۔ جیسے آپ کہہ لیں کہ جو جس ملک میں مکیں ہے اس کے اعتبار سے اس کی شہریت مقرر ہوتی ہے۔

توارث برکات کی تاریخ

نبوت بھی آپ ﷺ کی ہے' برکات بھی آپ ﷺ کی ہیں' لیکن اس شرف کو پانے کے لئے اس عالم میں' حضور اکرم ﷺ کی اپنی حیات دنیوی کے زمانے میں' زندگی اور اپنی پسند کو قربان کر کے حاضر ہونا ضروری تھا۔ للذا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وہی بن سکے' جنہیں ان شرائط کے ساتھ یہ سعادت نصیب ہوئی۔

مگر حیات کے عالم بدلنے سے وہ برکات ختم نہیں ہوئیں' وہی برکات قائم و دائم ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر ان برکات کو بانٹا جس طرح دین کی تعلیمات حضور ﷺ نے صرف صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو پہنچائیں' پھر انہوں نے ان برکات کو ساری انسانیت کو پہنچایا' اسی طرح آپ ﷺ کے چشم عالم سے پردہ فرمانے کے بعد برکات نبوی ﷺ کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بانٹا۔ ان کی شان تقسیم بھی ایسی تھی کہ جو کوئی بندہ خدا بوڑھا تھا' عالم تھا یا انپڑھ تھا' لیکن صحابیؓ کی ایک مجلس میں آکر ایک نگاہ میں ان کے ساتھ ملنے سے وہ تابعیت کے شرف سے مشرف ہو گیا۔ تابعین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بھی یہ قوت بدرجہ اتم رہی کہ جو ان کی خدمت میں پہنچا وہ تبع تابعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کہلایا۔ لیکن جوں جوں زمانہ آقائے نامدار ﷺ سے بچھڑتا گیا اس میں وہ طاقت کم ہوتی گئی۔ ایک صحابیؓ کسی دوسرے کو صحابیؓ نہ بنا سکا بلکہ تابعی بنایا۔ تابعی کسی دوسرے کو تابعی نہ بنا سکا بلکہ اس نے تبع تابعین کی جماعت پیدا کی۔ تبع تابعین پھر ہر آنے والے کو اتنا سرفراز نہ کر سکے۔

تبع تابعین رحمتہ اللہ تعالیٰ اجمعین کے بعد پھر معاملہ اس طرح بدل گیا کہ اکثر لوگ علوم ظاہری تک پہنچے لیکن کچھ خوش قسمت ایسے تھے جنہیں علوم ظاہری کے ساتھ وہ توجہ بھی نصیب ہوئی اور پھر انہیں تبع تابعین کی خدمت میں لمحوں میں نہیں سالوں کے حساب سے عمریں بسر کرنا پڑیں اب حالات بدل گئے تھے۔ اس کے لئے پھر لوگوں نے عمریں صرف کیں۔ انہوں نے لوگ تلاش کئے'' پھر ان کی صحبت میں بیٹھے اور وہ انوارات جو دینے والوں کے قلوب پر تھے' انہوں نے لینے والوں کے قلوب پر انڈیلے' انہوں نے دل کا برتن کھول کے رکھا تاکہ اس میں وہ برکات آئیں جس کے نتیجے میں ان میں کسی قدر دین سے محبت آئی' کسی قدر گناہ سے نفرت ہوئی' کچھ عقائد کی اصلاح ہوئی۔ تو یوں یہ سلسلہ انسانوں کی اپنی اپنی استعداد کے مطابق چلتا رہا۔ جس طرح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ اجمعین جیسا کوئی علم ظاہری کا عالم نہ بن سکا اسی طرح اس درجہ کا کیفیات باطنی کا حامل بھی کوئی نہ بن سکا۔

ایک نانبائی کا تذکرہ میں نے پڑھا تھا کہ وہ روٹیاں بیچ رہا تھا۔ کسی نے قیمت پوچھی تو اس نے باسی روٹی کی قیمت دوگنی بتائی مثلاً'' اگر تازہ آٹھ میں ہے تو باسی سولہ روپے کی بیچ رہا تھا۔ کسی نے کہا بابا! تیرا دماغ خراب ہے۔ جو تو نے کل پکائی تھی اس کا تو دوگنا معاوضہ مانگتا ہے اور جو آج پکائی ہے اس کی آدھی قیمت ہے۔ وہ کہنے لگا جو کل پکی تھی وہ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک سے ایک دن قریب ہے' میں مہنگی بیچوں گا۔ کیونکہ جو کل پکی تھی اس میں یہ نور جو ہے اس پر جو بسم اللہ میں نے پڑھی تھی' اس کے لئے جو وضو میں نے کیا تھا' اس پر جو محنت میں نے کی تھی' اس میں برکات اس کی نسبت زیادہ ہیں۔ وہ حضور ﷺ کے زمانے سے پورا ایک دن اس سے قریب ہے اور واقعی اس نے بڑی بات کی۔ زمانہ بڑا ظالم ہے جیسے کہ ایک عرب شاعر نے کہا تھا۔ کبوتروں کی محبت مثالی ہوتی ہے۔

اس نے کہا ہم بھی کبوتروں کے جوڑوں کی طرح محبت کرتے تھے اور

ہمارا ایک گھونسلا تھا' اس میں بہت سکون سے وقت گزارتے تھے۔ یہی اسلام تھا' یہی احکام تھے' یہی قرآن تھا' یہی ہم تھے' یہی دین تھا' یہی مسلمان تھے لیکن ان کی محبت مثالی تھی۔ ان کے لئے دو الگ الگ گھر نہیں تھے' ان کے لئے دو الگ گھونسلے نہیں تھے' ان کی الگ الگ رائے نہیں تھی ان کی پسند الگ الگ نہیں تھی' اسلام کو جو پسند تھا وہی مسلمان کو پسند تھا اور بڑی محبت سے پسند تھا۔

کُنَّا کَزَوْجِ حَمَامَۃٍ فِی اَیْکَتِہٖ کبوتروں کے جوڑے کی طرح ایک ہی گھونسلے میں تھے۔ جوانی اور صحت سے مستفید ہوتے تھے۔ لیکن

دَخَلَ الزَّمَانُ بِنَا وَ فَرَّقَ بَیْنَنَا
اِنَّ الزَّمَانَ مُفَرِّقُ الْاَحْبَابِ

بے شک زمانہ بڑا ظالم ہے' آدمی سے محبوب کا دامن بھی چھڑا دیتا ہے یہ مرور زمانہ ہی تو ہے کہ جس نے مسلمان کو حب رسول اللہ ﷺ تک سے محروم کر دیا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ نبی ﷺ کا حلیہ اور ہے' مسلمان کا حلیہ اور ہے' نبی ﷺ کا لباس اور ہے' مسلمانوں کا لباس اور ہے' آپ ﷺ کا ارشاد اور ہے' مسلمان کی سوچ اور ہے۔ ذرا ایمان سے کہو کہ اگر ہم سارے لوگ حضور ﷺ کے زمانے میں حضور ﷺ کے سامنے ہوتے تو کیا کوئی کسر باقی رہ جاتی۔ تو پھر یہ زمانہ ہمیں مار نہیں گیا۔

برکات نبوت کا تحفظ

ہمیں پھر زمانے نے مار دیا ہم زمانے کی مار کھا گئے۔ تو وہ بابا سچ کہتا تھا کہ جسے قریب کا جتنا زمانہ نصیب ہے وہ اتنا ہی خوش قسمت ہے کہ جوں جوں زمانہ در آیا' وہ قوتیں' وہ کیفیتیں اور وہ طاقتیں کم ہوتی چلی گئیں لیکن ختم نہ ہوئیں اور نہ ہوں گی۔ کیونکہ آپ ﷺ کی نبوت جاری و ساری و دائمی ہے۔ تو نبوت کے دونوں پہلو تعلیماتِ نبوت بھی رہیں گی اور برکاتِ نبوی بھی رہیں گی۔

اللہ نے دونوں کے قیامِ بقاء کے لئے ادارے بنا دیئے۔ رب کریم نے اہتمام فرمایا کیونکہ اس کا وعدہ تھا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ۔ ہم نے اس کلام کو نازل فرمایا ہے اور اس کی حفاظت ہمارے اپنے ذمے ہے۔ ہم اس کی حفاظت کریں گے اور یاد رکھیں آپ کسی انسان کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں تو آپ یہ نہیں کہتے کہ کوئی اس کے بازو نہیں توڑے گا' کوئی اس کا دانت نہیں توڑے گا' کوئی اسے گولی نہیں مارے گا لیکن اگر کوئی اسے بھوکا پیاسا مار دے تو وہ میری ذمہ داری نہیں۔ مرتا ہے تو مر جائے۔ میں اس کا بدن بچاؤں گا تو یہ تو حفاظت نہ ہوئی۔ حفاظت سے مراد قرآن کی تفہیم کو بچانا ہے' متن قرآن تو پہلے محفوظ ہے' لوح محفوظ میں بھی ہے' قرآن کی تعلیم' قرآن کی تفہیم نبی ﷺ کے ارشادات ہے۔ ورنہ تو کوئی قرآن سمجھ ہی نہیں سکتا۔

لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ عَلَیْہِمْ۔ فرائض نبوت میں سے ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو بتائیں کہ آپ ﷺ پر جو نازل ہوا اس کا مفہوم کیا ہے۔ ہر شخص اپنی مرضی سے مفہوم مقرر کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے جو مفہوم بتایا اگر وہ مفہوم عنقا ہو جائے تو قرآن کی حفاظت کوئی نہ رہی۔ اسی مفہوم کو پانے کے لئے تزکیے کی ضرورت ہے اور برکاتِ نبوت کی ضرورت ہے۔

برکاتِ نبوت کا تحفظ مانند تحفظ قرآن

وَیُزَکِّیْہِمْ وَ یُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ۔ تزکیہ' تعلیم کتاب و حکمت لازم و ملزوم ہیں' اور اگر تزکیہ ہی اٹھ جائے تو تعلیم کہاں ہو گی۔ آپ اس تختی پہ لکھنا چاہتے ہیں جو پہلے سیاہ ہو چکی ہے' جسے صاف ہی نہیں کیا گیا' تو کیا لکھ پائیں گے۔ پہلے صفائی ہو گی' پہلے تزکیہ ہو گا' تحریر و تعلیم بعد میں آئے گی۔ تو اس فن کو بھی یہی وعدہ الٰہی حاصل ہے۔ جب تک سورج کا سفر جاری ہے حاملان توجہ رسول اللہ ﷺ بھی دنیا میں موجود رہیں گے۔ یہ وعدہ الٰہی اس کو حاوی ہے۔

نقلی پیر خانے بننے کے اسباب

ہاں یہ الگ بات ہے کہ بیشتر لوگوں نے والدین کی نقل بنالی' نقلی پیر بن گئے اور لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ لوگوں نے نقلی خدا ہونے کا دعویٰ کیا' لوگوں نے تو نقلی نبی ہونے کا دعویٰ کیا' نقلی ولی ہونے کا دعویٰ کر لیا تو اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟ یعنی جب ایک انسان انسانی طرز تخلیق پر پیدا ہوتا ہے' کسی کے گھر بچہ پیدا ہوتا ہے' بمشکل پلتا ہے' سارے انسانی پراسس سے گزرتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں خدا ہوں اور تماشہ دیکھو' کھاتا پیتا ہے' سوتا جاگتا ہے' محتاج ہے اور پھر بھی کہتا ہے کہ میں خدا ہوں۔ کتنی عجیب بات ہے۔ زمانے میں کتنے کذّاب اور دجال گزرے ہیں جنھوں نے اپنی نبوت کا دعویٰ کر دیا تو اس کے مقابلے میں ولایت تو چھوٹی سی چیز ہے۔ اگر کسی نے ولایت کا دعویٰ کر لیا ہے تو اس میں حیرت کی بات نہیں ہے بلکہ لوگ اگر ولایت کا دعویٰ نہ کرتے تو حیرت ہوتی کہ اس میں اتنی عزت و احترام تھی' اتنا پیار و محبت لوگ دیتے تھے تو لوگوں نے نقلی پیر بن کر کیوں نہیں بیچی یعنی جس چیز پہ جتنا زیادہ منافع آتا ہو اس کی نقل بھی اتنی بنتی ہے۔ لیکن ہر نقل کا توڑ ایک ہوتا ہے۔ آپ کہتے ہیں بازار میں جو غلہ یا جو آتا ہے یہ نقلی ہے' اس میں آمیزش ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ آپ کسی دکان پر اصل کی بوریاں لگا دیں' لوگوں کو پتہ تو چلے کہ اصل کیا ہوتا ہے پھر وہ نقل خریدنے سے باز آ جائیں۔ آپ گالیاں دیتے پھریں' اشتہار لگاتے پھریں' کہتے پھریں مگر جب ہے ہی نقل تو لوگ نقل ہی لیں گے۔ کہاں جائیں گے۔ تو نقل کا علاج یہ نہیں تھا کہ اصل کا بھی انکار کر دیا جاتا۔ اگر نقل زیادہ ہو گئی تھی تو ہم سب کے ذمے تھا کہ اصل کو تلاش کر کے مارکیٹ میں لاتے اور بتاتے کہ اصل یہ ہے۔ اسی طرح تصوف اور ولایت میں بھی اصلی و جعلی کے شناخت کا معیار ہے۔ ایک آدمی بدکار تھا فلاں کی مجلس میں بیٹھا' دیکھ لیں' نیک ہو گیا' اسے برائی سے نفرت ہو گئی' اس کے

عقائد کی اصلاح ہو گئی' اس کے اعمال کی اصلاح ہو گئی۔ یہ جو محض دنیاوی شہرت کے لئے لپکتا تھا اب محض اللہ کی رضا کے لئے کام کرتا ہے۔ پہلے جن کی رات محض گناہوں میں یا کلبوں میں گزر جاتی تھی اب اس کی سحری مسجد میں ہوتی ہے۔ کتنا بڑا فاصلہ ہے کلب' گھر' شراب خانے سے مسجد تک کا کتنا بڑا فاصلہ ہے لیکن برکاتِ صحبت کی وجہ سے اس کی ترجیح کلب و شراب خانوں سے بدل کر مسجد کی ہو گئی اور یہی توجہ اور یہی تاثیر اس کا سبب ہے۔

منصب شیخ

صوفیاء کے نزدیک وہ شخص شیخ کہلانے کا مستحق ہے جو اگر کچھ بھی نہ کرا سکے تو کم از کم طالب کو روحانی طور پر اس قدر بلندی تک لے جائے کہ برزخ میں لے جا کر بارگاہ رسالت میں اسے پیش کر سکے۔ یہ تصوف کی بیعت کے لئے کم از کم شرط ہے۔ جو شخص تصوف کی بیعت لیتا ہے اس میں کم از کم یہ استعداد ہونی چاہئے۔ اگر اس میں یہ استعداد نہیں تو اصلاح کی بیعت لے سکتا ہے۔ تصوف کی نہیں۔

اور توجہ یہ ہے کہ طالب کو اپنے ساتھ بٹھا کر اللہ کا ذکر کرائے اور اپنے دل کی قوت' اپنے دل کے انوارات اس کے دل تک القا کر کے اس کے دل کو اس طرح روشن کرے کہ وہ زینہ بزینہ ترقی کرتا ہوا ہر آن فنا فی الرسول کے قریب ہوتا چلا جائے یا کم از کم اسے فنا فی الرسول نصیب ہو۔

اب اس میں اگر لوگوں نے رنگ آمیزی کر لی کہ پیر کی برکت سے اولاد ملے' پیر کی برکت سے صحت ملے' پیر کی برکت سے دولت ملے' تو یہ رنگ آمیزی لوگوں کی ہے۔ یہ شیخ کی ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ کے مقدمات جیتے۔ میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ ہمارے مشائخ تو اکثر مقدمات ہارا کرتے تھے۔ نہ باہر نکلے' نہ عدالت میں گئے' نہ کسی کو رشوت دی' نہ کام کرنے کی فرصت ملی' وہ اپنے مقدمات ہارا کرتے تھے اور کسی کے کیا جیتیں گے؟ اگر شیخ کے ذمے آپ

کو صحت دیتا ہے تو میں نے تو اکثر ان لوگوں کو بیمار ہی پایا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ دنیا میں اتنا کام کرتے ہیں کہ شاید کوئی اور انسان اتنا کام نہ کر سکیں۔

آپ بزرگان دین کی تصانیف دیکھیں۔ ایک شخص فوت ہوئے ان کی عمر کم و بیش اسی سال کے قریب بنتی ہے اور ان کی تصانیف پہ تقسیم کیا جائے تو پیدا ہونے سے وفات کی تاریخ تک اٹھارہ صفحے روزانہ بنتے ہیں۔ عام آدمی سے اتنے تو پڑھے بھی نہیں جاتے۔ پوری زندگی صرف مطالعے کے لئے کوئی نہیں دے سکتا تصنیف کرنا تو بہت بڑا کام ہے۔ مختلف کتابوں سے مختلف جگہوں سے مواد کو لے کر یکجا کرنا، اس کو سمجھنا اور اس کو لکھنا ہوتا ہے۔

تو یہ لوگ اتنا کام کرتے ہیں کہ ان کی حیات اور ان کی صحت بجائے خود ایک کرامت ہوتی ہے۔ کبھی میڈیکل سائنس اسے سمجھ ہی نہیں سکی کہ یہ لوگ کیسے جیتے ہیں اور یہ کتنا کام کرتے ہیں اور کس استعداد سے کرتے ہیں۔ ہمیں اس سے غرض نہیں ہے ہماری غرض یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو کس حد تک شیخ کے سپرد کرنے کو تیار ہیں۔ طالب کی طرف سے سپرد کرنے کا عمل ہے کہ ہم اپنی رائے کتنی رکھتے ہیں اور اس کی بات کتنی مانتے ہیں۔ پھر یہ شیخ پر ہے کہ وہ ہم پر کتنی اور کس حد تک محنت کرتا ہے اور یہ حق ہے کہ اگر کسی شیخ کے دل میں اگر کچھ ہو تو وہ کم از کم ہمیں برائی سے متنفر اور نیکی کا طالب تو بنا ہی دے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ پھر کوئی اور دروازہ تلاش کرنا چاہیئے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر شخص پہلے دن ولی کامل نہیں بن جاتا۔ اگر پہلے دن میں سو گناہ کرتا تھا اور شیخ کے پاس بیٹھا تو سو سے ننانوے ہو گئے تو یہ بھی ترقی ہے۔ اور اگر سو سے ایک سو ایک کی طرف چل پڑا تو پھر اس شیخ کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ہے فلسفہ شیخ کی توجہ کا۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا کرم

یہ اللہ کا شکر ہے کہ رب جلیل نے ہمیں جس سلسلہ عالیہ سے منسلک

فرمایا ہے اور جو شیخ ؒ ہمیں نصیب ہوئے' انہوں نے اس گئے گزرے زمانے میں قرون اولیٰ کی یاد تازہ کر دی۔ وہ عجیب شخص تھا۔ اس کی جرأت رندانہ پر حیرت ہوتی ہے کہ اس نے ہر آنے والے کے لئے تصوف کا دروازہ کھول دیا اور یہ کام چودہ سو سال بعد پہلی دفعہ ہوا ہے۔ تبع تابعین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد یہ جرأت رندانہ چودہ صدیوں میں کسی نے نہیں کی۔ لوگوں کے پاس کروڑوں لوگ آئے' لاکھوں لوگ آئے' ان میں سے تین' چار' پانچ' دس کو چن کر انہیں تصوف اور تزکیئے کی تعلیم دی باقی سب کو تعلیم ظاہر پر رکھا۔ یہ ایک عجیب شخص تھا۔ اللہ کی اس پر کروڑوں رحمتیں ہوں کہ اس نے ہر آنے والے کے لئے دل کے دروازے کھولے اور ہر آنے والے کو کیفیات قلبی تقسیم کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سنت چودہ سو سال بعد ہمارے شیخ ؒ نے زندہ فرمائی اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اگرچہ اپنا باپ ہر ایک کو اچھا لگتا ہے' ہر ایک کو حق ہے کہ وہ اپنے باپ کو اچھا ہی سمجھے' لیکن بعض حقائق ایسے ہوتے ہیں جو تاریخ منوا لیتی ہے اور یہ بات اب اتنی پرانی ہو چکی تھی کہ لوگ ہم پہ یہی اعتراض کرتے ہیں کہ آپ ہر آنے والے کو ؟؟ قلبی کیفیات دیتے ہیں پہلے بزرگ تو کسی کو نہیں بتاتے تھے؟ یعنی لوگ اس چیز سے اس قدر مایوس ہو چکے ہیں کہ اب اس بات پہ حیران ہیں کہ ہر ایک کو مل سکتی ہے۔ اگر ہر ایک کو اسلام مل سکتا ہے' ہر ایک کو ایمان مل سکتا ہے' تو ہر ایک کا تزکیہ کیوں نہیں ہو سکتا۔ یہ کسی کے باپ کی وراثت ہے یا کسی ایک خاندان کے لئے ہے۔ اللہ کا قرآن' پیغمبر کی توجہ اور نبی کریم ﷺ کی عطا اور تزکیہ کسی ایک خاندان' ایک فیملی یا خاص اشخاص کے لئے نہیں ہے یہ پوری امت کے لئے ہے۔ مردوں کے لئے' خواتین کے لئے' بچوں کے لئے' بچیوں کے لئے' بوڑھوں کے لئے' جوانوں کے لئے' علماء کے لئے' انپڑھوں کے لئے' سب کے لئے یہ دروازہ کھلا ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ کسی کو علم ظاہر بھی حاصل ہے۔ تو ظاہر ہے وہ انپڑھ کی نسبت زیادہ لُوٹ لے گا کیونکہ اسے طریقہ آتا ہو گا' سلیقہ آتا ہو گا' عمل کرنے کا

ڈھنگ آتا ہو گا' عقائد صاف ستھرے ہوں گے' یا جو جتنی محنت یا جتنا جذبے سے داخل ہو گا اتنا ہی وہ زیادہ لے جائے گا۔

تو میرے بھائی اسے شیخ کی توجہ کہتے ہیں اور یہ کیفیات بغیر توجہ شیخ کے نصیب نہیں ہوتیں۔ محض ثواب لینا ایک الگ بات ہے اور اس ثواب کے ساتھ کیفیات بھی حاصل کرنا یہ الگ بات ہے۔ جنت میں ہر طرح کی نعمتیں ہوں گی' کھانا پینا بھی' رہائش بھی' لباس بھی' صحت بھی ہر طرح کی نعمتیں ہوں گی لیکن اس کے ساتھ جنت کی سب سے بڑی نعمت دیدار باری ہو گا۔ اب کوئی وہاں تک پہنچ کر صرف وہاں رہنے پر قناعت کرتا ہے تو اس کی مرضی اور کوئی وہاں جا کر بھی جمال باری کی تڑپ رکھتا ہے تو اس کی اپنی طلب ہے۔ یہی راستہ تو جنت کو پانے کا ہے۔

☆ ☆ ☆

تصوف میں شیخ کی مرکزی حیثیت

برکاتِ نبوت کا تعارف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا (الفتح ۲۸)

آج میں چاہوں گا کہ سلسلہ عالیہ کے توسل سے یا احسان و سلوک یا تزکیہ اور تصوف کے حوالے سے برکات نبوی علی صاحب الصلوۃ والسلام پہ بات ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس دور میں سب سے پہلے علوم الہیات کا دروازہ کھولا اگرچہ لوگوں کے پاس معاشیات کے علوم تھے' سیاسیات کے علوم تھے' دنیا کے دوسرے فنون حرب و ضرب کی باتیں تھیں لیکن بجز نبی اور رسول کے الہیات پر پوری تاریخ انسانی میں کسی نے لب کشائی نہیں کی۔ اس لئے کہ یہ موضوع محنت و مجاہدے سے یا مشقت سے یا سکولوں میں پڑھنے سے یا اساتذہ کے پاس جانے سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ وہ علم ہے جو من جانب اللہ بخشا جاتا ہے جسے وہبی کہتے ہیں یعنی اللہ کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے۔ نبوت کسبی چیز نہیں ہے کہ کوئی محنت کر کے نبی بن جائے یا مجاہدہ کر کے نبی بن جائے یا اپنی نیکی و پارسائی کے زور پہ نبی بن جائے یا اپنے علم اور دانش کے زور پر نبی بن جائے' ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ نبوت وہبی ہے اور اللہ اپنی مرضی سے عطا کرتا ہے۔ جنہیں چاہتا ہے اپنے لئے انہیں چُن لیتا ہے اور اس نے انبیاء علیہم السلام کو تخلیقی طور پہ نبی بنایا۔ اللہ نے یہ حادثاتی طور پر نہیں چُنے کہ آج موڈ آگیا تو چُن

لیا۔ جب سے کائنات بنی' کائنات پیدا ہوئی' ارواح پیدا کی گئیں' وجود نہیں تھے' تو بھی انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے پاس وہ کمال اور وہ انتخاب اللہ کا موجود تھا۔ اس لئے عالم ارواح میں ان سے جو بات ہوئی اس میں بھی ارشاد ہوتا ہے۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ۔ اللہ نے جب نبیوں سے وعدہ لیا حالانکہ وہ بات عالم ارواح کی تھی اور اس میں وجود نہیں تھے۔ صدیوں بعد ہر ایک کو اپنے اپنے وقت پہ وجود نصیب ہوا لیکن انبیاء علیہم السلام کی ارواح جو تھیں انہیں بھی نبی کہا گیا ہے۔ اللہ کریم نبوت عطا فرماتے ہیں اور وہ نبی کی ذاتی صفت ہوتی ہے' جو ذات باری کے اور بندے کے درمیان واسطہ بن جاتی ہے۔ کسی بھی مخلوق میں نبی کے بغیر ذات باری کو پہچاننے کی کوئی سبیل موجود نہیں ہے۔ حتیٰ کہ عہد فترت میں جب کوئی نبی موجود نہیں ہوتا تو جو شرائط ایمان کی ہیں وہ یہ نہیں ہیں کہ وہ اللہ کی ذات کو مانتا ہو یا اللہ کی صفات کو جانتا ہو' بلکہ کائنات کو دیکھ کر' اس کے نظام کو دیکھ کر یہ اندازہ تو کرلے کہ کوئی اس کا چلانے والا ہے' کوئی اس کا بنانے والا ہے اور اس کا ثانی کوئی نہیں' اپنی مرضی سے چلا رہا ہے' کسی کے مشورے کا محتاج نہیں ہے' کسی کی اجازت کا محتاج نہیں' کسی کی مدد کا محتاج نہیں۔ایسی اگر کوئی احتیاج ہوتی تو کہیں کوئی گڑ بڑ ضرور ہوتی' کہیں کوئی جھگڑا ضرور ہوتا۔ نظام اگر اتنی پابندی سے چل رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ چلانے والا اکیلا ہے' لاشریک ہے' کسی کی اجازت' کسی کی مدد' کسی کے تعاون کا محتاج نہیں۔ تو یہ عقیدہ بھی اس کی نجات کے لئے کافی ہے اسے مومن تصور کیا جائے گا بشرطیکہ کسی نبی کی تعلیمات اس تک نہ پہنچی ہوں۔ یعنی اگر انسانی عقل و شعور سلامت ہو تو مظاہر قدرت سے بھی یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ کوئی ہے۔کون ہے' کیسا ہے' یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ اس بات کا تب ہی پتہ چلتا ہے جب اللہ کا نبی اور اللہ کا رسول بتائے۔

نبوت کا بنیادی فریضہ

نبی اور رسول صرف بات نہیں بتاتا ہے بات کو سمجھنے کی استعداد عطا کرتا

ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب تک کسی انسان کا نبی کے ساتھ تعلق قائم نہ ہو اس میں ایمان لانے اور بات سمجھنے کی استعداد ہی نہیں آتی اور جوں جوں وہ برکات زیادہ آئیں گی توں توں وہ برکات بڑھتی جائیں گی جس کو قرآن حکیم نے فزادتہ ایمانا۔ فرمایا ان کا ایمان زیادہ ہوتا جاتا ہے' ترقی کرتا جاتا ہے۔ جتنا تعلق نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ مضبوط ہوتا جاتا ہے' جتنا تیقن بڑھتا جاتا ہے' اللہ کو جاننے اور پہچاننے کی اتنی استعداد بڑھتی چلی جاتی ہے اور اسی کا نام ایمان کی زیادتی ہے۔

اب یہ دو بڑے عجیب شعبے ہو گئے' ایک تو یہ کہ جو باتیں نبی بتاتا ہے وہ نبی کے بغیر کوئی بتا نہیں سکتا۔ ہمارے ہاں دین کے حوالے سے جتنے علوم ہیں ان کو تعلیمات نبوت کہا جاتا ہے اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے علاوہ کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے جو یہ باتیں بتانے کی اہلیت رکھتا ہو' کوئی ایسا نہیں ہے' جو ان میں ترمیم کر سکے' کوئی ایسا نہیں ہے کہ ان میں کوئی بات داخل کر سکے اور کوئی ایسا نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی جملہ حذف کر سکے۔ یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر حضور ﷺ نہ بتائیں' تو کوئی جانتا ہی نہیں بلکہ جان ہی نہیں سکتا۔ آپ اس کا اپنے طور پر اندازہ کیجئے کہ دنیا میں بڑے بڑے دانشور' بڑے بڑے محقق' بڑے بڑے سائنس دان موجود ہیں' میڈیکل سائنس کو دیکھ لیجئے کہاں کہاں انہوں نے کتنے اصول اور کتنے ضابطے وضع کئے اور پھر کیا انہوں نے خود ہی ان کی تردید نہیں کی۔ چند نظریات ہمیں سائنس کے ایسے ملتے ہیں جن کی تردید بعد میں آنے والوں نے کی بہت تھوڑے دو چار نظریات ایسے ملتے ہیں اور تاریخ میں ایسا بہت کم ہوا کہ جو کافی عرصہ چلتے رہے اور دوسری تیسری چوتھی پشت میں آکر دوسروں نے ثابت کیا کہ نہیں یہ بات اس طرح نہیں اس طرح ہے۔ اکثر وہ ہیں کہ جنہوں نے نظریہ قائم کیا' خود انہوں نے اس کی تردید بھی کی اور یوں آج تک چلا جا رہا ہے۔ کوئی بھی سائنس دان' بڑے سے بڑا سائنس دان کوئی مصدقہ (Authentic) ایسا فارمولا نہ دے

سکا جس میں کبھی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ہو گی جو حرف آخر ہو۔

اسی طرح آپ قانون کو دیکھ لیں۔ دنیا کے بڑے چنے ہوئے دماغ حکومتوں میں جمع ہوتے ہیں اور مخصوص (Selected) لوگ مل بیٹھتے ہیں اور وہ ملک کا آئین و دستور بناتے ہیں۔ کسی ملک کا کوئی ایسا دستور پیش کیجئے جس میں خود بنانے والوں کو ترامیم نہ کرنا پڑی ہوں۔ کوئی ایک بھی ایسا واقعہ پیش نہیں کیا جا سکتا جس کی اصلاح کی ضرورت اس کے ساتھ ساتھ نہ رہی ہو۔ جب انسانی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے تو پھر بات صرف ایک ہستی حضرت محمد ﷺ پر جا کر رکتی ہے۔ کہ آپ ﷺ نے جس شعبہ زندگی کا جو اصول بتا دیا وہ حرف آخر ہے اور صحیح ترین ہے' نہ اس میں ترمیم کی کبھی گنجائش پیدا ہوئی اور نہ کرنا پڑی اور نہ کوئی کر ہی سکتا ہے۔ چودہ صدیوں سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ جو اصول حضور ﷺ نے دیے وہ زمان و مکان اور نسل و رنگ کی قید سے بالاتر تھے۔ جس طرح اہل عرب کے لئے قابل عمل تھے اسی طرح اہل چین اور اہل امریکہ کے لئے یا دنیا کے دوسرے ممالک کے لئے اسی طرح قابل عمل تھے اور چودہ صدیوں سے دنیا کے ہر گوشے میں ان پر جنہیں توفیق نصیب ہے وہ عمل کئے جا رہے ہیں۔ جب کہ امریکہ کا طرز معاشرت اگر کوئی یہاں اختیار کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ یہاں کا طرز سیاست امریکہ میں کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ کتنے ہمہ گیر اصول تھے کہ جو دنیا پہ اپنائے گئے اور دنیا پہ قابل عمل ثابت ہوئے اور دنیا پہ انہوں نے اپنا نفع ثابت کیا۔ پھر زمانہ انہیں پرانا نہ کر سکا اور آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں اور اسی طرح ان میں وہ سارے مفادات اور منافع بھی موجود ہے۔

جنگی ماہرین کی ایک رائے ہے جو بین الاقوامی سطح پر قبول کی گئی ہے کہ کسی بھی لڑاکا فوج میں لڑنے والے لوگ دس فیصد ہوتے ہیں۔ جو مخلص لڑاکا (Devoted) ہوتے ہیں' جو جان دینا چاہتے ہیں' جو لڑنا چاہتے ہیں۔ نوے فیصد وہ لوگ ہوتے ہیں جن پر جنگ مسلط ہو جاتی ہے' جو ساتھ پھنس جاتے ہیں'

ہیں' آرمی میں بھرتی ہو گئے' جنگ میں پھنس گئے' کسی ذریعے کسی طریقے سے کہیں گھر گئے' پھنس گئے' یعنی ہر لڑنے والی فوج میں دس فیصد وہ لوگ ہوتے ہیں جو لڑنا چاہتے ہیں اور نوے فیصد وہ ہوتے ہیں' جو جنگ سے بیزار ہوتے ہیں لیکن مجبوراً" انہیں لڑنا پڑ رہا ہوتا ہے اور ان دس فیصد کے ساتھ وہ نوے فیصد لڑتے رہتے ہیں۔ اگر یہ شرح دنیا کی کسی فوج میں بڑھ کر بیس فیصد ہو جائے یعنی بیس فیصد ایسے لوگ ہوں' جو لڑنا چاہتے ہوں اور اسی فیصد جنگ سے بیزار ہوں تو بھی وہ دنیا کی بہترین فوج شمار ہوتی ہے اور اسے شکست دینا ممکن نہیں رہتا' یہ جنگی ماہرین کا تجزیہ ہے۔ اب اس کی مثال آپ اگر نبی ﷺ میں تلاش کریں' تو محمد ﷺ واحد جرنیل ہیں جنہوں نے وہ فوج بنائی' جس کے لوگ سو فیصد مخلص لڑاکا تھے۔ روئے زمین پر یہ واحد فوج ہے جو سو فیصد مخلص لڑاکا تھی' اور جس کا ہر سپاہی جان دینا چاہتا تھا۔ اللہ کی برکات اپنی جگہ لیکن ایک سبب یہ بھی تھا' جو تیس ہزار کو تین لاکھ پہ غالب کر دیتا ہے۔ جو تین لاکھ تھے ان میں شاید پانچ فیصد لڑنے کے لئے آئے تھے اور پچانوے فیصد لائے گئے تھے اور جو تیس ہزار تھے' وہ تیس کے تیس ہزار جان دینا چاہتے تھے۔ تائید باری اپنی جگہ برکات نبوی ﷺ اپنی جگہ' لیکن دنیوی یا انسانی معاشرے کی جو اس میں خصوصیات ہیں' وہ بھی نظرانداز نہیں کی جا سکتیں۔ آپ مثال نہیں پیش کر سکتے کہ دنیا کا کوئی انسان تاریخ انسانی میں بجز انبیاء و رسل علیہم السلام کے' کوئی ایسا جرنیل پیش کرے۔ ہر نبی کے ساتھ اگر لڑنے والی فوج کا یہی حال ہے تو ہر نبی برکات محمد ﷺ کا خوشہ چین ہے اور دوسرے انبیاء کے ساتھ بھی برکات کا یہ عالم نظر نہیں آتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فوج مسلمان تھی جس نے کہہ دیا تھا فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا آپ جائیں اور آپ کا رب جانے آپ لڑیں' إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ہم تو یہ بیٹھے ہیں یہ مسلمان تھے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے اور بنی اسرائیل میں سے تھے۔

برکات نبوت کے کمالات

یہ خصوصیت صرف محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا ہوئی۔ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے اولوالعزم رسول ہیں اور کلیم اللہ ہیں لیکن یہ کمال آپ ﷺ کا ہے' کہ آپ ﷺ کی خدمت میں جو پہنچا اگر دس تھے' تو دس شہید ہونا چاہتے تھے اور اگر دس ہزار تھے' تو دس ہزار شہید ہونا چاہتے تھے۔

یہ بندے اس طرح کیسے بن گئے۔ یہ برکات نبوی ﷺ کا ایک پہلو ہے یعنی حضور ﷺ نے صرف تعلیمات نہیں دیں بلکہ برکات بھی دیں اور حضور اکرم ﷺ نے ان تعلیمات کو سمجھنے کی اور جاننے کی استعداد پیدا کر دی اور جب لوگوں کے شعور اتنے بیدار ہو گئے کہ تعلیمات نبوی ﷺ ان کے شعور میں جاگزیں ہو گئیں تو وہ جان لٹانے پہ آمادہ ہو گئے۔ یہ پروانہ صفت تب بنے جب نور نبوت نے ان کے شعور میں وہ باتیں ثبت کر دیں کہ موت ہی زندگی ہے۔ یہ جو فکر کی وسعت تھی' یہ جو شعور کی وسعت تھی' یہ جو دل کی وسعت تھی' یہ جو بات کو سمجھنے کی وسعت تھی' نہ صرف یہ سب باتیں بتائیں بلکہ قانون بتائے' اصول بتائے' زندگی کے مختلف شعبوں کے' سیاست کے' معیشت کے' عدالت کے' معاشرے کی تشکیل کے' ذاتی زندگی کے' عبادات کے معاملات کے' یہ سارے اصول حضور اکرم ﷺ نے بتائے اور ایسے بتائے جو ساری انسانیت کے لئے تھے اور ہیں اور رہیں گے۔ اور ایسے بتائے جو کبھی کسی تبدیلی اور اصلاح کے محتاج نہیں ہیں۔ لیکن اس میں اتنی قیمتی بات کی قیمت صرف ان ہی لوگوں کی سمجھ میں آئی جن کے دل میں وہ شعور بھی پیدا ہو گیا کہ وہ ان کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔ اور جہاں بات صرف زبانی کلمے تک رہی' زبانی ایمان تک رہی اور قلب میں وہ شعور نہ آیا۔ وہاں یہ ساری باتیں موجود ہیں اور ماننے والے ان پر عمل نہیں کرتے۔ کلمہ پڑھتے ہیں' جانتے ہیں' مانتے ہیں' نمازیں پڑھتے ہیں' حج

کرتے ہیں پھر کیوں حرام کھاتے ہیں' کیوں نہیں رک جاتے' نمازیں پڑھتے ہیں' حج بھی کرتے ہیں' تسبیحات پڑھتے ہیں تبلیغ کرتے ہیں' چلے لگاتے ہیں' اللہ اللہ کرتے ہیں' وظیفے پڑھتے ہیں' تلاوت کرتے ہیں اور پھر کیوں جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔ یہ سارا کچھ کرنے کے بعد ظلم کے خلاف کیوں کھڑے نہیں ہوتے' ظلم کے معاون کیوں بن جاتے ہیں' ظالموں سے دنیوی مفادات کیوں وابستہ کر لیتے ہیں' اس لئے کہ یہ ساری باتیں ان کی سماعت میں تو آتی ہیں' دل میں نہیں اترتیں' سننا اور بات ہے اور دل میں اسے جگہ دینا اور شعوری طور پر اسے سمجھنا یہ دوسری بات ہے۔ ایمان سننے کا نام نہیں ہے' ایمان شعوری اور فکری طور پر سمجھنے اور یقین کرنے کا نام ہے۔ اس لئے یہ شعبہ تعلیمات کی نسبت بھی زیادہ اہم ہے' جو ان تعلیمات کو سمجھنے یا دل میں جگہ دینے کی استعداد پیدا کرتا ہے' اسی لئے قرآن کریم نے اس کو تعلیمات سے پہلے رکھا یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ (آلعمران ۱۶۴)۔ فرائض نبوت میں تزکیے کو پہلے رکھا' کہ حضور ﷺ ان کا تزکیہ فرماتے' پھر انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے' تاکہ یہ تعلیم ان کے لئے راہ عمل بن جائے' یہ ان کے لئے علم بن جائے خبر نہ رہے۔ کسی بات کو جاننا یہ خبر کہلاتا ہے اور کسی بات کو ماننا یہ علم کہلاتا ہے۔ ساری باتیں جاننا خبر کے درجے میں رہتا ہے' جب تک انہیں ماننے کی استعداد پیدا نہ ہو جائے اور ماننے کی استعداد تب پیدا ہوتی ہے' جب برکات نبوت ﷺ دل نشیں ہوں' سینے میں آئیں' دل میں وسعت پیدا ہو' فکر میں بیداری پیدا ہو اور باتیں محض سماعت سے ٹکرا کر بندہ ان کی داد نہ دیتا رہے' کہ نسبتاً" یہ بہت خوبصورت بات ہے' دنیا کے مقابلے میں یہ بہت اچھی بات ہے' نظام کے لئے عالم کے مقابلے میں بہترین نظام ہے' یہ تو خبر کے درجے میں ہے۔ علم تو تب ہوگا' جب بندہ تڑپ اٹھے کہ اس کے بغیر زندگی بے کار ہے' یہ علم کا درجہ ہوتا ہے۔

توارث کمالات نبوت

صرف محمد ﷺ کی ذات جامع صفات تھی۔ آپ ﷺ کے عہد ستودہ صفات میں بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خصوصیات متفرق تھیں کسی کو آپ میدان شجاعت، میدان کار زار کا بہادر مانتے ہیں، داد شجاعت دینے والا مانتے ہیں، کسی کو آپ فقیہہ سمجھتے ہیں، دوسرے کو آپ سخاوت کے اعتبار سے جانتے ہیں تیسرے کو آپ کسی اور حوالے سے جانتے ہیں۔ اسی طرح یہ خصوصیات تقسیم ہوتی گئیں اور پر تو جمال مصطفیٰ ﷺ کا کوئی نہ کوئی پہلو ہر کسی میں موجود تھا۔ ہمہ گیری کی صفت حضور ﷺ کی تھی اور آپ ﷺ کی ذات سے کوئی نہ کوئی پہلو ہر کسی کو نصیب ہوتا گیا اور اس میں وہ دنیا کی قیادت کی اہلیت پا گیا۔ محدثین نے شعبہ حدیث کو سنبھالا اور اللہ کریم نے محدثین سے اتنا کام لیا کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے فرمائے ہوئے ایک ایک لفظ کو پوری امانت و دیانت کے ساتھ آنے والی نسلوں تک پہنچایا، یہ معمولی کام نہیں ہے۔ مفسرین نے شعبہ تفسیر کو لیا اور کتاب اللہ کے بارے جو ارشادات ان تک پہنچے وہ پوری دیانت داری سے آنے والی نسلوں تک پہنچائے اور اس میں عمریں کھپا دیں۔ اس طرح شعبہ تفسیر وجود میں آگیا۔ فقہاء نے قانون کا فقہ کا شعبہ لیا، عدل و انصاف کا شعبہ لیا اور اس میں جو جو نقش ثبت فرمائے تھے انہوں نے عمریں صرف کر کے اگلوں تک وہ پہنچائے۔ سب سے نازک وہ شعبہ تھا جو صوفیاء نے لیا اور صوفیا نے انوار و برکات رسالت ﷺ کی وہ استعداد اگلوں تک پہنچائی جو تفسیر حدیث اور فقہ کو سمجھنے کے لئے تھی۔ زندگیاں صرف کر کے اس کو حاصل کیا اور عمریں صرف کر کے اگلوں کو پہنچایا، بغیر کسی منصب کے لالچ کے، بغیر کسی اجرت کے لالچ، بغیر کسی طمع کے، محض اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کو راضی رکھنے کے لئے، محض رضائے باری کی خاطر، ان کی عمریں جہاں گردی میں

اور بحر نوردی میں بسر ہو گئیں۔ وہ اپنوں سے بچھڑ گئے' بیگانوں میں رہے' عمر بھر دشت نوائی کی' ساری عمر مسافر رہے' زندگیاں راستوں پر بسر کر گئے۔ کسی اور نے تو گھر بنایا' کسی کو آستاں ملا' کسی کو ریاست و جاگیر ملی لیکن یہ ایسے لوگ تھے کہ ان کی ساری عمر رواں راستوں میں بسر ہو گئی' سفر میں بسر ہو گئی' چلتے چلتے جہاں کٹ گئی' جہاں موت آئی' وہاں پیوند زمین ہو گئے۔ آج سینہ زمین کو آپ دیکھتے ہیں کہ کہاں کا رہنے والا کہاں آ کے سودۂ خاک ہے کیا کام تھا' کوئی تجارت کرنے آیا تھا' کوئی ذاتی غرض تھی' کوئی مال کمانے آیا تھا' نہیں! محض وہ برکات نبوت ﷺ تقسیم کرتے کرتے جہاں زندگی ساتھ چھوڑ گئی' پیوند خاک ہو گیا۔ یہ بڑے عجیب لوگ تھے اور بڑی ایک نرالی سج دھج کے لوگ تھے جنہوں نے ساری زندگی دوسروں کے لئے بسر کر دی اور ایک ایک فرد کے لئے' ایک ایک بندے کے لئے اپنی زندگی کی راحتیں قربان کرتے چلے گئے اور سب سے بڑی دولت اللہ کی مخلوق کو ان لوگوں کے طفیل ملی۔ علوم نبوت کم دولت نہیں تھی لیکن جن میں ان علوم کو سمجھنے کا شعور پیدا نہ ہوا ان کے لئے اس کی کیا حیثیت ہے۔ آج ہم معاشرے میں دیکھتے ہیں۔ ہمارے پاس قرآن کریم موجود ہے' ہمارے پاس احادیث کا ذخیرہ موجود ہے' ہمارے پاس فقہ کے قوانین موجود ہیں لیکن ان کی کیا حیثیت ہے' انہیں کون پوچھتا ہے' کیا ہمارا سیاسی نظام انہیں کوئی باور کرتا ہے' ہمارا معاشی نظام انہیں کوئی اہمیت دیتا ہے' ہمارا عدالتی نظام ان سے رہنمائی لیتا ہے۔ نہیں لیتا' کیوں نہیں لیتا' معاشرے کے شعور میں ان کو سمجھنے کا فقدان ہے۔ ان کی جو قیمت و اہمیت ہے' اس میں کمی نہیں آئی' سمجھنے والوں کی استعداد چلی گئی۔ پھر وہ لوگ کتنے قیمتی تھے جنہوں نے استعداد بانٹی اور لٹائی اور آپ اگر تاریخ عالم پہ نگاہ کریں تو چودہ صدیوں میں احیائے دین کا کام جب بھی ہوا کوئی سلطان و امیر نہ کر سکا' کسی درویش اور فقیر ہی نے کیا۔ سلاطین کے بس کی بات نہ رہی' حکمرانوں کے بس سے بات نکل گئی بلکہ آپ کو یہ ملے گا کہ

حکمران تو اکبر و جہانگیر بن گئے' کوئی مجدد کھدر پوش اور درویش منش خانقاہ سے اٹھ کر آیا اور اس نے بندوں کو بندوں کے سجدے چھڑا کر الہ العالمین کے سجدے سے آشنا کر دیا۔ ہر جگہ یہ فکری شعور صوفیوں ہی نے دیا۔ اللہ کے وہ بندے جن کے سینے عشق نبی ﷺ سے منور تھے' نور نبی ﷺ سے منور تھے انہوں نے دلوں میں نور بانٹا' شعور بانٹا' فکر بانٹا' فکر کی استعداد بانٹی اور انہوں نے ذروں کو چمکا کر خورشید آشنا کر دیا۔ کیسے کیسے عجیب لوگ تھے۔ میرے اپنے مطالعے کے مطابق میں نہیں سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ بھی کوئی بندہ اس زمانے میں دین سے دور ہو گا۔ میں بالکل دوسری صف کا آدمی تھا جس کے پاس سے بھی دین نہیں گزرا تھا کیسے عجیب لوگ تھے کہ میرے جیسے بندے کو پکڑ کر یہاں بٹھا دیا اور اس قابل بنا دیا کہ میں لوگوں کو دین سکھاتا پھروں۔ ایک ایسا بندہ جسے دین سے مس ہی نہیں' دین سے چڑ تھی' ایک ایسا بندہ جس کی ساری توانیاں دین کے خلاف صرف ہوتی تھیں اس میں وہ شعور' وہ استعداد پیدا کر دی کہ وہ ایک جہان کو دین سکھائے اور جاپان سے افریقہ تک لوگ اللہ اللہ کرنا شروع کر دیں۔ یہ آسان کام نہیں۔ میں کسی اور کی بات نہیں کرتا' میرا اپنا وجود زندہ مثال ہے۔ میں خود کو جانتا ہوں آپ لوگ نہیں جانتے آپ لوگوں نے مجھے اللہ اللہ کرتے دیکھا۔ آپ کو کیا خبر' میں کون تھا؟ آپ لوگوں کی ملاقات تو میرے ساتھ محراب و منبر پر ہوئی۔ یہ تو وہ لوگ جانتے ہیں جو مسجد سے باہر مجھے جانتے تھے۔ آپ نے تو مجھے مسجد میں دیکھا لیکن اس بندے کا کمال دیکھو جو مجھے مسجد میں لے آیا۔

ضرورت شیخ

یہ وہ بات ہے جس نے عمر ابن خطاب کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ بنا دیا۔ یہ کام ان لوگوں کا ہے جنہیں ہم شیخ کہتے ہیں۔ یہ کمال اس فن کا ہے جسے ہم تصوف کہتے

ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ساری عمر لوگ قرآن و حدیث پڑھ پڑھ کر اس فن کی تردید کرتے ہیں' ان کا کیا یہی شعور ہے چہ جائیکہ وہ لوگوں کو یہ استعداد بانٹتے' خود اتنے دور چلے گئے' کہ اس کی تردید کرتے پھرتے ہیں' کیا یہ محرومی کی انتہا نہیں ہے۔ ایک آدمی دین نہیں پڑھتا' قرآن نہیں پڑھتا' احادیث نہیں پڑھتا' نہیں جانتا' اس کی بات اور ہے۔ لیکن کتنے علماء ہیں جو اس کے خلاف زور لگاتے پھرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ چیز حق نہیں ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان تک خبر پہنچی' ان تک علم نہیں پہنچا اس لئے کہ ان کے اندر علم کی استعداد ہی پیدا نہیں ہوئی۔ اور ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے۔

مثلاً" ہمارے ساتھ ایک مفتی صاحب ہوا کرتے تھے جو اس کے خلاف فتوے دیتے تھے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اللہ اللہ کرنا شروع کیا تو میں نے انہیں روتے ہوئے دیکھا۔ آنسو ٹپک رہے ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ کون کہتا ہے کہ یہ غلط ہے۔ میرے ساتھ آؤ' میں تمہیں بتاؤں کہ یہی تو زندگی کو صرف کرنے کا اصل راستہ ہے' یہی تو سب سے قیمتی چیز ہے۔

تو میرے عزیزو! دین بڑا قیمتی ہے۔ دین کے اصول بڑے نایاب' بڑے قیمتی اور بے مثل و بے مثال' دینی سیاست بے مثل و بے مثال' دینی عدل بے مثل و بے مثال' دینی معیشت بے مثل و بے مثال لیکن دو ارب مسلمانوں میں اسے جاننے والے کتنے لوگ ہیں یہ کام تھا اہل اللہ کا جو انہوں نے زندگی بھر کیا اور کرتے جا رہے ہیں۔ اب اس کام کی نزاکتیں بہت ہیں۔ چونکہ یہ سارا کام قلبی دنیا کا ہے' قلبی کیفیات کا ہے' دلی معاملات کا ہے تو اس میں نزاکتیں بھی بہت زیادہ ہیں۔

کمالات حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ اس طریق تصوف میں مجدد تھے اور مجتہد

بھی تھے۔ مجدد اس ہستی کو کہا جاتا ہے جو کسی فن کی تجدید کرنے کی اہلیت رکھتا ہو کہ جب وہ فن ناپید ہو رہا ہو تو اسے پھر ایسی قوت عطا کر دے جیسے اس پہ جوبن آ جائے اور جسے انگریزی میں Renewal کہتے ہیں' اسے تجدید کہا جاتا ہے۔ اسے پھر سے جوان کر دے۔ مجتہد وہ ہوتا ہے' جو سلف صالحین کے ساتھ اس کی مطابقت پیدا کر دے۔ اپنے اجتہاد سے عہد نبوی کو' عہد خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو' عہد تابعین اور تبع تابعینؒ کو دیکھ کر' موجودہ ضرورتوں کا موازنہ کر کے' اس زمانے کے مطابق احکام وضع کرے۔ اسے اجتہاد کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو ایک اجتہاد یہ ہے کہ کوئی نئی بات کہہ دے تو وہ اجتہاد ہو گیا جبکہ اجتہاد سے مراد یہ ہوتی ہے کہ عہد حاضرہ کی ضروریات کا جواب سلف صالحین کے ارشادات کی روشنی میں اس طرح سے تلاش کیا جائے کہ ان کے بتائے ہوئے راستے سے روگرانی بھی نہ ہو اور آج کے اس مسئلے کا جواب بھی مل جائے۔ تو حضرت جی ؒ کو یہ کمال بھی اللہ نے دیا تھا' کہ وہ مجتہد فی التصوف بھی تھے اور مجتہد فی الطریقہ بھی تھے۔ اب میں یہ بات اس لئے نہیں کہہ رہا کہ حضرت جی ؒ میرے شیخ تھے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے جو میں عرض کر رہا ہوں۔ الحمدللہ! اللہ کریم نے ہمیں ایک ایسی ہستی کے قدموں میں بیٹھنے کی سعادت بخشی جو اس عہد کی بے مثال شخصیت تھی۔

تصور شیخ کی حقیقت

حضرت جی ؒ نے بہت سی باتیں جو اس میں بنیادی حیثیت رکھتی تھیں درمیان سے اڑا دیں اور یہی مجتہد کا کام ہوتا ہے۔ ان بنیادی باتوں میں ایک بات تھی جس پہ میں کچھ عرض کرنا چاہوں گا اور وہ ہے تصور شیخ۔ تقریباً ہر سلسلہ تصوف میں یہ بات موجود تھی کہ جب بھی ذاکر ذکر کرنے بیٹھے تو وہ اپنے شیخ کا تصور کر لے اور سمجھے کہ شیخ میرے پاس موجود ہے یا شیخ میرے سامنے ہے

یا شیخ کو میں دیکھ رہا ہوں یا شیخ کے پاس بیٹھ کر ذکر کر رہا ہوں۔ اب اس پہ اہل علم کو بھی اعتراض تھا' علمائے کرام کو بھی اعتراض تھا کہ ایک جہاں ذکر کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ شیخ میرے پاس ہے ایک دنیا کے دوسرے حصے میں کر رہا ہے دوسرا دوسرے حصہ میں ہے۔ اور تیسرا تیسرے میں ذکر رہا ہے تو یہ شرک کے ساتھ تشبیہ ہو گئی۔ یہ تو خدائی صفات مانی جانے لگیں۔ بہرحال ان کے اعتراضات اور سوالات بھی موجود ہیں اور ان کے جوابات بھی موجود ہیں اور یہ صرف تصور تھا اس میں کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ مثلاً" بیٹا ایک پردیس میں ہے اس کے دو بھائی' دو بہنیں' ماں' باپ ہزاروں میل کے فاصلے پہ بستے ہوئے سارے اس کو سوچتے ہیں' سارے چشم تصور میں اسے دیکھتے ہیں' تو اس میں کوئی خدائی صفات تو نہیں مانی جاتیں۔ ایک تعلق ہوتا ہے' ایک رشتہ ہوتا ہے' لیکن بہرحال حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو درمیان سے نکال دیا۔

اس کو نکالنے کے لئے ایک قوت چاہئے تھی' صرف آرام سے یہ کہہ دینا کہ یہ تصور آپ ہٹا دیں' بات ختم' یہ نہیں تھا۔ بات یہ تھی کہ لوگ تصور شیخ میں جب بیٹھ کر ذکر کرتے تو انہیں کوئی یکسوئی نصیب ہوتی اور اب اگر اسے کسی نے ہٹانا تھا تو ہٹانے والے میں وہ قوت بھی چاہئے تھی جو بغیر تصور شیخ کے وہ کیفیت دے سکے۔ یعنی صرف ہٹا دینا آسان نہیں تھا کہ جی اس کو چھوڑ دیں' اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات نہیں تھی۔ بات یہ تھی کہ تصور کر کے ذکر کرنے سے جو جمعیت خاطر پیدا ہوتی ہے۔ اب ہٹانے والے میں وہ قلبی قوت ہو' وہ باطنی طاقت ہو کہ اس کے حکم کے مطابق اس کے متوسلین میں سے دنیا کے کسی گوشے میں کوئی ذکر کرنے بیٹھے تو اسے ذکر کی گرمی محسوس ہو' اسے وہ ارتکاز توجہ نصیب ہو' اس کا دل اس میں لگے' اس کا ذکر چل پڑے' تب وہ بندہ منع کرے کہ تصور شیخ چھوڑ دو۔ تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے سلسلے سے اور بھی بہت سی چیزیں جن کے بیان کرنے کی میں کوئی ضرورت نہیں سمجھتا ہٹا دیں۔

اس لئے ہٹا دیں کہ کبھی کبھی کچھ لوگوں کو اس سے نقصان بھی ہو جاتا تھا۔ ان کی فکری استعداد اس قابل نہیں ہوتی تھی کہ جسے آپ پر خطر (Risky) راستہ کہہ سکتے ہیں۔

تصور شیخ کا ایک فائدہ

لیکن میں اب محسوس کرتا ہوں کہ جہاں اس کے یہ نقصانات تھے وہاں اس کا ایک فائدہ بھی تھا۔ فائدہ شاید یہ تھا کہ سلسلے میں ہر آنے والا' ہر شامل ہونے والا بندہ ذہنی طور پر شیخ سے وابستہ ہو جاتا تھا۔ چونکہ تصور شیخ پر اس کی بنیاد ہوتی تھی تو بندہ براہ راست شیخ ہی سے وابستہ ہو جاتا تھا۔ اور دعوت دینے والا صاحب مجاز یا اسے ذکر سکھانے والا اس کے لئے محض ایک استاد یا ایک محسن رہتا' شیخ نہیں بن سکتا تھا۔ تصور شیخ کے ہٹ جانے سے جہاں اور بہت سے فوائد ہوئے ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ لوگوں میں اتنی استعداد نہ تھی اور جب ان کو ذکر کرانے کی اجازت ملی تو انہوں نے جن لوگوں کو اللہ اللہ سکھائی ان پر ساتھ ساتھ اپنی اہمیت بھی بٹھائی اور وہ لوگ بجائے شیخ سے متعلق ہونے کے اس بندے کے ساتھ منسلک ہوتے چلے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس بندے کو اپنی ذات کے بارے ایک وہم پیدا ہو گیا کہ اب میں بھی کوئی حیثیت رکھتا ہوں۔ اور وہ بندہ سلسلے سے کٹ گیا۔ یہ عجیب ایک نازک سا رشتہ ہوتا ہے۔ جہاں دل میں دراڑ آئی رشتہ ٹوٹ گیا۔ یہ تو قلبی معاملات ہیں' دلوں کے معاملات ہیں' دل دونوں طرف یکساں نہ رہے تو رشتہ ٹوٹ گیا۔ اب جب وہ شخص ٹوٹا تو ہمارے سامنے ہے کہ اس کے ساتھ کتنے کتنے لوگ اور ٹوٹ گئے۔ وہ کیوں ٹوٹے اس لئے کہ وہ شیخ تک پہنچے ہی نہ تھے' وہ وہیں رکے ہوئے تھے۔ تصور شیخ کے ہٹانے کا ایک نقصان یہ ہوا۔

شیخ سلسلہ کی مرکزی حیثیت

میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ یاد رکھیں! ان کمالات باطنی میں سارا مدار ایک اس بندے پر ہوتا ہے جسے مشائخ کی طرف سے ذمہ داری سونپ دی جاتی ہے کہ یہ کام تم کرو۔

تھے اور نہ ہم پیر بننے کے لئے آئے تھے' صراط مستقیم کی تلاش میں آئے تھے' اللہ کے نام اس کی یاد اور اس کی اطاعت اور اللہ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کے لئے آئے تھے' پیر بننے کے لئے نہیں آئے تھے۔ لیکن یہ انسانی کمزوری ہے کہ جب اسے وہ اہمیت ملنے لگے جو اس کا حق نہیں ہے تو اس سے وہ بڑا خوش ہوتا ہے۔ یہ آپ اپنے اردگرد معاشرے میں دیکھیں۔ ہم لوگ قرض لے کر کیوں دھوم دھام سے شادی کرتے ہیں وہی کچھ نظر آنے کے لئے جو کچھ ہم نہیں ہیں۔ اگر ہم قرض نہ لیں تو پھر ہماری دعوت اس حیثیت کے مطابق ہو گی جو ہماری ہے۔ تو لوگوں پر واضح ہو جائے گا کہ یہ بندہ کس حیثیت کا مالک ہے۔ ہم وہ کچھ نظر آنا چاہتے ہیں جو ہم نہیں ہیں تو ہم قرض لے کے دعوت کرتے ہیں۔ اس ایک بات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ وہ وہی کچھ نظر آئے جو وہ نہیں ہے لیکن لوگوں پہ اس کا رعب ہو کہ یہ ایسا ہے' یہ ایسا ہے۔ یہی بات یہاں بھی آ جاتی ہے۔ ہم پیر ہوتے نہیں لیکن خود کو پیر منوانے میں ہم خوشی محسوس کرتے ہیں اور یہ وہ نازک مقام آتا ہے کہ پھر جہاں خود سپاری کی بجائے خودپسندی آ جاتی ہے اور خودپسندی اس راہ کی سب سے بڑی دیوار بن جاتی ہے۔

انانیت کے نقصانات

یہ ساری عبادتیں' ساری ریاضتیں' ساری محنتیں ہمیں اس لئے ضائع کر دیتی ہیں کہ ہم نے اپنے اس چالیس سالہ عہدِ طالب علمی میں اپنے ساتھ کتنے لوگوں کو اس بات پر گرتے دیکھا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ساری عمر یہ سبق حاصل کرتے رہے کہ زہر نہیں کھانا اور پھر زہر ہی کھاتے ہیں۔ تصوف کا حاصل یہ تھا کہ اپنے آپ کو شریعت کے سامنے' دین کے سامنے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ایسے کر دو جیسے غسال کے سامنے میت ہوتی ہے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تصوف کا حاصل یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کے

سامنے بندہ ایسا ہو جائے جیسا غسال کے ہاتھ میں میت ہو۔ جدھر پلٹے' جدھر نہلائے' جیسے رکھے' جو کرے' اس میں میت نہ کوئی اف کرتا ہے' نہ مشورہ دیتا ہے بلکہ تعمیل کیے جاتا ہے۔ اس بے جان میت کی طرح شریعت کے سامنے ہو جائے' اس کی کوئی مرضی نہ ہو' اس کی کوئی حیثیت نہ ہو' اس کا کوئی مشورہ نہ ہو' وہ مانتا چلا جائے۔ اب یہ بات سیکھتے سیکھتے جب بندہ اس مقام پر آ جائے کہ میری مانی جائے تو وہ تو بالکل الٹ ہو گیا۔ تو اس سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ وہ بندہ تو پھر پل بھر نہیں رہ سکتا' وہ تو گر جاتا ہے' وہ تو کٹ جاتا ہے' اللہ کو کیا پرواہ ہے کہ کس نے کتنے سجدے کیے؟

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے
ہزاروں برس گر سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

وہ تو بے نیاز ہے اسے کسی کی عبادت کی کیا احتیاج ہے۔کوئی عبادت کرتا ہے تو اپنے مقصد کے لئے کرتا ہے اسے کسی کی عبادت کی احتیاج تو نہیں ہے۔

اور پھر یہ انانیت ہی تو وہ جرم ہے جو شیطان سے بھی سرزد ہوا تھا کہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین۔ میں اس سے بہتر ہوں۔ یہی بات تو اسے مروا گئی۔تو وہ جس میں جب بھی آئے گی' وہ میں ہوں یا آپ ہوں' وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو' وہ عالم ہو یا انپڑھ ہو' جب اس میں شریعت مطہرہ کے مقابلے میں برکات نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ضمن میں اور دین کے معاملے میں جب اسے اپنی اہمیت آ جائے گی' اسے اپنی اہمیت کا احساس ہو گا تو وہ تو نہیں بچے گا۔ لیکن افسوس اس بات کا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اس کے ساتھ اپنی ناسمجھی کی وجہ سے ضائع ہو جاتے ہیں اور ان کا قصور یہ ہوتا ہے کہ وہ اسی پر بحیثیت شیخ تکیہ کئے بیٹھے ہوتے ہیں۔

شیخ کے ساتھ براہ راست تعلق

یاد رکھیں! ہر فرد کو رابطہ اس مرکز کے ساتھ رکھنا چاہیے جو ان برکات

کا منبع ہو اور اس کے لئے حوصلہ چاہئے اور ہمت چاہئے۔ لمبی فکروں میں قید ہو کر اپنے آپ کو مجبور و محبوس کرنا یہ انسانی کمزوری ہے۔ ہم فکر کرتے ہیں کل کیا ہو گا' فلاں کی حکومت بن گئی' اس کے ساتھ کیسے رہیں گے' فلاں کا اقتدار آ گیا' اس میں کیا ہو گا' فلاں کے پاس مال و دولت ہے' فلاں بڑا تگڑا ہے۔ آپ کے پاس یا کسی کے پاس سند ہے کہ یہاں مسجد سے اٹھنے کی توفیق ملے گی یا موت کہیں آ لے گی۔ جب اتنا بھی پتہ نہیں تو پھر ان فکروں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ معاملہ اس کے ساتھ رکھو جس کے ہاتھ میں یہ ڈور بندھی ہوئی ہے۔ مخلوق میں سے جس سے میں اور آپ ڈر رہے ہیں۔ کیا اب ہمارے پاس سند ہے کہ وہ اقتدار میں رہے گا' ہماری یا اس کی زندگی باقی رہے گی' وہ ہمارے لئے کچھ کر سکے گا کچھ بھی نہیں۔ یہ سب اوہام ہیں' مجبوریاں نہیں ہیں۔ یہ ہماری کمزوریاں ہیں اور یہی ہماری استعداد کی کمی ہے اور یہی شیخ کا کام ہے کہ دل میں وہ جوالا مکھی بھر دے جو مخلوق کو خاطر میں نہ لائے اور اپنے سارے مفادات ذات باری سے وابستہ کر لے۔ لیکن یہ انہی لوگوں کو نصیب ہو گا جو براہ راست اپنا قلبی معاملہ شیخ کے ساتھ وابستہ رکھیں گے۔

یہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ لوگوں کو ضائع ہوتے دیکھ کر دکھ ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔ ہم نے چالیس برس گزار لئے اور میں آپ کو دل کی بات کہوں۔ میرے منہ سے کئی دفعہ یہ الفاظ نکلے' میرے دل میں کتنی دفعہ یہ خیالات آئے کہ بارالہا اس بندے کو ہم تیرے پاس لانے کے لئے اس کی منت کر رہے ہیں' اگر تیرا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو شاید اس جیسے دس لاکھ بندوں کو ہم گھاس نہ ڈالتے۔ دنیوی اعتبار سے' انسانی برادری کے اعتبار سے تو شاید ہم اسے پرکاہ اہمیت نہ دیتے۔ اب یہ تیری مرضی ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک آدمی رات دن اللہ اللہ کرتا ہے اور ایک ایک بدکار اور شراب خور کے ساتھ نرمی کے ساتھ پیش آ رہا ہے کہ شاید یہ ادھر آ جائے' اس کا بھلا ہو

جائے' اس پہ اللہ راضی ہو گا' جس کے ساتھ رات بھر میں بیٹھا رہا ہوں' جس کے ساتھ میں رات بھر بات کرتا رہا ہوں وہ میری بات تب ہی سنے گا جب میں اس کے بندوں کو اس کے پاس لے جاؤں گا۔ اس کا بندہ تو ہے' اس کی اہمیت صرف یہ ہے کہ اس کا بندہ ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میرے بندے میرے پاس واپس آئیں' کوئی انہیں لے آئے وہ اسے سب سے زیادہ پسند ہے۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے لڑائی پر روانہ کرتے وقت حضرت علی ؓ کو فرمایا کہ اے علی (ؓ)! ہزار کافر کو بحالت کفر قتل کرنے سے ایک کافر کو اللہ کے دروازے پر لے آنا اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ جب جنگ میں یہ معیار ہے تو پھر جنگ کے علاوہ اس کی اہمیت کتنی بڑھ جاتی ہے۔

تو جو بندہ دنیا میں ایک ایک بندے کے پیچھے شراب خانوں میں پھرے' جہازوں میں بھٹکے' حرام کاروں کے پاس سے گزرے۔ ساحلوں پر جائے' مغرب کے شہروں میں پھرے اور محض اس کا ایک مقصد ہو کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی ایک بندہ اس طوفان بدتمیزی سے نکل کر رحمت باری کو پا لے وہ اپنے سامنے جب لوگوں کو اس سے محروم ہوتے دیکھے تو اس پر کیا بیتی ہو گی۔ صرف یہ وہ دکھ ہے جو مجھے یہ بات کہنے پہ مجبور کر رہا ہے کہ میں آپ کو بتا دوں' کہ اس راستے میں یہ یہ خطرات ہیں۔

سو میرے بھائی! اگر کسی ساتھی کو کوئی ذمہ داری سونپی جائے تو وہ محض ایک نوکری ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ اسے مشکل میں ڈال دیا گیا کہ اپنی جان سنبھالنا مشکل ہے' ساتھ دس اوروں کی ذمہ داری بھی دے دی گئی۔ یہ تو ایک اور مصیبت ہے۔ میں منبر پر مسجد میں باوضو بیٹھا ہوں اور اللہ کا دین بیان کر رہا ہوں۔ میں آپ کو واضح طور پر بتا دوں کہ میرے ساتھ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ بات کی تھی کہ سلسلے میں کس کو ذمہ دار بنایا جائے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ میں ذاتی طور پر کسی ذمہ داری کے لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ

کی خدمت میں نہیں آیا' میں اپنی اصلاح کے لئے آیا ہوں آپ مجھے رہنے دیجئے اور کسی کو بنا دیجئے۔ یہ بات میں پوری دیانت داری سے منبر پر بیٹھ کر علی الاعلان کہہ رہا ہوں کہ میں نے ایسا ہی کہا تھا۔ ممکن ہے کچھ الفاظ بدل گئے ہوں' مفہوم یہی تھا اور عجیب بات ہے کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ ساری ذمہ داری میری گردن میں ڈال دی لیکن میں نے کبھی نہ اس کی توقع کی تھی' نہ تمنا کی تھی اور نہ میں اس کے لئے آیا تھا اور جب سے یہ میرے ذمہ لگی ہے تب سے اب تک مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے کہ میں کوئی بڑا اہم آدمی ہوں بالکل نہیں۔ میری ایک ذمہ داری ہے جو مجھے دے دی گئی ہے اور جس کے لئے میں اپنے گناہوں سے زیادہ ڈرتا ہوں کہ میرے ذاتی گناہ تو اللہ معاف کر دے لیکن جو لوگ میری نااہلی یا میری کمزوریوں کی وجہ سے یا میری صحیح تربیت نہ کرنے کی وجہ سے اگر محروم ہو گئے اور ان کا سوال مجھ پر کیا گیا تو اس کا جواب کیا ہو گا یہ آسان کام نہیں ہے یہ کوئی معتبری نہیں ہے۔

یہ صرف نبیوں کا منصب ہے لیکن ان کو بھی جواب دینا پڑے گا کہ اے اللہ! میں نے تیرے احکام پہنچا دیئے اور میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اس لئے نبیوں کو خطرہ نہیں ہے لیکن جواب طلبی ہر نبی کی اپنی امت کے ساتھ ہو گی۔ آپ کو عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد نہیں کہ اللہ کہیں گے' ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰـهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو پوجا کرو۔ وہ کہیں گے یااللہ! میری توبہ۔ میں نے جو کہا تیرے سامنے کہا' تو موجود ہے' تو سنتا تھا' دیکھتا تھا۔ انہوں نے خود جوڑ لیا میں نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ جواب طلبی تو ہو گی۔ نبی تو معصوم عن الخطا ہوتے ہیں' نبی سے تو خطا کا صدور ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ تو محفوظ بھی ہیں' مامون بھی ہیں ہم تو معصوم نہیں۔ جب کہ جواب دہی ہر شیخ سے ہر اس بندے کے بارے ہو گی جو اس کے سلسلے میں آیا کہ تو نے تو اس تک بات پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی۔

ہم تو معصوم نہیں ہیں' ہمیں جواب دینا آسان نہیں ہو گا۔

اس لئے کوئی بھی شیخ بننے کی کوشش نہ کیا کرو' یہ بڑا خطرناک کام ہے۔ اپنے گناہوں سے چھٹکارا مل جائے تو بڑی بات ہے۔ چہ جائیکہ دو لاکھ' دس لاکھ' بیس لاکھ انسانوں کے ساتھ کھڑا ہو کر جواب دہی کرنی پڑے۔ جو صرف نبیوں کو سزاوار ہے اور اگر کسی کو یہ منصب ملتا ہے تو اس کے لئے اس سے گزرنا آسان نہیں ہے اس سے دنیوی حکومت کروڑوں درجہ کم تر ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ برکات نبوی ﷺ کے امین بھی تھے اور ریاست اسلامی کے حکمران بھی تھے۔ کسی نے آخری وقت میں پوچھا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! آپ کی کوئی خواہش؟ امیرالمومنین نے فرمایا: مَالِیْ وَمَا عَلَیْہِ اللہ میرے کسی بدلے' کسی نیکی' کسی جہاد' کسی دینی خدمت' کسی عبادت' کسی ذکر کا کوئی ثواب مجھے نہ دے اور میری کسی ذمہ داری پر میری باز پرس نہ کرے میں راضی ہوں یہ وہ عمر رضی اللہ عنہ تھا جس کے بارے میں ایک رات جب آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا اور حضرت عائشتہ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ کس کے اعمال نامے میں نیکیاں اس طرح کی جگمگائیں گی جس طرح آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا تھا ہاں عمر رضی اللہ عنہ کی نیکیاں اسی طرح ہوں گی اور آج وہ عمر رضی اللہ عنہ کہہ رہا ہے کہ میری کسی نیکی کا مجھے کوئی بدلہ نہ دے اے کاش میری ذمہ داریوں کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھے۔

تو یہ آسان کام نہیں ہے' یہ بہت مشکل ہے۔ یہ بات نوٹ کر لو کہ مشائخ عظام کی طرف سے جس فرد کو سلسلہ کی ذمہ داری سونپ دی جاتی ہے وہ اس مقام پر آ جاتا ہے کہ وہ ایک ایک وابستہ ہونے والے فرد کا جواب دہ ہو گا۔ میدان حشر میں اس کی تربیت کا' اس تک بات کو پہنچانے کا اور اس تک کیفیات کو پہنچانے کا سوال ہو گا۔ لیکن اگر کچھ لوگوں نے خود کو قلبی طور پر' ذہنی طور پر' شیخ سے وابستہ ہی نہ کیا اور راستوں میں اٹک گئے قیامت تو دور کی

بات ہے وہ اس دنیا میں ہی سلسلے سے الگ ہو جاتے ہیں' وہ رہ نہیں پاتے۔ اور لوگوں کو بچھڑتے دیکھ کے دکھ ہوتا ہے اس لئے میں نے آج اس موضوع پہ بات کی کہ یہ بڑا حساس موضوع ہے' بڑا قیمتی موضوع ہے اور صرف ایک یہ برکات قلبی ہیں جو احکام دین کی اہمیت کو سمجھنے کا شعور دیتی ہیں اور بندے میں نفاذ دین کی فکر پیدا ہوتی ہے' حلال و حرام کو عملاً" اپنانے کی فکر پیدا ہوتی ہے' جائز و ناجائز کو عملاً" نافذ دیکھنے کی فکر اور شعور پیدا ہوتا ہے اور یہ وہ کام ہے جو ہمارا مقصدِ حیات ہے' کہ اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت اعلیٰ قائم کی جائے۔ سو اپنے حوصلے بلند رکھو اور خود کو اس ذات باری سے وابستہ رکھو' خود کو بارگاہ نبوت ﷺ سے وابستہ رکھو اور اپنے تعلقات شیخ سے وابستہ رکھو جو تمہارے اور برکات نبوی ﷺ کے درمیان واسطہ' وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔

انسانی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز آتے ہیں اور زندگی کوئی پسندیدہ چیزوں کے جمع ہونے کا نام نہیں ہے کیونکہ ہماری پسند کچھ اور ہوتی ہے اس کے فیصلے کچھ اور ہوتے ہیں۔ ہماری پسند ہمارے کمزور ذہن کی عکاس ہوتی ہے' اس کے فیصلے کائنات بسیط کو دیکھ کر ہوتے ہیں۔ ہماری نظر میں ہم ہوتے ہیں' اس کی نظر میں اس کی ساری کائنات ہوتی ہے۔ وہ رب العٰلمین ہے۔ ہم اپنی ذات کے بارے فکر کرتے ہیں وہ اپنی ساری خلق کے بارے سوچتا ہے۔ تو زندگی میں پسند کے فیصلے نہیں آتے' پسند کو اس کے فیصلوں کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے اور یہی تصوف ہے۔ انسان اگر اپنی پسند کو نافذ کرنے کی فکر میں پڑ جائے تو ساری زندگی دکھی رہتا ہے۔ اپنی پسند کو اس کے فیصلوں کے مطابق ڈھالنا ہی اسلام ہے اور اسی میں کامیابی ہے۔ یہ ساری محنت و مجاہدہ اسی لئے کرایا جاتا ہے۔ اس بلا سے بچو کہ کوئی اپنی انا میں گرفتار ہو کر خود کو مقدس آدمی سمجھ لے اور خود کو بڑا آدمی سمجھ لے۔

یاد رکھو کہ عمل اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام پر ہو گا اور

برکات صرف شیخ کے سینے سے نصیب ہوں گی۔ اس کے بعد اگر کسی کو کوئی منصب ملے گا تو وہ شیخ کے ذریعے سے نصیب ہو گ اور یہ کیفیات کا معاملہ ہے جو کسبی نہیں ہوتا یہ وہبی ہوتا ہے۔ ولایت دو طرح سے ہے۔ اس میں کسب بھی ہے' اس میں مجاہدہ بھی ہے اور اس میں اللہ کی عطا بھی ہے۔ لیکن کسبی ولایت پر بھی جو ثمرات لگتے ہیں وہ سارے وہبی ہوتے ہیں۔ جس طرح کاشتکار زمین کاشت کرنے کے لئے ہل جوتتا ہے' پانی دیتا ہے' کھاد دیتا ہے' بیج ڈالتا ہے یہ سارا کسب ہے۔ لیکن اب بیج سے بوٹا بننا' بوٹے پہ دانے لگانا اس میں کسب کو دخل نہیں یہ وہبی ہے ولایت میں بھی کسب مجاہدے تک ہے' محنت تک ہے' ریاضت تک ہے' ہمت تک ہے۔ لیکن اس پہ پھل لگانا یہ پھر اس کا کام ہے۔ یہ برکات بھی وہبی ہوتی ہیں' کسی کو کیا دے دیا' کب تک اس سے کام لینا ہے' اس کے بعد کب کس کو کیا دے گا یہ اس کا اپنا کام ہے۔ اس لئے خود کو اس ذات کے ساتھ وابستہ رکھو۔

اللہ کریم آپ سب کو ہمت دے' برکات نبوی ﷺ نصیب فرمائے' ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور اللہ کریم ذاکرین کو' ذکر سے آشنا لوگوں کو اس سے محرومی کے عذاب سے ہمیشہ پناہ میں رکھے۔ یہ ایسا رشتہ ہے جو شیشے سے نازک تر ہے اگر ٹوٹ جائے تو جڑ نہیں سکتا اور شیشے کی طرح یہ چبھتا رہتا ہے' کرچی کرچی ہوتا رہتا ہے۔ پھر یہ چین و سکون دو عالم کا چھین لیتا ہے۔ ہم نے بچھڑے ہوئے لوگوں کو دیکھا' ان کا حال دیکھا' ان کو برزخ میں بھی دیکھا' اللہ یہ عذاب کسی کو بھی نہ دے' یہ بہت سخت عذاب ہے' اللہ اس سے پناہ میں رکھے۔ ہم نے بڑے بڑے مجاہدہ کرنے والے لوگوں کو دیکھا۔ بہت محنت کرنے والے ایک شخص کے قلب میں اپنی انا آ گئی تو کہنے لگا میں نے یہ کیا میں نے وہ کیا۔ پھر وہ بے چارا جب بچھڑا تو محروم ہوا۔ ہم نے اسے مرتے دیکھا

اور ایسا بندہ جس کے تقدس پہ کبھی فخر کیا جاتا تھا۔ اس کی شکل مسخ ہو گئی تھی اور مجھے یاد ہے میں نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ میں جنازے کے لئے جاؤں۔ فرمایا ضرور جاؤ اور میں نہ جا سکا۔ میں جیسے ہی حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے کمرے سے باہر نکلا تو مجھے جو منظر دکھائی دیا مجھے سمجھ آ گئی کہ یہ بندہ تو ایمان ضائع کر کے مرا۔

جدائی کا یہ دکھ بہت بڑا دکھ ہوتا ہے اور یہی عذاب ہے۔ کفر کیا ہے اللہ سے جدائی کا نام ہے۔ کوئی ضروری تو نہیں ہوتا کہ پیدائشی ہو کسی سطح پر ہو جائے جدائی ہی کفر ہے نامحرومی ہی کفر کا نتیجہ ہے تو اللہ اس عذاب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ ترقیاں دینا تو دور کی بات ہے۔ میری تو یہ دعا ہوتی ہے کہ جو اس نے نصیب فرمایا ہے اس سے محروم نہ کرے۔ اس سے وابستہ رہنا ہی بہت بڑی ترقی ہے ذکر کی توفیق کا مل جانا ہی بہت بڑی عطا ہے اور یہ نعمت نصیب ہو جانا اور اس طرح کے لوگوں کا مل جانا ہی بہت بڑی عطا ہے۔ اُن لوگوں سے پوچھو جنہوں نے عمریں جہاں گردی میں صرف کر دیں کہ کوئی اللہ اللہ بتانے والا مل تو جائے۔

ایک خوش آئندہ بات یہ ہے کہ احیائے دین کا لمحہ آنے والا ہے۔ انشاء اللہ العزیز احیائے دین ہو گا اور اسی خطے سے ہو گا اور ہو کے رہے گا۔ میں اگلے دن بھی ایک حدیث شریف پڑھ رہا تھا اور میں نے وہ حدیث شریف پہلی دفعہ دیکھی تھی۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ لَا یُصْلِحُ اٰخِرُ ہٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا کَمَا صَلُحَ اَوَّلُہٗ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس امت کے آخر کے لوگوں کی اصلاح بھی اسی طریقے سے ہونا ممکن ہو گی جس طریقے سے پہلوں کی ہوئی ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ صرف اصول نہیں ہے اس میں پیش گوئی بھی موجود ہے۔ گویا ایسا ہو گا کہ پچھلوں کو احیائے دین کا وہ درجہ نصیب ہو گا جو پہلوں کو نصیب ہوا تھا۔ اسی طرح سے اسلام کی حکومت قائم ہو گی۔ اس حدیث پاک کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو اس میں یہ ہے کہ

حضور ﷺ نے اصول بتا دیا کہ اس کے بغیر اصلاح ممکن نہیں۔ لیکن حضور ﷺ کا ارشاد جو ہے اس میں یہ بات بھی موجود ہے کہ جو بات نہ ہونے والی ہو وہ رسول اللہ ﷺ کے منہ مبارک سے صادر نہیں ہوتی۔ اگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس امت کے آخر کے لوگوں کی اصلاح بھی اسی حوالے سے ہو گی جس طرح پہلوں کی ہوئی ہے۔ تو انشاء اللہ ایسا ضرور ہو گا۔گویا یہ دعا بھی کرو کہ اللہ ہمیں ہمیشہ ان لوگوں سے وابستہ رکھے اور ان لوگوں میں شامل کر دے جن سے احیائے دین کا کام لینا اسے منظور ہے۔

☆ ☆ ☆

شیخ سے توقعات؟

شیوخ پر مجاہدات کی کثرت اور ان کی حقیقی عظمت

کسی فارسی شاعر کا بڑا پرانا شعر ہے۔

حیف در چشم زدن صحبت یاراں آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخرشد

کہتا ہے پل بھر میں محبوب کی محفل ختم ہو گئی اور ابھی ہم نے پھول کو جی بھر کے دیکھا بھی نہ تھا کہ بہار کا موسم جاتا رہا اللہ جل شانہ کا یہ احسان ہے کہ اس افراتفری' نفسا نفسی اور دارو گیر کے زمانے میں اللہ رب العزت نے ہمیں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی یاد سے' اپنی فکر سے اپنے ذکر سے' نوازنے کا سبب بنایا اور یہ اس کا احسان ہے کہ ایسی عظیم ہستی کے ساتھ وابستہ فرمایا۔ آج کے زمانے میں بالخصوص وطن عزیز میں ہندو معاشرے کی ملاوٹ اور آمیزش سے شیخ کا مقام مجروح ہوا ہے اور ہمارے ہاں شیخ سے اس کے منصب کی توقع نہیں رکھی جاتی بلکہ شیخ سے اس طرح کی توقعات منسوب کی جاتی ہیں کہ جن کا اللہ کے سوا کسی دوسرے سے منسوب کرنا جائز اور روا نہیں ہوتا۔ ہم شیخ کو اپنی مشکلات کا حل' اپنی پریشانیوں کا علاج' اپنی مصیبتوں کا مداوا' اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کا سبب سمجھ بیٹھے ہیں اور ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ کریم جنہیں یہ مناصب عطا کرتا ہے ان پر ابتلاء آزمائش ماوشا کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ دنیوی مشکلات بھی ماوشا کی نسبت زیادہ سامنا کرتے ہیں' بیماریاں دوسروں کی نسبت زیادہ بھگتتے ہیں' تکالیف دوسروں کی نسبت زیادہ اٹھاتے ہیں اور یہی سنت نبوی علی صاحب الصلوۃ والسلام

ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ سب انبیاء علیہ السلام کی نسبت مجھے زیادہ تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ ایک اور صرف ایک کام جو شیخ سے حاصل کر سکتے ہیں اور وہ ایک بات دنیا اور مافیہا سے قیمتی ہے اور بغیر کسی ایسی ہستی کے جسے واقعی وہ برکات نبوی ﷺ نصیب ہوں' اس کے علاوہ کہیں اور سے وہ چیز نہیں حاصل ہوتی ۔ وہ قیمتی چیز اللہ سے تعلق ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جو سب سے قریب تر ہے' جو ہمارے شہہ رگ سے بھی قریب ہے' ہماری ذات' ہماری فکر ہماری سوچ سے بھی ہمارے زیادہ قریب ہے اس سے رشتہ بنانا کتنا دشوار' کتنا مشکل ہے اور کتنا اہم کام ہے۔

نبوت و عقل

نبی علیہ الصلوۃ والسلام جب مبعوث ہوئے تو روئے زمین پر کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جس کا رشتہ رب کے ساتھ ہو۔ یا یہ جانتا ہو کہ اللہ کون ہے' اللہ کیسا ہے' اس کی ذات کیسی ہے' اس کی صفات کیسی ہیں۔ اگرچہ زمین آباد تھی' حکومتیں تھیں' سلطنتیں تھیں' ریاستیں تھیں' کاروبار تھے' تجارتیں تھیں' سرمایہ تھا' دنیا کا سارا نظام چل رہا تھا لیکن چلانے والے کو کوئی نہیں جانتا تھا اور اس کا جاننا آسان بھی نہیں تھا کیونکہ اس کی ذات کو آپ اپنے دماغی علوم' اپنی ذہنی کاوشوں' اپنے خیالات و تصورات سے نہیں جان سکتے۔ دراصل اس کو جاننے کا آلہ دماغ نہیں دل ہے چونکہ دماغی علوم عالم اسباب میں تقسیم کئے گئے' دماغی علوم میں ان لوگوں نے بھی مہارت حاصل کی جنہیں نور ایمان نصیب نہ ہوا اس لئے کہ وہ عالم اسباب میں بانٹ دیئے گئے۔ دلوں کا درد صرف اور صرف انبیاء اور اللہ کے رسولوں علیہم السلام کے معرفت نصیب ہوا اور دلوں کا علم صرف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے بانٹا۔ ساری کائنات کو جو ملا وہ محمد رسول اللہ ﷺ نے بانٹا اور آپ ﷺ نے حق فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُؤتِی

یعنی اللہ عطا فرماتا ہے اور میں لٹاتا جاتا ہوں۔

شیخ کامل کی تلاش

لیکن اب سوال یہ ہے کہ یہ نعمت کیا ہے اور اس کو کیسے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس نعمت کے حصولً اس نعمت کے پانے اس نعمت سے بہرہ ور ہونے کی کوئی شناخت' کوئی دلیلً کوئی ذریعہ ہے بھی یا نہیں۔کوئی اس کا حالً کوئی اس کا حلیہً کچھ تو ہو گا کہ پتہ چلے کہ اس کے پاس یہ نعمت ہے' یہ دولت ہے۔ سب سے پہلی بات جو بندے کو نصیب ہوتی ہے کہ اسے اللہ کے ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔اگر یقین کی دولت نہ ہو تو وہ مانتا تو ہے لیکن یقین مشکل سے کرتا ہے۔ماننا اور بات ہے اور یقین کرنا اور بات ہے۔ قرآن حکیم نے یُؤمِنُونَ کا لفظ استعمال فرما کر پھر سے آخرت کی تخصیص فرماتے ہوئے فرمایا۔ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ حالانکہ ایمان بالاخرت یومِنُونَ میں شامل تھا لیکن فرمایا کہ صرف ماننا کافی نہیں ہے یقین چاہئے۔اور یقین کے درجات کا پتہ تب چلتا ہے کہ جب ہم عملی زندگی میں بھی اس یقین پر بھروسہ کر جائیں تو ثابت ہوتا ہے کہ ہمیں یقین کا درجہ حاصل ہے۔ اور ہم مانتے ہیں لیکن کہتے ہیں' بات تو درست ہے لیکن فی الوقت اس پر عمل کرنا محال ہے یہ ایمان تو ہے' کفر نہیں ہے لیکن اس میں یقین نہیں ہے دراصل نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے جو جذبہ دیا' جو فکر دی' جو جنون عطا فرمایا وہ یہ تھا کہ جو کچھ حضور ﷺ نے فرمایا کسی نے یہ عرض نہیں کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اس معاشرے میں تو یہ مشکل ہے۔ آپ پوری تاریخ اسلام تلاش کر کے کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قول پیش نہیں کر سکتے کہ جس نے کہا کہ روئے زمین پر ایک سیاسی نظام ہے' بادشاہ آتے اور چلے جاتے ہیں' بادشاہت ہے یا جس طرح قبائل ہیں' سرداریاں ہیں' روئے زمین پر انصاف کا ایک طریقہ کار مقرر ہے۔ ہر قوم کا اپنا مختلف انداز ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ دوً چار دس' بیس بندے وہ بھی کمزور غلام ضعیف اور مکہ مکرمہ کی دور افتادہ آبادی

سے اٹھ کر وہ یہ بات کریں کہ روئے زمین کے اس نظام کو بدل دینا چاہئے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا تو سب نے کہا یہی حق ہے اور اس کے مقابل میں باطل ہے' حق کے لئے بقا ہے اور باطل کو فنا ہونا ہے۔ یہ یقین ہے اور ہمارا یہ حال کہ اللہ کا ارشاد درست' نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد درست' لیکن حالات اجازت نہیں دیتے' کرنا مشکل ہے' یہ ایمان ہے لیکن یقین نہیں ہے۔

برکاتِ نبوت و شیخِ کامل

برکاتِ نبوی ﷺ کے امین صحبت شیخ سے یقین حاصل ہونا چاہئے اور اگر یقین نہیں ہو رہا تو یا تو اول بات یہ ہے کہ شیخ ہی نقل کر کے بیٹھا ہے اس کے پاس کچھ نہیں۔لیکن اگر کچھ لوگوں کو نصیب ہوتا ہے کچھ کو نہیں ہوتا تو پھر غلطی اس میں نہیں ہے' پھر حاصل کرنے والوں کا قصور ہے۔ اگر شیخ میں نقص ہوتا تو کسی کو بھی وہ نعمت نہ ملتی۔ علمائے حق نے مشائخ کی جو شناخت لکھی ہے وہ یہی ہے کہ اگر شیخ صحیح ہو تو اس کی صحبت میں رہنے والوں سے یہ دیکھا چاہئے کہ کسی میں کوئی تبدیلی آئی بھی ہے کہ نہیں۔اگر کسی میں بھی مثبت تبدیلی نہیں آتی تو پھر شیخ مکر کر کے بیٹھا ہے' حلیہ بنا کے بیٹھا ہے' لوگوں کو ٹھگنے کے لئے بیٹھا ہے۔ لیکن اگر کچھ خوش نصیبوں کو مثبت تبدیلی نصیب ہوتی ہے' ان کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے' اللہ کی ذات کو اپنے قریب محسوس کرتے ہیں' اللہ پر اعتماد کرنا شروع کر دیتے ہیں' اللہ پر انہیں بھروسہ ہوتا ہے' اپنی باتیں' اپنا دکھ اللہ کے سامنے پیش کرتے ہیں' اللہ سے باتیں کرتے ہیں' اس سے کرم کے امیدوار رہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ شیخ کو تو اللہ نے وہ نعمت دی ہے کہ کسی کو تو مل رہی ہے۔پھر جنہیں نہیں مل رہی تو انہیں سوچنا چاہئے کہ کہاں پر قصور ہے۔ اگر ہم رسما" آپ کو ایک دن اکٹھا کر کے دعا کر دیں!۔یہ میں اس لئے بات کر رہا ہوں کہ رواج ہوتا جا رہا ہے کہ جی دعا میں شامل ہونا

ہے۔ اللہ جل شانہ نے جو ارشاد فرمایا اس میں دعا کا قاعدہ ہے کہ میرے حبیب ﷺ جسے بھی تیری توجہ نصیب ہو گی' جو بھی تیرے ارشاد کو قبول کرے گا اس کا پہلا اثر یہ ہو گا کہ وہ میرے بارے میں پوچھے گا۔ وہ بندہ جسے کبھی اللہ کا خیال نہیں آیا' وہ بندہ جسے کبھی رب العلمین کی جستجو نہیں ہوئی' وہ بندہ جو واقف ہی نہیں ہے کہ کوئی اللہ بھی ہے' وہ بھی پوچھے گا۔

طلب کی حقیقت

اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ۔ جب میرا بندہ میرے بارے پوچھے گا' فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ! تو میرے حبیب ﷺ اُسے بتاؤ کہ میں اس کے سب سے زیادہ قریب ترین ہوں اور میں اتنا قریب ہوں کہ اُجِیْبُ قبول کر لیتا ہوں یہ نہیں کہا کہ سنتا ہوں' فرمایا قبول کر لیتا ہوں' مان لیتا ہوں' دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ مانگنے والے کی دعا' جب بھی مجھ سے مانگے' کبھی دعا کو رد نہیں کرتا' جو مانگے' وہ دیتا ہوں۔ یااللہ پھر تو یہ سارا نظام ہی پلٹ جائے گا' یہ تو بندوں کے مشوروں پہ آ جائے گا' ہر بندہ نیا مشورہ دے گا' لوگ تو سورج کے طلوع و غروب پہ بھی متفق نہیں ہیں۔ کوئی کہے گا' اسے اتنے بج کر اتنے منٹ پر آنا چاہئے' دوسرا کہئے گا آدھا گھنٹہ دیر سے غروب ہونا چاہئے' سب کی دعائیں کیسے قبول ہوں گی۔ اس کے جواب میں فرمایا اصل بات یہ ہے' دعا اس کی مانی جاتی ہے جو میری بات بھی مانتا ہے۔

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ جب بھی کوئی دعا مانگتا ہے میں قبول کرتا ہوں فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ بات یہ ہے کہ دعا مانگنے سے پہلے یہ بھی سوچ لو تم نے میری مانی تھی جو مجھ سے منوانا چاہتے ہو۔ تم مخلوق ہو' میں خالق ہوں' تمہارا علم محدود ہے میرا لامحدود ہے' تمہاری طاقت محدود ہے' نہ ہونے کے برابر۔ میں عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہوں' تم اپنے وجود پر قادر نہیں ہو میں کائنات کا حاکم ہوں۔ مجھ سے بات منوانا چاہتے ہو کیا تم نے میری بات بھی مانی

ہے اتنی سی مان لو۔

وَالیُوْ مِنُوْا بِیْ۔ میں جیسا ہوں ویسا مجھے مان لو۔ جو میری شان ہے' جو میری عظمت ہے' جو میری قدرت کاملہ ہے' جیسی میری ذات ہے' ویسا مجھے مان لو اور جو جب ویسا مان لے تو اس کے لئے مانگنے کے لئے کچھ نہیں رہتا۔ کیا مانگے گا وہ جو یہ جانتا ہے کہ میرے حال سے مجھ سے زیادہ واقف ہے' میری سوچوں سے مجھ سے قریب تر ہے اور مجھ پر اتنا مہربان ہے کہ مجھے اپنی بہتری کی اتنی فکر نہیں جتنی اس کو ہے۔ پھر وہ مانگے گا کیا' باقی مانگنے کے لئے کیا بچا ہے پھر وہ مانگے گا تو صرف:

محمد از تو مے خوا ہم خدارا

خدایا از تو عشق مصطفیٰ را

اس کے پاس مانگنے کو کچھ نہیں رہتا۔ پھر وہ سمجھتا ہے کہ دعا صرف ایک ذریعہ ہے کہ مشت غبار ہو کر میں رب العلمین سے بات کر رہا ہوں۔ میرے لئے یہی مقام فخر ہے' میرے لئے یہ سب سے بڑی عظمت ہے' میرے لئے یہ مقام سب سے عظیم تر ہے کہ میں مشت غبار پروردگار عالم سے بات کر رہا ہوں۔ اور دعا کی اصل یہی ہے' دعا کا اصلی مقام و مرتبہ یہی ہے' دعا کا حاصل یہی ہے۔ ایک ایسا بندہ کہ جس کی گھر میں' محلے میں' گلی میں کوئی سنتا نہیں' جسے کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں' وہ بندہ بیٹھا رب العلمین سے بات کر رہا ہے اور وہ کریم اس کی سن رہا ہے' وہ اسے منع نہیں کرتا' وہ اسے دروازے سے نہیں اٹھاتا بلکہ چلا جائے تو پھر بلواتا ہے کہ اسے پھر سے بلاؤ پھر باتیں کریں۔ اسے کہو کہ واپس آ جائے پھر باتیں کریں۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی حقیقی عظمت

میری گذارش یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس صورت حال میں ڈھال لیں کہ

جب وہ بندوں کو توفیق دے تو مجھے اور آپ کو بھی اس میں شامل رکھے اپنی اصلاح کرو' درد دل سمیٹو کہ اس بارگاہ میں درد دل بہت ہی نایاب اور نازک چیز ہے جو وہ عطا فرماتا ہے' جو بغیر وہاں کے نہیں مل سکتی جو بغیر نبی اکرم ﷺ کے نہیں ملتی۔ وہ یہی درد دل ہے' وہ یہی ذوق جنوں ہے' وہ کچھ کر گزرنے کی امنگ ہے۔

وہ ظلم کے خلاف کھڑا ہونے کی جرات رندانہ ہے اللہ پر بھروسہ کرنے کا ایک جنون ہے' ایک جذبہ ہے' اسے حاصل کرو۔ اگر آپ کے پاس اس حال میں بھی وقت نہیں ہے' فرصت نہیں ہے اور آپ یہ چاہتے ہیں' کہ ہم صرف آئیں اور دعا کر کے چلے جائیں' ہمیں آخری دعا میں بہت کچھ مل جائے گا کچھ نہیں ملے گا۔ ہیرا پھیری ہے' کچھ نہیں ملے گا' داؤ لگانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ بات عمل سے بنے گی' بات یقین سے بنے گی' بات اخذ برکات سے بنے گی۔ ارے اللہ کے بندو! اس ہستی کو دعائیں دو جس نے چودہ سو سال بعد یہ سنت نبوی ﷺ زندہ کر دی کہ ہر آنے والے کو درد دل دیا جائے۔ یہ نعمت صرف خیرالقرون میں اس حال پر تھی۔ بارگاہ نبوی ﷺ میں ہر آنے والے کو درد دل ملا۔ مرد تھا' خاتون تھی' بڑا تھا' چھوٹا تھا' عالم تھا' انپڑھ تھا' امیر تھا' فقیر تھا' جو بھی آیا اسے شرف صحابیت سے نوازا گیا۔ فرق مراتب کی اور بات ہے لیکن نفس صحابیت اسے عطا ہو گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مجلس میں یہ بات تھی کہ ہر آنے والا تابعی رحمۃ اللہ علیہ کہلایا' اور تابعی رحمۃ اللہ علیہ کے مجلس میں آنے والا تبع تابعی بن گیا۔ اس کے بعد چیدہ چیدہ لوگوں کو جن کے دل میں طلب ہوتی' جن کے دل بے قرار ہوتے' جنہیں خود لینے کا جنون ہوتا۔ بڑے بڑے اہل اللہ کی آپ سیرت پڑھ جایئے' جن کے لاکھوں مرید تھے' انہوں نے دو چار پانچ ساتھیوں کو کیفیات عطا کیں باقی سب کو ظاہری اصلاح پر رکھا۔ خیرالقرون کے بعد (یہ دور کم و بیش تین صدیوں پر محیط ہے) بہت خال خال لوگ باقی بچے۔ تیرہ سو سال بعد رب کریم نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو یہ توفیق ارزاں فرمائی کہ ہر

آنے والے کو یہ جذبہ عطا کر دیا' اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے' کہ ایک دور افتادہ ویران سے گاؤں میں جو گاؤں اپنی جہالت اور جرائم پیشہ افراد کے اعتبار سے زیادہ معروف تھا' اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا فرمایا اور ایک دور افتادہ گاؤں میں آج کی طرح ٹرانسپورٹ نہیں تھی وسائل نہیں تھے' رابطہ نہیں تھا' نہ اخبار کا' نہ ٹیلی فون کا۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے' کہ جب اس نعمت کو اپنے بندوں تک پہنچانا چاہا' تو اس ویرانے سے لے کر روئے زمین تک پہنچایا' اس میں کسی کا کمال نہیں ہے' نہ میرا نہ آپ کا' یہ اس کی اپنی تقسیم تھی۔ اسے یہ نعمت اپنے بندوں کو پہنچانا تھی۔ اس نے روئے زمین پر پہنچائی' خوش نصیب ہیں وہ لوگ' جنہیں اس پہنچانے کا سبب بنا دیا۔ یہ ان کا اللہ پر احسان نہیں ہے' یہ اس کا احسان ہے' کہ اس کام کو کرنے کی توفیق اس نے جس جس کو دی دے دی۔

منت مَنِہ کہ خدمت سلطان می کنی منت ازو بداں کہ بخدمت گذاشتم

احسان نہ کر' کہ تو بادشاہ کی نوکری کر رہا ہے' احسان اس کا ہے' جس نے تجھے نوکر رکھ لیا۔ یہ اس کی عطا تھی' کہ اس نے تمہیں توفیق بخشی' بظاہر جو لوگ بے کار نظر آتے تھے' وہ بڑے کار آمد ہوئے' ہم جن لوگوں کو جاہل سمجھتے تھے' وہ عالم نکلے' ہم جن لوگوں کو بے وقوف سمجھتے تھے' وہ دانش ور نکلے' اور اللہ کی اس نعمت کو اس گئے گزرے زمانے میں بیسویں صدی عیسوی میں' جس میں ساری دنیا ہوس کی غلام دولت کی اسیر اور بڑے بڑے دانش ور' سائنسی تعلیمات کے قیدی ہو کر رہ گئے' اس مرد قلندر نے لوگوں کو یہ حوصلہ عطا فرمایا' کہ وہ مشت غبار اللہ کریم سے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں' جگہ جگہ طور پیدا کر دیئے' کیا بندہ تھا' ہر مکان کو بقعہ نور بنا دیا' ہر سینے کو کوہ طور بنا دیا نوکر اور ملازم فقیر گھریلو عورتیں چولہے پر ہنڈیاں پکا رہی ہیں اور فنا فی الرسول ﷺ ہیں بچے کھلا رہی ہیں باتیں کرو تو فنا بقا کی کرتی ہیں' یہ کیا عجیب بات ہے۔ کوئی عقلاً" ماننے والی بات ہے' سمجھ میں نہیں آتی ہے' کہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ لیکن ایسا ہوا' ہم نے دیکھا' ایسا ہو رہا ہے' ہم دیکھ رہے ہیں اور اتنا نازک مزاج اور کرم اتنا وسیع تر ہے۔ غیور اتنا ہے' کہ جب کسی کو یہ

خیال آیا کہ یہ کام میری وجہ سے ہو رہا ہے اسے دھکا دے کر نکال دیا۔ بڑے بڑے ناموَر بڑے بڑے نامی گرامی' ہم بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اس بندے کے بغیر یہ کام نہیں ہوتا اسے دھکا دیا اور وہ بندہ نظر ہی نہیں آیا۔ کام ہو رہا ہے غیور اتنا ہے کہ جہاں کسی خادم کو یہ خیال گزارا کہ یہ سب میری وجہ سے ہو رہا ہے اسے چھٹی کرادی کہ دیکھتے ہیں ہوتا ہے یا نہیں ہوتا تم چلے جاؤ۔ اس نے ان پڑھوں سے وہ نکات بیان فرمائے جنہیں علماء بھی حیرت سے سنتے ہیں۔ کیا عجیب بات نہیں ہے۔ وہ قادر ہے۔ اس کریم نے جو کرنا چاہا وہ کر دکھایا۔

سالکین کو ہدایات

کیا یہ بھی اتفاق ہے! یہ سارے اتفاق اس سرزمین پر ہو رہے ہیں۔ یہ اتفاقات نہیں ہیں۔ اگر آپ بھی ان کڑیوں کو ملانا چاہیں تو آپ کو بھی نظر آجائے گا کہ کچھ ہونا چاہئے۔ یہ سارے اتفاق نہیں ہیں' یہ سارے حادثات نہیں ہیں' یہ ایک منظم طریقے سے قادر مطلق کا بنایا ہوا نظام اپنے اس اصلی مرکز کی طرف رواں دواں ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی ارشاد فرمائی ہوئی پیش گوئیوں کی تکمیل کی طرف رواں دواں ہے۔ آپ ایک محنت ضرور کیجئے وہ صرف یہ کہ خود کو اسلام کے لانے والوں میں شامل کیجئے اور وہ ایسے ہو گا کہ سب سے پہلے عملی طور پر اپنے آپ پر اسلام کو نافذ کیجئے۔ ہر ساتھی خادم بننے کی کوشش کیجئے' مخدوم بننے کی نہیں' طالب بننے کی کوشش کیجئے' پیر بننے کی نہیں' بندہ بننے کی کوشش کیجئے' خدائی اوصاف اپنانے کی نہیں۔ اللہ کریم ہماری خطاؤں سے درگزر فرما کر ہمیں یہ توفیق دے کہ ہم اپنے آپ کو اس قابل بنالیں کہ جب کوئی بھی قافلہ اتباع سنت ﷺ میں نکلے تو اللہ کرے ہمارا نام بھی اس میں شامل ہو' ہماری خاک بھی اس میں شامل ہو۔ وہ احسان فرمائے تو ہم جیسے لوگوں کو بھی شہادت عطا کر دے' شہیدوں کی صف میں کھڑا کر دے' کبھی عرصہ محشر میں ہم بھی چاک گریبان لے کر کھڑے ہوں۔

☆ ☆ ☆

ضرورت ذکر

علوم انسانی و نور نبوت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

انسان کے حصے میں دو طرح کے علوم ایسے آئے ہیں جو اسے باقی مخلوق پر فضیلت بخشتے ہیں۔ ایک علم کا تعلق بدن سے ہے جسم سے ہے جو عقل کی سلامتی کے ساتھ ہر فرد حاصل کر سکتا ہے مومن ہو یا کافر نیک ہو یا بد۔ دوسری طرح کے علم کا تعلق اللہ جل شانہ کی عظمت سے آگاہی اور واقفیت سے ہے اور یہ علم انسان تجربات سے حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اللہ کریم خود انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو تعلیم فرماتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے امتی حاصل کرتے ہیں اس کے حصول کے لئے دل کی سلامتی شرط ہے۔چونکہ دنیوی علوم کا محل انسانی ذہن اور دماغ ہے جبکہ دینی علوم کے حصول کا محل قلب ہے۔ اس لئے نزول کلام باری آقائے نامدار ﷺ کے قلب اطہر پر ہوا۔

جن قلوب کو نور ایمان نصیب ہوا وہی قلوب نزول کلام باری سے مستفید ہو سکے ورنہ کافر اور مومن بظاہر آنکھوں سے دیکھنے میں تو برابر تھے جس طرح مومن دیکھتا تھا کافر بھی دیکھتا تھا لیکن رب جلیل فرماتے ہیں۔ ینظرون الیک وھم لا یبصرون۔ آپ کی طرف نظر تو کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ مادی اور عقلی ذرائع سے ہی پرکھتے ہیں اس لئے ان کے دلوں میں وہ انابت الٰہی نہیں ہے۔ وہ محض عقل کی نگاہ سے جب آپ ﷺ کو دیکھتے ہیں تو انہیں آپ ﷺ دکھائی نہیں دیتے۔ وہ محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے تو دیکھتے ہیں محمد رسول اللہ

ﷺ کی حیثیت سے آپ ﷺ کو نہیں دیکھتے اور یہی بات عروہ بن مسعود ثقفی نے' جب وہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے ' کہی تھی وہ صلح حدیبیہ کے وقت اہل مکہ کی طرف سے سفارت کے فرائض لے کر آئے تو جب صلح نامہ حدیبیہ لکھا جانے لگا. جو حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھ رہے تھے تو انہوں نے جب شروع ہی میں محمد رسول اللہ ﷺ لکھا۔ تو اس نے فوراً" اعتراض کیا کہ نہیں محمد بن عبداللہ لکھو اگر ہم محمد رسول اللہ ﷺ تسلیم کر لیں تو پھر جھگڑا کس بات کا؟ ہم راستہ کیوں روکیں؟ حرم میں کیوں نہ داخل ہونے دیں اسی بات پر تو جھگڑا ہے۔

عقل کا محدود دائرہ کار

واقعی عروہ بن مسعود ثقفی کی بات بہت کھری تھی جب تک دل زندہ نہیں ہوتا تو دینی علوم کو سمجھنے کی استعداد ہی نہیں پیدا ہوتی' اپنی حیات حقیقی کو نہیں پاتا' اپنی سمع و بصارت کی قوت نہیں پاتا' ادراکات نہیں پاتا۔

مذہب و عقیدے کے بارے میں آپ عقل کو خاموش تو کرا سکتے ہیں مگر عقلی دلائل سے اسے منوا نہیں سکتے کیونکہ اس کے دائرہ کار میں یہ بات آتی ہی نہیں۔ آپ دیکھیں انبیاء علیہما السلام کے علاوہ اس دنیا میں فلسفے کے' کیمیا کے' طب کے بڑے بڑے ماہر ہوتے آئے ہیں اور ہم اس خوش فہمی میں نہ رہیں کہ اس موجودہ دور کے انسان نے بہت چیزیں ایجاد کر لی ہیں۔ ہر زمانے میں اللہ کریم نے انسانی عقول کو بیش بہا چیزوں کے علوم عطا فرمائے اور بڑی بڑی عجیب و غریب چیزیں ایجاد ہوئیں۔

میں اگلے دن دیکھ رہا تھا ساحل سمندر کے بارے میں بحث کر رہے تھے کہ اس سمندر کے نیچے ایک انسانی تہذیب ہے وہاں مکانوں کے آثار ہیں' برتن ہیں' ہڈیاں اور کھوپڑیاں ہیں۔یوں پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی زمانے میں براعظم تھا اور جس طرح کے کھنڈرات کے نمونے' برتنوں کے نمونے کے شواہد ان سے ملے ہیں . اس طرح کے انہوں نے ماڈل بنائے ہیں اور اتنی خوبصورت عمارتیں ہیں

کہ اس طرح کی عمارتیں آج بھی نظر نہیں آتیں۔یعنی اس زمانے میں بھی وہ لوگ اتنے ہی ترقی یافتہ تھے لیکن جب کہیں اللہ کی گرفت میں آئے تو غرق کر دیئے گئے۔ آج وہاں سینکڑوں فٹ پانی کھڑا ہے' سمندر ہے اور وہ نیچے دفن ہیں۔

تو ہر زمانے میں انسانی عقل نے بے شمار ایجادات کیں اور پھر قومیں تباہ ہوتی رہیں' زوال آشنا ہوتی رہیں لیکن ان ساری ایجادات کے باوجود عقل صرف انسان کے پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک کی اور صرف اس کی جسمانی زندگی پہ بحث کرتی ہے۔ روح کے بارے کوئی لب کشائی نہ کر سکا۔ آخرت کے بارے کسی کو جرات نہ ہوئی کہ وہ عقل سے دریافت کرے۔ ذات باری اور صفات باری' بندے اور مالک کے تعلقات کے بارے میں کسی فلسفی' کسی محقق نے عقل سے لب کشائی نہیں کی۔ اس طرف عقل استعمال کرنے کی جرات ہی نہیں کی کیونکہ یہ عقل کا موضوع ہی نہیں ہے اور اس موضوع پر جب بھی روشنی ڈالی گئی۔ تو اللہ کے نبی اور اللہ کے رسولوں نے ڈالی ہے۔ جنہیں اللہ کریم نے خود اپنی طرف سے علوم عطا فرمائے اور ان کے قلوب کو علوم کا خزانہ بنا دیا۔

حیاتِ قلب کے مظاہر

میرے دوستو! بڑی عجیب بات ہے کہ دل علم سے آشنا نہ ہو اور دماغ سے علم سمجھ بھی جائے تو دماغ آرام کے ذرائع کم تلاش کرتا ہے اور ایذا دینے والی چیزیں زیادہ بناتا ہے۔ آپ مغربی محققین کو دیکھ لیں' دوائیں کم ایجاد ہوتی ہیں تباہی کے اسباب زیادہ پیدا ہوتے ہیں' آرام کے لئے چیزیں کم بنتی ہیں لیکن انسانوں کو ایذا دینے کے لئے نئے نئے طریقے زیادہ ایجاد ہوتے ہیں۔

لیکن جب دل زندہ ہوتا ہے تو وہ عقل انسانی کی رہنمائی کرتا ہے اور بجائے خرابی کے بہتری کے منصوبے سوچتا ہے۔ برائی کی جگہ اچھائی کی طرف

سوچ کر بڑھتا ہے اور دل کی حیات کا مدار رب جلیل کی یاد میں ہے۔ اللہ اور بندے کا تعلق صرف یہ ہے کہ بندہ اللہ کے نام کو اپنے قلب کی گہرائی میں آباد کرے۔اس سے ایک عجیب بات حاصل ہوتی ہے کہ اللہ کو آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں لیکن آنکھوں کے دیکھنے سے بھی زیادہ اس کی ذات پر یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی ذات کو ہاتھ چھو نہیں سکتے ذہن اس کی تصویر یا مثال نہیں بنا سکتا مگر دل اس سے اتنا واقف ہو جاتا ہے کہ وہ نہ بیان کر سکتا ہے نہ بتا سکتا ہے لیکن وہ اسے دیکھتا بھی ہے' اس کی بات بھی سنتا ہے' اس کی پسند کے مطابق عمل بھی کرتا ہے' اسے جانتا بھی ہے' اس سے تعلق بھی بنا لیتا ہے' اس سے مانگتا بھی ہے اور اس کی اطاعت بھی کرتا ہے۔

اب کسی سے پوچھو کہ یہ کیا ہے تو وہ صحیح طور پر نہیں بتا سکتا۔ دراصل یہ ایک کیفیت ہوتی ہے جیسے کوئی کسی عاشق سے پوچھے کہ عشق کیا ہے وہ کیا بتائے گا؟ اب کوئی آدمی جو بھوک سے ساری زندگی آشنا ہی نہیں ہوا کسی فاقہ کش انسان سے پوچھے کہ بھوک کیا ہوتی ہے وہ بھوکا اسے کیا بتائے گا کہ بھوک کیا ہوتی ہے۔ ہاں اسے بھوک میں مبتلا کر دو۔ جو عشق کو جاننا چاہتا ہے جب خود عاشق ہو جائے وہ یہ کہے گا کہ عشق یہ ہے۔ عشق ہوتا کیا ہے۔ اس کا رنگ کیا ہوتا ہے' اس کی دلیل کیا ہے' یہ اس کو بھی علم نہیں ہوتا۔

کیفیات اور قلب

تو جب دنیا کی یہ مادی کیفیات ہمارے سامنے ہیں' تو اس طرح اللہ جل شانہ کو ماننا جو ہے یہ دل کی ایک کیفیت کا نام ہے اور وہ کس طرح سے ہوتی ہے کیسے ہوتی ہے اس کا پتہ تب چلتا ہے جب وہ خود ہو جائے۔ دیکھیں! نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ رب جلیل کی عبادت اس طرح سے کرو کہ جس طرح تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور یہ یاد رکھیں! یہ ایک قانون ہے کہ ناممکنات کا تصور بھی ممکن نہیں ہوتا ہے۔ جو چیز ممکن نہ ہو اور انسان کو کہہ دیا جائے کہ اس کا

تصور کرو تو یہ ممکن نہیں۔ مرد سے توالدو تناسل ممکن ہی نہیں۔ آپ کسی مرد کو کہہ دیں کہ وہ سالوں بیٹھ کر سوچتا رہے کہ میرے پیٹ سے بچہ پیدا ہو گا۔ اس کا تصور بھی نہیں کر سکے گا یعنی ناممکن کا تصور بھی ناممکن ہوتا ہے‘ جب حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح سے کرو کہ گویا تم دیکھ رہے ہو۔ ادھر اللہ کریم کو نظر سے دیکھا نہیں جا سکتا یعنی اس طرف حکم یہ ہے کہ نگاہ اسے دیکھ ہی نہیں سکتی۔ اس طرف حکم ہے کہ عبادت ایسی کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ تو یقیناً کوئی کیفیت ایسی ہے جو حاصل بھی کی جا سکتی ہے اور محسوس بھی کی جا سکتی ہے۔ کہ آدمی کو یہ یقین ہو جائے کہ میرا پروردگار میرے پاس موجود ہے اور وہ دل ہی کی ایک حالت ہے‘ اس بات کا آپ اس سے اندازہ کریں کہ جب کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نور ایمان سے بہرہ ور ہوئے اور یہ وہاں کے غرباء میں سے تھے ۔ جو کئی پشتوں سے اہل مکہ کے اس طرح غلام در غلام چلے آ رہے تھے کہ جنہیں وہ حکم نہیں دیتے تھے‘ بلکہ اشارہ کرتے تھے کہ یہ کرو اور وہ دوڑ پڑتے تھے‘ تو اب بظاہر ان کے پاس کوئی مادی اسباب نہیں‘ ۔ کوئی بچانے والا بظاہر نہیں‘ کوئی ذریعہ نہیں‘ کوئی سبب نہیں۔ کفار مکہ برابر ظلم توڑ رہے ہیں صرف اس بات پر کہ تم اللہ کے ایک ہونے کا انکار کر دو۔ تو وہ کہتے ہیں ہم کیسے ایک نہ کہہ دیں ‘ وہ ہے ہی ایک‘ ہم کیسے کہہ دیں کہ ایک نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے دل کو وہ کیفیت حاصل ہو گئی تھی گویا کہ وہ اللہ کریم کو روبرو دیکھ رہے ہیں‘ وہ ان کے سامنے ہے۔ کیسے کہتے کہ وہ ایک نہیں ہے‘ اگر ان کے دل سے بھی اللہ کریم اس طرح غائب ہوتا کہ معاذ اللہ! اللہ ہمیں معاف کرے جس طرح ہمارے قلوب سے غائب ہو جاتا ہے کہ ہم گناہ کرتے ہیں‘ چوری کر لیتے ہیں‘ جھوٹ بولتے ہیں خیال نہیں آتا کہ اللہ ہے اگر ایک چھوٹا سا بچہ چار پانچ برس کا بچہ دیکھ رہا ہو تو ہم چوری نہیں کرتے۔ حیا آتی ہے کہ یہ بچہ دیکھ رہا ہے دوسرے کو بتا دے گا۔ اب اتنا یقین ذات باری کا حاصل ہو کہ میرا رب میرے ساتھ موجود ہے مجھے دیکھ رہا

ہے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آدمی گناہ کی جرات کرے۔ ہم اللہ کے بارے میں یہ سب کرتے ہیں کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ ہماری عقل نے تو تسلیم کیا دل کو وہ کیفیت حاصل نہیں ہوئی جس کو دیکھنا کہتے ہیں۔اور جن کا دل دیکھ رہا ہوتا ہے ان کا حال عجیب ہوتا ہے۔

میں ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح دیکھ رہا تھا تو اس میں لکھا تھا کہ ایک دفعہ آپ حج پر تشریف لے گئے۔ مشکل زمانہ تھا لوگ پیدل یا اونٹوں یا گھوڑوں پر جاتے تھے۔ آج کل کی طرح وہاں بھیڑ نہیں ہوتی تھی۔آج کل تو رات کو جاؤ' دن کو جاؤ' سال کے کسی مہینے بھی جاؤ' حج کا سا سماں ہوتا ہے۔ اللہ کریم نے سفر آسان کر دیے ہیں جہاز پر بیٹھتے ہیں اور پہنچ جاتے ہیں' ہمیشہ حرم بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اس زمانے میں کوئی کوئی لمحہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ حرم شریف خالی بھی مل جاتا تھا چنانچہ کہیں آدھی رات کو اٹھے کہ حرم شریف خالی ہو گا اور میں وہاں جا کر مناجات کروں گا۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک بہت سخت آواز آتی ہے کہ نکل جاؤ میرے گھر سے' دور ہو جاؤ یہاں سے۔پہلے تو وہ لرز گئے کہ ہاتف نے مجھے جھڑک دیا لیکن پھر دیکھا تو ایک آدمی طواف کر رہا تھا اور بڑا دیوانہ وار لبیک لا شریک لک لبیک کہہ رہا تھا۔وہ اپنی لے میں مست تھا اور پھر چند لمحوں کے بعد ہاتف کی جھڑک پھر سنائی دی' دفع ہو جاؤ' میرے گھر کو آلودہ نہ کرو' یہاں شور مت کرو' چلے جاؤ یہاں سے۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ جب وہ آدمی میرے سامنے سے گزرنے لگا تو تھر تھر کانپ رہا تھا۔میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔میں نے کہا کیوں دنیا پہ عذاب نازل کر رہا ہے۔جب تمہیں ہاتف سنا رہا ہے کہ نکل جاؤ تو کیا تمہیں یہ آواز سنائی نہیں دے رہی۔ تو اس نے جواب میں کہا کہ جب تم نے سن لی ہے' وہ تو مجھے مخاطب کر رہا ہے' میں کیوں نہیں سن رہا ہوں گا۔وہ فرماتے ہیں میں نے کہا پھر تم رک کیوں نہیں جاتے' حرم سے نکل کیوں نہیں جاتے' کیا اس خطہ زمین کو غرق کراؤ گے' عذاب نازل ہو گا۔کہنے لگا میں چلا تو جاتا ہوں لیکن کوئی دوسرا دروازہ نظر ہی نہیں آتا' کہاں جاؤں' آخر

کہاں جاؤں' وہ قبول کرے تو بھی یہی ہے وہ در۔ اور وہ نہ بھی کردے تو بھی یہی در ہے۔اس کے علاوہ کوئی دروازہ ہے ہی نہیں' کہاں جاؤں۔ تو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ تجلیات رحمت نے اس شخص کو گھیر لیا۔

یعنی جب دل سے دیکھنا نصیب ہوتا ہے اور وہ جھڑکتا ہے کہ اٹھ جاؤ یہاں سے۔ تو جواب میں کہتے ہیں اٹھ کے کہاں جائیں گے۔جھڑک ملے گی تو بھی یہی رہیں گے' پیار کرے تو بھی یہی دروازہ ہے اور اگر دل کی نگاہ نہ ہو تو وہ روز پانچ دفعہ بلاتا ہے' روز بلاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم فارغ نہیں ہیں۔ دیکھیں نا کتنا فاصلہ ہے کہ ہمارا دماغ سنتا ہے' نگاہ دیکھتی ہے' عقل مانتی ہے اور پھر بھی ہم کہتے ہیں' آج کپڑے صاف نہیں ہیں' ہزار بہانے ہوتے ہیں' لیکن جب دل دیکھ رہا ہوتا ہے تو دنیا کو چھوڑو وہ آزمائش کے لئے' تجربے کے لئے خود ہمت دیتا ہے۔ ان فرشتوں کو دکھانے کے لئے جنہوں نے کہا تھا۔ بار الٰہی اس کو پیدا کرے گا تو یہ فساد کرے گا۔ تو اللہ دکھاتا ہے کہ دیکھو میرے بندوں کو اگر ان میں فساد کرنے والے ہیں تو ایسے بھی ہیں۔ انہیں شیطان بہکا کر کہاں لے جائے گا۔میں خود انہیں کہتا ہوں' اٹھ جاؤ' یہ نہیں اٹھتے۔

منور قلب اور شیطان

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بھی روز اول ہی فرمایا تھا۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ مِنْ سُلْطَانٍ جو میرے بندے ہوں گے ان پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا' ان کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور جو تیرے ہوں گے ان کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔جو مجھے چھوڑ کر تیری بندگی اختیار کریں گے ان کی میں پرواہ نہیں کرتا ان کی مجھے کیا پرواہ ہے اور جو میرے ہوں گے ان کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ تو ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔

یہ دل کی روشنی جو ہے' دل کا زندہ ہونا جو ہے' دل کا اطمینان جو ہے'

اس کا دارومدار ذکر الہٰی پر ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ یہ نصیب کیسے ہو گا۔ نبی علیہ السلام اور غیر نبی کی تعلیم میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے علاوہ جتنے معلم ہیں وہ الفاظ پہنچاتے ہیں' جبکہ نبی علیہ السلام صرف الفاظ نہیں پہنچاتا' بلکہ نبی علیہ السلام الفاظ کے ساتھ ایک کیفیت بھی منتقل کرتا ہے' جسے فیوضات نبوت کہتے ہیں۔ جس میں تعلیمات نبوت ایک الگ شعبہ ہے اور برکات نبوت کا ایک الگ شعبہ ہے۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ۔ دعوت الی اللہ اور تزکیہ قلب کے بعد وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ تعلیم کتاب و حکمت کی باری آتی ہے جب تک دل کا تزکیہ نہ ہو' دماغ الفاظ رٹ تو لیتا ہے' لیکن اس میں کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ دماغ کہتا ہے یہ حرام ہے' دل کہتا ہے یہ کھاؤ' دماغ کہتا ہے یہ کام منع ہے' دل جاننے بوجھنے کے باوجود بھی کہتا ہے کر لو۔

برکات نبوت اور شان صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم

دیکھو نبی کریم ﷺ کی تعلیم میں اتنی قوت تھی کہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد جاہل سے جاہل اور ان پڑھ آدمی جو ایک بار کلمہ پڑھ لیتا ہے تو برائی اور اچھائی میں تمیز کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جو آدمی ساری عمر جنگل میں رہا' وہ بھی حلال و حرام جائز و ناجائز اور نیکی اور بدی میں تمیز رکھتا ہے۔ یہ قوت ہے تعلیمات نبوت میں۔ لیکن اس پر ہر کوئی عمل نہیں کرتا' اس لئے کہ اس قوت نے تو دماغ کو ماننے پر مجبور کر دیا لیکن عمل تب نصیب ہو گا' جب دل میں وہ کیفیت پیدا ہو گی کہ وہ خود کو خطاب الہٰی کا سزاوار گردانے۔ یہ ہیں برکات نبوت۔

عہد نبوی میں یہ اس طرح ہیں کہ تعلیمات تو کسی نے براہ راست حضور ﷺ سے سنیں یا کسی دوسرے واسطے سے پہنچیں' تعلیم کا مقصد حاصل ہو گیا۔ لیکن برکات صرف انہی کو نصیب ہوئیں' جو حضور کے روبرو آئے' آپ ﷺ کی

مجلس عالیہ میں پہنچے۔ آپ ﷺ کی برکات کا یہ عالم تھا کہ جو لوگ مدتوں گناہ میں، چوری میں، بدکاری میں، بدمعاشی میں، شرک میں، بت پرستی میں، دنیا کی قباحتوں میں ظلم میں، جور میں مبتلا تھے۔ جونہی ایمان نصیب ہوا اور یک لحظہ کے لئے حضور اکرم ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی ان کے وجود پر نگاہ اٹھ پڑی تو وہ صحابی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہو گئے۔ دراصل اصطلاح شریعت میں صحابی رضوان اللہ علیہم اجمعین صرف نام نہیں ہے بلکہ صحابی کا معنی یہ ہے کہ تمام اخلاق عالیہ میں نہایت ہی بلند منصب آدمی۔ اس بلندی پر جہاں سے اوپر صرف اور صرف انبیاء علیہم السلام ہیں۔ آج تو یہ ایک رواج ہو گیا ہے جب ہم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تنقید کرنے لگتے ہیں تو اس طرح سے کرتے ہیں کہ ہم ان کو اپنے برابر کھڑا کر لیتے ہیں بلکہ بعض اوقات اپنے سے نیچے کھڑا کرتے ہیں اور ہم رائے دیتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہاں غلطی کی، ان کو ایسا نہیں، ویسا کرنا چاہئے تھا۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ ہم عظمت صحبت رسالت سے واقف نہیں۔ جبکہ صحبت رسالت میں یہ کمال تھا کہ جو شخص ایک نگاہ پا گیا وہ تمام اخلاق عالیہ کی اس بلندی پر پہنچ گیا جس پر بجز اسکے کوئی نہ پہنچ سکا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جوتوں پر جو گرد پڑتی ہے اس کی قیمت اللہ کے نزدیک اتنی زیادہ ہے کہ اس کے مقابلے میں اگر ہم سب کی ولایت کے، بلکہ ساری دنیا بھی ولی ہو جائے تب بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جوتوں کی گرد کو نہیں پا سکتے۔ اور یہ ناقابل تردید حقیقت ہے۔

حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امیر معاوہ رضی اللہ عنہ میں کون بہتر ہے تو وہ بڑے حیران ہوئے۔ انہوں نے فرمایا۔ عمر بن عبدالعزیز تو تبع تابعین رحمتہ اللہ تعالیٰ اجمعین میں سے ہیں جب کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ اپنے زمانے میں روئے زمین پر بہترین انسان ہو گا۔ اور یہ اس وقت فرمایا تھا جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کیا تھا ان کے گھوڑے کی ناک میں جو گرد

پڑتی تھی اس پر لاکھوں عمر بن عبدالعزیزؒ قربان کئے جا سکتے ہیں کیونکہ وہ صحابی رسول ہیں۔

تو صحبت رسالت سے انسان کے اخلاق' ایمان' عقائد اور اعمال کتنے اعلیٰ ہو گئے۔ ذرا خیال کرو کہ مطاع تو رسول ہوتا ہے' بلا چوں و چرا اطاعت صرف منصب رسالت کے لئے ہے۔ تمام کائنات میں از اول تا آخر یہ شرف صرف صحابہ محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے ان کی اطاعت ہی واجب ہے وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ۔ کوئی اور تیسرا طبقہ ہے ہی نہیں۔ ایک طبقہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دوسرا طبقہ خلوص دل سے ان کی پیروی کرنے والوں کا تیسرا طبقہ عالم اسلام میں کوئی ہے ہی نہیں۔ اس طرح کی اطاعت تو نبی کی فرض ہے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی تو نہیں ہیں' معصوم عن الخطا بھی نہیں ہیں' تو پھر یہ درجہ انہیں کیوں ملا۔ اس لئے کہ ان کی ذوات رضائے رسول کی مظہر بن گئی اور فنا فی الرسول انہیں نصیب ہو گیا۔ وہ جو کرتے تھے نبی کریم ﷺ کی اطاعت میں کرتے تھے۔ ایک بار نبی کریم ﷺ سے کسی نے عرض کیا کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ انسانی عقول کی اپنی اپنی استعداد ہیں اور ہم اپنی اپنی استعداد کے مطابق سمجھتے ہیں اور عمل کرتے ہیں اگر ہم میں اختلاف ہو جائے تو پھر کیا کریں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

بِاَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ تو اگر وہ اختلاف بھی کریں تو تم جس بھی صحابی کی غلامی کرو گے' نجات پاؤ گے۔ وہ اختلاف کر کے بھی گمراہی میں نہیں جائیں گے۔ اگر سمجھنے میں بھی فرق ہے تو ہم ہر ایک کو صحیح سمجھیں گے تو اختلاف صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی جو ہے وہ بھی رحمت ہے کہ ان کے اختلاف سے باقی مسلمانوں کو سہولتیں میسر آ گئیں ایک کام کو کرنے کے تین چار راستے مل گئے۔ کوئی ایک طرح سے کر سکتا ہے' تو کوئی دوسری طرح اس سے زیادہ آسانی سے کر سکتا ہے۔

غزوہ خندق سے واپسی پر آقائے نامدار ﷺ کو حکم دیا گیا کہ بنو قریضہ کی خبرلیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عصر کی نماز وہاں پہنچ کر پڑھو۔ ابھی ہتھیار نہیں رکھے تھے پھر دوڑ پڑے تو راستے میں عصر کا وقت ہو گیا۔ پانچ چھ سات میل کا سفر تھا۔ راستے میں بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا کہ نماز کو موخر کریں۔ حضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ وہاں جلدی پہنچیں' اگرچہ موخر کرنے کا حکم نہیں ہے بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ عصر وہاں پڑھو سے تو مراد یہ ہے کہ جلدی پہنچو۔ اس لئے یہاں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر بھی تو پڑھنی ہے لہذا موخر نہ کرو۔ کچھ نے کہا کہ ہم تو ایسا نہیں کریں گے' موخر ہو یا اپنے وقت پر پڑھی جائے' ہم پہنچ کر ہی پڑھیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہاں پہنچ کر پڑھو۔ جن کی یہ رائے تھی وہ چلتے رہے۔ انہوں نے وہاں جا کر پڑھی۔ دوسروں نے راستے میں پڑھ لی اور پہلوں کے فارغ ہونے تک وہ بھی وہاں پہنچ گئے۔

حضور ﷺ کے سامنے جب یہ معاملہ پیش کیا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے کسی کی تردید نہ فرمائی' اور فرمایا کہ دونوں نے ٹھیک کیا۔ چونکہ دونوں جگہ خلوص تھا اللہ کے لئے بھی اور رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی۔ جنہوں نے راستے میں نماز پڑھی ان کے دل میں بھی خلوص تھا۔ کسی دنیاوی غرض یا کسی ذاتی وجاہت کا مسئلہ نہیں تھا اس لئے کہ وہ صحابی رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے ان کے قلوب منور ہو چکے تھے۔ جب نبی رحمت ﷺ کی مجلس نصیب ہوتی ہیں۔ آدمی صحابی رضی اللہ عنہ بن جاتا ہے اور رضی اللہ عنہ کی شان قرآن حکیم میں رب العزت نے ایک عجیب انداز سے بیان فرمائی ہے۔ فرمایا ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ یعنی صحابی رضی اللہ عنہ کا نہ صرف دل ذاکر ہو جاتا تھا بلکہ کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ہر ذرہ بدن ذاکر ہو جاتا اور اللہ اللہ کرنے لگتا تھا۔ اس پر تو قرآن ناطق ہے۔ صحبت اور مجلس میں حاضری ہی سے یہ عظیم نعمت ملتی تھی۔

آپ دیکھیں حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا ورع و تقویٰ' نیکی اور

حضور ﷺ سے عشق و محبت اور نسبت معروف ہے حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے بعض لوگوں کو فرمایا کہ اویس رحمۃ اللہ علیہ کو کہو کہ میری امت کی مغفرت کے لئے دعا کریں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر انسان سے فرمایا کہ کبھی حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ سے ملو تو میرا سلام پہنچانا۔ تو وہ تلاش کر کے ملے۔ کہاں فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت اور کہاں اویس قرنیؒ۔ لیکن ان کا ایک تعلق تھا حضور ﷺ کے ساتھ۔ اس تعلق کے باوجود حضرت اویس صحابی رضی اللہ عنہ نہیں ہیں' شان صحابیت نہ پا سکے' اس لئے کہ صحبت عالی میں نہیں پہنچ سکے۔ اس شرف صحابیت کو پانے کے لئے صحبت شرط ہے۔

برکات نبوت کے حصول کے ذرائع

حضور اکرم ﷺ نے چشم عالم سے پردہ فرمایا اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دور آیا تو یہ برکت ختم نہیں ہو گئی۔ جو شخص بھی ایمان لا کر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محفل میں پہنچا وہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ ہو گیا۔ اب تابعینؒ کا ایک ممتاز طبقہ ہے۔ کوئی شخص ان کے مقابلے کی ہمت نہیں کر سکتا' کوئی دم نہیں مار سکتا۔ تابعینؒ کی صحبت میں جتنے بیٹھے تھے وہ سب تبع تابعی رحمۃ اللہ علیہ ہو گئے اور مزے کی بات یہ ہے کہ صحابیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنی قیمتی دولت تھی کہ مرد آیا صحابی رضی اللہ عنہ' خاتون آئی صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' بوڑھا آیا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' بچہ آیا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' جو ایمان لا کر پہنچا اسے کم از کم درجہ جو ملا وہ صحابیت کا تھا۔ اب ان کا مجاہدہ' ان کی محنت' ان کی عبادت' ان کی ریاضت جتنا جتنا کوئی کما گیا۔ مراتب میں وہ فرق تو ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا درجہ ہے لیکن بنیادی طور پر شرف صحابیت رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سب برابر ہیں۔

اس طرح تابعی بننے میں کوئی تفریق نہیں کی گئی صرف صحبت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین شرط ہے تبع تابعین میں کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ ہر

مسلمان کو یہ نعمت ملی ان کے دل ذاکر ہو گئے اور پھر اس کے ساتھ قرآن حکیم نے آقائے نامدار ﷺ کو بار بار تاکید فرمائی کہ ذکر کرتے رہو۔ قرآن حکیم فرماتا ہے' نماز ادا کرو اور ذکر کرتے رہو نماز سے فارغ ہو جاؤ' تب بھی جہاد پر ہو' جم کر لڑو' ذکر کرتے رہو' حج پر ٹھہرو لیکن ذکر کثرت سے کرتے رہو یعنی ہر عبادت کے ساتھ ذکر کو کثرت سے کرنے کا حکم دے دیا حتیٰ کہ خود نبی کریم ﷺ کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔

برکات کا توارث

تو یوں یہ نعمت تقسیم ہوتی چلی آئی' جس طرح کسی نے شعبہ تفسیر میں عمر صرف کی۔ کسی نے حدیث کی تفسیر میں عمر صرف کی۔ کسی نے فقہ کی خدمت انجام دی۔ ان سب میں یہ نعمت تمام آئمہ فقہ میں موجود تھی۔ آئمہ تفسیر میں موجود تھی' آئمہ حدیث میں موجود تھی' اس لئے کہ وہ سارے ذاکر تھے' بلکہ آپ دیکھ لیں تو مزے کی بات ہے' کہ ہر عالم مدرسے سے فارغ ہونے کے بعد جب تک کسی خانقاہ میں کسی بزرگ کے پاس بیٹھ کر اللہ اللہ نہیں کرتا تھا' وہ کسی اور کام کو نہیں نکلتا تھا۔ ہر عالم کی سوانح میں ملتا ہے کہ فلاں جگہ سے فارغ ہوئے اور فلاں بزرگ کی صحبت میں تشریف لے گئے اور وہاں سے اتنا عرصہ لگا کر پھر وہ اپنے کام میں لگ گئے۔

ذکر و حیات قلبی

اب ہمارے زمانے میں یہ بات ہو گئی ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ذکر کی ضرورت نہیں۔ میرے بھائی دل کی زندگی کا دارومدار تو ذکر الٰہی پر ہے۔ اللہ نے فرمایا۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ کان کھول کر سن لو یعنی تحقیق سے فرمایا۔

پوری قوت سے فرمایا' پورے غور سے یہ بات سمجھ لو کہ دل صرف میری یاد سے قرار پاتے ہیں۔ نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں کہ خَیْرُ الرِّزْقِ مَایَکْفِیْ بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔ آدمی کو ادھار بھی نہ لینا پڑے اور اس کا سرمایہ بھی جمع نہ ہو' ضرورت پوری ہوتی رہے' یہ بہترین رزق ہے اور بہترین ذکر وہ ہے جو خفی ہو اور جو قلب کو جلا دے۔

لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَتُہٗ وَصِقَالَتُہُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ۔

فرمایا ہر چیز کی پالش ہوتی ہے' دل کی پالش اللہ کی یاد ہے' اللہ کا ذکر ہے۔

تو بزرگان دین نے عمریں صرف کر کے اپنے سے پہلوں کی' جن کے دل ذاکر تھے' ان کی مجالس میں بیٹھ کر' مجاہدے کر کے' اللہ اللہ کر کے ان انوارات کو اپنے دل میں اخذ کیا اور دوسرے مسلمانوں تک پہنچایا وہاں سے ہی تو پیری مریدی کی بنیاد پڑی۔

یہ جو ہمارے ہاں پیری مریدی آ گئی ہے اور پھر پیر کے ذمہ ہمارے دنیوی کام ہو گئے یعنی جس کا پیر نہ ہو' اس کی گائے دودھ نہیں دے گی' اس کے بچے کو نوکری نہیں ملے گی' وہ بیمار ہو جائے گا۔ یہ سب فضولیات ہیں۔ پیر کا یہ کام نہیں ہے۔ پیر بے چارا تو خود بھی بیمار ہو جاتا ہے وہ تم کو شفا کیسے دے گا۔ پیر کو خود بھوک لگتی ہے تمہارا پیٹ کیسے بھرے گا وہ بھی تو انسان ہے۔

دراصل پیر وہ ہوتا ہے جو کسی بزرگ سے دل کی یہ روشنی حاصل کرے' مجاہدہ کر کے' اتباع سنت میں' اللہ کی اطاعت میں عمر صرف کر دے اور پھر اس کو اللہ یہ طاقت دے کہ جو اس کے پاس بیٹھ کر اس سے توجہ لے اس کا دل بھی روشن ہو جائے۔ تو جو وہ توجہ لینے کے لئے جاتا ہے وہ مرید کہلاتا ہے۔ جو یہ دل کی روشنی دینے کی اہلیت رکھتا ہے وہ پیر ہے۔ اگر یہ چیز درمیان سے نکال دو' تو پیری مریدی کی کوئی ضرورت نہیں پھر تو سارا فضول ہے۔

دیکھو یہودی کا بھی بیٹا پیدا ہوتا ہے جو حضور ﷺ پر بھی ایمان نہیں رکھتا'

اللہ کو نہیں مانتا' یہودی حکومت بھی کرتا ہے' یہودی کے پاس دولت بھی ہے' یہودی کے پاس خاندان بھی ہے' گھر بھی ہے' ہندو کے پاس حکومت ہے' روسی کافر کے پاس اتنا بڑا ملک ہے' حکومت ہے' یورپ میں سارا کفر پھیلا ہوا ہے' ان کے پاس سلطنتیں ہیں تو مسلمان کی گردن پر جب ایک پیر بیٹھے گا تب بھی اسے روٹی ملے گی کمال ہے۔ یعنی مسلمان کو بغیر پیر کے دال روٹی بھی نہیں ملے گی کیا عجیب بات ہے؟

پیر کا یہ کام نہیں ہے۔ روزی تو اس نے مومن و کافر دونوں کو دے دی ہے۔ وہ مالک ہے' ہر ایک کو اس نے تقسیم کر دی اگر آدمی نیکی کی طرف چلے تو اس کی روزی کو حلال ذرائع کی طرف منتقل فرما دیتا ہے۔ آدمی برائی کی طرف چلنا شروع کرے تو ملتا وہی ہے جو مقدر ہے مگر اسے حرام ذرائع کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں کبھی کبھی شہر کا چکر لگایا کرتے تھے۔ خچر پر سوار تھے کسی گاؤں میں سے گزرے تو نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ آپ کو تاخیر ہو گئی' مسجد میں پہنچے' تو نمازی نکل رہے تھے۔ ایک آدمی گلی میں سے گزر رہا تھا' تو اسے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ میرا خچر پکڑ کر رکھو میں دوگانہ پڑھ کر آتا ہوں۔ آپ دو رکعت پڑھ کر باہر آئے' تو آدمی غائب تھا اور خچر کا لگام نہیں تھا۔ وہ لگام لے کر بھاگ گیا' بڑے حیران ہوئے۔ جیب میں ہاتھ ڈالا' تو دو درہم جیب میں تھے۔ فرمایا اس آدمی کو میں نے روکا تھا تاکہ میں اسے یہ اجرت دے دوں۔ خیر آپ رضی اللہ عنہ خچر کو گردن سے پکڑ کر بازار کی طرف چلے تو دیکھا کہ ساتھ ہی ایک دکان پر وہی لگام لٹک رہی تھی۔ آپ نے پوچھا کہ بھئی یہ بیچو گے۔ اس نے کہا جی ہاں دو درہم قیمت ہے۔ دو درہم تو ان کے ہاتھ میں تھے۔ جب خرید چکے تو پوچھا کہ یہ تم نے کہاں سے لی ہے' کہنے لگا کہ ابھی ابھی ایک آدمی بیچ گیا۔ میں نے ایک درہم میں خرید لی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس بدبخت کے لئے دو درہم لایا تھا۔ دونوں حلال کے تھے لیکن اس نے اللہ کی نافرمانی کی تو دو

میں سے ایک ملا اور وہ بھی حرام ذریعے سے ملا۔ یہ نیک آدمی ہے اس نے جھوٹ بھی نہیں بولا۔ میں نے ایک درہم کی خریدی ہے۔ اللہ نے اسے ایک درہم فالتو دے دیا۔ بدبخت کو ایک ملا اور وہ بھی حرام کا۔

پھر آدمی جب راستہ بدلتا ہے رزق تو وہی ملتا ہے جو اس کے حصے میں ہے۔ اس میں کسی پیر فقیر کا' کسی مولوی صاحب کا کوئی کمال نہیں ہے۔ صرف اس کے ذرائع بدل جاتے ہیں۔ نیکی کی طرف چلو گے تو رزق حلال ذریعے سے ملتا رہے گا۔ برائی شروع کر دو تو جو مقدر میں ہے وہی حرام ذرائع سے آئے گا' رشوت سے آئے گا' چوری سے آئے گا' لوٹ مار سے آئے گا۔ ملے گا وہی جو مقدر میں ہے۔

پیر کی اصلی ضرورت یہ ہے کہ وہ اس قلبی نور سے آشنا ہو اور سینے میں صرف نور ہی نہیں بلکہ ایک ایسی قوت بھی ہو جو دوسروں کے قلوب کو منور کر سکے۔ اور اس کا معیار بھی یہ ہے۔ صرف روشنی نظر آنا کوئی معیار نہیں اگر آپ اللہ اللہ کرتے ہیں' آپ کو انوارات نظر بھی آ جائیں' تو یہ کوئی معیار نہیں۔ معیار یہ ہے کہ عملی زندگی اور عقیدہ راستی کی طرف چل پڑے۔ جب عقیدے کی خرابی کی بات آئے تو دل اس سے متنفر ہو جائے۔ تب قلب ذاکر ہو گیا اور اگر یہ بات پیدا نہیں ہوئی تو دل مردہ ہے' زندہ نہیں ہے۔ پھر اس پیر کے ساتھ یا اس کی مجلس میں رہنا وقت کو ضائع کرنا ہے کہیں اور تلاش کرو۔ کہیں کوئی ایسا بندہ مل جائے جو دل میں حیات پیدا کر دے جو اگر تبلیغ کے لئے نکلے تو اپنی شہرت مقصد نہ ہو' رضائے باری مقصود ہو۔ روزی حاصل کرنی ہے تو دوسرے کی نہ چھینے' اللہ سے لے' حلال ذرائع سے لے کام کرے اور ہر وقت اللہ کریم کے موجود ہونے کا احساس ہو۔

تابہ لرزاں بروجود تو زمین

جب پیشانی جھکے تو اس میں اس قدر تجلیات ہوں کہ زمین بھی لرز اٹھے کہ یہ کون جھک رہا ہے اور کس کے سامنے جھک رہا ہے۔

اگر یہ نعمت نصیب ہو جائے تو پھر تو یہ پیری مریدی کام کی چیز ہے۔ ورنہ نہیں۔ اب رہی یہ بات کہ یہ ذکر کیسے کرنا چاہئے تو رب جلیل نے اس میں بڑی آزادی دے دی ہے۔

ذکر کا طریقہ

فرمایا :۔ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ کھڑے ہو اللہ اللہ کرو، بیٹھے ہو اللہ اللہ کرو، لیٹے ہو اللہ اللہ کرو، کرتے رہو بس نہ کرو و اذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ جب بھول جاؤ تو جیسے یاد آئے اللہ اللہ کرو۔

بزرگان دین نے ذکر کے مختلف طریقے اختیار کئے جو سارے کے سارے ذرائع ہیں مقصد ایک ہی ہے کہ دل میں روشنی آ جائے۔ مثلاً سفر کے مختلف ذرائع ہیں کوئی پشاور جہاز پہ آتا ہے۔ کوئی بس پہ آتا ہے، کوئی غریب پیدل بھی آتا ہے، کوئی ٹانگے پر آتا ہے، کوئی سائیکل پر آتا ہے، آنا تو سب کو اس شہر میں ہے۔ اس طرح ذکر کے مختلف طریقے جو ہیں۔ ان سب طریقوں میں اختلاف اس لئے ہے کہ وہ ذرائع ہیں۔ مقصد ان برکات کا حصول ہے جو ذات نبی کریم ﷺ کی صحبت میں تقسیم ہوئیں اور لوگوں نے سینہ بہ سینہ صحبت میں رہ کر حاصل کیں اور جو بغیر صحبت کے ممکن نہیں۔ مگر ذکر کے تمام طریقوں میں ایک پابندی شرط ہے یعنی ذکر کا کوئی بھی طریقہ نہیں اپنایا جائے گا جو خلاف شریعت ہو۔ جہاں سے حضور ﷺ نے روک دیا وہاں حد ختم ہو گئی۔ دیکھیں ہر انسان کی آزادی ایک حد تک ہوتی ہے یعنی اپنی ذات تک تو آپ آزاد ہیں۔ دوسرے کی ناک پر مکہ مارنے کی آزادی نہیں ہے۔ وہ دوسروں کی آزادی میں مداخلت ہے۔ ذکر میں بھی اس حد تک آزادی ہے جہاں تک نبی کریم ﷺ نے منع نہ کر دیا ہو۔ جس طریقے سے حضور ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ وہ درست ہے۔ اللہ نے نماز کی تعلیم فرمائی کہ قیام، رکوع، سجود و قعدہ کا ایک طریقہ کار ہے۔ الفاظ معین ہیں، اوقات معین ہیں۔ اسی طرح صورت معین ہے حج کا تعین ہے روزہ کا تعین

ہے۔

مگر ذکر کے لئے اللہ نے کوئی تعین نہیں فرمائی نہ وقت کی' نہ صورت کی' نہ حالت کی' نہ اس کے لئے وضو فرض ہے' نہ اس کے لباس کا پاک ہونا شرط ہے اور نہ ہی اس کے لئے مسجد میں بیٹھنا شرط ہے۔ ہر حال میں اور جہاں بھی ہو اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ اب اگر باوضو بھی ہو تو نورٌعلیٰ نور ہے۔ مسجد میں آکر کریں تو مسجد کی مزید برکت شامل ہو گی۔ تو یہ جتنا بڑھاتے جاؤ بہتر ہے لیکن مسجد سے باہر ہے تو بازار میں بھی چھوڑ دینے کا حکم نہیں ہے' اللہ کی یاد کرتے رہا کرو۔ بیٹھے ہو' کھڑے ہو' لیٹے ہو' کسی طرح بھی ہو' ذکر کرتے رہو۔ تو یہ جو ذکر دوام ہے جو کھڑے بیٹھے لیٹے ہوتا رہے مگر کثرت کا حکم زبان کے کرنے سے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ کسی سے بات کرنی ہو گی۔ تو ذکر چھوڑ کر بات کرنی پڑے گی کبھی سو جائیں گے تو سارے اعضاء خاموش ہو جائیں گے' زبان بھی چپ ہو جائے گی۔ لیکن جب وہ توجہ نصیب ہوتی ہے جو صحبت نبوی ﷺ سے ملی تو دل میں یاد الٰہی آجاتی ہے اور دل کی ہر دھڑکن کو اس پہ لگا دیتی ہے۔ اب سانس چل رہی ہے' وہ بھی اللہ اللہ کر رہی ہے' دل دھڑک رہا ہے' وہ بھی اللہ اللہ کر رہا ہے۔ وجود میں' رگوں میں' نبضوں میں خون کا ذرہ ذرہ جہاں جاتا ہے' ذکر کرتا رہتا ہے۔

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تو ذکر دوام اور ذکر کثیر کا منشا تب ہی پورا ہوتا ہے جب کسی صاحب دل کی مجلس میں بیٹھ کر اس سے توجہ لی جائے اور وہ رگ و پے میں' دل و دماغ میں' وجود میں' اعضا و جوارح میں اسے بسا دے' یہی ہماری ضرورت ہے۔ اس لئے کہ دل زندہ ہی اس سے ہوتا ہے اور جب دل زندہ ہو تو وہ جمال باری کو اپنی حیثیت کے مطابق دیکھتا ہے کیا دیکھتا ہے' یہ نہیں بتا سکتا' دیکھ لو گے تو خودبخود سمجھ آجائے گی۔

کارا کہ خبرشد خبرش باز نہ آمد

جس نے دیکھ لیا وہ بتانے کے قابل ہی نہیں رہتا۔ بس اس کی حرکات

سکنات سے پتہ چلتا ہے کہ ہاں اس نے کچھ دیکھا ہے' کیسے دیکھا' کیا دیکھا' وہ بتانے والی بات ہی نہیں' وہ تو کرنے والی بات ہے۔ کیفیات کے لئے تو آپ ﷺ نے کوئی لفظ وضع نہیں فرمایا۔ کتابت کرنے والے نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ یہ تو صرف محسوس کی جا سکتی ہیں' بیان کی نہیں جا سکتی اور نہ سنی جا سکتی ہیں۔

شیخ کی نوکری

تو میرے بھائی ان مجالس کو اور آپ کے لئے ان تمام اوقات دینے کا حاصل یہ ہے کہ میں بھی ایک گیا گزرا اس دور کا درماندہ اور ایک گنہگار انسان ہوں' اللہ مجھ پر بھی رحم فرمائے۔ اللہ ہم سب پر رحم فرمائے' لیکن مجھے اللہ کی ایک نعمت نصیب ہوئی' اہل اللہ کی جوتیوں میں بیٹھنے کے لئے مجھے رب جلیل نے تیس سال عطا کر دیئے حاشاء وکلا میں مسجد میں باوضو بیٹھا ہوں مجھے کبھی یہ گمان نہیں گزرا تھا کہ مجھے پیر بننا پڑے گا۔ میں اس سے بڑا گھبراتا تھا اب بھی اور پہلے بھی۔ میں اپنی اصلاح کے لئے گیا تھا' برسوں بیت گئے' انہوں نے میرے گلے میں یہ مصیبت ڈال دی کہ اب تم لوگوں کو یہ سکھاتے جاؤ۔ نماز بخشوانے کے لئے گئے تھے' روزے گلے پڑ گئے۔ میں آپ پر احسان نہیں کرتا' یہ میری نوکری ہے' یہ ذمہ داری ہے' کہ میں اللہ کے بندوں کو جو کچھ مجھے نصیب ہوا ہے پہنچا دوں۔ اب کوئی نہ لے اس کی مرضی' کوئی اعتراض کرے اس کی مرضی' کوئی گالی دے اس کی مرضی۔ نوکری جو ہوتی ہے مثلاً" پولیس والوں کی نوکری لگتی ہے بازار میں لوگ ان پر بوتلیں پھینکتے ہیں' گالیاں دیتے ہیں' اینٹیں برساتے ہیں' وہ بھاگ تو نہیں جاتے' نوکری تو کرنی ہے۔ پھر دوسرے دن بازار میں کھڑے ہوتے ہیں اور انہیں شرم نہیں آتی کہ اس چوک میں مجھے گالیاں پڑی تھیں۔ نوکری جو ہوئی وہ تو وہاں پھر کل کھڑے ہوں گے۔

ہماری بھی نوکری ہے۔ لوگ فتوے لگاتے ہیں' لوگ گالیاں دیتے ہیں تو کیا ہوا۔ ایک دفعہ مسجد سے مجھے دھکے دے کر بھگا دیا گیا کہ یہ اللہ اللہ سکھاتا

ہے۔ بھئی کیا کریں بھگا دیں پھر آئیں گے' یہ نوکری ہے کوئی خفا ہو یا کوئی پیار کرے۔ اس سے غرض نہیں۔ غرض تو اس مالک سے ہے جس نے یہ کام ذمہ لگا دیا۔ لوگوں سے تو غرض نہیں۔ نہ لوگوں سے کچھ لینا نہ دینا' شرینی نہ نذرانہ' نہ نیاز نہ مال۔ صرف ایک بات کہ میں نے اللہ کا نام سیکھا ہے' مجھ پر اللہ کا یہ احسان ہے۔ آپ بھی چند لمحے میرے ساتھ بیٹھیں اور ذکر کرتے رہیں آپکو بھی یہ چیز مل جائے گی۔

یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ یہ رجحان غلط ہے کہ پیر کا بیٹا پیر ہو' پھر اس کا بیٹا پیر ہو' ایسا نہیں ہے' سارے مسلمان پیر ہیں۔ ہر مسلمان ولی ہے۔ اگر بیک وقت سارے مسلمان صحابی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بن سکتے تھے تو ولی اللہ بننے کے لئے کیا کچھ شرائط ہیں۔ کہ چند خاندان بن سکتے ہیں اور باقی نہیں۔ ایسا نہیں ہے صحابیت سب سے افضل ہے' وہاں تو عورتیں مرد سارے صحابی رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ہیں۔

وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّاللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۔

اللہ کریم نے ساری عبادات کو' سارے اخلاقیات عالیہ کو' زیر بحث لاتے لاتے مرد و خاتون کو برابر فرمایا۔ انسان تو دونوں ہیں۔ اس لئے ہمارے سلسلہ عالیہ میں ہر ساتھی کو اجازت ہے کہ جو اللہ اللہ سیکھے۔ وہ گھر کی خواتین کا خود پیر ہے۔ جتنا سبق سیکھ جائے ان کو سکھائے۔ آپ تجربہ کر لیں گھر میں بیوی کو' بیٹی کو' ماں کو' بہن کو ساتھ بٹھا کر توجہ دے' ان کے دل بھی روشن ہو جائیں گے۔ یہ اس لئے اجازت دی کہ اس میں خواتین کا بھی' مردوں کا بھی' سب کا حصہ ہے' زندگی کا مزا ہی جب ہے کہ بچے بھی اللہ اللہ کریں بیویاں بھی اللہ اللہ کریں مائیں بہنیں بھی اللہ اللہ کریں' باپ بھی اللہ اللہ کرے' تو پھر ایسی صورت حال میں تو دیواروں اور اینٹوں اور پتھروں سے بھی اللہ اللہ کی صدا آتی ہے۔

اس کے بارے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے گھروں کو آسمان والی مخلوق یوں دیکھتی ہے جیسے آپ آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ انہیں زمین

پر ایسے گھر ستاروں کی طرح نظر آتے ہیں۔

تو یہ ایک نعمت ہے' یہ آپ کا حق ہے' آپ کا حصہ ہے' آپ کی ضرورت ہے۔ آپ اسے سیکھیں' اس پر عمل کریں' اپنے لئے اللہ کے لئے' اپنی آخرت کے لئے' نبی کریم ﷺ کی خوشنودی کے لئے۔ اللہ کریم آپ کو برکت دے اور ہمیں اپنی یاد میں زندہ رکھے۔ اپنی یاد میں موت نصیب فرمائے' برزخ میں اپنی یاد نصیب کرے' میدان حشر میں اپنی یاد میں کھڑا فرمائے اور اپنے بندوں کی صف میں کھڑا کرے۔

☆ ☆ ☆

ذکر فرض ہے

دین سے وابستگی اور ہمارا رویہ

دراصل دین کا راستہ اتنا سہل نہیں ہے جتنا ہم اندازہ کر لیتے ہیں ہمارا ایک تصور بن گیا ہے کہ میں نمازیں پڑھتا ہوں' میں روزے رکھتا ہوں اب ہر بندے کو میری عزت کرنی چاہئے۔ ہر بندے کو میرا احترام کرنا چاہئے۔ مجھے کوئی بیماری نہیں آنی چاہئے۔ میری صحت ٹھیک ہونی چاہئے۔ میرے مال میں بڑی برکت ہونی چاہئے۔ اگلے دن بھی ایک ساتھی مجھ سے کہہ رہا تھا جی میں تہجد بھی پڑھتا ہوں' بیوی بھی تہجد پڑھتی ہے۔ عبادت بھی کرتے ہیں لیکن کاروبار میں نقصان ہوتا ہے۔ اب عبادت کا اور کاروبار کا آپس میں کیا رشتہ ہے؟ کاروبار کرنے کا اپنا ایک طریقہ ہے' کوئی انداز ہے۔ ممکن ہے آپ سے کہیں کوئی غلطی ہو رہی ہو تو وہ نفلوں سے تو پوری نہیں ہو گی۔ اسے تو اندازے سے جانچیں کہ کہاں قصور ہے کہاں غلطی ہے۔ سب سے مشکل جو پیش آتی ہے' دین میں وہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو آتی ہے کہ وہ ایک نیا راستہ بتاتے ہیں۔ پورے معاشرے کے مقابلے میں باطل اور کافر معاشرے کے مقابلے میں تو انہیں بہت زیادہ دشواری پیش آتی ہے۔ اب آپ اندازہ کیجئے کہ آج چودہ صدیاں گزرنے کے بعد پندرہویں صدی ہجری میں بھی اگر ہمیں دین پر عمل کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ لوگ مذاق اڑائیں گے' تو جب دنیا میں دین کا نام ہی نہ تھا تو جنہوں نے دین پر عمل کیا۔ ان کے ساتھ کیا کیا نہ ہوا ہو گا۔

مشرکین عرب میں ایک عجیب رواج تھا کہ وہ کسی کو منہ بولا بیٹا یا متبنیٰ بنا

لیتے تھے اس بیٹے کو وہ سارے حقوق دیتے جو حقیقی بیٹے کے ہوتے ہیں۔ جائیداد میں وہ وراثت پاتا' حقیقی بیٹا جن محارم سے نکاح نہیں کر سکتا' اس سے ان کا نکاح نہ کیا جاتا' اس طرح جو اس کی بیوی تھی یا اس کی اولاد کے جو حقوق حقیقی بیٹے کی طرح سمجھے جاتے۔ اللہ کریم نے اس سے منع فرما دیا۔ حضرت زیدؓ بن حارث کو حضور ﷺ نے متبنی بنایا انہیں قبل بعثت زید بن محمد ﷺ کہا جاتا تھا لیکن اللہ کریم نے منع کر دیا۔ فرمایا کہ جو جس کا بیٹا ہے اس کے نام سے پکارا جائے۔ یہ بات آج بھی ہم میں موجود ہے کہ اگر کسی کی اولاد نہ ہو تو ہم بچے Adapt کرتے ہیں اور پھر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ بچوں کو ان کا ماضی نہ بتایا جائے کہ وہ کس کی اولاد ہے؟ یہ درست نہیں ہے' بچے پالنا منع نہیں ہے اگر کسی کی اولاد نہیں' کسی کا بچہ پال لیتا ہے' تو اچھی بات ہے' لیکن اس بچے کو اس کا بیک گراؤنڈ اس کے والدین اس کے باپ کے نام سے ہی پکارا جائے۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ کوئی یہ کہے کہ خدایا تو نے بچہ تو نہیں دیا لیکن میں نے یہ خرید لیا ہے' یہ صحیح نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب رب نے نہیں دیا تو اس کا نہ ہونا ہی بہتر ہے اس کے باوجود اگر کوئی شوق سے پالتا ہے' تو جانوروں کے بچے پالنا منع نہیں ہے' تو انسان کے بچے پالنا کون سا منع ہے۔ کئی بے بس غریب یا کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی اولاد کو نہیں پال سکتے ہیں۔ اس سے لے کر پالنے پر پابندی نہیں لیکن اسے اس کے والدین کا بچہ سمجھ کر ہی پالا جائے۔ جتنی شفقت کریں جتنا پیار کریں وہ الگ بات ہے۔

حضرت زیدؓ غلام تھے۔ آپ ﷺ نے خرید کر آزاد کئے اور متبنی بنائے۔ جب وہ جوان ہوئے تو ان کے لئے سگی پھوپھی کا رشتہ مانگا۔ اب یہ ایک دوسری کاری ضرب تھی کہ روساء مکہ اور قریش مکہ کی بیٹی ہو اور کسی غلام زادے کو یا کسی غلام کو بیاہی جائے۔ یہاں کفو کا مسئلہ بھی آ جاتا ہے کہ غیر کفو میں نکاح پر بڑا شور کرتے ہیں تو عموماً" یہ ایک بڑا مسئلہ ہوتا ہے کہ سید خاتون کا غیر سیدوں میں نکاح نہیں ہوتا۔ یہ سارے افسانے ہیں۔ مسلمان سارے مسلمان

ہیں۔ ہر مسلمان عورت کا ہر مسلمان مرد کے سوائے حرمت شرعی کے نکاح جائز ہے جہاں نہیں ہوتا وہاں شرعی حرمت ہے۔ بہن سے بیوی کی بہن سے اس طرح جو محارم شرعی ہیں ان میں نہیں ہوتا۔ ورنہ کفو کا لحاظ صرف اس لئے رکھا گیا ہے کہ ہر سطح کے لوگوں کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی امیر خاندان کسی غریب خاندان میں رشتہ دیں گے تو شاید وہ وہاں آسانی سے اپنے آپ کو Adjust نہ کر سکے ان میں گھل مل نہ سکے اور اگر برابر کے خاندان میں دیں گے تو بچی کے لئے بھی رہنا آسان ہو گا۔ ان کے لئے اسے قبول کرنا آسان ہو جائے گا اس سہولت کے لئے بہتر یہ ہے کہ رشتہ کفو میں کیا جائے ورنہ رشتے کے لئے محض اسلام شرط ہے اور حرمت شرعی نہ ہو تو جائز ہے۔

سب سے بڑی سید زادیاں نبی کریم ﷺ کی بیٹیاں تھیں اور سید وہ لوگ کہلائے جو آپ ﷺ کی بیٹیوں کی اولاد تھے اور آپ ﷺ کی بیٹیوں کے خاوند تو آپ ﷺ کی اولاد نہیں تھے وہ تو سید نہیں تھے تو سب سے پہلی سید زادیاں غیر سیدوں سے بیاہی گئیں تو وہیں جھگڑا ختم ہو گیا اور آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن ایک غلام کے نکاح میں آگئیں تو کفو کا جھگڑا ہی ختم ہو گیا۔ وہ جو ایک رعونت تھی بڑائی والی اور فرعونیت والی اور غریب کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس پر کاری ضرب لگی۔ حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی نے' اس بہن کے' جس کا حضور ﷺ نے رشتہ مانگا۔ پسند تو نہ فرمایا لیکن منشا نبوی ﷺ دیکھ کر انہوں نے کہا کہ ہم یہ قربانی دیں گے رشتہ ہو گیا۔ اب پہلے تو اس پر بڑی باتیں ہوئیں اور بڑی طعن و تشنیع ہوئی کہ دیکھو جی یہ کیسے عجیب لوگ ہیں۔ ایک غریب زادے کو اتنے رئیس خاندان کی اور قریش کی بیٹی دے دی۔ یہ کیا اسلام ہے اور یہ کیا مذہب ہے۔ پھر وہ نباہ نہ ہو سکا اور حضور اکرم ﷺ کو من جانب اللہ علم تھا کہ ایسا ہو گا۔ اسی لئے قرآن کریم میں آتا ہے کہ آپ ﷺ تو بات چھپا رہے تھے لیکن جو آپ کو پتہ ہے اسے چھپانے سے کب چھپتی ہے۔ جب اللہ ظاہر کرنا چاہتا ہے تو پھر طلاق ہو گئی اب طلاق جب ہو گئی تو حضور ﷺ نے اپنے لئے رشتہ

مانگ لیا تو وہ آپ کے متبنی منہ بولے بیٹے کی بیوی ہو چکی تھی اور عربوں کے نزدیک وہ بہو کا درجہ رکھتی تھی اور اب ان کی دوسری رسم پہ بڑی سخت چوٹ پڑ رہی تھی' اس پر بہت زیادہ طعن و تشنیع ہوئی' بڑی زبانیں کھلیں لیکن اللہ کریم نے فرمایا کہ اللہ اپنے قانون کو نافذ کرنا چاہتا ہے اور اللہ مسلمانوں کی سہولت کے لئے اپنے نبی علیہ السلام کو وہ کام کرنے کا حکم دیتا ہے جو غیر نبی کے لئے جرات کرنا ممکن نہیں۔ جس کام کی جرات نبی کے لئے' اتنی اتنی طعن و تشنیع' اتنی زبانوں کا سامنا کرنا پڑا اور معاشرے کی اتنی تنقید برداشت کرنا۔ فرمایا یہ غیر نبی کی جرات نہیں ہو گی یہ نبی علیہ السلام کا حوصلہ ہے۔ اب اس پس منظر میں اللہ نے فرمایا کہ دیکھو۔

تم میں سے کسی مرد کے حضرت محمد ﷺ نسبی باپ نہیں ہیں۔ مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّن رِّجَالِکُمۡ کیونکہ آپ ﷺ کے چھوٹے بچے تو تھے تو اللہ جل شانہ نے بچوں کی نفی نہیں فرمائی۔ بچپن میں ان سب کا وصال ہو گیا۔ کہ محمد ﷺ تمہارے کسی بالغ مرد کے نسبی والد نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کا منصب عالی یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ نبی اور رسول میں ایک فرق ہے۔ قرآن نے جس انداز سے ذکر کیا ہے' جس نبی علیہ السلام کو کتاب عطا ہوئی' نئی شریعت عطا ہوئی' اسے رسول کہا گیا۔ اور جس نبی علیہ السلام نے پہلی نازل شدہ کتاب کے احکام کو ہی نافذ کیا اور اسی پر مجاہدہ کیا اسے نبی علیہ السلام کہا گیا۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول تھے ہارون علیہ السلام نبی تھے۔ تو ہر رسول بنیادی طور پر نبی ہوتا ہے اور اس کی رسالت مزید اس میں فضیلت کا باعث بنتی ہے۔

ختم نبوت

تو حضور ﷺ کی ذات اتنی جامع اتنی کامل اتنی مکمل ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہو گا۔ آپ ﷺ نے سلسلہ نبوت کو مکمل کر دیا۔ خاتم النبیین

نبیوں کے سلسلے کو تمام کرنے والے۔ جس کی مثال حدیث میں ﷺ نے یوں دی ہے کہ جیسے کوئی عالی شان محل ہو اور اس میں کسی ایک اینٹ کی جگہ خالی ہو تو میں وہ اینٹ ہوں' جو نبوت کے محل میں لگا کر اسے مکمل کر دیا گیا۔ یہ مثال حدیث میں حضور ﷺ نے دی ہے اور اس کا ترجمہ بھی خاتم النبیین کا حضور ﷺ کے الفاظ مبارک میں یہ ہے اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّینَ لَا نَبِیَّ بَعْدِی۔ او کمال قال رسول اللہ ﷺ کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ یہ ختم نبوت کی بات مسائل نکاح طلاق میں کہاں سے آ گئی یعنی بات ہو رہی ہے کہ نکاح طلاق کے معاملے میں حضور ﷺ کسی کے نسبی والد نہیں ہیں۔ اگر حضرت زید رضی اللہ عنہ کی مطلقہ بیوی سے آپ ﷺ نے نکاح کیا ہے تو یہ درست ہے اس میں کوئی عیب نہیں تو اس میں بات ختم نبوت کی کہاں سے آ گئی۔ تو فرمایا کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اب ان کی بعثت کے بعد دنیا میں جو برکات تقسیم ہوئی ہیں وہ صرف انہی سے ہوئی ہیں یہ خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا کیونکہ اگر دین میں کوئی کمی رہ جائے اور اس کی اصلاح ضروری ہو تو پھر نبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ تمام مسائل فرائض اور عقائد سے لے کر مستحبات تک کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔ جسے میرا نبی بیان نہ کر دے یا نبی علیہ السلام اس پر عمل نہ کریں یا نبی علیہ السلام اس سوال کا جواب نہ دیں۔ وہ سیاسی ہو' معاشی ہو' وہ اخلاقی ہو یا عبادات سے ہو' معاملات سے ہو' کسی پہلو کا سوال تشنہ تکمیل نہیں رہے گا۔ اس لئے آپ ﷺ کے بعد کوئی یا نبی نہیں آئے گا۔ کتاب اللہ کے بعد کوئی نئی کتاب نہیں ہو گی۔

برکات نبوت کے حصول کا طریقہ

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ اسلام کے علاوہ اب کوئی نیا معاشرہ نہیں آئے گا' وجود پذیر نہیں ہو گا۔

تو اس ختم نبوت نے یہ بات واضح کر دی کہ حضور ﷺ دنیا میں رہیں'

برزخ میں رہیں' زمین پر یا عرش بریں پر رہیں۔ نبوت و رسالت آپ ﷺ ہی کی ہے اور قانون بھی آپ ﷺ ہی کا ہو گا۔ سنت آپ ﷺ ہی کی جاری رہے گی کتاب وہی نافذ العمل رہے گی۔ جو آپ ﷺ لائے ہیں اور لوگوں کی جو بھلائی' جو نیکی' جو نور' جو روشنی' جو قرب الٰہی دنیوی زندگی کا' موت مابعدالموت کا برزخ کا یا آخرت کا نصیب ہو گا وہ صرف حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے ہو گا۔ اب آپ ﷺ سے برکات کے حصول کا ذریعہ کیا ہے؟ جب یہ طے ہو گیا کہ رشتہ نسبی نہیں ہے رشتہ روحانی ہے۔ آپ ﷺ نبی اور رسول ہیں اور نبی اور رسول بھی وہ ہیں کہ جن کا دامن چھوڑا نہیں جا سکتا کہ آج نہ سہی پھر کوئی نبی مبعوث ہو گا' اس کے دامن میں پناہ لے لیں گے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا تو پھر استفادہ کا طریقہ کیا ہے۔

کثرت ذکر کا حکم اور اس کے موانع

فرمایا :- اذکروا اللہ ذکرا کثیرا۔ ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ کثرت سے کیا مراد ہے سادہ سے الفاظ میں کثرت سے مراد یہ ہے کہ زندگی میں سب سے زیادہ جو کام کرو وہ ذکر الٰہی ہو سانس لینے سے ذکر زیادہ کرو۔ دل کی دھڑکنوں سے اللہ کا نام زیادہ بار دہرایا جائے۔ اب یہ ذکر کثیر علی الدوام کرو۔ وَ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ صبح شام یعنی Round The Clock کرنا چاہئے۔ یہاں مفسرین کرام نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ ذکر الٰہی ایسی عبادت ہے۔ جس کا کوئی وقت متعین نہیں' کوئی تعداد متعین نہیں اور کوئی صورت متعین نہیں۔ عبادات کی صورتیں معین ہیں۔ تعداد معین ہے' اوقات معین ہیں' زکوۃ کے' حج کے' نماز کے' روزے کے اوقات معین ہیں' صورت معین ہے' تعداد معین ہے' جگہ معین ہے مثلاً" آپ بیت اللہ شریف میں نہ پہنچیں تو حج نہیں ہو گا۔ اسی طرح شرائط ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ عذر اور معذوری کی حالت میں' بیماری کی حالت میں' سفر کی

حالت میں' کوئی عبادت معاف ہو جاتی ہے' کوئی آدھی ہو جاتی ہے روزے کو قضا کرنے کی اجازت ہو جاتی ہے' خواتین سے حیض و نفاس میں نماز معاف ہو جاتی ہے اسی طرح سے مسافر کے لئے قصر ہو جاتی ہے۔ لیکن ذکر کی نہ قضا ہے اور نہ معافی۔ تاآنکہ کوئی بندہ پاگل ہو جائے اس کے حواس ساتھ نہ چھوڑ جائیں۔ بیمار ہے' کھڑا ہے' لیٹا ہے' وضو ہے' نہیں ہے' اٹھ سکتا ہے' نہیں اٹھ سکتا اگر اس کے حواس کام کر رہے ہیں تو اسے ذکر کرنے کا حکم موجود ہے۔ بے ہوش ہو جائے وہ الگ بات ہے اس کے علاوہ اس میں کوئی گنجائش نہیں۔ اور معارف القرآن میں مفتی صاحب نے اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں فرمائے ایک مزے دار جملہ لکھا کہ ذکر نہ کرنے کے لئے کوئی عذر قبول نہیں ہو گا کوئی ایسا عذر نہیں ہے کہ بندہ کہے کہ میں بیمار تھا یا میرے کپڑے پاک نہیں تھے یا میرا وجود پاک نہیں تھا یا مجھ پر غسل واجب تھا یا میں سفر میں تھا یا میں کھڑا ہوا تھا کوئی عذر نہیں ہے۔ کوئی بھی حال ہے ذکر کرو۔ ذکر سے چھٹی نہیں۔

ثمرات ذکر

اس لئے کہ اللہ وہ ہے جو مسلسل تم پر اپنی رحمتیں نازل کرتا رہتا ہے۔ یہ بھی اس کی رحمت ہے کہ ساری رحمتوں کو مجسم کر کے محمد ﷺ کو مبعوث کر دیا۔ اب یہ رحمت اللعالمین ﷺ رحمت مجسم ہیں آپ ﷺ کے وجود مسعود سے رحمت کی تقسیم کا ایک اور دروازہ کھل گیا کہ بنی آدم کو اپنی نوع میں' اولاد آدم میں ایسی ہستی مل گئی کہ جس سے برکات الٰہی اور رحمت الٰہی کو وصول کر سکتا ہے۔ یہ آسانی فرما دی۔ پھر اللہ کے فرشتے تمہارے لئے ہر وقت دست بدعا رہتے ہیں کہ بارالہا ہر مسلمان پر وہ جیسا بھی ہے اور جہاں بھی ہے رحمتیں نازل فرما اور یہ سارا کام اس لئے کیا جاتا ہے کہ تمہیں لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ کہ تمہیں تاریکی سے نکال کر روشنی میں لایا جائے اور تمہارے لئے تاریکی سے نکل کر روشنی میں آجانا آسان ہو جائے۔ اللہ نے اپنی رحمت کا ایک

پل باندھ دیا۔ اپنے فرشتوں کی دعاؤں کا ایک پل باندھ دیا اور اس میں مزید رسے ڈال دیئے اور تمہارے سامنے وہ راستہ کھول دیا اب اس راہ پر چلنے کے لئے تمہارے قدم یاد الٰہی ہے اور تمہاری غفلت اس سے محرومی ہے۔ اب اگر تم غافل ہو گئے' تو پل بھی ہے' منزل بھی سامنے ہے' لیکن غفلت میں ہو سکتا ہے کہ تم اسی کنارے پر دم توڑ دو اور اس صورت میں تم اللہ سے شکوہ نہیں کر سکو گے۔ اسی نے تمہیں منزل بھی دکھا دی' روشنی بھی دکھا دی' اسباب مہیا کر دیئے اور اپنی رحمت کو تمہارا راستہ صاف کرنے کے لئے مقرر کر دیا اور تم پر نزول رحمت کا دوام جاری کر دیا۔ لیکن ادھر سے رحمتیں برس رہی ہیں اور تم نے اپنا دامن الٹایا ہوا ہے' تمہارے دل کا دروازہ بند ہے' تم اللہ کی یاد سے غافل ہو' تو پھر یہ قصور تمہارا ہے۔ کل یہ شکوہ نہ کرنا کہ محمد رسول اللہ ﷺ جیسی ہستی مبعوث ہوئی اور ہم محروم رہے۔ تو یہ محرومی تمہاری طرف سے ہے۔ ادھر سے نہیں ہے اور فرمایا یہ بھی ساتھ یاد رکھو کہ اپنے اذکار اور اپنے ذکر کی آزمائش میں کس منزل پر ہوں' اس کا ایک پیمانہ بھی دے دیا' کہ جتنا جتنا تو ظلمت سے دور ہوتا جاتا ہے جتنا نافرمانی سے دور ہوتا جاتا ہے اور جتنا تو اتباع سنت میں فنا ہوتا جاتا ہے اور جتنا تو اطاعت پیامبر ﷺ کے قریب ہوتا جاتا ہے' اتنا اتنا تو نور میں چلا جاتا ہے' اتنے تیرے منازل بلند ہوتے جا رہے ہیں۔ یعنی تیری بزرگی یہ تیرے سفر کی دلیل ہے۔

لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ۔ یعنی عملی زندگی میں اگر گناہ کم ہونا شروع ہو گئے اور نیکی میں رغبت بڑھنے لگی تو منازل نصیب ہونا شروع ہو گئے۔ وہ کیا ہیں؟ اس کا ادراک تو آخرت میں ہو گا' چونکہ وہ منازل کوئی دنیوی مکان نہیں ہیں' ان میں کوئی حکومت و سلطنت نہیں' بلکہ قرب الٰہی کی لذات ہیں۔ جو یہاں صرف حاصل کی جا سکتی ہیں' وہاں پر کبھی آزمائی اور برتی جائیں گی۔ یہاں ایک گونہ عبادات میں لطف' راحت' اطمینان' سکون اور گناہ سے نفرت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

اور فرمایا :- اللہ تو ایمان والوں کے لئے ہے ہی بڑا رحیم کہ کتنی آسانیاں کر دیں کہ سارا کام خود کر دیا اور بندے کو صرف کہا کہ تو میرا نام دہراتا رہ اور بات ختم۔ تیرا کام ہو جائے گا۔ تجھے نماز کی توفیق بھی ہو جائے گی' تمہیں حلال کھانے کی توفیق بھی ہو جائے گی' گناہ سے بچنے کی توفیق بھی ہو جائے گی' ایمان پر زندہ رہنے اور ایمان پر مرنے کی توفیق بھی ہو جائے گی' لیکن مجھے بھول نہیں مجھے یاد رکھ۔ اب اگر بندہ اتنی سی بات بھی نہیں کر سکتا تو پھر اس کے پاس کیا جواز ہے کہ وہ کل میدان حشر میں پیش کرے گا۔ تو فرمایا جو لوگ یہ نسخہ آزماتے ہیں' اختیار کرتے ہیں' جنہیں ذکر دوام نصیب ہو جاتا ہے۔

تَحِیَّتُھُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَہٗ سَلٰمٌ۔ جب ساری دنیا قیامت کے زلزلے سے پریشان اور فرشتوں کی پکڑ دھکڑ سے چیخ اور چلا رہی ہو گی اور بے ہوشیاں طاری ہو رہی ہوں گی۔ کسی کو دوسرے کے لباس تک کا پتہ بھی نہیں ہو گا۔ اتنی اپنی اپنی ہر ایک کو پڑی ہو گی۔ اس وقت یہ جو طبقہ ہو گا' جن کو حکم دیا جا رہا ہو گا' کہ ذکر کرو' جو یہ نسخہ اپنا کر آئیں گے' انہیں آتے ہی میدان قیامت میں اللہ کریم فرمائیں گے' السلام علیکم میری سلامتی تم پر ہو۔

تَحِیَّتُھُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَہٗ سَلٰمٌ۔ قبروں سے اٹھ کر جب اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ تو خود اللہ فرمائیں گے' السلام علیکم اور اسی کو پھر مومنین کے لئے اختیار کیا گیا کہ جب دنیا میں ایک دوسرے سے ملو' تو ضرور کہو' السلام علیکم و علیکم السلام کہ یہ مومن کی عظمت ہو گی کہ جب دنیا بھر کے پسینے چھوٹ رہے ہوں گے اور بڑے بڑے شہنشاہ بے ہوش ہو ہو کر گر رہے ہوں گے۔ تب یہ بڑے سکون سے اللہ کی طرف سے سلامتی کے مژدہ جانفزا سن رہے ہوں گے۔

وَ اَعَدَّ لَھُمْ اَجْرًا کَرِیْمًا۔ اور ان کے لئے اللہ نے اجر کریم' بہت خوبصورت بدلہ تیار رکھا ہوا ہے۔ مفسرین نے یہاں بڑا خوبصورت جملہ لکھا ہے کہ اجر کریم اور ذاکرین کے درمیان صرف پردہ ان کی زندگانی کا ہے۔ زندگی کی ڈور ٹوٹی اور وہ اپنی منزل پہ پہنچ گیا۔ اعد لھم ان کے لئے سجا کر رکھا ہوا ہے۔

یہ نہیں کہ ابھی بنانا ہے' ان کے لئے بنا کر' سجا کر' سنوار کر' تیار کر کے رکھا ہوا ہے تو مفسرین لکھتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ درمیان میں زندگی حائل ہے جیسے زندگی کی ڈور ٹوٹی' وہ اپنے گھر پہنچ گیا۔

ذکر کی فرضیت

عجیب بات یہ ہے کہ فرائض کے لئے بعض وہ چیزیں بھی فرض ہو جاتی ہیں۔ جو ویسے فرض نہیں ہوتیں۔ بہرحال ذکر فرض ہے اور فرض عین ہے۔ کوئی بھی کام جس کا قرآن حکیم صریحاً" حکم دیتا ہے وہ فرض عین ہو جاتا ہے۔ سادہ سا اصول ہے۔ اس خصوصی حکم کا یعنی قرآن کی نص سے قرآن کی آیت سے' جو حکم ثابت ہوتا ہے' براہ راست جیسے اُذْكُرُوْ اللّٰهَ ذکر کرو۔ اس کا حکم ہے۔ ذکر فرض ہے۔ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ نماز فرض ہے۔ روزہ رکھنے کا حکم ہے' روزہ فرض ہے۔ زکوۃ دینے کا حکم ہے' زکوۃ فرض ہے۔ حج کرنے کا حکم ہے' حج فرض ہے۔ اسی طرح ذکر کرنے کا حکم ہے اور ذکر ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے جس پر نماز فرض ہوتی ہے اس پر ذکر فرض عین ہے۔ اب یہ بہانے کئے جاتے ہیں کہ جناب جو ایمان لے آتا ہے' یہ بھی ادنیٰ درجہ کا ذکر ہے اور یہ بات حق ہے اور یہ ذکر کا اور ذکر قلبی کا درجہ ہے اگر دل سے ایمان نہ لائے وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ دل تصدیق نہ کرے' تو ایمان قابل قبول نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ دل سے ایمان لانا ذکر قلبی کا ادنیٰ درجہ ہے۔ دراصل ہر عمل جو شریعت کے مطابق کیا جاتا ہے وہ عملاً" ذکر ہے اور اس میں اللہ کی یاد موجود ہے' ہر وہ لفظ جو ہم اللہ کی یاد میں زبان سے ادا کرتے ہیں یا قرآن پڑھتے ہیں یا تسبیح پڑھتے ہیں یا درود پڑھتے ہیں یہ ذکر لسانی ہے۔ لیکن جو مقصود ہے اور جو فرض عین ہے وہ ذکر علی الدوام ہے اور جس میں غفلت نہ کرنے کا حکم ہے۔

ذکر سے غفلت

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ غفلت سال کی بھی' مہینے کی بھی' دن کی بھی

اور ایک لمحے کی بھی ہو سکتی ہے۔ ایک لمحے کی غفلت بھی تو غفلت ہے۔ چھوٹی غفلت سہی۔ اس کا جو جرمانہ ہے وہ کم سہی لیکن ہے تو غفلت اور غفلت حرام ہے۔ جس چیز سے قرآن منع کر دیتا ہے وہ حرام ہو جاتی ہے۔ ذکر دوام کا ایک ہی نسخہ ہے اور وہ یہ ہے کہ قلب ذاکر ہو جائے اور یہ نسخہ خود قرآن نے تجویز کیا ہے۔

ذکر و اطمینان قلب

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اگر کوئی بندہ ساری زندگی یہی تلاش کرتا رہے کہ ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہو گا وہ ایسا بدنصیب ہے' جو آب حیات کے کنارے بیٹھ کر تجزیہ کرتا رہے کہ یہ پینے سے کیا ہو گا اور مر جائے۔ ایک گھونٹ پی لینے سے وہ بچ سکتا تھا لیکن وہ اس کا تجزیہ کرتا رہا۔ مجھے ایک دوست نے بتایا جس کا ایک ڈاکٹر دوست تھا کہ اس ڈاکٹر سے امام کعبہ نے جو بیت اللہ میں نماز پڑھاتا ہے پوچھا کہ "میں اگر یہ آب زم زم پی لوں تو میڈیکلی مجھے کوئی نقصان تو نہیں دے گا۔" اس ڈاکٹر نے کہا "آپ نہ پیجئے گا یہ تو آپ کے لئے مضر ہے۔"

میں نے کہا تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے کہا ایسے موذی کو کیوں پینا چاہئے ایسے بے ایمان کو تو اسے چکھنا ہی نہیں چاہئے۔ آپ اندازہ کریں کہ بندہ مکہ مکرمہ میں رہتا ہے۔ بیت اللہ کا امام بھی ہے یعنی آب حیات کے کنارے بیٹھا ہے اور پوچھ رہا ہے یہ آب حیات پی لوں مر تو نہیں جاؤں گا۔ اب اگر یہ بندہ کہے کہ ذکر کرنا ضروری نہیں ہے تو اس کی بات کا وزن کیا ہے اس کی بات کی حیثیت کیا ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا فرما دینا کہ زم زم ہر مرض کا علاج ہے۔ پھر اس کا متبرک ہونا' اس کا ایک دائمی معجزہ کے حیثیت سے ظاہر رہنا اور آج تک کی ساری میڈیکل سائنس نے تجزیے کر کر کے اس کے فوائد ہی بیان کئے ہیں۔ دنیا کا کوئی لیبارٹری ٹیسٹ زم زم کے خلاف کچھ نہیں نکال سکا۔ صرف

یہ نہیں کہ اس کے تجزیئے' حضور ﷺ کے ارشادات اللہ کی تعریف اور امت کا عمل موجود ہے۔ پھر بھی ایک بندہ کعبے میں نماز پڑھانے والا یہ کہتا ہے کہ اگر پی لوں مجھے نقصان تو نہیں دے گا تف ہے ایسے مسلمان پر اور اسی طرح کے لوگ ہیں جن کا مسلمانی نے بھرم رکھا ہوا ہے لیکن ان کے دل میں وہ نہیں اتری۔ انہوں نے مسلمانی کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے' اس کے ذریعے پیسے کماتے ہیں' روزی کماتے ہیں' لوگوں کے پیشوا بنے رہتے ہیں لیکن دل میں وہ بات نہیں اتری۔ ورنہ ذکر کے بغیر تو چارہ نہیں جو ازخود فرض عین ہے۔ ذکر کی یہ فرضیت مختلف واسطوں سے ہوتی ہے۔

ذکر اور خشوع و خضوع

ہر عبادت کے لئے قلب کا خشوع اور خضوع بہت ضروری ہے اور بغیر خشوع کے کسی عبادت کی قبولیت کا کوئی امکان نہیں۔ خشوع قلب کا فعل ہے اور جو قلب ذاکر نہیں ہوتا اس میں خشیت الٰہی پیدا ہی نہیں ہوتی جو اللہ ہی کی یاد سے غافل ہے اس میں اللہ کی ذات سے خشیت اور خشوع کہاں سے آئے گا' متوجہ الی اللہ وہ کیسے ہو سکے گا۔ تو ہر عبادت اپنے حوالے سے جیسے وضو بجائے خود فرض نہیں' لیکن جب نماز کا وقت ہوتا ہے' نماز فرض ہوتی ہے اسی وقت نماز کے واسطے سے فرض ہو جاتا ہے۔ ذکر خود بھی فرض ہے لیکن ہر عبادت کے حوالے سے ذکر فرض عین ہو جاتا ہے کہ اس میں خشوع کی ضرورت ہے اور خشوع اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک قلب ذاکر نہ ہو۔

نور نبوت سے تعلق

مزے کی بات یہ ہے کہ یہ دولت صرف مسلمانوں کے پاس ہے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود مسعود اور سینہ اطہر سے ملتی ہے۔ دنیا کی کوئی قوم کسی قلبی کیفیت کو نہ سمجھ سکتی ہے' نہ بتا سکتی ہے' نہ اس کا دعویٰ ہی کر سکتی ہے۔

شعبدہ بازی کے دعوے' سائنسی کمالات کے دعوے' ادبی کمالات کے دعوے ساری دنیا کرتی رہے گی' لیکن قلبی کیفیات سے مسلمان کے علاوہ نہ کوئی واقف ہے نہ واقف ہو سکتا ہے اور نہ اس کا جھوٹا دعویٰ بھی کر سکتا ہے۔ کہ جھوٹ بھی تب بولے گا جب کسی حد تک جانتا تو ہو۔ جھوٹا دعویٰ بھی کوئی کرتا ہے' تو نام نہاد مسلمان ہی کرتا ہے' غیر مسلم جھوٹ بھی نہیں بول سکتا۔ اس لئے کہ یہ دولت حضورﷺ کے قلب اطہر ہی سے مستفاد ہوتی ہے اور مومنین کے قلوب کو سیراب کرتی ہے۔

اللہ کریم اگر بصیرت عطا فرما دیں تو ہر دل جڑا ہوا نظر آتا ہے' ان نور اور روشنی کی تاروں سے جو قلب اطہر سے نکل کر کائنات میں پھیلتی ہیں۔ ہر اطاعت' ہر اتباع سنت کا قدم اس تار میں تاریں بڑھاتا رہتا ہے۔ اس راستے کو مضبوط اور کھلا کرتا رہتا ہے۔ ہر دفعہ اللہ کا نام' ہر دفعہ کی نیکی اسے بڑھاتی رہتی ہے اور رشتہ مضبوط ہوتا رہتا ہے۔ ہر گناہ اسے کمزور کرتا رہتا ہے۔ ہر لقمہ حرام ہر جھوٹ ہر رشوت ہر برائی اسے کمزور کرتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا' گناہ کرتے کرتے کچھ لوگ اسلام چھوڑ کر گمراہ عقائد اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اطاعت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک بہت بڑے نیک پارسا کی اولاد گمراہ ہو جاتی ہے۔ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے وہ رشتہ جب ٹوٹ جاتا ہے تو بندہ آوارہ ہو جاتا ہے جس کی مرضی اسے اچک لے۔ آپ نے دیکھا کہ اور مذاہب میں اس طرح فرقے نہیں بنتے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ کبھی آپ غور فرمائیں۔ آپ نے دیکھا کہ کب سے یہاں ہندو ہیں۔ ہندو ہندو ہی ہیں۔ ان میں نہ وہابی بنا' نہ مرزائی بنا' نہ قادیانی بنا' نہ شیعہ بنا' نہ سنی بنا۔ ہندو کے ہندو ہی ہیں اور بس۔ کب سے عیسائی آ رہے ہیں اور وہ ویسے عیسائی کے عیسائی ہی ہیں۔ یہ کب سے باقی باطل فرقے آ رہے ہیں اور وہ ایک ہی طرح کا فرقہ ہے اس لئے کہ ان کی ڈور شیطان کے ساتھ اور کفر کے ساتھ بندھ جاتی ہے۔ اب کفر کو آپ کہاں کہاں پلٹیں گے' جدھر پلٹیں گے' تو کفر ہی ہو گا اس میں کیا فرقہ پرستی ہو

سکتی ہے اور کیا فرقہ بندی ہو گی۔ اسلام میں محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ڈور بندھتی ہے اب جس کی ڈور ٹوٹتی ہے وہ کسی نئی جھاڑی پہ جا اٹکے گا۔ کسی درخت پہ ٹنگا ہوا ہو گا کوئی اسے اچک لے گا۔ کسی کو ہندو' کسی کو عیسائی' کسی کو کوئی بھی نہیں ملے گا تو وہ اپنے لئے کوئی نیا آشیانہ کسی نئے نام سے بنا لے گا۔ تو یہ جتنی فرقہ پرستی ہے دراصل یہ ڈوریں کٹنے کی وجہ سے ہے۔ اور یہ رک نہیں سکتی۔ جب تک ڈوریں کٹتی رہیں گی یہ مصیبت بنتی رہے گی۔ اب جس کی ڈور کٹ جاتی ہے اسے سوائے اللہ کے کوئی کیسے روکے ہاں اسے اللہ توفیق دے اور توبہ کر کے واپس جڑ جائے میں اور آپ نہیں روک سکتے۔

سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں قصبہ بھون ضلع چکوال میں ایک بڑے جلسے میں تقریر فرما رہے تھے تو ایک ہندو نے سٹیج پر چٹ بھیجی۔ اسلام پر اس نے اعتراض کیا کہ ہم ہندو ہیں' لیکن ہماری ایک دفعہ شادی ہو جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے میاں بیوی بن جاتے ہیں پھر ان میں جدائی کا کوئی تصور نہیں ہوتا' شادی ٹوٹتی نہیں ہے۔ اور مسلمان اپنی طرف سے کہتے ہیں کہ مذہب حقہ ہے لیکن تمہارے ہاں شادیاں ٹوٹتی ہیں' طلاقیں ہو جاتی ہیں۔ میاں الگ بیوی لگ ہو جاتی ہے۔ تو شاہ صاحب مزے کے آدمی تھے انہوں نے فرمایا "یار کسی کے پاس کوئی دھاگا ہے تو دینا۔" کسی کے پاس دھاگا کہاں تھا تو کسی نے آزار بند سے کھینچ کے دھاگا نکال کر دو تین بالشت دیا۔ کسی ایک آدمی سے کہنے لگے۔ "یار اس کو پکڑ کر اس طرح کھینچ رکھو" اس نے پکڑ کر کھینچ رکھا آپ نے درمیان میں لٹھ سے مارا۔ دھاگا ٹوٹ گیا۔ فرمایا "کچھ ہوا۔" جی دھاگا ٹوٹ گیا۔ فرمایا "چھوڑو یار دھاگے کو۔ یہ ٹوٹ جاتا ہے۔" ایسے ہی دونوں ہاتھ کھڑے کر کے درمیان میں بڑی دفعہ لٹھ ماری۔ فرمایا "کچھ ہوا۔" جی کچھ نہیں ہوا۔ تو فرمایا کہ "کافر کا نکاح ہوتا ہی نہیں ہے ٹوٹے گا کہاں۔ ہوتا تو ٹوٹے گا۔ ہمارے ہاں ہوتا ہے۔ دھاگا تھا ٹوٹ گیا تمہارا ہوتا نہیں ہے ٹوٹے کیا۔"

تو کافر میں فرقہ بندی اس لئے نہیں آتی کہ ان میں ہوتا ہی کچھ نہیں وہ

شیطان سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اب جو بھی شیطنت کرو تو وہ ایک ہی مرکز سے وابستہ ہے' الگ فرقہ تو نہیں بنے گا۔ لیکن اسلام کی اساس ہے کہ دل وابستہ ہو قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے۔ جب یہ ٹوٹتا ہے تو جس طرح کوئی پتنگ فضا میں آوارہ ہو جاتی ہے بندہ اسی طرح آوارہ ہو جاتا ہے۔ پتہ ہے کہ ہندو کو مسلمان بنانا کتنا مشکل ہے' کسی عیسائی کو عیسائیت سے نکالنا کتنا مشکل ہے' کسی بھی کافر کو اس کے کفر سے نکالنا کتنا مشکل ہے' یہ مسلمان فوراً" کیوں دوسرے فرقے میں چلے جاتے ہیں۔ گناہ کرتے کرتے' غفلت میں' برائی میں ڈور کٹ جاتی ہے اور کسی زمین پر یہ کھڑے ہی نہیں ہوتے۔ جب ڈور کٹتی ہے تو اس لئے انہیں اچک لینے میں آسانی ہو جاتی ہے اور یہ گمراہی کے لئے لقمہ تر ثابت ہوتے ہیں۔ للذا دنیا لوٹنے والے کبھی ولایت کے نام پر' کبھی مشیخیت کے نام پر' کبھی سیاست کے نام پر' کبھی نبوت کے نام پر قادیانی کی طرح عیش کرتے ہیں۔ لوگوں کے ایمانوں پر' لوگوں کی آخرت پر' لوگوں کی عاقبت پر' اپنی عاقبت بھی برباد کرتے ہیں اور دنیاوی نام و نمود کماتے ہیں تو ان سب مصیبتوں میں یہ ساری تاریکیاں ہیں۔

لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ۔ ان اندھیروں سے تمہیں نکالنے کے لئے فرمایا پل بنا دیا ہے۔ اپنے نام کا اپنی یاد کا۔ یہ سانس نہ سمجھو یہ زندگی کا ایک ایک قدم ہے جو منزل کو قطع کرتا جا رہا ہے اور ہر سانس موت کے قریب کرتا جا رہا ہے۔ یہ ایک ایک قدم ہے۔ ہر قدم کو سوچو کہ وہ غفلت میں نہ جائے۔ وہ راستے پر پڑے۔ وہ ہوا میں نہ ہو' وہ پل پر ہی ہو' کہ کوئی بھی قدم جو ہوا میں ہے' کسی لمحے بندے کو گرا سکتا ہے۔

خلاصہ بیان

ہم بڑے ہی خوش نصیب لوگ ہیں۔ ہزاروں گناہوں' ہزاروں خطاؤں' ہزاروں قصوروں' ہزاروں کمزوریوں' ہزاروں کمیوں اور خامیوں کے باوجود

ہمیں اللہ نے ایک ولی اللہ کی صحبت اور ان کی جوتیوں میں بیٹھنا نصیب فرمایا اور ہمیں بھی ذکر قلبی کی سعادت اور ذکر کے لئے دعوت دینے والوں میں بنا لیا۔

کہاں میں کہاں یہ عطاء اللہ اللہ

عجیب بات ہے کہ جس گمراہی کے زمانے میں اسلام کے نام پر اللہ کی یاد سے روکا جا رہا ہے اور جس زمانے میں خرافات کو کوئی بدعت کہنے کی جرات نہیں کرتا۔ کوئی غیر اسلامی قانون کو گناہ اور حرام لکھنے کی جرات نہیں کرتا' کوئی غیر اسلامی طریق انتخاب کو باطل کہنے کی جرات نہیں کرتا اور سارے یہیں بستے ہیں کوئی مسلمان ملکوں پر کافروں کی حکومت پر تنقید کرنے کی جرات نہیں کرتا اور بڑی دلیری سے اللہ کی یاد سے روکنے کے لئے فتوے داغ جاتے ہیں۔ اس افراتفری کے زمانے میں اگر ہمیں ذکر قلبی نصیب ہو گیا' تو میں سمجھتا ہوں اس سے بڑا اور کسی مقام کا کوئی تصور ہی نہیں۔ سب سے بڑا مقام یہ ہے کہ یہ ذکر نصیب ہو گیا اور یہ چھوٹے نہیں اور یہ قبر میں ساتھ جائے۔ باقی مقامات کی بات وہاں کر لیں گے۔ باقی معاملات وہاں ہوں گے' اسی لئے کہ جو اس نعمت کو لے کر جائے گا' سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی آنکھ اٹھانے سے پہلے رب العلمین اسے کہیں گے السلام علیک' کیسی عجیب بات ہے کہ روح قبض ہو۔

یَوۡمَ یَلۡقَوۡنَہٗ کوئی میدان حشر ہی ضروری نہیں' موت کے بعد جب روح قبض ہو کر پیش ہو گی وہ بھی لقائے الٰہی کا لمحہ ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ کوئی زندگی کا تھکا ہارا' گناہگار' لرزاں و ترساں موت کی وادی سے گزر کر بارگاہ الوہیت کی دہلیز پر پہنچے اور اسے ذات باری فرمائے۔ السلام علیک' تو حساب تو ہو گیا' معاملہ تو ختم ہو گیا۔ حساب کتاب تو طے ہو گیا۔ اس کے بعد پھر کون سا حساب ہے۔ برزخ کی طویل مسافتوں سے نکل کر کوئی میدان حشر میں پہنچے۔ بڑوں بڑوں کے پتے پانی ہو رہے ہوں اور کسی بے کس سے انسان کو' پریشان حال اور تھکے ہارے غریب آدمی کو' اللہ کریم پھٹے ہوئے لباس والے کو کہہ دیں۔ السلام علیک۔ تو کیا دنیا اس کی طرف دیکھے گی نہیں۔ اس سے بڑے کسی مقام کا کوئی

تصور ہے۔ سارے مقام اس مکان کے اندر اندر ہیں' سارے منازل اس منزل کے اندر ہیں۔ ہمارے ذمے یہ ہے کہ دن ہو یا رات بیٹھے ہوں یا کھڑے' کھا پی رہے ہوں یا باتیں کر رہے ہوں' ذکر الٰہی میں غفلت نہ آئے اور وقت ہے' زندگی کو غنیمت سمجھو' ان سالوں کو غنیمت سمجھو' جتنا کر سکتے ہو کر لو' کرتے چلے جاؤ' کوئی انتہا کوئی حد نہیں ہے۔ جتنا زیادہ اللہ نصیب فرمائے اور جو ذکر سے روکتا ہے اس کے ساتھ بھی بحث نہ کرو' یہ اتنا روشن موضوع ہے کہ اس پر بحث کرنا بھی وقت ضائع کرنے والی بات ہے۔ بحث کرنے کی بجائے مزید ذکر کر کے اسے اپنا ذکر کرنے کا ثبوت دو۔ بحث کرنے کی بجائے مزید ذکر پر کاربند ہو کر ثابت کرو کہ ذکر ہی کرنا ہے۔

اللہ کریم اپنی یاد میں زندہ رکھے' اپنی یاد میں موت نصیب فرمائے اور اپنے بندوں کے ساتھ حشر نصیب فرمائے اور ان انعامات سے نوازے جن کا وعدہ اس نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ وہ تو اپنے وعدے وفا کرتا ہے' ہمیں توفیق دے' ہم کہیں بدعہدی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ہمیں ہمارے نفس کے شر سے اور ہماری فطرت کی خرابیوں سے اور ہمارے گناہوں اور برے اعمال سے ہماری حفاظت فرمائے۔ ہم اپنی نادانیوں میں اپنا آپ ضائع نہ کر بیٹھیں۔ اس کے وعدوں پہ تو شک کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

☆ ☆ ☆

ذکر اللہ اور اس کے ثمرات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

ذکر سے انکار

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے دور کا انسان بنیادی طور پر ذکر و اذکار سے نہ صرف یہ کہ خود دور ہے بلکہ وہ اس کی ضرورت کے احساس سے بھی محروم ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس "غیر ضروری" کام کو بھی وہ کسی دوسرے کو بھی کرتا دیکھ کر خوش نہیں ہوتا۔ ورنہ تو جہان میں کتنے کام ہیں' کتنے امور ہیں' جنہیں ہم ضروری نہیں سمجھتے لیکن اگر کوئی دوسرا کر رہا ہو تو ہم اس کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ لیکن ذکر کے ساتھ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ آج کا مسلمان اسے نہ صرف غیر ضروری سمجھتا ہے بلکہ اس کی مخالفت بھی کرتا ہے۔ ایک طبقہ جو ذکر کی موافقت کرتا ہے اور اس کا قائل ہے وہ پھر ذکر اذکار یا مراقبات یا اس طرح کے اشغال جو ہیں انہی کے گرد اس کی ساری زندگی گھومتی رہتی ہے۔ پھر وہ اس کی ضرورت و اہمیت کو اس انداز سے لیتا ہے کہ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص عملی زندگی سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی کرتا ہے' بال بچے کی نگہداشت میں

کوتاہی کرتا ہے' بزرگوں کی خدمت میں کوتاہی کرتا ہے' معاشی طور پر اپنا نقصان کرتا ہے اور اس طرح کی بہت سی ایسی باتیں ہیں جو پھر دوسروں کو ذکر اذکار سے متنفر کرنے کا سبب بنتی ہیں۔

لیکن اللہ جل شانہ نے اسلام ایسا دین عطا فرمایا ہے جو انسانی عقل و شعور اور بصیرت کے مطابق ہے اور اس میں خلاف عقل کوئی بات نہیں۔ یعنی عقل کے تابع نہیں ہے' لیکن جو بھی حکم دیتا ہے وہ عقل کو بھی قبول کرنا پڑتا ہے کہ یہی صحیح راستہ ہے۔

ذکر کی تعریف

تو اسلام نے ان دونوں باتوں سے روکا ہے۔ ذکر نہ کرنے والوں کی بہت بڑی تاویل یہی ہے کہ جو عبادات ہم کرتے ہیں' مالی یا بدنی۔ یہ عبادات بھی ذکر الٰہی ہیں۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ عبادات بھی ذکر الٰہی ہیں اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ عبادات ہی ذکر الٰہی ہیں۔ بلکہ یہ درست ہے کہ عبادات بھی ذکر الٰہی ہیں۔ لیکن اللہ کی کتاب میں ان کے علاوہ بھی ذکر کرنے کا حکم موجود ہے۔ عبادات بھی اللہ کا ذکر ہے' روزہ بھی اللہ کا ذکر ہے' حج بھی اللہ کا ذکر ہے' زکوۃ بھی اللہ کا ذکر ہے حتیٰ کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا کام جو ہم اسلامی عقیدے کے مطابق' اللہ کے حکم کے مطابق اور اس طریقے کے مطابق جو نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے' یہ باتیں جس کام میں پائی جائیں' اللہ کے حکم کے خلاف نہ ہو' نبی ﷺ کی سنت کے خلاف نہ ہو وہ کام ذکر الٰہی ہے۔ اس میں خواہ معاملات ہوں' دوستیاں یا دشمنیاں ہوں یا زراعت ہو یا کھیتی باڑی ہو' کاروبار ہو یا ملازمت ہو' اولاد کی پرورش ہو یا ازواج سے تعلق ہو' والدین کی خدمت ہو' اساتذہ کا ادب و احترام ہو یا نیک لوگوں کی عزت ہو یا بدکاروں سے نفرت ہو یا بری مجلس سے دور رہنے کا عمل ہو تو غرض زندگی کا ہر وہ فعل ذکر الٰہی ہے کہ جب وہ اللہ کے حکم اور نبی ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔

ذکر اسم ذات

لیکن اس سب کے ساتھ قرآن حکیم نے پھر بھی محض اللہ کے ذاتی نام کی تکرار کا حکم دیا ہے۔ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ اپنے پروردگار کے ذاتی نام کی تکرار فرمایئے۔ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلاً۔ اور اتنی شدت سے صرف اللہ اللہ اللہ دہراتے جایئے' اس درجہ تک چلے جایئے کہ صرف اللہ ہی اللہ نگاہ میں بھی' ذہن میں بھی رہ جائے اور ساری کائنات ماسوائے اللہ سے کوئی تعلق نہ رہے۔ پوری طرح سے کٹ جانا تبتل ہوتا ہے' کوئی علاقہ نہ رہنا اور صرف تبتل پر ہی قرآن نے اکتفا نہیں فرمایا بلکہ تبتل الیہ تبتیلا ماسوا سے اس طرح سے کٹ جاؤ جس طرح کٹ جانے کا حق ہوتا ہے۔

تو یہاں اس آیت کریمہ میں رب جلیل نے ان دونوں امور کے درمیان کا جو راستہ بتاتا ہے' وہی عین اسلام ہے۔ ارشاد فرمایا ہے۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ مرد تو وہ ہیں' جو کارگہ حیات میں عملی طور پر حصہ لیتے ہیں' کاروبار کرتے ہیں' تجارت کرتے ہیں' ملازمت کرتے ہیں' میدان عمل میں عملی طور پر شریک ہیں' لیکن ان کے کاروبار حیات کی یہ عملی شراکت بال بچوں کے لئے مزدوری و ملازمت کی' کھیتی باڑی کی' گھربار کی' خاندان کی دوستی اور دشمنی کی' یہ سارے امور انہیں اللہ کے ذکر سے روک نہیں سکتے۔ یہ نہیں کہ وہ اللہ کے ذکر کے لئے سارے کام چھوڑ دیتے ہیں۔ نہیں۔ فرمایا ان کی مردانگی یہ ہے کہ میرے جو بندے ہیں جو میرے طالب ہیں یا جو اپنے آپ کو مرد کہلوانا چاہتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا' کہ مرد کی تعریف کیا ہے' تو آپ نے فرمایا "طَالِبُ الدُّنْیَا کَلْبٌ' دنیا کا طلب گار تو کتا ہے۔ وہ تو انسان ہی نہیں' جو محض دنیا کے حصول کے لئے اللہ کی اطاعت چھوڑ دے۔ دین کو چھوڑ دے' آخرت کی پرواہ نہ کرے' اسے تو انسان نہیں سمجھنا چاہئے۔

طالب الدنیا کلب۔ وہ تو کتا ہے۔ طَالِبُ الْعُقْبیٰ مونث جو شخص اس بات پر اللہ کی عبادت کرتا ہے کہ مجھے اخروی نعمتیں مل جائیں' اسے مرد نہیں کہنا چاہئے۔ یہ تو عورتوں کا طرز حیات ہوتا ہے کہ وہ اس لئے نباہ کرتی رہتی ہیں کہ گھر ہے ایک چھت ملی ہوئی ہے' ٹھکانہ ہے' اگر خاوند کو چھوڑ دیں گی' تو کہاں جائیں گی۔ یہ ان کی مجبوری ہوتی ہے کہ وہ اچھا ہے یا برا ہے' وہ نیک ہے یا بد ہے' انہیں محبت کرتا ہے یا غصے ہوتا ہے' اچھی طرح سے کھاتا پینا دیتا ہے یا تنگی سے گزران ہے۔ لیکن بہرحال وہ کہتی ہیں کہ اور تو کوئی سر چھپانے کی جگہ نہیں اس سے گزارا کرنا چاہئے۔ تو اگر کوئی اس لئے عبادت کرتا ہے کہ اور کوئی جائے پناہ نہیں عبادت کر کے آخرت کا ٹھکانہ بنانا چاہئے۔ تو انہوں نے فرمایا طالب العقبیٰ مونث وہ عورت ہے۔ اور طالب المولیٰ مذکر۔ جو اللہ کا طالب ہے' وہ مرد ہے۔ مردانگی یہ ہے کہ اللہ کے حضور اس کے حصول اس کے دیدار کی طلب کھینچ کے لے جائے۔ یہ مردانگی ہے۔

برکات ذکر و سلسلہ

میں پرسوں اپنی ڈاک دیکھ رہا تھا۔ اس دفعہ میرا خیال بن رہا تھا کہ میں مغرب کو نہ جاؤں۔ بڑا مشکل ہے یورپ میں' امریکہ میں' کینیڈا میں رہنا' جانا برداشت کرنا بہت مشکل ہے۔ کوئی یہاں بیٹھ کر' سن کر یہ سمجھ نہیں سکتا کہ کس طرح سے وہاں رہنا پڑتا ہے' گزرنا پڑتا ہے' تو بہت ہی ناگوار سا مشکل سا تجربہ ہے۔ میرا پروگرام ڈھائی مہینے کا تھا اسے میں نے ڈیڑھ مہینہ کیا۔ بھئی یہ بھاگنے کے راستے ہیں۔ خیال میرا یہی تھا کہ سرے سے نہ ہی جاؤں' تو پرسوں مجھے ایک خط ملا لندن سے۔ ایک ڈاکٹر ہیں لندن میں بہت مانے ہوئے سرجن' ہیں تو پاکستانی ہی۔ لیکن عرصہ بیت گیا' وہاں پڑھا' پھر وہاں پریکٹس شروع کی۔ اب وہ وہاں کے مانے ہوئے سرجن ہیں۔ انہیں فرصت ہی نہیں ہوتی۔ بیوی لے جا کے شادی وہیں کی' بچے ہوئے' اولاد وہیں ہوئی' وہیں پڑھے لکھے۔ کیونکہ اسی ماحول

کا ایک حصہ تھے۔ پھر انہیں یہ اللہ اللہ نصیب ہوئی۔ پہلے تو لکھا کرتے تھے کہ میں بس آپ کے ملنے سے اور آپ کی ملاقات سے متاثر ضرور ہوں لیکن جو کچھ کرتا ہوں مجھے اس میں نہ کوئی مزہ آتا ہے' نہ سمجھ آتی ہے بس میں یہ کر رہا ہوں کہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔ کبھی کر لیا' کبھی چھوڑ دیا' لیکن میں کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں۔ پھر ان کا خط آیا کہ میں ذکر باقاعدگی سے کرتا ہوں اس میں لذت بڑی ہے۔ کاش میری فیملی بھی' میرے گھر والے بھی ذکر کرتے' انہیں تو نماز بھی نہیں آتی۔ میں نے جواباً" لکھا کہ کوئی بات نہیں' انہیں اللہ پہ لگا لو خود سیکھ جائیں گے۔ پھر اس کا خط آیا کہ اب میری بیوی بھی ذکر کرتی ہے' میرا لڑکا بھی ذکر کرتا ہے لیکن ایک لڑکا جو سکول میں ہوتا ہے وہ ابھی تک ذکر نہیں کرتا۔ میں نے پھر لکھا کہ خیر ہے' لگے رہو اب اگلے دن اس کا خط میرے پاس آیا تو اس نے ایک بڑی عجیب بات لکھی کہ

آپ کے پاس تو معتکف حضرات ہوں گے' رونق لگی ہو گی۔ سب سے دعا کی درخواست بھی کیجئے گا۔ میرے لئے خصوصی دعا کریں کہ اللہ کریم مجھے نجات دے دے۔ اس کے آگے اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ عجیب تر ہے وہ لکھتا ہے کہ حضرت مجھے نجات میں جنت وغیرہ کا تو کوئی شعور نہیں ہے کہ وہ کیا ہو گی' کیسی ہو گی' کیا نہیں ہو گا' کیا ہو گا۔ لیکن نجات کا میں بڑی شدت سے اس لئے طلب گار ہوں کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے نجات نصیب ہو اور میں ان لوگوں سے مل سکوں جن کے اسماء گرامی میں سلسلہ عالیہ کے شجرہ میں پڑھا کرتا ہوں۔ آپ ایک آدمی کی تبدیلی دیکھیں' وہ کہاں سے چلا' وہ بندہ جو دنیا پہ بکا ہوا تھا' وہ بندہ جسے ہوش ہی نہیں تھا اللہ کی عظمت کا' جسے دین کا ہوش ہی نہیں تھا' جسے آخرت کی فکر ہی نہیں تھی اسے ذکر کی برکات کن بلندیوں پر لے گئی کہ اب وہ دو عالم سے مستغنی ہے۔

اس کا کہنا ہے کہ نبی رحمت ﷺ سے لے کر شیخ المکرم رحمۃ اللہ علیہ تک ان ہستیوں کی زیارت ہو جائے' ان سے ملنا نصیب ہو جائے' جن کے سینوں سے

ہوتا ہوا نور کا یہ سیلاب ہم تک بھی پہنچ رہا ہے کاش میں انہیں دیکھ سکوں' انہیں مل سکوں۔ ان کے پاس بیٹھ سکوں۔

کثرت ذکر کا حکم

ذکر کا حکم خواتین کے لئے بھی ہے' مردوں کے لئے بھی ہے۔ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی خواتین لیکن یہاں ذاکرین کو خواہ وہ خواتین ہوں یا وہ مرد ہوں سب کو مرد شمار فرماتے ہوئے۔

مردانگی کی حقیقت یہ ہے لَا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وہ کاروبار حیات کرتے ہیں لیکن وہ کاروبار حیات انہیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتا۔

وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ۔ وہ بدنی عبادتیں کرتے ہیں وہ مالی عبادتیں بھی کرتے ہیں۔ دو ہی طرح کی تو عبادات ہیں یا ان کا تعلق جسم سے ہے' بدن سے ہے' یا مال سے ہے۔ اس لئے قرآن کا اسلوب ہے کہ آپ اکثر دیکھیں گے وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ پر اس لئے بس کر دیتا ہے کہ اس سے مراد صرف نماز اور زکوۃ نہیں بلکہ صلوۃ سے مراد تمام عبادات ہوتی ہیں اور زکوۃ سے مراد تمام مالی عبادتیں ہوتی ہیں۔

مرد تو وہ ہیں جو دنیا کے کاروبار سے بھاگتے نہیں اور ذکر کی اہمیت سے جی نہیں چراتے' کاروبار بھی کرتے ہیں' جہاد بھی کرتے ہیں' کاشتکاری کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں۔ اولاد کی پرورش اور بیوی بچوں کی دیکھ بھال بھی کرتے ہیں' والدین کی خدمت اور دوستوں سے دوستی اور دشمنوں سے دشمنی بھی رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ تمام بدنی عبادات بھی کرتے ہیں اور یہ سارا کام کرنے کے باوجود پھر محض میرے نام کی تکرار بھی کرتے ہیں۔ لیکن وہ بات پسند نہ کی کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گوشے میں بیٹھے۔ اور جنہوں نے تو یاد الٰہی کو چھوڑا' دنیا

کو نہ چھوڑ سکے' انہیں تو انسان کہنا حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے قول کے مطابق درست نہیں ہے۔ لیکن جو صرف اس بات پر اڑ گئے کہ بس فرض نمازیں اور فرائض پورے ہو جائیں' جنت مل جائے گی اور موج کریں گے مردوں میں وہ بھی نہیں قدم رکھتے۔ مردانگی کا معیار قرآن کریم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ عملی زندگی میں بھی پوری طرح سے' بھرپور انداز سے' اپنے آپ کو بطور ایک زندہ انسان ثابت کرے اور ذکر الٰہی بھی کرے اور عبادات میں ان لوگوں سے جو عبادت کو ذکر کہہ کر چھٹی کر جاتے ہیں۔ زیادہ بڑھ کر عبادت کرے۔

ذکر کا ثمرہ

اور فرمایا: یہ سارا کچھ کرنے کے بعد فخر نہیں کرتے' اکڑتے نہیں کہ بڑے بزرگ ہو گئے یا ہم نے تو بڑا تیر مارا ہے۔ پھر یہ سارا کچھ کر کے يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ۔ پھر میدان حشر سے لرزاں اور ترساں ہیں کہ اللہ تیرے احسانات زیادہ ہیں' میرے اذکار بہت کم ہیں' تیرے احسانات کی کوئی حد نہیں' جتنی مجھ میں استطاعت ہے' جتنا کچھ میرے اندر خلوص ہے' جتنا کچھ خشوع و خضوع ہے میری عبادات میں' جتنی مجھ میں طاقت ہے' کہاں تیری بارگاہ کی عظمت' کہاں میرے یہ بے کیف سجدے' کہاں تیرے نام نامی کی عظمتیں اور بلندیاں' کہاں میرا یہ بے ذوق سا ذکر۔ کجا تو کجا میں۔ بڑے فاصلے ہیں۔ میں تو کچھ بھی نہیں کر سکا۔

مفسرین نے ایک عجیب واقعہ لکھا۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا وہ آبادی چھوڑ کر ایک چھوٹے سے ٹاپو پہ چلا گیا۔ گرداگرد سمندر تھا۔ ٹاپو پر تھوڑی سی زمین تھی' جس میں ایک پہاڑی تھی۔ جو سطح سمندر سے اوپر ابھری ہوئی تھی۔ وہ کسی تختے' کسی کشتی پر بیٹھ کر وہاں جا اترا اور پھر ساری زندگی وہیں رہا جہاں اس نے چار سو برس کی

طویل عمر بسر کی۔ اس زمانے میں عمریں بہت طویل ہوتی تھیں۔ چار سو برس تک اس نے کسی انسان کو نہیں دیکھا' کسی سے بات نہیں کی' نہ کسی کا وہاں سے گزر ہوا۔ اور سوائے یاد الٰہی کے اور سوائے رکوع و سجود کے کوئی اور کام نہ کرتا تھا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رب جلیل نے اس کے لئے پانی کا ایک چشمہ پیدا فرما دیا۔ وہی اس کا کھانا پینا تھا اور چار سو سال مسلسل اس نے وہیں یاد الٰہی اور عبادت میں بسر کیے۔ حتیٰ کہ جب اس کی موت کا وقت آیا تو اسے ہاتف نے آواز دے کر کہا کہ تیری زندگی کا انجام قریب ہے۔ اگر تو کچھ خواہش یا آرزو رکھتا ہو تو رب جلیل فرماتے ہیں کہ دعا کرو' تو اس نے دعا کی: بار الٰہا میں موت سے بھاگنا تو نہیں چاہتا لیکن میری آرزو یہ ہے کہ میں سجدے میں جاؤں تو ملک الموت میری روح قبض کرے اور حشر کو میں اٹھوں تو میرا وجود اسی سجدے سے اٹھایا جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی۔ بلکہ ایک شرح میں میری نظر سے گذرا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل امین علیہ السلام بتاتا ہے کہ میں اب بھی آپ ﷺ کی زیارت کو آؤں تو آسمان سے آتے جاتے اس پر میری نگاہ پڑتی ہے۔ اس کا وجود نہ خراب ہوا' نہ فرسودہ' نہ کوئی اور وہاں پہنچا۔ اللہ نے اس کی ایسی حفاظت فرمائی کہ وہ اب بھی سجدے میں پڑا ہے۔

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میدان حشر میں مخلوق حساب کے لئے پیش ہو گی تو وہ بندہ بھی حاضر ہو گا اور اللہ کا حکم ہو گا کہ میرے اس بندے کو میری رحمت سے' میری بخشش سے' جنت میں داخل کر دو۔ اُدْخِلُوا عَبْدِی جَنَّتِی بِرَحْمَتِی۔ اس طرح کے الفاظ ہیں مجھے اب صحیح یاد نہیں۔ اللہ معاف فرمائے۔ مفہوم یہی ہے کہ میری رحمت سے میرے بندے کو جنت میں داخل کر دیا جائے۔ تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس وقت وہ کہے گا یااللہ تیری رحمت کی تو کوئی انتہا نہیں۔ لیکن کچھ ٹکریں تو میں نے بھی ماری تھیں۔ میں کسی انسان سے نہیں ملا' گھر بار' والدین چھوڑے' کاروبار زندگی چھوڑا' آبادیاں چھوڑ دیں'

میں نے انسانوں سے ملنا ہی چھوڑ دیا' جب میں کسی سے ملا ہی نہیں تو گناہ کا تصور ہی ہی کہاں؟ پھر میں صرف خطا سے الگ نہیں رہا بلکہ چار صدیاں بیت گئیں' تیرے سجدے کرتے' تیری رحمت کی تو کوئی انتہا نہیں' لیکن اس جلاوطنی اور ترک وطن کی' ترک دنیا کی' اس کی بھی تو کوئی قیمت ہو۔ تو آپ ﷺ فرماتے ہیں اللہ فرمائے گا۔

بے شک اس کی بہت بڑی قیمت ہے۔ حکم ہو گا اس کا حساب کرو اور میری نعمتیں بھی گن لو اور اس کی عبادتیں بھی گن لو۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ صرف آنکھ کی قیمت پوری نہیں ہو گی۔ عنداللہ جو معیار ہے جتنی اس کی قیمت ہے یا جتنا اس نے چار سو سالہ زندگی میں آنکھ کی بینائی کو استعمال کیا اتنی وہ عبادت نہیں کر سکا۔ باقی نعمتیں تو بچ گئیں۔ حکم ہو گا کہ یہ عدل کا طالب ہے اب اسے جہنم بھیج دو جب تک تمام نعمتوں کے عوض جتنی عبادت ہونی چاہئے اس کی وہ کمی پوری نہیں ہوتی تب تک جہنم میں رہے گا۔ اس وقت وہ چیخ کر کہے گا یااللہ مجھ سے بھول ہو گئی تو میری اس ایک بھول کو معاف کر ہی دے۔ میری یہ خطا تو معاف فرما۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر ارشاد ہو گا کہ اس کی پسند پر ہے عدل چاہتا ہے تو اسے جہنم میں لے جاؤ۔ ہاں اگر رحمت کا طالب ہے تو وہ اس کے لئے وافر ہے اسے جنت بھیج دو۔

یعنی اگر ہم عبادت بھی کریں' ذکر بھی کریں' مراقبات بھی کریں تو جو اللہ کی نعمتیں استعمال کرتے ہیں وہ کہاں گئیں۔ ہم سے جو گناہ ہوتے ہیں ان کی وہ ستر پوشی ہی کر لیتا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ہمارا بھرم قائم رکھتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا' کہ کوئی بھی شخص جو کچھ دن بھر اس کے منہ سے دانستہ یا نادانستہ نکلتا ہے اگر وہ لکھنا شروع کر دے' تو شاید شام کو وہ خود بھی ساری ڈائری پڑھنا پسند نہ کرے۔ چہ جائیکہ ہر لفظ اللہ کے حضور پیش کیا جائے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ جو لفظ تمہارے ہونٹوں سے نکلتا ہے وہ لکھ لیا جاتا ہے۔

تو اللہ فرماتے ہیں میرے وہ بندے مرد ہیں جنہیں تجارت کاروبار حیات اللہ کے ذکر سے نہیں روکتا۔ نہ اللہ کی عبادات سے روکتا ہے اور کاروبار حیات بھی اللہ کے حکم اور نبی ﷺ کی سنت کے مطابق کرتے ہیں۔ عبادات بھی دوسروں سے بڑھ کر کرتے ہیں۔ ذکر اذکار بھی کرتے ہیں اور پھر میرے بندوں کی شان یہ ہے کہ

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ۔ اسی دن سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں جب دل الٹ جائیں گے' نگاہیں پھر جائیں گی' ہیبت سے قلوب الٹ پلٹ جائیں گے' نگاہیں پتھرا جائیں گی' لیکن فرماتا ہے' میری شان یہ ہے' کہ وہ عظیم تر دن جو انسانوں کے جگر پارہ پارہ کر دے گا' جو ان کے دلوں کو الٹ پلٹ کر دے گا' جو ان کی نگاہوں کو پتھرا کر رکھ دے گا ان بندوں کے لئے وہ انعام کا دن ہو گا۔

لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا۔ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس سے کروڑوں گنا بہترین بدلہ دینے کا دن ہو گا۔ ایک ہی میدان میں' ایک ہی وقت میں دو حال ہوں گے۔ کہ کچھ مخلوق عذاب الٰہی میں' کچھ مخلوق غضب الٰہی کی زد میں' اپنے اعمال کی اس شدت کی زد میں تڑپ رہی ہو گی۔ وہیں کچھ لوگ بڑے مزے سے رحمت الٰہی کے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔ فرمایا میں نے تو یہ دن لِیَجْزِیَهُمْ ان کو انعام دینے کی خاطر تو قیامت کا اہتمام کیا ہے۔ یہ "ل" "ھم" بتاتا ہے کہ قیامت کیوں قائم کی۔ لِیَجْزِیَهُمْ انہیں انعام دینے کے لئے' کیسی عجیب بات ہے' کیسا عجیب بے نیاز ہے۔ انسان کتنا بے وقوف ہے اور کتنا اکڑ لے گا' کتنا بڑا آدمی یہ بن لے گا۔ آخر کو محتاج ہے۔ اس پر کتنے زمانے آتے ہیں' کتنے بیتتے ہیں' جوانی بڑھاپا' صحت بیماری' فراخی تنگی' اپنی حیثیت کو کیوں نہیں سمجھتا' انسان کو تو اپنا آپ سمجھنے کے لئے نیند کا ایک جھونکا کافی ہے' جو اسے بے حس کر کے گرا دیتا ہے' کچھ نہیں چھوڑتا' صرف نیند انسان کو اس کی اصل بتانے کے لئے کافی ہے' کہ تم بیدار کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہو اور ہتھیار

پھینک دیتے ہو' گر جاتے ہو' تمہیں ہوش نہیں ہوتی' کہ کہاں پڑا ہوں۔

تو فرمایا: وہ دن تو اتنا سخت ہے کہ لوگوں کے دل پھٹ جائیں گے۔ جگر پاش پاش ہو جائیں گے۔ آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ میرے بندے اس سے بھی ڈرتے تو رہتے ہیں لیکن میرے حبیب ﷺ انہیں یہ بھی بتا دے' یہ قیامت کا اہتمام تو تمہارے انعامات کے لئے ہے' تمہیں نوازنے کے لئے ہے۔ جو عمل تم نے کئے تھے' ان سے کروڑوں گنا بڑھا چڑھا کر بدلہ دوں گا اور بدلہ دینے کے بعد پھر میں اپنی طرف سے دوں گا۔

وَیَزِیْدُھُمْ مِنْ فَضْلِہٖ میں اپنی مہربانی اپنی عطا اپنی طرف سے جو دوں گا' جو بدلہ دوں گا' وہ کروڑوں گنا بہتر ہو گا' اور تمہارے اعمال کا بدلہ اس کی نسبت سے ملٹی پلائی کیا جائے گا اور جو میں اپنی طرف سے دوں گا' وہ میری شان کے مطابق ہو گا۔ اس لئے دونوں کو الگ الگ ارشاد فرمایا۔

لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ تاکہ اللہ انہیں اس سے بہترین بدلہ دے۔ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا جو انہوں نے عمل کئے' پھر داؤ لگا کر فرمایا' اس کے ساتھ کچھ اور بھی۔ و یزیدھم من فضلہ جیسے امراء کے ہاں ہر چیز کا حساب رہتا ہے۔ کھانے پینے کا بھی۔ مال اسباب کا بھی۔ ایک بڑھیا ایک صوفی کے پاس سوال لے کر آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا کٹورا تھا کہ میرا بیٹا بیمار ہے' مجھے تھوڑا سا شہد چاہئے۔ خریدنے کی سکت نہیں ہے' آپ کے دستر خوان پر تو بڑا ہوتا ہے' تو تھوڑا سا مجھے عطا فرما دیجئے۔ آپ نے اس خاتون کی طرف دیکھا' تو شہد مشکیزوں میں رکھا جاتا تھا' جو نو عمر بکری کے چمڑوں سے بناتے تھے آج کل بھی عرب میں اسی میں رکھتے ہیں۔ وہ چمڑے کا مشکیزہ بنا کر اسے بھر کے لٹکا دیتے ہیں۔ تو اس میں بیس پچیس سیر شہد آ جاتا ہے۔ تو آپ نے خادم کی طرف دیکھا اور فرمایا: اس بڑھیا کو دے دو۔ وہ لے کر دعائیں دیتی چلی گئی۔ لیکن یہ عموماً" منشی یا خادم محتاط قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ جن کی اپنی ایک ذمہ داری ہوتی ہے۔ بڑھیا چلی گئی تو اس سے نہ رہا گیا۔ کہنے لگا حضرت اس نے تو آدھ پاؤ مانگا' اس کے پاس

پیالی تھی، اس میں دینا چاہئے تھا۔ آپ نے پورا مشکیزہ ہی دے دیا تو فرمایا کہ مجھے اللہ سے حیا آتی ہے۔ اسے اللہ نے رزق ہی اتنا دیا ہے، اس کی سوچ ہی اتنی ہے۔ وہ اپنے حوصلے کے مطابق مانگ رہی تھی۔ میں بھی اتنا ہی دیتا تو شاید اللہ فرماتا کہ تجھے میں نے کتنا رزق دیا ہے۔ تو اپنی حیثیت کے مطابق دیتا۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ اس مسکین کی حیثیت کے مطابق دیا۔ میں مشکیزہ دے سکتا تھا۔ میرے پاس کئی مشکیزے پڑے ہیں اور مجھے اللہ سے حیا آئی کہ مجھے اس کی حیثیت کے مطابق نہیں اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہئے۔ یہ حال اللہ کے بندوں کا ہے۔

ذکر و قرب الٰہی

جب وہ فرماتا ہے کہ میں دوں گا اور اپنی شان کے مطابق دوں گا تو اس کی انتہا کہاں ہو سکتی ہے یعنی سارے اعمال کو کتنا ملٹی پلائی کر لیں تو اس کی ایک حد ہے تو جتنی دفعہ ضرب دے لو پھر بھی ایک حد تو آئے گی لیکن جو اس کی عطا ہے اس کی حدیں نہیں ہیں۔

اور فرمایا میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ اللہ جب کسی کو عطا فرماتا ہے تو وہ بے حساب عطا فرماتا ہے پھر وہ لکھا نہیں کرتا، اندازے نہیں کرتا، اس کی عطا کی حدیں نہیں ہوتیں، بے حساب عطا فرماتا ہے۔

اس کی سب سے بڑی عطا یہ ہے کہ انسان کو، اس محتاج کو، اس مشت غبار کو وہ اپنی ذات کی، اپنے جمال کی، اپنے قرب کی طلب دے دیتا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جو اس کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ۔ جب اس کی طرف سے عطا ہوتی ہے تو جواب میں انسان کے دل میں طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ خود اپنی عطا سے، اپنے کرم سے مجبور کر دیتا ہے۔ یہ ذکر کی لذت ہوتی ہے۔ وہ تمنا، وہ آرزو، وہ نہیں قلب کی گہرائی سے شعلہ فروزاں

دیتا ہے اور سارے اعمال ثواب تو پاتے ہیں مگر کیفیات نہیں۔ کیونکہ کیفیات کو پانے کے لئے سارے اعمال پھر ذکر کے محتاج ہیں۔ مثلاً" خشوع و خضوع ایک کیفیت ہے۔ ہر فعل میں خشوع و خضوع کی ضرورت ہے۔ لیکن کیفیات نرے اعمال سے پیدا نہیں ہوں گی ذکر کرنے سے پیدا ہوں گی۔

محققین فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بھی عمل ریاکارانہ طور پر کیا جائے تو ریا عمل کو کھا جاتی ہے۔ لیکن ذکر الٰہی ریاکاری سے شروع کر دو' مسلسل کرتے رہو تو خلوص پیدا ہو جائے گا یعنی لوگوں کو دکھانے کے لئے ذکر کرنا شروع کر دے' کرتا رہے' تو ذکر کی برکات اسے لوگوں سے اٹھا کر اللہ کو در تک لے جائیں گی۔ جیسے صابن کا کام میل کاٹنا ہے۔ طریقے سے لگاؤ' تو شاید تھوڑی محنت سے زیادہ میل کٹ جائے لیکن اگر اندھا دھند بھی ملتے رہو تو میل تو کاٹے گا ہی زیادہ وقت لگ جائے گا' زیادہ دیر لگ جائے گی' زیادہ محنت لگ جائے گی' زیادہ صابن خرچ ہو جائے گا لیکن اس کی ہر رگڑ میل کو تو کاٹتی ہی رہے گی۔

ذکر قلبی

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَ صِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللهِ۔ کہ ہر چیز کی پالش اور نکل ہوتی ہے جس سے ہر چیز کو صاف کیا جاتا ہے۔ دلوں کی پالش' دلوں کی صیقل' دلوں کو چمکانے والی چیز کا نام اللہ کا ذکر ہے۔ اس لئے اگر تعلیم کتاب و حکمت کی بات قرآن میں آئی تو پہلے تزکیہ کے متعلق ارشاد فرمایا۔ عبادات کی بات آئی' صلوۃ اور زکوۃ کی بات آئی تو پہلے ذکر کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ عبادات محتاج ہیں' خشوع و خضوع کی جو ایک کیفیت ہے۔ جو بنائے نہیں بنتی۔ اندر وارد ہوتی ہے۔ اب بنانے سے نہ خوشی بنتی ہے' نہ بنانے سے غصہ بنتا ہے' نہ بنانے سے دکھ بنتا ہے۔ ایک لمحہ ایسا آتا ہے کہ ہم بیٹھے بیٹھے بھڑک اٹھتے ہیں' غصہ آ جاتا ہے۔ ایک لمحہ ایسا آتا ہے کہ ہم بیٹھے بیٹھے خوش ہو جاتے ہیں' اداس بیٹھے تھے' رو رہے تھے' ہنسنے لگتے ہیں۔

یہ کیفیات ہوتی ہیں جو بتانے سے نہیں بنتیں۔ یہ کسی سبب سے' کسی وجہ سے وارد ہو جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح خشوع و خضوع کی کیفیت یا طلب الٰہی کی کیفیت یا خلوص کی کیفیت مسلسل ذکر کرنے سے وارد ہوتی ہے۔

صحبتِ شیخ

یہ بڑی عجیب بات ہے اسے خوب اچھی طرح نوٹ کر لیجئے۔ یہ میں محض اپنی بات نہیں کہہ رہا یہ محققین کے تجربات کا نچوڑ اور ماحاصل ہے کہ اگر ذکر الٰہی اور صحبت شیخ نصیب نہ ہو تو آدمی دین بھی پڑھتا ہے تب بھی علم اس میں تکبر ہی پیدا کرتا ہے۔ تذلل عطا نہیں کرتا یعنی زیادہ پڑھ کر' زیادہ عبادت کر کے' زیادہ تقریریں کر کے' زیادہ وعظ کر کے اس میں اکڑ ہی آتی ہے اور وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ علم ظاہر کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ آدمی کو کہتا ہے کہ اب تم بھی کچھ بن گئے ہو۔ اس کی ہر سند اسے یہ احساس دلاتی ہے' اس کا ایک درجے سے دوسرے درجے میں جانا اسے یہ باور کراتا ہے' اس کا ایک عام آدمی سے نکل کر منبر پر بیٹھنا' ساری باتیں اسے یہ یقین دلاتی رہتی ہیں کہ تم اب کچھ ہو لیکن جب ذکر کی کیفیات وارد ہوتی ہیں تو یہ بتاتی ہیں تم نہیں ہو بڑا کوئی اور ہے۔

ایک پرانے عالم ہوتے تھے لوگ انہیں مولوی قطبی کہتے تھے۔ بڑے دلچسپ آدمی تھے۔ پنجابی میں تقریر کیا کرتے تھے۔ یہ تقسیم ملک سے پہلے کی بات ہے۔ تو ان کی بڑی شہرت تھی۔ تقریر کے لئے بڑا پانچ چھ گز مربع سٹیج بنواتے تھے۔ سٹیج کے گردا گرد مخلوق جمع ہو جاتی تھی۔ اس سٹیج پر سوٹا ہاتھ میں لئے چلتے پھرتے ہر طرف منہ کر کے پنجابی میں تقریر کیا کرتے تھے۔ پنجابی کے رسیلے شعر پڑھا کرتے تھے۔ مجھے وہ ان کا افتتاحیہ شعر ابھی تک یاد ہے وہ ہر تقریر کا افتتاح اس شعر سے کرتے:

بل بل جاواں گھول گھماواں میں مدین دے ماہی توں

اس دے در دی بھیک چنگے کل دنیا دی شاہی توں

بڑی لے اور بڑے جھوم جھوم کر یہ ان کی ابتداء ہوتی تھی۔ اس کے بعد خطبہ پڑھتے۔ پھر تقریر شروع کرنے سے پہلے پنجابی کا یہ شعر بڑے مزے سے دہرایا کرتے تھے۔ انہیں قطبی اس لئے کہتے تھے کہ مدرسہ میں طالب علم تھے اور قطبی منطق کا رسالہ ہے جو طلبہ آخری جماعتوں میں پڑھتے ہیں اس پر ان کا سبق ہوتا تھا۔ رمضان کا مہینہ آگیا' تو طالب علموں کی' حافظوں کی' مدرسے سے تراویح پڑھانے کے لئے مختلف مساجد میں ڈیوٹی لگائی جاتی تھی۔ انہیں وہ سبق بھی یاد کرنا ہوتا تھا کیونکہ استاد بھی بڑے سخت گیر تھے۔ وہ پھر سوٹا لے کر سبق سنتے تھے۔ تو مولانا قطبی ایسا کرتے تھے کہ نماز تراویح میں ولاالضالین اٰمین کہہ کر اپنا قطبی کا سبق شروع کر دیتے تھے۔ جو بے چارے پیچھے کھڑے ہوتے وہ کھڑے سنتے رہتے۔ انہیں کیا پتہ کہ عربی تو پڑھ رہے ہیں۔ قرآن ہی پڑھ رہے ہوں گے۔ تو وہ ان بیس رکعتوں میں تین چار بار وہ اپنے تین چار صفحے زبانی دہرا لیتے تھے۔ جو صبح استاد کو سنانا ہوتا تھا۔

ایک دن ان کی شامت آئی اس محلے کا کوئی آدمی بیمار ہو گیا۔ تو ان کے استاد جو مدرسے کے صدر معلم تھے اور بزرگ آدمی تھے انہیں ہمراہ لے کر اس مریض کو دکھانے کے لئے گیا۔ جب وہ وہاں سے دیر سے فارغ ہوئے تو اس احتمال سے کہ مدرسے کی تراویح مجھ سے چھوٹ جائے گی اس مسجد میں چلے آئے جہاں مولوی قطبی تراویح پڑھتا تھا۔ لوگ بھی سادہ ہوتے تھے' کوئی اہتمام نہیں ہوتا تھا کہ شاگردوں کی ایک فوج ساتھ ہو کوئی چغہ و قبا نہیں ہوتی تھی۔ بالکل عام آدمی کی طرح لوگ رہتے تھے۔ یہ تماشے تو اب بن گئے ہیں۔ وہ باہر سے آئے اور پیچھے آکر نماز میں شامل ہو گئے۔ مولوی قطبی فرض پڑھا رہے تھے۔ نماز کھڑی تھی وہ کہیں باہر صحن میں پچھلی صف میں آکر کھڑے ہو گئے۔ چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہوتی تھیں۔ جن میں عموماً" تارے میرے کے تیل سے جلنے والا دیا ہوتا تھا۔

تو جب انہوں نے تراویح شروع کی تو پہلی ہی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد اپنا قطبی کا سبق شروع کر دیا تو ان کے استاد نے وہاں سے ہی صلواتیں سنانا شروع کر دیں اور سوٹا لے کر اس کی طرف لپکے کہ بے ایمان سب کی نمازیں خراب کر رہا ہے۔ اس نے آواز سنی تو نماز چھوڑ کر بھاگ گیا۔ وہ آگے آگے اور مولانا پیچھے پیچھے۔ نمازی کھڑے پریشان کہ یہ سب کیا ہوا پھر آپ نے فرمایا کہ سارا رمضان دہراؤ کہ تمہاری یہ تراویح ضائع ہو گئی۔ بجائے قرآن کے قطبی پڑھتا رہا۔ اللہ انہیں جنت نصیب کرے۔ وہ بڑے عمر رسیدہ ہو کر فوت ہوئے۔ بہت نیک آدمی تھے۔ لیکن اصل نام کوئی نہیں جانتا تھا انہیں مولانا قطبی کہتے تھے۔

یہاں نور پور کے ساتھ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ ایک دفعہ وہاں ایک جلسہ تھا جس میں کسی نے کہہ دیا کہ یہاں ایک شیعہ ذاکر و مقرر آیا تھا اس نے تقریر کی اور کہا کہ جسے تم امام اعظم کہتے ہو وہ تو کوفے کا قصائی تھا۔ آپ اپنی تقریر میں اس بات کا جواب دیں تو انہوں نے بڑی مزے دار بات کی۔ فرمانے لگے۔ دیکھو بکرا پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک صرف "میں" کہتا ہے اس کا مزاج' اس کی بولی' اس کی آواز بھوکا ہو تو بھی "میں" کہہ کر چلاتا ہے۔ پیاسا ہو تو بھی "میں" کہتا ہے پیٹ بھرا ہوا ہو' تب بھی "میں" کہہ کر ڈکراتا ہے۔ پکڑو تو بھی "میں میں" کرتا ہے۔ چھوڑو تو بھی ہمیشہ "میں ہی میں" کا راگ الاپتا ہے۔ لیکن جب یہ قصاب کے ہاتھ چڑھتا ہے تو وہ اس کی گردن پر چھری پھیرتا ہے اور اس سے سارا تکبر کا خون نکالتا ہے پھر اس کا وہ گوشت' تزین و آرائش' جس پر اسے فخر تھا اس سے علیحدہ کرتا ہے پھر اس کی انتڑیاں نکالتا ہے۔ ان کا پھر گودا بنتا ہے پھر اسے وٹ دے دے کر خشک کر کے اس کے ساتھ محنت کر کے' اس کی تانت بناتا ہے۔ پھر وہ "میں" جاتی ہے۔ کسی کارخانے میں' کسی روئی کے پینجے پر چڑھتی ہے پھر جب اس تند پر بیٹ مارتا ہے تب وہ کہتی ہے "توں توں" ساری زندگی "میں" کہتا رہا یہ قصاب کا احسان تھا کہ اسے "توں" یاد آیا۔

کہنے لگا امام ابو حنیفہؒ ایسا ہی قصاب ہے کہ کروڑوں "میں میں" میں پھنسے ہوئے انسانوں کو "توں توں" سے آشنا کر دیا۔ تو اگر یہ شخص نہ ہوتا تو ہم ساری زندگی "میں" ہی میں کہتے رہتے۔ اس کا امت پر اتنا احسان ہے کہ کروڑوں انسانوں کو اس نے "توں" سے آشنا کر دیا۔ اور جسے پوچھو وہ کہتا ہے "توں" ہے اگر اس طرح سے سوچو تو میں بھی تم سے متفق ہوں کہ وہ قصاب تھے۔

آج کسی عالم کے سامنے یہ سوال رکھو تو وہ اپنے جواب میں دس طرح کی پیچیدگیاں پیدا کر دیتا ہے۔ دس طرح کے اعتراض لگاتا ہے۔ کیسے عجیب لوگ تھے کہ کتنی تلخ بات کو کس شیریں انداز سے میں لیا کیسے عجیب لوگ تھے کہ کسی نے نفرت سے اعتراض کیا لیکن اگر وہ بھی سوچے تو ان کے جواب کا قائل ہو جائے۔ اسے یہ نہیں کہا تو ایسا' تیرا باپ ایسا' تیرا استاد ایسا' یا تم چمار ہو۔ کہا نہیں میں بھی آپ سے متفق ہوں۔ اگر اس معنے میں سمجھو تو وہ بہت بڑا قصاب تھا۔ کروڑوں انسانوں کو اس نے محنت کر کے مجاہدہ کر کے فقہ مرتب کر کے توں سے آشنا کر دیا۔

تو یہ حال کیفیات کا ہوتا ہے۔ جب ذکر کی برکت سے یا شیخ کی توجہ سے یا صالحین کی صحبت سے یہ کیفیات دل میں آتی ہیں تو "میں" سے بات بڑھ کر "توں" پر چلی جاتی ہے۔ لیکن اگر علم ظاہر بغیر ذکر کے' بغیر صحبت شیخ کے' بغیر توجہ کے نصیب ہو تو الاماشاء اللہ' ضروری نہیں۔ مستثنیات تو ہر جگہ ہیں۔ لیکن اکثر یہ ہوتا ہے کہ طالب علم پڑھ پڑھ کر خود ہی بڑا آدمی بن جاتا ہے۔ خود کو بھی بہت کچھ سمجھنے لگتا ہے۔ اس لئے پہلے جتنے علماء تھے' ان کی سوانح اگر آپ دیکھیں تو یہ بات آپ کو ملے گی کہ فلاں مدرسے سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اتنا عرصہ فلاں بزرگ کی صحبت میں رہے یعنی سب کا یہی حال ہے۔ یہ تو اب رواج ہو گیا ہے کہ پہلے تو کوئی مدرسوں میں تکمیل نہیں کرتا' دو چار تقریریں کرنے کا ڈھنگ آ گیا' بھاگ گئے اور پھر ذکر کی تردید کرتے ہیں اور یہ بڑی بدنصیبی ہے۔

برکات اہل اللہ

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ سے اگر فائدہ حاصل نہ کر سکو تو ان کی تکذیب اور تردید کا جرم نہ کرو کہ دنیا میں جو اللہ کے بندے ہوتے ہیں ان کے وجود سے وابستہ برکات غیر شعوری طور پر بھی لوگوں کو ملتی رہتی ہیں۔ ہم ظاہری اسباب تلاش کرتے رہتے ہیں اور وہ ہمیں نہیں ملتے۔ میں آپ کے لئے ایک چھوٹی سی بات کی طرف اشارہ کرتا چلوں من جانب اللہ جب کچھ لوگ مقرر ہوتے ہیں تو ان کے وجود کے ساتھ عجیب و غریب برکات وابستہ ہوتی جاتی ہیں۔

جیسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جب قیامت قائم ہو گی تو جتنے اولیاء اللہ کے مناصب ہیں یہ مجاذیب کو دے دیئے جائیں گے۔ جنہیں اپنا ہوش نہیں ہوتا۔ ان میں کوئی غوث ہو گا' کوئی قطب ہو گا' کوئی کچھ ہو گا' کوئی کچھ ہو گا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ سب کو تباہ کر دیں گے۔ یہ جو مناصب اہل اللہ کے بدلتے ہیں بعض لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں تو اب آپ دیکھ لیں کہ۔

اس زمانے میں کسی ایسے شخص کو عظمت نصیب ہوئی ہے کہ پوری دنیا پر غیر شعوری طور پر ہر مسلمان اٹھ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ اب وہ نہیں جانتا وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ اگر کشمیری میں ہمت آ گئی تو پچاس سال پہلے بھی تو یہی کشمیری تھا۔ اگر روس کی مسلمان ریاستیں دین کا نعرہ لے کر کھڑے ہو گئے ہیں تو پچھتر سال پہلے بھی تو وہ یہی تھے۔ ایک دو دن تو نہیں' پچھتر سال ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کبھی اف نہیں کی۔ اور صرف یہ نہیں آپ اس ملک میں باہر روئے زمین پر جہاں دیکھیں تو بڑے سے بڑا بدکار سے جاہل سے جاہل مسلمان بھی واپسی کی سوچ رہا ہے۔ یعنی غیر شعوری طور پر ہر قلب و نظر میں دین کی طرف جانے کی تڑپ پیدا ہو گئی ہے اور یہ وہ اثرات ہوتے ہیں جو اہل اللہ سے مرتب ہوتے ہیں اور لوگ یہ نہیں جانتے' ہمارے علم میں نہیں ہے' وہ آدمی کون

ہے؟ وہ کہاں ہے؟ وہ کیسا ہے؟ لیکن یہ اثرات دیکھ کر سمجھ آتی ہے کہ کوئی بہت ہی بڑا انسان ہے' اللہ نے کسی کو بہت ہی بڑی عظمت دی ہے کہ غائبانہ طور پر بھی جس کی جرات و ہمت میں اتنا اثر ہے کہ پوری دنیا حیرت میں ہے کہ یہ عجیب بات ہے۔ یہ ایک دم سے کیسے ہو گیا؟ یعنی کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ روس کی حکومت اپنا سارا فوجی زور صرف کر دے اور وہ ریاستیں کہیں کہ ہم نہیں مانتے اور عجیب بات ہے انہیں کلمہ نہیں آتا' نماز نہیں آتی' اذان نہیں آتی' نمازیں چھوڑے ہوئے تیسری پشت جا رہی ہے اور حکماً" مساجد بند تھیں۔ اذان بند تھی' لیکن وہ کہتے ہیں' ہم اپنی اسلامی ریاست بنائیں گے۔ ہم اسلام سیکھیں گے۔ ہم اسلامی ریاست بنائیں گے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے۔

اہل اللہ کی تردید کے نقصانات

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر اہل اللہ کی تردید شروع کر دی جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غائبانہ پہنچنے والی برکات سے بھی آدمی محروم ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر استفادہ نہ کر سکے' ان کی مجالس میں نہ جا سکے تو تردید نہ کرے کہ تردید کرنے سے وہ برکات جو غائبانہ پہنچتی ہیں ان سے بھی انسان محروم ہو جاتا ہے اور پھر فرماتے ہیں اہل اللہ کا انکار کفر نہیں ہے۔ لیکن کرنے والے عموماً" کفر ہی پر مرتے ہیں' یہ بجائے خود کفر نہیں ہے لیکن جب اہل اللہ کی برکات سے کوئی شخص محروم ہو جائے' تو وہ گناہ کرتے کرتے اس حد پر چلا جاتا ہے کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے۔

لیکن یاد رکھو نہ ہر دیوانہ اور نہ ہر بے سروپا ہانکنے والا ہر مداری ولی اللہ ہوتا ہے بلکہ اہل اللہ کی حدود اللہ نے خود بیان فرما دیں' کہ میرے بندے کاروبار حیات میں بھی سرگرم عمل ہوتے ہیں۔ عبادات میں بھی سرگرم عمل ہوتے ہیں اور اس کے بعد میرے ذکر اذکار میں اور میری طلب میں بھی ایک دنیا کو جذب عطا کرتے ہیں اور یہ سارا کرنے کے بعد پھر ان میں اکڑ پیدا نہیں ہوتی

پھر بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ اللہ ہم نے جو بھی کیا' پھر بھی وہ تو تیری عطا سے کیا۔ اس میں ہمارا کیا ہے' ہم اپنے پلے سے کیا لائے۔

جان دی' دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اگر جان بھی دے دی' تو گھر سے کیا دیا۔ عبادات بھی کیں' اذکار بھی کئے' مراقبے بھی کئے تقریریں بھی کیں' اپنا اس میں کیا دیا یہ بھی تو تیرا ہی دیا ہوا تھا۔

تو ہمہ وقت اس کی رحمت' اس کی بخشش' اس کی عطا کے امیدوار بھی رہتے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں دین کی سمجھ اور اس کے شعور کے ساتھ توفیق عمل بھی بخشے' ہمارے بے پناہ گناہوں سے ہمیں امان بخشے' معاف فرمائے۔ ہماری مالائقیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور دنیا اور آخرت کی رسوائی سے پناہ عطا فرمائے۔ آزمائش و امتحانوں میں نہ ڈالے۔ ہم کمزور ہیں' وہ کریم ہے۔ زمانہ بہت سخت ہے' اللہ ہمیں اس سے اپنی حفظ و امان میں رکھے اور دار دنیا سے اپنی حفظ و امان میں لے جائے۔

☆ ☆ ☆

ذکرِ قلب

اللہ کے ساتھ تعلق

فرعون اور آل فرعون کی حکمرانی میں بنی اسرائیل یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس طاقت سے ہم کبھی جان چھڑا سکتے ہیں ٹکر لینا تو دور کی بات ہے۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ ہم کہیں بھاگ کر بھی اس سے دور جا سکتے ہیں۔ رب کریم نے ان پر یہ احسان فرمایا کہ فرعون اور اس کے سارے لاؤ لشکر کو ان کے سامنے غرق دریا کر دیا اور پورا ملک ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ پوری سلطنت ان کے قدموں میں ڈال دی۔ اللہ کے نزدیک ان کی مقبول ہونے کی یہ بہت بڑی دلیل تھی۔ اللہ نے ان پر بہت بڑا رحم فرمایا' لیکن اللہ کے ساتھ جو رشتہ ہے' اس میں تسلسل اور دوام چاہیے۔ اب اس ایک بات کو وہ لے کر بیٹھ گئے اور آگے جہاں انہوں نے ایک شعبدہ دیکھا' ایک بچھڑا دیکھا' اسے سجدہ کر لیا۔ تو وہ جو پہلا تعلق تھا وہ وہاں کام نہیں آیا اور پھر ان کو سزا ہوئی۔

اب بندہ اس میں نہ رہے۔ کہ میں نے اللہ کو یاد کیا تھا' دعا کی تھی' اللہ نے مجھ پر بڑا احسان کیا تھا میں اللہ کا بہت مقبول بندہ ہوں۔ جب احسان زیادہ تھا تو اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اطاعت بھی زیادہ ہوتی۔ تو جب کوئی عملی زندگی میں جہاں سے بھی وہ قانون توڑے گا وہیں سے اس پر گرفت آ جائے گی۔ جیسے کوئی کہے کہ جس نے تیس پارے یاد کر لئے اس کی کئی پشتیں بخشی گئیں۔ بخشی تو گئیں لیکن اس پر ذمہ داری بھی تو آ گئی کہ اللہ نے اسے اتنا نور دیا ہے کہ تیس پارے اس کے سینے میں محفوظ ہیں۔ اب کام کرتے وقت اسے بھی یہ ظاہر

کرتا ہو گا کہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے۔ اس لئے میں اتنی زیادہ اس کی اطاعت کر رہا ہوں۔ اگر نہیں کرے گا تو شاید اس کی نسبت اس سے زیادہ سخت جواب طلبی ہو جس نے قرآن حفظ نہیں کیا۔ اس سے شاید کم ہو اور حافظ سے زیادہ ہو۔ ایک نہیں سمجھتا۔ ایک سمجھتا تھا اور سمجھ کر اس نے چھوڑ دیا تو اس سے سوال دوسری صورت کا ہو گا۔

توفیق ذکر اور قلبی حالت

پھر اللہ کریم فرماتے ہیں۔ وَقَدْ اٰتَیْنٰکَ مِنْ لَّدُنَّا ذِکْرًا۔ کہ ایک بہت بڑی خصوصیت جو ہم نے اے مخاطب تجھے دی ہے۔ وہ یہ ہے کہ تجھے دلائل دیئے ہیں یا تجھے راستہ سکھایا ہے یا تجھے کام کرنے یا نہ کرنے کا انداز بتایا ہے بلکہ تمہیں اپنی ذات کے ساتھ وہ رشتہ بھی دے دیا ہے جو سب خواہشات کو ہی بدل دیتا ہے۔ ہر خواہش و آرزو دل کی گہرائی سے جنم لیتی ہے۔ دماغ سارا فزیکل سٹرکچر کو سمجھتا ہے۔ اس کی ضرورتوں کو' اس کے فائدے کو' اس کے نقصان کو لیکن جسم پر حکومت دل ہی کی چلتی ہے۔ ہماری جسمانی جو ضرورتیں ہیں ان کے لئے بھی اگر دل کرتا ہے مثلاً" میں ذیابیطس کا مریض ہوں میرا دل کرتا ہے کہ میں چینی کھاؤں اور دماغ سمجھتا تو رہتا ہے کہ نہ کھا۔ لیکن کھانے سے روک نہیں سکتا۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جو نہیں رک سکتے۔ جن لوگوں کو ہم سمجھتے ہیں' یہ بے وقوف ہیں' نشہ کرتا ہے' ہیروئن پیتا ہے' جوئے میں پیسے ہار دیتا ہے۔ اس بے وقوف سے اگر آپ پوچھیں' تو یہ بات وہ بھی سمجھتا ہے کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ یہ کبھی نہیں کہ وہ اس میں کوئی فائدہ سمجھتا ہے۔ تو اصل جو طاقت ہے' اصل پاور دل میں ہوتی ہے جہاں سے آرزو جنم لیتی ہے' خواہش ابھرتی ہے' کوئی چیز پا کر اگر خوشی ہوتی ہے تو دل کو ہوتی ہے' کوئی چیز کھو کر اگر رنج ہوتا ہے تو اسے دل محسوس کرتا ہے۔ دماغ کا کام اس سسٹم کو کنٹرول کرنا ہے۔ دل میں خواہش ابھری' دماغ نے اعضاء و جوارح تک وہ حکم پہنچا دیا وہ

سارے اس کام میں لگ گئے۔ ہاتھ' پاؤں' آنکھ۔ اب اگر دل نے اس سے روک دیا تو ہر چیز وہیں شاپ۔ مطالعہ کرنے کو دل چاہتا ہے آدھی رات ہو گئی دماغ کہتا ہے یار اتنی دیر ہو گئی چھوڑو' لیکن دل چاہتا ہے' کتاب لئے بیٹھے ہیں جب دل نہیں چاہتا تو کتاب بند ہو جاتی ہے' لائٹ بجھ جاتی ہے۔ عقل میں بات آتی بھی رہے کہ مجھے صبح پرچہ دینا ہے' مجھے یہ پڑھنا چاہئے' دماغ کہتا بھی رہے کہ یاد کر لو وہ نہیں کرتا۔ تو زندگی میں اصل حکومت جو انسانی بدن پر ہے وہ دل کی ہے۔ ہاں جب دل مر جائے' دل میں حیات باقی نہ رہے تو پھر سارا نظام دماغ کے قابو آ جاتا ہے اور دماغ کی حیات انسانی حیات نہیں۔

جس طرح آپ غیر مسلم معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ جہاں حیات نہیں احسان نہیں' رشتے انسانی رشتے نہیں ہیں۔ ان میں یا کوئی معاشی ضرورتیں یا معاشی مفادات ہوں گے یا کوئی جسمانی رشتہ ہو گا۔ جو تجزیہ میں نے کیا ہے میں نے سمجھا ہے کہ اہل مغرب میں جنس اور پیسے کے سوا کوئی تیسرا رشتہ میری نظر میں نہیں آیا اس لئے کہ یہ سارا دماغ پر چلا گیا دل مردہ ہو گئے۔ اب دماغ کے پاس جسمانی لذتوں کے سوا' جسمانی سہولتوں کے سوا کچھ بھی نہیں اور جسمانی آسودگی میں سرفہرست یا جنس ہے یا پیسہ اور یہی دو رشتے ہیں۔ کوئی ماں باپ کا رشتہ نہیں ہے' بہن بھائی کا نہیں' دوستی کا کوئی نہیں' ایک شہر میں رہنے کا کوئی پڑوس کا نہیں' کوئی انسانی حوالہ جو انسانوں کو باہمی جکڑ دیتا ہے وہ نہیں۔

حیات قلبی

ہمارے ہاں آپ دیکھیں کوئی مسلمان گناہگار سہی' کبھی کسی گاؤں سے گزرتے ہوئے کسی گھر سے پانی کا ایک گلاس پی لیا تو وہ زندگی بھر یاد رکھتا ہے کہ وہاں سے میں نے پانی پیا تھا۔ ان کے ساتھ میرا تعلق ہے یعنی وہ وہاں عمداً" نہیں گیا اتفاقاً" گزر رہا تھا۔ وہاں سے پانی کے ایک گلاس سے تعلق چل پڑتا ہے جو پشتوں تک جاتا ہے۔ فلاں میرے باپ کا دوست تھا' بھئی تیرے باپ سے کیا

دوستی تھی صرف گزرتے ہوئے ایک پانی کا گلاس پیا تھا وہ نسلوں میں چلتی رہتی ہے۔

ایک انسانی خو ہے جو مغرب میں نہیں ہوتی۔ جانوروں کی طرح ایک ریوڑ میں ایک جانور رہتا ہے' جسے پکڑ کر آپ دوسرے آدمی کو بیچ دیتے ہیں' وہ اس کھونٹے پہ کھڑا ہے' اسے پیٹ بھرنا ہے اور جگالی کرنا ہے۔ اسے یہ فکر نہیں کہ پیچھے والے کہاں رہ گئے۔ جب دماغ پہ بات آتی ہے تو انسان بھی ایک پڑھا لکھا مہذب جانور بن جاتا ہے جس کی زندگی بالکل حیوان کی ڈگر پہ چلی جاتی ہے۔

لیکن جب دل میں اللہ کی یاد آتی ہے یا اللہ کا نام آتا ہے تو دل کو ایک حیات ملتی ہے۔ وہ خوبصورت حیات جو اس کی تمناؤں کو عجیب تبدیلی دیتی ہے۔ آپ دیکھتے ہوں گے کہ عرب کے لوگ ہر برائی میں آگے تھے لیکن ہر نیکی میں وہ امام بن گئے یعنی ایک آدمی ڈاکہ ڈال کر خوش ہوتا تھا اب وہ اس بات پہ خوش ہوتا ہے کہ جو مزدوری کر کے لائے وہ غریبوں کو دے۔ پہلے اس کا دل اس کام کو چاہتا تھا۔ اس میں اس کی خوشی تھی' دل مردہ تھے۔ دماغ مادی فائدہ اٹھانے کو سمجھاتا تھا کوئی مرتا ہے یا جیتا ہے تم اپنا فائدہ اٹھاؤ اب دل زندہ ہے' وہ آرزو کرتا ہے' اس کی خوشی اس میں ہے کہ تم محنت کرو اور محتاجوں کی مدد کرو۔ ۱۸۰ ڈگری تبدیلی آگئی یہ دل کی حیات سے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔

کَذٰلِکَ نَقُصُّ عَلَیۡکَ..... کہ پہلے لوگوں کی باتیں میں نے تمہیں اس لئے بتائی ہیں کہ جس راستے پر تو چل رہا ہے اس میں کیسے نشیب و فراز ہیں۔ جو تجھ سے پہلے گزرے ان کی عملی زندگی نے ان کی زندگی کے راستوں کو کس طرح متاثر کیا اور ان کے انجام کو کس طرح سے متاثر کیا۔ پھر تجھے میں نے بہت بڑی سواری سمجھ لیں' بہت بڑا ہتھیار سمجھ لیں' بہت بڑا زادِ راہ سمجھ لیں' بہت بڑا کوئی راستہ دکھانے والا سمجھ لیں تو قَدۡ اٰتَیۡنٰکَ مِنۡ لَّدُنَّا ذِکۡرًا۔ میں نے تجھے اپنی یاد کا روشن چراغ دے دیا' جس کو اگر تو تھامے رکھے'

تو تجھے بھٹکنے سے بچا لے گا۔ ایک آدمی کو نظر ہی نہیں آتا وہ گڑھے میں گرے گا لیکن ایک کے ساتھ لائٹ ہے' اسے نظر بھی آ رہا ہے کہ آگے گڑھا ہے۔ اگر گرتا ہے تو سوچے گا سہی کہ مجھے نہیں گرنا چاہیے۔ دوسرے کو پتہ ہی نہیں' وہ تو دھڑام سے گر گیا۔ فرمایا۔ میں نے تجھے اپنے پاس سے اپنی یاد' اپنا ذکر' اپنی کتاب' اپنے احکام' ہر وہ کام جس میں اللہ کی اطاعت وابستہ ہو' وہ حقیقتاً ذکر ہی ہے۔ ہم جو عمل اللہ کی اطاعت کے لئے کرتے ہیں وہ عملاً" ذکر ہے۔ قرآن کا ہر لفظ ذکر ہے' حدیث شریف ذکر ہے' تسبیحات کا پڑھنا ذکر ہے لیکن قرآن کا مطالبہ یہ بھی ہے' کہ اس سارے کے ساتھ ہر لمحے میں بھی اللہ کی یاد کو دل میں سجائے رکھو۔

اس لئے کہ من اعرض عنہ۔ جو اس سے اعراض کرتا ہے جس نے اسے چھوڑ دیا یا صرف نظر کر گیا۔ جو اعراض ہوتا ہے اس کا اردو میں صحیح ترجمہ ملتا ہے' صرف نظر کرنا یعنی اس کو اہمیت نہ دینا۔ چیز سامنے ہے' تو بھی اسے دیکھ کر کوئی اہمیت نہ دینا' اسے پک نہ کرنا' اسے حاصل نہ کرنا۔ فرمایا جس نے یہ کیا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے' میرا گزارا چلتا ہے۔

فَاِنَّہٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وِزْرًا۔ اسے قیامت کو سمجھ آئے گی کہ جو بوجھ وہ اکٹھا کرتا رہا' وہ کتنا بھاری تھا۔ جب اس کے پاس وہ روشنی نہیں تھی' تو جو کچھ دنیا سے اٹھاتا رہا' اس کی اسے تمیز بھی نہیں تھی کہ وہ پتھر اکٹھے کر رہا ہے یا سونا ہے۔ پہچان کا جو آلہ تھا اسے بتانے والی روشنی تھی' وہ تو اس نے چھوڑ دی۔ کہ اس کی مجھے ضرورت نہیں ہے' کون اٹھائے پھرے' اب وہ دنیا سے مختلف چیزیں جمع کر رہا ہے' لباس کے معاملے میں بھی' غذا کے معاملے میں بھی' اولاد کے ساتھ فرائض کے معاملے میں زندگی بھر فرائض کے اور اس کا حقوق کا تسلسل چلتا رہتا ہے اب وہ کہاں کہاں سے کیا کیا اٹھا رہا ہے۔ فرمایا۔ وہ جو اس تاریکی میں اٹھا رہا ہے۔ وہ کبھی کوئی اچھی چیز نہیں اٹھا سکتا۔ یہ دنیا کا نظام ہی ایسا ہے کہ اندھیرے میں اتفاقاً" کسی کو جواہرات نہیں ملتے' ان کے لئے

اسے تلاش کرنا پڑتا ہے' اسے پہاڑ کھودنا پڑتے ہیں۔ اسے مختلف آلات پاس رکھنے پڑتے ہیں تب کہیں مٹی چھان چھان کر اس سے سونا نکلتا ہے۔ پتھر اٹھانے کے لئے کسی لائٹ کی ضرورت نہیں' جس راستے میں جاؤ اٹھاتے چلے جاؤ۔ اگر یہ یاد الہٰی کی روشنی چھوڑ دی' اس سے اعراض کیا' اسے اہمیت نہیں دی۔

تو پھر ایسے لوگوں کو آخرت کے حساب کے دن سمجھ آئے گی کہ انہوں نے اپنے اوپر تو بڑا بوجھ لاد لیا اور مصیبت یہ ہے کہ قیامت کے بعد یا موت کے بعد اسے تبدیل کرنے کے لئے کسی کو چھٹی نہیں دی جائے گی۔ کہ وہ دوبارہ دنیا میں جائے اور وہ بری چیزیں وہاں پھینک دے اور اچھی چیزیں وہاں سے لے آئے۔

پھر مصیبت یہ ہے۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔ پھر ہمیشہ وہیں ساتھ نبھانا پڑے گا۔ واپسی کا کوئی راستہ نہیں کہ کوئی یہاں آکر بدل لے۔ وہ دنیا ختم ہوگئی' وہ نظام ختم ہوگیا' وہ سسٹم ہی گیا اب جو کچھ لایا ہے۔ اس کے ساتھ اسے ہمیشہ رہنا ہے۔

فرمایا:۔ سَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ کتنا بڑا بوجھ ہے جو اپنے لئے جمع کر کے لایا۔ کتنا تکلیف دہ ہے کہ زندگی بھر محنت کر کر کے اپنے لئے وہ بوجھ ہی جمع کرتا رہا۔

نیکی کرنے میں صرف سستی ہے یا وہ قلبی زندگی کہہ لیجئے اس میں کمزوری ہے۔ دل سے ہم کلمہ پڑھتے ہیں۔ الحمد اللہ' ہمارے دل مرے تو نہیں لیکن اتنی ان میں قوت بھی نہیں ہے کہ وہ ہمیں پکڑ کر اس کلمے کی اطاعت پہ لا سکیں۔ بیمار ضرور ہیں' بے ہوش ہیں' سوئے ہوئے ضرور ہیں۔ اگر جاگتے اور ایک خطا ہوتی تو دس نیکیاں بھی تو ہوتیں' تو اس سے کوئی کمپنسیٹ (Compensate) بھی ہوتا۔ اب تو قرضہ (Debt) چلتا رہتا ہے اور جو بندہ نماز پنجگانہ تک کا اہتمام نہیں کر سکتا تو وہ خود یہ سوچ لے کہ اور کسی نیکی کا تصور اس کے پاس کیا ہے۔ یعنی سب سے بڑی بات کہ جو براہ راست اللہ کی بارگاہ میں حاضری اور

اللہ سے بات کرنے کی ہے' اس کی اسے فرصت نہیں' تو سربازار اطاعت کرنے کی فرصت کہاں سے آئے گی۔ اگر کوئی نیکی ہم سے ہو بھی جاتی ہے وہ تو ایک روش میں ہم چل رہے ہیں اور وہاں وہ ہو جاتا ہے۔ اس میں ارادہ یا اس میں وہ قوت کہ نیکی کروں وہ میسر آ جاتی ہے اور کوتاہیاں' سستیاں' غلطیاں یہ تو بوجھ بڑھتا رہتا ہے۔ فرمایا قیامت کو اس سے اندازہ ہو گا کہ یار میں تو سمجھتا تھا کہ یہ تو معاملہ آسان ہے اور یہ جو کچھ میں کر کے بھول جاتا تھا اور میرے خیال میں وہ چیز ختم ہوئی' یہ ختم تو نہیں ہوئی۔ تو اس سارے منظر کی تصویر کشی قرآن حکیم نے یہاں کر دی ہے۔ کہ یہ قصے سن کر خوش نہ ہو جایا کرو کہ فرعون جو بہت ظالم تھا۔ اللہ نے اسے تباہ کر دیا' سامری جو تھا وہ بڑا بے دین تھا' اس نے جھوٹ بولا اور لوگوں کو گمراہ کیا' اللہ نے اسے غرق کیا۔ یہ میں قصے تمہیں اس لئے سنا رہا ہوں کہ کہیں تمہارے اندر بھی کوئی فرعون نہ چھپا بیٹھا ہو۔ اپنے آپ کو جج کرو کہ تمہاری سوچ کیا ہے۔ تمہارا عمل کیا ہے اور تم کس سمت جا رہے ہو یا تم بھی سامری کی طرح لوگوں کو دھوکا دے کر ان سے بینیفٹس لے کر انہیں گمراہ تو نہیں کر رہے۔ فرمایا بتانے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے اوپر اس کو آزما (Implement) کر کے دیکھو کہ یہ راہیں بڑی خطرناک ہیں' تم ان سے بچ کر چلو' تمہیں زندگی گزارنے کے لئے میں نے ایک روشنی' ایک نور' ایک ایسا آلہ دیا ہے کہ جو میری ذات کو سما سکتا ہے۔

وسعت قلب

حدیث قدسی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ زمینوں آسمانوں کی وسعتیں جو ہیں یہ میری تجلیات کو نہیں سمو سکتیں' تھوڑی پڑ جاتی ہیں۔ لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَاوِیْ۔ نہ میری زمین مجھے سما سکتی ہے نہ میرا آسمان۔

وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدٍ مُّوْمِنٍ۔ لیکن بندہ مومن کے دل میں میں

نے وہ وسعت رکھی ہے کہ وہ میری تجلیات کو سمو لیتا ہے۔ اتنی بڑی وسعت ہے۔ فرمایا۔ میں نے تمہیں ایک مشین، اتنا بڑا ایک آلہ، اتنا بڑا ایک خزانہ دے دیا ہے کہ جو تجلیات ارض و سما کی وسعتیں نہیں سما سکتیں، تمہارا یہ چھوٹا سا دھڑکتا ہوا دل سما سکتا ہے۔ تو پھر بھی تم اس کی ساری زندگی نہ جستجو کرو، نہ تلاش کرو، نہ حاصل کرو، نہ اسے پا سکو، تو پھر تم آ کر یہ کہو کہ جی ہمیں تو پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ غلط یا صحیح ہے۔ ہم کر گزرتے تھے تو اس کا ذمہ دار کون ہے۔ تو تمہیں اتنی بڑی روشنی میں نے دی، اتنی بڑی پاور دی، اتنی بڑی طاقت دی، اتنا بڑا ایک آلہ دیا جو بھلائی اور برائی کو جج بھی کرتا تھا برائی سے روکتا بھی تھا، بھلائی میں تمہاری مدد بھی کرتا تھا۔ تو تم نے اسے کوئی اہمیت نہ دی، اسے چھوڑ دیا۔ تم نے سمجھا یہ ضروری نہیں ہے اور اس کے بغیر پھر تم اندھیرے میں بوجھ اکٹھے کرتے رہے، پتھر اٹھاتے رہے۔ فرمایا۔ اب تو واپسی کوئی نہیں ہے اب انہیں اٹھاتے پھرو۔

تو قرآن حکیم نے زندگی کے فلسفے کو عمل کے ساتھ ترتیب دیا ہے کہ اپنے اعمال کو دیکھو۔ کوئی کام بھی ہم کرتے ہیں۔ میں نے خیرات کی، مجھے ثواب ہوا، ثواب یہ ہے کہ میرے عمل کی کردار کی اصلاح ہو گئی تو اس پر مجھے آخرت میں انعام ملے گا، تبلیغ پر گئے ہیں چلہ لگایا ہے اور وہ بڑا ملٹی پلائی کر کے بتا دیا جاتا ہے۔ اتنا ثواب، اتنا ثواب، اتنا ثواب ملتا ہے۔

ثواب اور ہمارے اعمال

ثواب کیا ہے؟ ثواب سے مراد یہ ہے کہ نیک عمل اتنا ملٹی پلائی ہو کہ ہماری زندگی سدھر جائے۔ چونکہ حساب و کتاب جو ہو گا، جو پتھر لے کر جائے گا اسے جواہرات کی قیمت ملے۔ یہ نہیں ہو گا۔ وہاں سے ان سنگریزوں میں سے کوئی ہیرا تلاش کر کے ہی لے جانا پڑے گا کہ وہ ہیرے کے پیسے حاصل کرے یا محض پتھروں کی بوریاں بھرتا رہا کہ جی میں تو فلاں کا رشتہ دار تھا یا میں نے فلاں

وظیفہ کیا تھا۔ ان پتھروں پر مجھے جواہرات کی قیمت بدل دیں۔ قرآن حکیم نے اس کو دوسرے انداز میں یوں بھی لیا ہے۔

یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہاں جب ہم اردو الفاظ میں ترجمے کرتے ہیں' تو ہم کہتے ہیں کہ قیامت کو اللہ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیں گے۔ یہ بڑا عجیب انصاف ہے کہ کچھ لوگ تو گناہ کرتے رہے' ان کے گناہ نیکیاں شمار ہو جائیں اور دوسرے غریب جو نیکیاں کرتے رہے' ان کی نیکیاں مسترد (Reject) ہو جائیں کہ تم نے خلوص سے نہیں کیں۔ اصل انسانی زندگی میں یہ قاعدہ اپلائی ہوتا ہے کہ پہلے وہ گناہ کرتا تھا' دن میں دس گناہ کرتا تھا' اب اللہ نے اسے دس نیکیاں کرنے کی توفیق دی۔ صرف یہ نہیں ہوتا ہے کہ گناہ چھوٹ گئے' گناہ بھی چھوٹے اور دس نیکیاں کرنے کی توفیق بھی مل جائے۔ چونکہ حساب و کتاب جو ہے وہ تو طے شدہ بات ہے۔

مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ جس نے رائی برابر نیکی سامنے رکھی ہے۔ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ جو اس نے قصور کیا ہو گا وہ بھی میدان میں رکھا ہو گا' سیدھی سیدھی بات ہو گی۔ تم نے یہ کیا' یہ غلط کیا یا کیا یہ صحیح کیا۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کریم مسلمانوں پر رحم فرمائے گا' پوچھے گا نہیں' یہ کیوں کیا۔ لیکن سامنے ضرور رکھے گا کہ تم نے یہ بھی کیا' تم نے یہ بھی کیا۔ تو یہ میرا کرم ہے کہ میں تجھے معاف کرتا ہوں اور حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر کسی سے پوچھ لیا کہ تو نے یہ کیوں کیا۔ He Will Be Punished تو اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہو گا کیونکہ اس کے پاس علم کی کمی ہے نہ اسے قلبی روشنی کی کمی ہے نہ اس کی رہنمائی میں کمی ہے۔ کیونکہ ہدایت کے لئے محمد ﷺ جیسا نبی بھیجا' اس کی رہنمائی کے لئے اپنی کتاب بھیجی' اسے سمجھنے کے لئے ایک دل عطا کیا اور اس سے زیادہ وہ کیا چاہتا تھا۔ تو اگر ان ساری چیزوں کی اسے فرصت ہی نہیں ملی اور وہ غلط راہ پہ

چلتا رہا تو پھر اس کا ذمہ دار تو وہ ہے' ہر چیز وہاں اس کے پاس موجود تھی۔ تو اگر یہ پوچھ لیا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو کسی کے پاس کوئی عذر کی جگہ نہیں ہے کہ یا اللہ میرے پاس نبی نہیں آیا تھا یا مجھے تیرے حکم کا پتہ نہیں تھا یا میرے سینے میں کوئی دل نہ تھا کہ میں سمجھتا۔ یہ ساری چیزیں اپنی جگہ موجود ہیں تو فرمایا جس سے یہ پوچھا گیا کہ یہ تم نے کیوں کیا۔ وہ نہیں بچے گا۔ اس دور کی ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم دین کو بھی مذاہب باطلہ کی طرح ایک رسم' ایک رواج یا چند کمالات تک محدود کرتے ہیں۔ فلاں مر گیا اس کے لئے قرآن خوانی کرو۔ ٹھیک ہے کرو۔ لیکن وہ تو گزر گیا' یہ جو زندہ ہیں' ان کو قرآن خوانی کیوں نہیں کراتے۔ کہ اس کتاب میں دراصل ہے کیا۔ جو قرآن بات کرتا ہے؟ اس کا تعلق تو زندگی کے ساتھ ہے کہ تمہیں زندگی کس طرح گزارنا ہے۔ ایک آدمی جو گزر گیا ہے۔ آپ نے قرآن پڑھا' قرآن پڑھنا ایک نیک عمل تھا' اس کا ثواب تو آپ مرنے والے کو چھوڑ دیں' زندہ کو بھی دے سکتے ہیں کہ میں نے جو یہ میرا بیلنس ہے جو میں تیار کر رہا ہوں۔ میں چاہوں اپنے پاس رکھوں میں چاہوں آپ میں سے کسی کو دے دوں۔ اللہ سے دعا کرنی ہے کہ جو فلاں بندہ ہے اس کا جو اجر بنتا ہے وہ اسے دے دو۔

تو آپ نے پڑھنے کا جو اجر یا ثواب بنتا ہے' وہ تو مرنے والے کو دے دیا۔ لیکن آپ کے قرآن پڑھنے سے مرنے والا اٹھ کر اس پر عمل کرنے سے تو رہا اس کا عمل تو ختم ہو گیا' تو جس کے پاس اب کام کرنے کی فرصت ہے' آپ اسے قرآن کیوں نہیں سکھاتے' پہلے تو اسے سکھائیں' جو لوگ رسومات میں چلے گئے ہیں۔ کہ حج کر لیا' سمجھا اب یہ زندگی بھر کا کفارہ ہو گیا' اب جو جی میں آئے کرو۔ رمضان آ گیا' روزے رکھ لئے' تراویح پڑھ لی' قرآن کریم سن لیا رمضان گیا' تو ہم بھی چھٹی کر گئے۔ تو یہ جو اس سارے پراسس کے بعد ہم چھٹی کر جاتے ہیں۔ کم از کم میں اسے یہ سمجھتا ہوں کہ اس پراسس کو ہم نے ہضم نہیں کیا' بلکہ ایک مجبوری ہے اور اس میں سے ہم بھاگ دوڑ کر نکل گئے۔ جو اس

میں ہماری شراکت Participation تھی اس سے تو کچھ صفائی آنی چاہئے تھی' کچھ مزاج کو تبدیل ہونا چاہئے تھا۔ کچھ ہماری معلومات میں اضافہ ہونا چاہئے تھا اور ہماری پریکٹیکل لائف جو ہے اسے بدلنا چاہئے تھا۔ جو اس پہ اجر مرتب ہوتا ہے' وہ ہم حاصل کر سکیں۔ کوشش تو کیجئے۔

اہمیت تلاوت

قرآن کو سمجھئے۔ سارا قرآن پڑھنے سے قرآن کریم کی ایک آیت کا ترجمہ سمجھنے کی کوشش میں لگے رہنا بدرجہا بہتر ہے' چونکہ اس کا مقصد یہ ہے قرآن کو دیکھنا بھی عبادت' چھونا بھی عبادت' اسے سننا بھی عبادت ہے لیکن مقصد اس کا یہ ہے کہ آپ سمجھیں۔

It is a Letter From Almighty Allah For You Only

آپ پڑھیں دوسری بات یہ ہے' لوگ کہتے ہیں کہ قرآن حکیم کا مفہوم پڑھنے سے گمراہ ہو جائیں گے۔ تو قرآن مفہوم کے ساتھ پڑھنے سے کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔ ہوتا یہ ہے کہ ہم گمراہی لے کر اس کے لئے قرآن سے جواز تلاش کرتے ہیں۔ وہ بددیانتی دراصل ہمارے دل میں پہلے سے ہوتی ہے۔ ہم قرآن کو قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے نہیں پڑھتے' بلکہ ہم جو غلطی کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے جواز تلاش کرنے کے لئے پڑھتے ہیں۔ ورنہ قرآن تو کتاب حیات ہے۔ اب اگر کوئی زندگی کی جو چیزیں یا اسباب ہیں' ان سے مرنا ہے جیسے قوموں کی قومیں۔ نوح علیہ السلام کی قوم پانی میں غرق ہو گئی' پانی تو زندگی کا سبب ہے' ان کے لئے موت کا سبب بن گیا۔ اس لئے کہ خرابی ان میں تھی' پانی تو وہی ہے' جس سے آج بھی ہر چیز زندہ ہے تو یہ زندگی کا سبب ہے اگر اس سے کوئی گمراہ ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اندر گمراہی لے کے آتا ہے۔ تو بندہ خلوص سے پڑھے۔ قرآن پڑھنے کے لئے ہے۔ اس سے

بڑی بددیانتی کیا ہو گی کہ ہم اس لئے قرآن کی آیات تلاش کرتے ہیں کہ جو برائی میں کرنا چاہتا ہوں' اسے کور (Cover) کرنے کے لئے میں کس آیت کا ترجمہ تلاش کروں۔ ایسے آدمی کو ہدایت کہاں نصیب ہو گی اور ایسے ہی لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ چونکہ اللہ کا وعدہ ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْ فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ جو خلوص سے میری جستجو کے لئے محنت کرے گا' میں اُسے اپنا راستہ دکھا دوں گا۔ ایک راستہ نہیں متعدد راستے اس پر کھول دیں گے۔ دوسرا جو یہ کہا جاتا ہے' قرآن سمجھنا یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں یہ مشکل بات ہے آپ بس پوچھ کر سمجھنا۔ قرآن کہتا ہے۔

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ۔ میں نے سمجھنے کے لئے قرآن کو آسان بنا دیا۔ فھل من مدکر۔ ہے کوئی جو سمجھنا چاہتا ہو۔ یعنی قرآن پر عمل کرنا جس طرح ایک سکالر پر فرض ہے اس طرح ایک گڈریئے اور چرواہے پر بھی فرض ہے' اگر مشکل ہوتا تو گڈریئے کو تو اس سے مستثنیٰ کر دیا جاتا کہ بھئی اس لیول کے لوگ یا جو پی۔ ایچ ڈی ہیں یا ماسٹرز کی ڈگری رکھتے ہیں وہ پڑھ کر اس پر عمل کریں اور جو اس سے نیچے ہیں انہیں سمجھ ہی نہیں آتی۔ ہر بندہ مکلف کیوں ہوتا۔ اب تو جتنا کوئی بہت بڑا علامہ اس پر عمل کرنے کا مکلف ہے' ایک عام انپڑھ گڈریا بھی اتنا ہی عمل کرنے کا مکلف ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی سمجھ سکتا ہے' ساری زندگی نہ سمجھے' تو الگ بات ہے۔

تو قرآن حکیم کا ایک معیار ہے بڑا سیدھا سا۔ آیت نازل ہوئی' صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حضور اکرم ﷺ نے سنائی۔ اس کا مفہوم سمجھایا۔ انہوں نے اس پر عمل کیا اور حضور ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ تصدیق ہو گئی کہ اس آیت کا یہ مفہوم ہے۔ آج بھی آپ یہ معیار سامنے رکھیں' کہ یہ جو ترجمہ آپ بتا رہے ہیں' کیا حضور اکرم ﷺ نے یہی سکھایا تھا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یہی سمجھا تھا؟ کوئی آپ کو دھوکا نہیں دے سکتا جب اس معیار سے آپ سمجھیں گے۔ آپ نے دیکھا جتنی ہماری

یہ فرقہ بندی ہے۔ سب سے پہلے وہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پہ اعتراض کرتے ہیں اس لئے کہ ان پر اگر اعتراض نہ کیا جائے تو پھر وہ ان اصل معانی سے باہر نکلنے نہیں دیتے۔ آج بھی اگر کوئی نیا فرقہ بنانا چاہے اور جتنوں نے بنائے ہیں ان کو آپ دیکھیں تو سب کا اعتراض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے اسے حدیث صحیح نہیں آتی' کوئی کہتا ہے' یہ سیاسی طور پر ناکام تھا۔ بھئی اصل اعتراض کیا ہے اصل یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ارشادات عالی پر عمل کیا اور جس کی نبی کریم ﷺ نے تصدیق فرمائی۔ ایک معنی معین ہو گیا۔ اب جب اس معنی سے فرار کرنا چاہیں گے تو ان کے ساتھ ہمارا ٹکراؤ ہو گا۔ تو اگر ہم اس ٹکراؤ سے بچیں اور اس انداز سے قرآن کا ترجمہ سیکھیں تو مشکل نہیں ہے۔ اگر ذاتی طور پر ہم جانتے ہوں تو شاید اس طرح سے ہم وقت ضائع نہ کریں۔

زندگی کے ساتھ ہمارا ایک ناقابل بھروسہ سا رشتہ ہے۔ ہمارے پاس اس ڈور کے دوسرے سرے کی کوئی خبر نہیں۔ یہ پتہ نہیں ہے کہ اسے کب ختم ہونا ہے' کہاں' کس لمحے' سفر میں یا دوستوں کے پاس یا کسی جہاز میں یا کسی ریل میں کوئی علم نہیں۔ سانس آئی جائے گی یا نہیں' دوسری سانس کی فرصت ہے یا نہیں۔ تو قرآن کو سمجھنے کے لئے اور اس پر عمل کی محنت کے لئے ہمارے پاس فرصت نہیں کہ ہم یہ سوچیں کہ یہ ٹھہر کے کر لیں گے۔ اگر ہم مسلمان ہیں تو یہ ہماری حیات ہے کہ ایک ایک آیت سمجھ آ جائے۔ لیکن ابھی سمجھئے جو آیتیں پڑھنے کی توفیق ملے اپنے چوبیس گھنٹوں میں چوبیس منٹ نہ سہی بارہ منٹ تو قرآن خوانی کے لئے رکھ لیجئے۔

کوئی ڈائجسٹ' کوئی رسالہ' کوئی افسانہ' کوئی ٹی۔وی ڈرامہ دیکھنے کے لئے' کھیلوں کے لئے' اپنے دوستوں کو ملنے کے لئے ہمارا وقت کچھ نہ کچھ ہر طرف نکلتا ہے۔ اس روزانہ کے پروگرام میں خواہ ایک آیت سمجھ لیجئے' لیکن ایک آیت کا وقت ضرور رکھئے کہ اسے پڑھ کر اس کا ترجمہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا

کہتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ چند دنوں میں آپ کے پاس کافی علم جمع ہو جائے گا اور جب تک بندہ ذاتی طور پر نہیں جانتا تو اسلام اس کا اپنا مذہب نہیں بنتا۔ یہی ہوتا ہے کہ کبھی بندوں میں پھنس گیا تو نماز پڑھ لی' نہ پڑھی تو نہ سہی' دیکھا دیکھی کا مذہب ہوتا ہے۔ اور اسلام ایک عملی اور حقیقی مذہب ہے' خوبصورت ہے' آسان ہے' سمجھنا بھی آسان ہے' اپنانا بھی۔ سچ کہنے کی بجائے جھوٹ بولنا مشکل ہے۔ مزدوری کی بجائے چوری کرنا بدرجہا مشکل۔ آپ زندگی کا کوئی کام بھی دیکھیں' صحیح کرنے سے وہ غلط کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ہم ساری زندگی غلط کرنے کے لئے محنت کرتے رہتے ہیں اور جو سہل راستہ ہے۔ آرام سے جس میں گزر سکتی ہے۔ اسے اختیار نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ہماری کم علمی نے اسے آسان کیا ہے ورنہ مشکل کون کرتا ہے۔

☆ ☆ ☆

ذکر قلبی کی فرضیت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا۔ (الکھف ۲۸)

تعارف ذکر قلبی

پندرھویں پارے میں سورۃ کہف میں اللہ رب العزت جہاں اصحاب کہف کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ وہاں ان کی نظیر بیان کرنے کے بعد چند احکام براہ راست نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو ارشاد ہوتے ہیں۔

اَبْصِرْ بِہٖ وَاَسْمِعْ مَا لَھُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا۔

کہ آپ ﷺ بھی اس مثال سے اندازہ فرمایئے۔ دیکھئے اور سنئے تو ثابت یہ ہو گا کہ اللہ کے علاوہ کوئی ان کا مددگار نہ تھا لہٰذا سب مخاطبین کے لئے' سب سمجھنے والوں کو چاہئے کہ اللہ کے احکام میں کسی کو اس کے برابر نہ سمجھیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ۔ آپ ﷺ اپنے پروردگار کی عطا کردہ کتاب کی تلاوت فرمایئے۔ جس کے کلمات میں' جس کے ارشادات میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔

وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا اس لئے کہ جو بندہ کتاب الٰہی کو یا اس ضابطہ حیات کو جو کچھ اللہ کی کتاب میں ہے' اس طرز زندگی کو اگر چھوڑ دے تو اسے کہیں پناہ نہیں ملتی۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

صحبت ذاکرین

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ آپ ﷺ اپنے آپ کو مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰاۃِ وَالْعَشِیِّ ایسے لوگوں کے ساتھ رکھئے' خود ایسے لوگوں کے ساتھ رہئے' اپنی ذات ستودہ صفات کو ان لوگوں کے ساتھ رکھئے جو صبح شام اللہ کا ذکر کرتے ہیں' علی الدوام اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ بِالْغَدٰاۃِ وَالْعَشِیِّ۔ صبح اور شام۔ جیسے ایک انگریزی کا محاورہ ہے۔

Round the Clock اس کا عربی ترجمہ بنے گا بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یعنی ہر وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ کیوں یاد کرتے ہیں؟

یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ وہ اس کی رضامندی کے' اس کی خوشنودی کے' اس کی ذات کے طلب گار ہیں۔ وہ لوگ جو ہر لمحہ اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں' جو ہر لمحہ اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں اور اس دائمی یاد اور ذکر دوام سے ان کا مقصد اس اللہ کی رضامندی کا حصول اور اس کی ذات کا قرب ہے۔

وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ اور کبھی اگر ایسا موقع بھی آ جائے' کہ ان کی دوستی میں یا ان کے ساتھ رہنے میں یا ان کے ساتھ تعلق میں دنیوی نقصان کا اندیشہ ہو' دنیوی اعتبار سے کچھ قربان کرنا پڑے اور ان سے ہٹ کر دنیوی فوائد ہوں تو بھی ان کا ساتھ نہ چھوڑیئے اور یہ حکم براہ راست نبی کریم ﷺ کو ہو رہا ہے۔ بے شمار ایسے حالات آ جاتے ہیں' مومنین کی تعداد کم ہے جیسے مکہ مکرمہ میں مومنین دنیوی اعتبار سے اس قدر کم یا کمزور تھے' کہ انہیں شہر خالی کرنا پڑا' ہجرت کرنا پڑی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہاجرین کے ساتھ ہجرت کرنا منظور فرمایا۔ غالب قوتوں کا ساتھ دینا منظور نہیں

فرمایا کہ کمزوروں کو چھوڑ کر جو تگڑے ہیں' ان کو ساتھ ملا لیا جائے' یہ پسند نہیں فرمایا۔ یہاں اس آیتہ کریمہ سے یہی مراد ہے۔

وَلَا تَعْدُ عَيْنَكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ کہیں ایسا موقع آ جائے کہ بظاہر دنیوی فوائد دوسری طرف ہوں اور جس طرف یہ لوگ ہوں (جو ہر گھڑی اللہ کو یاد کرتے ہیں) بظاہر دنیوی نقصانات کا احتمال ہو' تو بھی آپ ﷺ ان کے ساتھ رہئے گا۔ آپ ﷺ ان کا ساتھ نہیں چھوڑیئے گا اور پھر یہ ارشاد ہوتا ہے۔

غیرذاکر قلب

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا۔ وہ لوگ جن کے قلوب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ ذکر قلبی سے محرومی کو اللہ کریم نے اپنی طرف منسوب فرمایا مَنْ اَغْفَلْنَا۔ جن کو ہم نے غافل کر دیا۔ قلبہ جن کے دل کو عن ذکرنا۔ اپنی یاد سے' ہماری یاد سے' یعنی ذکر قلبی سے محرومی عذاب الٰہی ہے' اللہ جل شانہ کی ناراضگی کا نتیجہ ہے۔ اللہ کریم جب کسی سے خفا ہوتے ہیں تو اس کے قلب کو اپنی یاد سے محروم کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ انسان آزمائش میں ہے اور اسے اللہ کریم نے شعور بخشا ہے۔ چونکہ وہ عظمت الٰہی کو اپنی حیثیت کے مطابق سمجھ سکتا ہے اور پھر اسے یا اس عظمت کو سمجھ کر یہ فیصلہ خود کرنا ہے کہ اسے اللہ کی یاد کے ساتھ اللہ کی عظمت کو مان کر قرب الٰہی کی طلب میں زندہ رہنا ہے یا دنیاوی عیش و عشرت' دنیاوی جاہ و جلال پر اللہ کے احکام کو قربان کر کے دنیا سے مستفید ہونا ہے۔ اگر وہ دوسری طرف فیصلہ کرتا ہے تو اس کی سزا یہ ہوتی ہے کہ اللہ کریم اس کے دل سے اپنی یاد مٹا دیتے ہیں اور یہاں ارشاد ہو رہا ہے۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ اپنی خواہشات نفس کے پیچھے لگ پڑتا ہے۔ حیوان کو کچھ کھانے کی خواہش ہوتی ہے' اسے پاک ناپاک' جائز ناجائز' اپنے پرائے سے غرض

نہیں۔ اسے کچھ کھانے کو نظر آتا ہے وہاں منہ مارنا شروع کر دیتا ہے۔ حیوان کو پیشاب کی حاجت ہوتی ہے' اسے یہ خیال نہیں ہے کہ وہ اپنے تھان پر کھڑا ہے' وہ گلی سے گزر رہا ہے' وہ بازار میں ہے یا وہ جنگل میں ہے' جہاں حاجت ہوتی ہے وہاں پیشاب کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یعنی جو خواہش اس کے اندر پیدا ہوتی ہے وہ اس کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ لیکن انسانیت یہ ہے کہ اس خواہش کا موقع و محل' اس کے پورا کرنے جائز طریقہ' مناسب طریقہ اور انسانی عظمت و وقار کے مطابق طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ مومن و کافر میں کیا فرق ہے؟ دونوں اسی فضا میں زندہ رہتے ہیں۔ دونوں اسی دنیا کا رزق کماتے ہیں' دونوں اسی دنیا میں گھر بناتے ہیں' دونوں کی اولاد اسی ایک ماحول میں ہوتی ہے' دونوں اسی زمین پر مر جاتے ہیں' تو فرق کیا ہے؟ مومن کی ہر ادا میں عظمت الٰہی پوشیدہ ہوتی ہے۔ اپنے کمانے میں وہ حدود الٰہیہ کے اندر محدود ہوتا ہے۔ ان سے باہر اسے کروڑوں روپے مل رہے ہوں وہ ناجائز ذرائع سے نہیں لیتا جب کہ کافر محض کماتا ہے' اسے حلال حرام سے غرض نہیں ہوتی۔ خرچ کرنے میں مومن کے سامنے حدود ہوتی ہے' مقامات ہوتے ہیں' طریقے ہوتے ہیں' جن میں رہ کر خرچ بھی کرتا ہے لیکن اس کا خرچ بھی ایک طرح کا ذکر ہوتا ہے کہ ہر پائی' ہر پیسہ' ہر روپے کے ساتھ اللہ کی یاد وابستہ ہوتی ہے کہ یہاں خرچ کرنے کی اجازت ہے اور یہاں نہیں ہے۔ لیکن کافر اپنی خواہش سے خرچ کرتا ہے' جہاں اس کا دل چاہتا ہے' کر دیتا ہے جہاں جی نہیں چاہتا' نہیں کرتا۔ مومن و کافر میں یہ فرق ہوتا ہے اور اگر خدانخواستہ مومن اس عذاب کی گرفت میں آ جائے کہ اس کا دل یاد الٰہی سے غافل ہو جائے تو عملی زندگی میں اس کا وہی حال ہو جاتا ہے جو غیر مومن یا کافر کا ہوتا ہے۔

ایک جگہ حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ۔ یہ فقہی مسئلہ ہے' قانون فقہی یہ ہے' حضور ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ نماز کی فرضیت کا کوئی انکار کرے' تو وہ کافر ہے۔ لیکن اگر نماز نہ پڑھے تو وہ

فاسق و فاجر ہے' گنہگار ہے' لیکن انکار کفر ہے۔ اس حدیث میں ارشاد ہوتا ہے مَنْ تَرَکَ الصَّلوٰۃَ مُتَعَمِّداً۔ جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی' انکار نہیں کیا لیکن عملاً" نہیں پڑھی' ادا نہیں کی فَقَدْ کَفَرَ۔ اس نے کفر کیا۔ تو یہاں علماء اسی طرح تطبیق کرتے ہیں' شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ اس سے بندہ کافر نہیں ہو گیا' بلکہ اس نے کام ایسا کیا جیسا کافر کرتا ہے۔ اس نے کافروں جیسا کردار پیش کیا' اس نے کافروں جیسا کام کیا۔ وہ کام کیا' جو غیر مومن کرتا ہے' جو کافر کرتا ہے۔ وہ ایک مومن نے کر دکھایا۔ تو جب یاد الٰہی سے قلوب پہ غفلت آتی ہے تو قلبی ذکر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔ تو یہ سزا اللہ کی طرف سے ہے۔

ذکر الٰہی کی کیفیت اور قلب

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا۔ ایسے بندے کی بات پر دھیان نہ دیجئے' جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ سوال کیا جاتا ہے کہ ذکر قلبی کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ایسا ہے کہ جیسا کوئی زندہ رہنے کے لئے یہ سوال کرے کہ آکسیجن کی ضرورت کیا ہے۔ سانس لینے کی ضرورت کیا ہے؟ دل کے دھڑکنے کی ضرورت کیا ہے؟ جس طرح مادی وجود کے لئے دل کی دھڑکن زندگی کی بنیاد ہے۔ اسی طرح روحانی حیات کے لئے' انسانی حیات کے لئے' انسانیت کی زندگی کے لئے' دل کی ہر دھڑکن میں اللہ کی یاد بنیادی ضرورت ہے اور یہ مت بھولئے کہ محض ذکر کرنے کے بعد بندہ فارغ ہو گیا' نہیں ذاکرین کی زندگی میں مثبت تبدیلی کا آنا ذکر کے ثمرات میں سے ہے۔ مراقبات کا کرنا' منازل کا طے کرنا' انوارات کا نظر آنا یہ سب اپنی جگہ پر' لیکن کیا یہ صرف ہماری قوت متخیلہ ہے؟ کیا ہم نے صرف ایسا سوچ لیا ہے؟ کیا یہ کوئی خواب کی قسم ہے' جو ہم پر مسلط ہو گئی یا واقعی ایک حقیقت ہے۔ دیکھئے! کیفیات جو قلب پہ وارد ہوتی ہیں' اگر وہ حقیقی ہوں تو اس کے نتائج عملی زندگی

میں آتے ہیں۔ واقعی کسی کو خوشی ملے' تو وہ اچھل کود رہا ہوتا ہے' شور کر رہا ہوتا ہے' مٹھائی بانٹ رہا ہوتا ہے' دوسروں کو بتا رہا ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ہے اس کے اندر واقعی کوئی خوشی آئی' اسے کوئی ایسی کامیابی ہوئی جس سے اس نے خوشی محسوس کی۔ اسی طرح کسی کو غصہ آتا ہے وہ چیخ و پکار' دھاڑ مچا رہا ہوتا ہے' بندوق اٹھا رہا ہوتا ہے' کسی کو گالی دے رہا ہوتا ہے' چلا رہا ہوتا ہے کہ میں یہ کر دوں گا' میں وہ کر دوں گا' میں آگ لگا دوں گا' میں اجاڑ دوں گا اور پتہ چلتا ہے کہ واقعی ایک غصے کی کیفیت اس کے قلب پہ وارد ہوئی' اس کے باطن میں ایک کیفیت ہے۔

ذکر و مراقبات کے مقاصد

اسی طرح ذکر الٰہی کی کیفیت جب دل پہ وارد ہوتی ہے تو اطاعت الٰہی اس کے لئے پسندیدہ اور آسان کام ہو جاتا ہے اور اطاعت الٰہی کی اسے بھوک لگتی ہے۔ جیسے غذا کی بھوک لگتی ہے' کھانے کی بھوک لگتی ہے' پینے کے لئے پیاس لگتی ہے۔ اسی طرح اسے اتباع سنت کی اور اطاعت الٰہی کی بھوک لگتی ہے۔ یہ ذکر الٰہی کے ثمرات کا اصل معیار ہے۔ اگر ہم یہ سمجھنا چاہیں کہ مجھے اتنا عرصہ ذکر کرتے ہوئے ہو گیا اور مجھے کیا حاصل ہوا؟ تو مشاہدات و مکاشفات و مراقبات معیار نہیں ہیں۔ بڑے سے بڑا مراقبہ ایک لمحے میں سلب ہو سکتا ہے' بڑے سے بڑا مشاہدہ ایک آن میں ضائع ہو سکتا ہے۔ اصل حقیقت اس عمل کی ہے' کہ ذکر سے قلب منور ہوا تو اب قلب کی رضامندی' قلب کی خوشنودی' قلب کی تشفی' قلب کا اطمینان کن کاموں میں ہے؟ کون سے کام ہم بھاگ کر کرنا چاہتے ہیں؟ قلب کو کن باتوں سے نفرت ہو گئی ہے اور ہم کن باتوں سے بچنا چاہتے ہیں؟ اگر ہمارا یہ معیار آقائے نامدار ﷺ کے ارشاد کردہ طریق زندگی سے مطابقت رکھتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارا قلب ذاکر ہے۔ اور ہمارا ذکر اللہ کریم کو قبول بھی ہے' پسند بھی ہے لیکن اگر سارا ذکر' سارے مراقبات کرنے

کے بعد ہم کافرانہ طرز حیات پہ یا غیر اسلامی طرز حیات پہ یا غیر اسلامی تہذیب پہ یا غیر اسلامی انداز سے دولت کمانے پہ یا غیر اسلامی انداز میں مال خرچ کرنے پہ خوش ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم ذکر کی' یاد الٰہی کی' ایکٹنگ کر رہے ہیں۔ جس طرح فلم کی سکرین پر ایک آدمی سلطان ہوتا ہے' پہلوان ہوتا ہے' شہہ زور ہوتا ہے' جرنیل ہوتا ہے' لیکن تب تک جب تک فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہے۔ اس سے باہر نکلتا ہے تو میک اپ اتار دیتا ہے' شوٹنگ کے دوران وہ شاہی لباس بھی عارضی ہوتا ہے' اور شاہی فرامین بھی عارضی ہوتے ہیں' اور وہ سارا دربار بھی ایک عارضی سیٹ بنا ہوا ہوتا ہے' بعد میں وہ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور بندہ درمیان سے وہی نکلتا ہے جو کچھ حقیقت میں وہ تھا۔ اگر ہماری عملی زندگی میں تبدیلی نہیں آتی' تو پھر یہ سب ایک اداکار کی طرح ہے' کہ ہم ایک ڈرامے کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ ہم نے اپنے آپ پر نیکی کا غلاف چڑھا رکھا ہے' اپنا حلیہ نیکوں جیسا بنا رکھا ہے' خود کو نیک کہلوانا چاہتے ہیں' لیکن عملی زندگی میں نیک نہیں ہیں' نیکی پر ہمارا اعتبار' ہم اپنا اعتماد یا یوں کہئے کہ اس پر ہمارا ایمان نہیں ہے۔ محض ایک شعبہ زندگی کی ہم ایکٹنگ کر رہے ہیں۔

میدان حشر میں آدمی ایسے آئے گا جیسے کوئی چٹھی لفافے سے نکل کر آتی ہے' ایک لفافہ بند ہے' کوئی نہیں جانتا' اس میں کس کی موت کی خبر ہے' کس کی شادی کی اطلاع ہے' کسی کے جانے کی بات ہے یا کسی سے ملنے کی بات ہے۔ لیکن جب وہ لفافہ اتار کر آپ خط کھول دیتے ہیں تو ہر دیکھنے والا دیکھتا ہے کہ اس میں کیا ہے۔ موت بندے سے سارے غلاف اتار دیتی ہے۔ برزخ میں بندہ جیسا ہوتا ہے' ویسا نظر آتا ہے۔ دنیا میں وہ پیر صاحب کہلا سکتا ہے' خان صاحب' چوہدری صاحب' ملک صاحب' وزیر' امیر' برسراقتدار افسر' سب کچھ کہلوا سکتا ہے لیکن یہ سارے اس کے باہر کے غلاف ہیں' باہر کے رنگ و روغن ہیں جو لوگوں کو دکھانے کے لئے وہ کر لیتا ہے۔ اندر کی دیوار پکی ہے یا کچی گارے کی؟ مٹی کی ہے یا پتھر کی۔ موت کی یہ بارش اوپر کے سارے غلاف اور سارے رنگ

دھو دیتی ہے۔ برزخ میں ویسے کا ویسا بندہ پہنچتا ہے جیسا وہ واقعی ہے۔ یاد الٰہی کے اثرات اس کی اساس اور اصل میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں' اس کی عملی زندگی میں' اس کی عملی سوچ میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں' اس کے کردار میں' اس کی دوستی' دشمنی کے انداز میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔

اسلام کے تقاضے

یعنی اسلام محض ایک مجموعہ عبادات یا چند رسومات کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کی عبادات ہیں اور یہ بندے کو اللہ کا بندہ بناتی ہے' انسان بناتی ہے اور عملی زندگی میں اس کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں دیکھتے ہیں کہ بنیادی طور پر مہاجرین ہیں' مکہ میں معدودے چند ایسے بندے تھے' جو عملی زندگی کے لوگ تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' فاروق اعظم رضی اللہ عنہ' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس طرح کے گنتی کے چند لوگ تھے۔ باقی اکثریت اہل مکہ میں ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی جن کا زندگی کا نہ اپنا کوئی کام تھا' نہ رخ تھا' نہ مشن تھا۔ کچھ مزارعے تھے' کچھ غریب تھے' کچھ مزدور تھے' کچھ غلام تھے اور جن کی زندگیاں دوسروں کی محتاج تھیں ان کی زندگی محض صبح کو شام کرنا اور شام کو صبح کرنا تھی۔ کتنے ایسے تھے جو باپ دادا سے غلام در غلام چلے آ رہے تھے۔ ان کی اپنی کوئی پسند و ناپسند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' جو مالک نے کہہ دیا کر دیا' جو اس نے کھلا دیا کھا لیا' جو اس نے پہنا دیا پہن لیا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ مگر وہ لوگ جنہیں عملی زندگی سے کوئی سروکار نہ تھا جب نور ایمان سے ان کے سینے منور ہو گئے تو کفر کے لئے ایک ایک بندہ ناقابل تسخیر چٹان ثابت ہوا۔ یعنی وہ بلال رضی اللہ عنہ جو جدی پشتی غلام تھا اس کی ساری اطاعت صرف اللہ کے لیے مختص ہو گئی اور اہل مکہ اپنے پورے مظالم توڑنے کے بعد تھک ہار کر بیٹھ رہے لیکن اس بندے کو شکست نہ دے سکے۔ یہ ہے نور ایمان اور یہ ہے اسلام۔

یہ ہمارے والا اسلام کہ مسجد میں آئے تو سجدہ کر لیا' کورٹ میں گئے رشوت دے لی' دفتر میں گئے تو مفت کی تنخواہ لے لی' خود کہیں گھومتے رہے تنخواہ کہیں اور لیتے رہے' پیسے لے لئے' کام نہ کیا' کام کیا' تو ساتھ رشوت لے لی' یہ اسلام نہیں ہے۔ یہ زندگی ایسی ہے کہ ہم نے مسلمانی کا بہروپ بھر رکھا ہے' مسلمانی کی ایکٹنگ کر رہے ہیں۔ اللہ کریم ہے' وہ اسی بہروپ کو قبول فرما کر ہمیں معاف کر دے' آخرت میں ہمیں بخش دے' تو اس کی مرضی۔ لیکن دنیا میں جو کچھ بہروپیوں کے ساتھ ہوتا ہے' ہمارے ساتھ وہی ہو رہا ہے۔ آپ نے بازار میں بہروپیوں کو دیکھا ہو گا' کہیں وہ پاگل کا روپ دھار کر' کہیں ڈاکٹر بن کر' کہیں کچھ اور بن کر آ جاتے ہیں۔ بہروپئے کے ساتھ کیا ہوتا ہے' کوئی جھڑک کر بھگا دیتا ہے' اگر کسی کا موڈ آف (مزاج بگڑا) ہو تو وہ کہتا ہے' جاؤ دفع ہو جائے' یار تنگ نہیں کرو' یہاں سے بھاگ جاؤ' کوئی خوش ہو جاتا ہے' وہ اسے آٹھ آنے' روپیہ' دو روپے' پانچ روپے دے دیتا ہے اور بات ختم ہوئی۔ نہ اس کی ڈاکٹری سے کوئی استفادہ کرتا ہے۔ (اگر وہ ڈاکٹر بنا ہوا ہے) اور اگر وہ کوئی بہت بڑا افسر بن کر آتا ہے' تو اس کی افسری کو کوئی خاطر میں نہیں لاتا۔ وہ فقیر بنا ہوا ہے تو اس کی فقیری کو کوئی نہیں پوچھتا' اس لئے کہ بندے کو پتہ ہوتا ہے' کہ یہ بہروپیا ہے۔ اس نے دو وقت کی روٹی کھانے کے لئے یہ روپ دھار رکھا ہے۔ کہیں سے بے عزتی ہوئی' کہیں سے نکال دیا' کسی نے کچھ دے دیا' وہ اس کا صبح و شام کا کھانا بن جاتا ہے۔

آج من حیث القوم مسلمان قوم ایک بہروپئے کی زندگی جی رہی ہے۔ جس قوم کے پیدا ہونے اور مرنے پر بھی یہودیوں کا کنٹرول ہے اور جسے حکم ہے کہ اپنی وزارت بناؤ' تمہارے کتنے بچے پیدا ہوتے ہیں' کتنے ہونے چاہئیں اور اس سے زیادہ نہیں ہونے چاہئیں' ورنہ تم یہودیوں کے سامنے جوابدہ ہو۔ کیا یہ قوم قومی زندگی جی رہی ہے اور ان حالات سے سمجھوتہ کر کے ہم جو لمبے سجدے کرتے ہیں اور جو لمبی اذانیں دیتے ہیں' اس کے ساتھ صلوۃ والسلام

بھی جمع کرتے ہیں کہ ہماری اذانیں کوئی سپیشل قسم کی ہیں' صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سادہ سادہ تھیں' وہ کام تھوڑا کرتے تھے' ہماری اذانیں بھی سپیشل ہیں۔ ہم اسلام کے لئے بہت بڑا کام کر رہے ہیں' تو کیا یہ سارا مکر نہیں ہے؟ یہ سارا فریب نہیں ہے؟ اپنے آپ کو دھوکا دینے والی بات نہیں ہے' یہ سارا بہروپ نہیں جو ہم نے دھار رکھا ہے اور کافر کبھی خوش ہوتا ہے' اس پر ہنستا ہے' تو ہمیں روٹی کے دو لقمے زیادہ دے دیتا ہے' کبھی خفا بیٹھا ہوتا ہے' تو ہمیں جھاڑ دیتا ہے' بھگا دیتا ہے۔

ذکر و قربِ الٰہی

تو ذکر الٰہی اللہ کے ساتھ بندے کا ایک رشتہ پیدا کرنا ہے اور وہ بندہ اللہ کا بندہ بن جاتا ہے۔ اللہ کی نسبت سے اپنی عملی زندگی اور میدان عمل میں اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ جھٹک دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے موت بھی قبول ہوتی ہے' لیکن وہ اس راستے سے نہیں ہٹتا۔ یہ یاد رکھئے کہ اگر یہ سب کچھ سچ نہ ہو' یہ اصل نہ ہو تو معیت رسالت ﷺ نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ کے نبی ﷺ کا ساتھ نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کو ساتھ رہنے کے لئے اللہ نے حکم دے دیا ہے کہ کن لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کو رہنا ہے اور ہر حال میں ضرور رہنا ہے۔

اللہ نے فرمایا۔ وَاصْبِرْ۔ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک کے رکھئے وَاصْبِرْ نَفْسَكَ۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اپنی ذات ستودہ صفات کو روک کر رکھئے۔

الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ۔ جو رات دن' صبح شام' اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کی رضامندی کے حصول کے لئے خواہ دنیا بھر کا کوئی نقصان بھی سامنے آ جائے' ان کا ساتھ آپ ﷺ نہیں چھوڑیئے گا' ان کی طرف سے نگاہ مبارک نہیں پھیریئے گا اور دوسری طرف وہ لوگ جن کے دلوں کو ہم نے

اپنی یاد سے غافل کر دیا' وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا۔ ان کی بات کو پرکاہ وقعت نہ دیجئے' اس لئے کہ ان کے دل ہم نے اپنی یاد سے روک دیئے۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ تو وہ خواہشات کے پیروکار بن گئے۔

وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔ اور اس کا کام حد سے گزر گیا' اس کی بات بگڑ گئی' اس کا کردار مسخ ہو گیا۔

اللہ کریم ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور اپنی یاد کی توفیق ارزاں فرمائے اور عملی زندگی میں اتباع آقائے نامدار ﷺ نصیب فرمائے۔

☆ ☆ ☆

ذکر اسم ذات کا حکم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا۔

شیطان اور انسان کے تعلقات

اللہ بہت بڑا رحم کرنے والا ہے اور اتنی بڑی شان رحمانیت کا مالک ہے کہ جس سے دار دنیا میں وہ بھی فائدہ اٹھا رہا ہے جو اس کی عظمت کا اقرار نہیں کرتا۔ لیکن دنیا فانی ہے' وقتی ہے۔ حقیقی فائدہ اس کی یاد' اس کے ذکر' اس کی رضا اور اس کی رحمت سے عبارت ہے۔ جو دائمی ابدی اور اخروی زندگی سے متعلق ہے۔ جس میں کافر کو یا ایسے انسان کو جس نے اللہ کی معیت کو چھوڑ کر شیطان کی رفاقت اپنے لئے پسند کر لی' اسے کچھ حاصل نہیں ہو گا اور قرآن حکیم کا یہ ارشاد کہ رب جلیل خود ایسے آدمی کے ساتھ شیطان کو مقید کر دیتے ہیں' پکا پکا نتھی کر دیتے ہیں' ساتھ لگا دیتے ہیں۔

وَمَنۡ یَّعۡشُ عَنۡ ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَیِّضۡ لَہٗ بہت بڑا رحم کرنے والے کے ذکر سے جو محروم ہوتا ہے' جو اس سے اعراض کرتا ہے یا اس کی پرواہ نہیں کرتا یا اس کے لئے اسے فرصت نہیں ملتی' اس کے لئے وہ کوشش نہیں کرتا۔ اس کے پاس وقت ہی نہیں بچتا۔ تو ہم اس کے ساتھ شیطان کو پابند کر دیتے ہیں۔ رب جلیل کا ایک قانون ہے فرماتا ہے۔ نُقَیِّضۡ لَہٗ شَیۡطٰنًا فَہُوَ لَہٗ قَرِیۡنٌ۔ اس کے ساتھ شیطان کو ہم باندھ دیتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہم جب پریشان ہوتے ہیں' جب ہمارے سامنے تاریکیاں آ جاتی ہیں' ہمیں کچھ

سجھائی نہیں دیتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس تاریکی' اس ابہام' اس پریشانی سے ہمیں کوئی روشنی کی کرن' کوئی راستہ' کوئی باہر جانے کی راہ ملے لیکن اس کے لئے پھر ہم شیطان ہی کو ساتھ رکھتے ہیں۔ یعنی اس کا اصل علاج تو یہ ہے کہ ہم شیطان سے خود کو جدا کریں اور معیت باری جل سبحانہ کو' معیت الہیہ کو' اللہ کی معیت کو حاصل کریں' تب تک شیطان ساتھ بندھا رہے گا۔ تاریکی اور شیطان ایک چیز کے دو نام ہیں۔ پریشانی اور شیطان ایک چیز کے دو نام ہیں۔ رسوائی اور شیطان ایک چیز کے دو نام ہیں۔ ناکامی اور شیطان ایک چیز کے دو نام ہیں۔ ہماری سمجھ میں تھوڑا سا ہیر پھیر ہے' ورنہ رسوائی کیا ہے' شیطان ہی کا ایک نام ہے۔ اس کے تعلق سے' اس کی بات ماننے سے یا اس کے زیر اثر چلنے سے رسوائی ہوتی ہے اور پریشانی رسوائی کا پھل ہے۔ جو شیطان کے ساتھ رہنے کا ایک حتمی اور یقینی نتیجہ نقصان ہے' منطقی نتیجہ ہے' الٹی میٹ ریزلٹ ہے۔ تو جب ہمارے ساتھ ایک شیطان پکا پکا بندھا ہوا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ میرے ہاتھ پر انگارا رکھا ہے لیکن میں جلوں نہیں۔ بھئی عجیب بات ہے اگر مطالبہ ہے کہ دم کردو کہ میرا ہاتھ جلے نہیں' دم کردو کہ مجھے تپش نہ ہو' کوئی دم کردے کہ مجھے پریشانی نہ ہو' کوئی دم کردو' کہ اس سے دھواں نہ نکلے' تو تم آگ چھوڑ ہی کیوں نہیں دیتے؟

شیطان کا علاج

اصل علاج تو اس کا یہ ہے' کہ میرے بھائی آگ پھینک کیوں نہیں دیتے۔ جب آپ آگ پھینک دیں گے' جب میں آگ پھینک دوں گا تو مجھے کسی دم کرنے والے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ کسی سے تعویذ لے کر بازو پر باندھنے کی ضرورت نہیں ہوگی اس لئے کہ ہاتھ پر آگ ہے ہی نہیں' تو یہ مسلسل پریشانی و ناکامی و نامرادی' مسلسل تاریکی' مسلسل گھبراہٹ' مسلسل دباؤ' مسلسل ایک عذاب کی سی کیفیت' شیطان کی رفاقت کا یہ ایک لازمی نتیجہ ہے۔

جسے ہم دنیوی زندگی میں محسوس کر کے گھبرا اٹھتے ہیں۔ اگر ہم کبھی تنہائی میں بیٹھ کر اپنی آخرت کو سوچیں کہ آج' ابھی' اسی وقت میں مر جاؤں' میرا دم نکل جائے تو میں فرشتوں کے سامنے کیا جواب دوں گا' ان کے جو سوال ہیں' ان کا میرے پاس کیا جواب ہے' میرے پاس قبر میں جانے کے لئے کیا کچھ ہے' اٹھ کر میدان حشر میں جاؤں گا تو کیا کچھ لے جاؤں گا۔ تو ہمیں پتہ چل جائے گا' کہ ہم تو صرف دنیا کے لئے پریشان ہو رہے ہیں' آخرت کے لئے بالکل نہیں۔ ہم جو پریشان ہوتے ہیں کہ جی یہ پریشانی ہے' وہ پریشانی ہے' یہ سب دنیا کے لئے ہے۔

اگلے دن ایک خط ملا لکھا تھا فلاں فلاں پریشانی ہے' سب کے لئے کوئی وظیفہ بتایئے۔ ایسی دعا ہو' جو مختصر بھی ہو اور ایسی بھی ہو کہ صرف ایک نماز کے ساتھ پڑھی جا سکے کہ پانچ نمازیں نہ پڑھنی پڑیں۔ اب آپ اندازہ کریں کہ دنیا کے شدائد ایسے بہت جلالی ہیں' جو فوراً" مادی نگاہ سے نظر آ رہے ہیں اور ہم اس میں اتنے الجھے ہوئے ہیں کہ آخرت کی طرف ہماری توجہ نہیں۔ اس لئے کہ اس طرف سے ہم بے فکر ہیں۔ کہتے ہیں کہ چلو نمازیں نہ پڑھیں' روزے نہ رکھیں' اللہ اللہ نہ کرنی پڑے' لیکن پریشانیوں سے چھوٹ جائیں۔ پہلی بات تو یہ ہے' کہ اس چھوٹنے چھوٹنے کی لالچ میں ہر شخص مزید پھنستا رہتا ہے۔ بڑی سادہ سی بات ہے کہ چھوٹنے چھوٹنے کی امید میں ہر آدمی مزید پھنستا چلا جاتا ہے' کیونکہ اس چھوٹنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ جو آگ ہاتھ پر رکھی ہے' وہ انگارہ جو ہم نے اپنے دامن میں چھپا رکھا ہے۔ وہ جو بابے بلھے شاہ نے کہا تھا:

تیری بکل دے وچ چور

بھئی آپ تو لاٹھی لے کر شہر میں تلاش کرتے ہیں اور چور کو آپ نے اپنے پہلو میں چھپا رکھا ہے' چور تو آپ کے پہلو میں ہے۔ آپ کی آستین کے اندر' آپ کی قمیض کے اندر' آپ کی بنیان کے اندر ہے۔ آپ کے سینے کے اندر ہے۔ جب آپ نے دل ابلیس کے سپرد کر رکھا ہے' اس میں جب اللہ کی یاد نہیں ہے' جب وہ ذاکر نہیں ہے' تو اس میں شیطان تو ہو گا۔ تو انہوں نے

بڑے سادہ سے الفاظ میں بچگانہ معصومانہ سادہ سی پنجابی میں فرمایا۔ ''تیری بکل دے وچ چور'' بھی تو باہر شور کرتا ہے' کہ میرا نقصان ہو گیا' میں لٹ گیا' میں برباد ہو گیا' تو چور تو تیری بکل میں ہے۔ پنجابی میں بکل کہتے ہیں' وہ کھیس چادر جو لے کر ہم لپیٹ لیتے ہیں' اسے بکل کہتے ہیں' تو چور کو تو تو اپنے دامن میں چھپائے پھرتا ہے اور پھر چیختا کس بات پر ہے۔ تو اس آیت کا وہ ترجمہ بنتا ہے نقیض لہ شیطانا فھو لہ قرین۔ کہ ہم اس کے ساتھ شیطان کو پکا پکا جوڑ دیتے ہیں اور وہ ہر وقت رب کریم کی طرف سے بطور سزا اس کے ساتھ رہتا ہے۔

ذکر قلبی

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ سب سے غیور اللہ ہے۔ سب سے بڑا غیرت مند رب جلیل ہے اور یہ اس کی غیرت کا تقاضا بنتا ہے کہ جب کوئی اسے یاد نہیں کرتا' جس دل میں اس کے لئے جگہ نہیں ہے' وہاں پھر دشمنِ خدا تو ہو گا اور وہ خود مسلط کر دیتا ہے' وہ خود فرماتا ہے کہ اگر میرے لئے تیرے پاس جگہ نہیں تو لو' اسے رکھ لو' تمہیں ایک تو رکھنا ہو گا۔

میں نے کسی قدر اشارہ اس بات کی طرف بھی کر دیا تھا' کہ مطلق ذکر سے محرومی تو ایمان سے محرومی ہے۔ مطلق ذکر قلبی سے محروم آدمی ایمان سے محروم ہے۔ اس لئے کہ ایمان کی شرط تصدیق قلبی ہے اور جب دل تصدیق کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے' دل نے اللہ کو یاد کیا' یعنی ذکر قلبی کا ایک ادنیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ وہ توحید باری کی تصدیق کرتا ہے' رسالت کی تصدیق کرتا ہے' ضروریات دین کی تصدیق کرتا ہے' یہ تصدیق قلبی' ذکر قلبی کا ایک ادنیٰ ترین درجہ ہے اگر اس سے بھی کوئی محروم ہے' تو اس کا ایمان ہی نہیں ہے کہ یہ تو ایمان کے لئے ضروری ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر جن احباب نے یہ تاویل کی کہ ہم تبلیغ کرتے ہیں

اور یہی بہت بڑا ذکر ہے' ہم جہاد کرتے ہیں یہ بہت بڑا ذکر ہے' ہم حج کرتے ہیں یہ بہت بڑا ذکر ہے' ہم نے رمضان شریف کے روزے رکھے یہ بہت بڑا ذکر ہے۔ میں نے عرض کیا تھا قرآن میں موجود ہے کہ نماز کے بعد بھی ذکر کا حکم ہے' میدان جہاد میں ذکر کا حکم ہے' حج کے دوران جب مناسک حج ادا کر چکو' تو فرمایا' کثرت سے اللہ کا ذکر کرو' اس کے ساتھ اللہ کے ذکر کا حکم موجود ہے۔ ہماری' آپ کی تبلیغ کو چھوڑ دیں۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حکم دیا' کہ وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي۔ بات کرتے ہوئے میرے ذکر میں کوئی سستی نہ ہو۔ نبی رحمت ﷺ کو براہ راست فرمایا۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اے میرے حبیب! اپنے رب کے نام کی تکرار فرمایئے۔ تعین ہو گئی کہ خود قرآن نے معین کر دیا ہے کہ ذکر سے مراد ہے اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ کرتے چلے جایئے۔ کتنی دیر تکرار کی جائے فرمایا وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔ اتنی تکرار کی جائے' کہ صرف اللہ ہی اللہ رہ جائے' کائنات معدوم ہو جائے۔ ذکر کرتے کرتے صرف اللہ ہی دل میں' دماغ میں' ذہن میں اللہ ہی اللہ رہ جائے۔

فقہی تنازعات

تو یہ بات حتمی طور پر قرآن حکیم سے ثابت ہو گئی اور اس میں کوئی ابہام نہیں' کوئی کسی ایک خاص مکتب فکر کا تعلق نہیں' کوئی اس میں حنبلی شافعی کا جھگڑا نہیں' کوئی اس میں حنفی' قادری کا جھگڑا نہیں' کوئی اس میں کسی صوفیانہ مسلک کا کوئی فقیہانہ مسلک کا جھگڑا نہیں۔ چونکہ جو بات نص قرآن سے صاف اور واضح ہو جاتی ہے اس پر کوئی نیا مسلک نہیں بن سکتا۔ ان باتوں میں مسالک ہوتے ہیں جن کے کئی پہلو ہوں۔ مثلاً" کوئی ایسا ارشاد ہے جس سے دو پہلو نکلتے ہیں۔ ایک مسلک والے ایک پہلو کو ترجیح دے لیتے ہیں' دوسرے والے دوسرے کو ترجیح دے لیتے ہیں اور مسالک میں صرف ترجیح ہوتی ہے۔ حق و باطل کا جھگڑا نہیں ہوتا کہ آپ نے جو مفہوم سمجھا اس سے بہتر یہ ہے۔ صحیح

آپ کا بھی ہے لیکن یہ اس سے بہتر ہے۔ یہ فقہی اختلاف جو آئمہ اربعہ میں ہے اس کی بھی یہی صورت ہے۔ ہر امام کے پاس جو مسلک ہے وہ اس بات کا قائل ہے کہ اسے دوسرے پر ترجیح ہے۔ دوسرے کو باطل کوئی نہیں کہتا' ناحق نہیں کہتا' بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ میں کہتا ہوں' یہ مفہوم اس سے زیادہ بہتر ہے' اس سے زیادہ صحت کے قریب ہے اور صحیح بھی ہے۔

یہ جو لڑائی جھگڑے اور ایک دوسرے کو کفر کے فتوے تک کھینچ کر لے جانا ہے یہ روزگار کا مسئلہ اور پیشہ ور لوگوں کا کام ہے' جن کا ذریعہ معاش ہی دین ہے۔ وہ اسے ہوا دے کر لوگوں میں ایک صورت حال پیدا کر کے مالی منافع اٹھانے کے لئے بناتے ہیں ورنہ اس کی شرعی ضرورت نہیں ہے۔

ذکر اسم ذات

جب یہاں تک بات ثابت ہوئی' تو اب سوال یہ ہوگا کہ ذکر کیسے کیا جائے۔ یاد رکھیں کہ نماز کے لئے اللہ نے حکم دے دیا وَاَقِیْمُو الصَّلٰوۃَ۔ قرآن اس سے زیادہ کچھ نہیں بتاتا لیکن حدیث رسول اللہ ﷺ نے' سنت نبی کریم ﷺ نے اس کے اوقات' اس کی رکعات' اس کے رکوع' اس کے سجدے' اس کی عبارات اور اس میں جتنی حرکات' اس کے لئے حالت وضو' اس میں لباس اور تمام اس کے جتنے مَالَہٗ وَمَا عَلَیْہِ یعنی جو کچھ اس کے لئے چاہئے تھا' اس سارے کو اپنے عمل سے آقائے نامدار ﷺ نے متعین فرما دیا۔ اب اس صورت مسنونہ سے نکل کر کوئی نماز پڑھنا چاہے تو نماز نہیں ہو گی۔ لباس درست نہیں ہے' سمت درست نہیں ہے' وضو درست نہیں ہے' قیام درست نہیں ہے یا رکوع درست نہیں ہے یا اس کے متعلق صحیح یا اس کے مطابق نہیں ہے۔ جہاں کہیں سے بھی چھوٹے گا یا کمی بیشی ہو گی' نماز درست نہیں ہو گی۔ اس طرح روزہ' حج' زکوۃ ان تمام عبادات' ان تمام ارکان کے قاعدے طریقے اوقات اور جگہیں معین و مقرر ہیں۔ لیکن جب بات ذکر کی آتی ہے تو نہ اللہ

نے اس کا کوئی ایک طریقہ معین فرمایا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے کوئی ایک قاعدہ معین فرمایا کہ اس طرح کیا جائے۔ بلکہ جب آپ ﷺ کی ذات کے بارے میں پوچھا گیا کہ حضور ﷺ کا ذکر کیسا تھا تو سیدہ کائنات سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا' کہ آپ ﷺ اپنے ہر حال میں ذکر کیا کرتے تھے عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ کے الفاظ آتے ہیں۔ اس سے مراد ہے کہ ہر حالت میں کوئی کسی کیفیت میں بھی ذکر کرنا لازمی ہے۔ حضور ﷺ ہوں' غسل فرما رہے ہیں' کھانا کھا رہے ہیں' کوئی صورت حال بھی ہے لیکن اس میں حضور ﷺ کا ذکر جاری رہتا ہے' ذکر کرتے رہتے ہیں۔

ذکر قلبی اور کثرت کا حکم

رب جلیل نے بھی یہی فرمایا اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔ وہ لوگ جو اللہ کا ذکر ہر حال میں کرتے ہیں' کھڑے ہوں' بیٹھے ہوں' لیٹے ہوں۔ انسان ان تینوں حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ہوتا ہے۔ سو رہا ہوتا ہے یا بیٹھا ہوتا ہے یا چل رہا ہوتا ہے' کوئی کام بیٹھ کر رہا ہوتا ہے۔ کوئی لیٹ کر رہا ہوتا ہے۔ تین میں سے ایک حال میں ہوتا ہے یا بیٹھا ہوتا ہے۔ یا لیٹا ہوتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے تو فرمایا ایسے لوگ جو ان تینوں حالتوں میں ذکر ضرور کر رہے ہوتے ہیں صاحب لب ہیں۔ اسے بعض احباب نے ذکر زبانی اور لسانی سمجھا' لیکن محققین کے نزدیک اس کا مصداق زبانی ذکر نہیں ہے اور جہاں تک میری ناقص رائے ہے میں آپ کو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جتنے زبانی اذکار مسنون ہیں' جتنے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں' حضور ﷺ کے مخاطب وہ لوگ تھے' جن کے نہ صرف قلوب بلکہ ہر ذرہ بدن ذاکر تھا۔

قرآن حکیم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حالت پر گواہ ہے۔ فرماتا ہے۔ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَ قُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔ کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ہر ذرہ بدن ان کا ذاکر تھا تو گویا ذاکرین کو پھر حضور ﷺ

نے زبانی وظائف و تسبیحات و مسنون وظائف ارشاد فرمائے۔ یعنی ذاکرین کو بھی ضرورت ہے کہ وہ تسبیحات پڑھیں۔ زبانی وظائف جو مسنون ہیں وہ بھی پڑھا کریں۔ اب اس سے یہ مراد لے لینا کہ ذکر قلبی کی ضرورت ہی نہیں' زبانی وظائف پڑھے جائیں۔ میرے خیال میں یہ قطعاً" صحیح نہیں ہے۔ یہ میری ذاتی رائے ہے اور میری عقل' میرے شعور یا جو کچھ اللہ نے مجھے سمجھایا ہے' اس کے مطابق اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے نہیں کہ میں کہتا ہوں بلکہ اس لئے کہ مجھے اس کے باہر کچھ نظر نہیں آتا' میری رسائی یہاں تک ہے۔ ویسے اختلاف کا حق تو ہر کسی کو حاصل ہے۔

نبی کریم ﷺ جن لوگوں کو خطاب فرماتے تھے' جنہیں آپ نے وظائف عطا فرمائے' جنہیں آپ نے تسبیحات پڑھنے کا حکم دیا' جن کو آپ نے کہا' تینتیس بار سبحان اللہ' تینتیس بار الحمد اللہ اور چونتیس بار اللہ اکبر پڑھو' جن سے حضور ﷺ نے کہا سبحان اللہ و بحمدہ پڑھا کرو' جن سے حضور ﷺ نے کہا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھا کرو۔ وہ لوگ کون تھے کیا ان کے قلوب ذاکر تھے یا نہیں؟ تو اصل بات یہ ہے کہ ان کا حال جب ہم اللہ کی کتاب سے پوچھتے ہیں تو اللہ گواہی دیتے ہیں۔ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَ قُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان کا تزکیہ فرمایا تھا۔ جو فرائض نبوت میں سے تھا اور ان کا تزکیہ ایسے ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نہ صرف دل ذاکر تھے بلکہ کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ہر قطرہ خون' ہر ہڈی' ہر ریشہ' ہر بال' ہر ذرہ گوشت' ہر ہر مسام ان کا اللہ اللہ کیا کرتا تھا۔ تو اس سے مراد تو یہ ہے کہ یہ جو زبانی ازکار ہیں یہ ذکر قلبی کے متبادل نہیں ہیں۔ بلکہ ان سے کما حقہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے قلب کا ذاکر ہونا ضروری ہے۔ جو ترجمہ میں کرتا ہوں ان ارشادات کا' اس کے مطابق تو ذاکرین کے لئے بنیادی طور پر مسنون وظائف سے فائدہ ہی ان کو ہو گا جن کے دل' جن کے وجود ذاکر ہوں گے۔ لطائف روشن ہوں گے۔ اگر نہیں ہوں گے تو یہی حال ہو گا۔ لوگ ساری عمر

تسبیحات تو پڑھتے رہتے ہیں۔ لیکن ان پر کچھ اثر تو مرتب نہیں ہوتا' کیوں نہیں ہوتا۔ جب کہ حدیث شریف میں وعدہ ہے۔ ہماری نماز پر اثر مرتب کیوں نہیں ہوتا جب کہ قرآن کہتا ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔ نماز بے حیائی سے' برائی سے روک دیتی ہے۔ یہاں تو حج بھی نہیں روکتا کسی کو نماز کیا روک لے گی؟ یعنی نماز تو اپنی جگہ رہی' حج کر کے ہم آتے ہیں اور ویسے کے ویسے رہ جاتے ہیں' تبدیلی نہیں آتی' عملی زندگی نہیں بدلتی' عقائد کی اصلاح نہیں ہوتی۔ اعمال کی اصلاح نہیں ہوتی' اتنی بڑی بھٹی سے جو نکل کر آتا ہے پھر میلے کا میلا رہتا ہے آخر کیوں رہتا ہے؟ تو میرے خیال میں اس کے جملہ فضائل اس کیفیت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جب دل ذاکر ہو۔

ذاکر دل کے ساتھ جب آدمی طواف کرتا ہے' رکوع و سجود کرتا ہے' تسبیحات پڑھتا ہے' تو اس پر ایک خاص کیفیت' ایک خاص اثر مرتب ہوتا ہے اور یہ مسنون لسانی اذکار ان لوگوں کا حصہ ہیں جن کے وجود' جن کے قلوب' جن کے لطائف ذاکر ہیں۔ اسی لئے امت مرحومہ میں جتنے طریقہ ہائے ذکر رائج ہیں۔ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے چودہ یا سولہ سلاسل تصوف کا ذکر فرمایا ہے لیکن یہ بہت زیادہ ہیں انہوں نے صرف معروف طریقے لئے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ آج ہم میں چار طریقے مشہور ہیں' چار پانچ ایسے ہیں کہ جو ان سے تھوڑے معروف ہیں اس لئے ان کے نام ابھی بھی لئے جاتے ہیں' کوئی نہ کوئی مدعی مل جاتا ہے کہ میں اس سلسلے سے تعلق رکھتا ہوں جیسے کبھی کبھی مولانا رفاعی صاحب پنڈی سے تشریف لاتے ہیں' سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سلسلہ تصوف سلسلہ رفاعیہ بھی جاری ہوا تھا' جس کے نام پر لوگ رفاعی کہلاتے ہیں' اسی طرح مختلف بزرگوں کے سلسلے معدوم ہو جاتے ہیں۔ لیکن تصوف کے یہ چار سلاسل بہت مشہور ہیں۔

سلاسل میں نقشبندیہ کی اہمیت و نسبت اویسیہ

ان چاروں میں بھی چشتی' قادری' نقشبندی' سہروردی کی اصل ذکر قلبی

ہے۔ طریقہ ذکر صرف اس لئے مختلف ہے کہ نقشبندیوں کے علاوہ باقی تینوں سلاسل کے لوگ ذکر لسانی سے شروع کراتے ہیں اس لئے کہ ایک ردھم بن جائے' یکسوئی حاصل ہو جائے' توجہ ایک مرکز پر آجائے تاکہ اسے پھر ذکر قلبی پہ لایا جاسکے مثلاً" وہ تمہیں کہیں گے کہ سب بیٹھ کر پڑھیں لا الہ الا اللہ پھر الا اللہ کچھ دیر پڑھیں' پھر الا اللہ کو چھوڑ دیں' اللہ اللہ اللہ کچھ دیر پڑھیں۔ پھر اس سے بھی زبان خاموش کر لیں پھر دل پر خیال کریں کہ دل سے آواز آئے اللہ اللہ اللہ' اس طرح وہ آدمی کو آہستہ آہستہ شروع کرا کے ذکر لسانی سے ذکر قلبی پر لے جاتے ہیں۔

قلبی ذکر

صرف ایک سلسلہ نقشبندیہ ایسا ہے جو شروع ہی ذکر قلبی سے کرتے ہیں۔ ذکر لسانی سے نہیں اور اسی پر مشائخ نقشبندیہ اللہ کریم کا شکر اور فخر کرتے ہوئے کہ اللہ کی نعمت جو ان کے پاس آئی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اول ما آخر ہر منتھی کہ دوسرے سلاسل جہاں آخر لا کر بندے کو پہنچاتے ہیں ہم اس سے بسم اللہ اور ابتداء کراتے ہیں' یعنی وہ سارا پراسس' وہ ساری محنت کرا کے پھر وہ آخر وہاں پہنچاتے ہیں کہ اس کے قلب سے اللہ اللہ کی آواز آئے اور ہم اللہ کی عطا سے شروع اسی سے کراتے ہیں کہ اس کا قلب اللہ اللہ کہنے لگے۔

و آخر ما جیب تمنا تہی۔ اور ہمارے سلسلے کی انتہا یہ ہے کہ آدمی کے پاس مانگنے کے لئے کچھ نہیں رہ جاتا اتنا ملتا ہے کہ اسے سمجھ ہی نہیں آتی کہ اب مزید کیا مانگوں۔ یعنی جو کچھ آدمی مانگ سکتا ہے' اس سے کئی گنا زیادہ وہ پا لیتا ہے' اس کی عقل ماری جاتی ہے' ہوش جواب دے جاتے ہیں' میں کیا مانگوں' وہ مانگنے کے قابل بھی نہیں رہتا' اسے سمجھ نہیں آتی' عقل ساتھ نہیں دیتی' اتنا کچھ اسے حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اب مزید اور کیا مانگوں۔ نقشبندیہ میں ہی نسبت اویسیہ ہے' یہ ہمیشہ ہی سے اسی سلسلے کا حصہ رہی ہے اور اسی

الانتباہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس نسبت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ یہ نسبت عجیب نسبت ہے۔

نسبت اویسیہ کا ظہور

یہ لوگ جب معدوم ہوتے ہیں تو یوں مٹتے ہیں جیسے کوئی دریا بہتے بہتے صحرا میں گم ہو جائے' جذب ہو جائے اور چٹیل میدان جس میں ریت ہو اور کوئی بھاپ کا قطرہ نظر نہیں آتا۔ لیکن جب یہ ظاہر ہوتے ہیں تو کسی صحرا سے چشمہ پھوٹتا ہے اور آناً "فاناً" روئے زمین کو سیراب کر کے رکھ دیتا ہے' یوں سمجھ آتی ہے کہ دنیا میں صرف انہی کا ڈنکا بجتا ہے۔ پھر سمندر کی طرح پھیلتے ہیں اور پھر زمانہ انہی کا ہوتا ہے۔ اَلْاِنْتِبَاہُ فِیْ سَلَاسِلِ اَوْلِیَاءِ اللّٰہِ کا مفہوم اس طرح کا ہے' میں الفاظ نقل نہیں کر رہا' مفہوم نقل کر رہا ہوں' کیونکہ میں نے یہ ۱۹۶۲ میں دیکھی تھی اور اب ۹۰ء آنے کو ہے' تو واقعی یہ نسبت ایسی ہے' کہ اگر نصیب ہو جائے تو تمام ان نسبتوں میں سے جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نصیب ہو سکتی ہیں' مضبوط تر قریب تر اور طاقت ور ترین ہے اور ایک نگاہ میں نہ صرف قلب بلکہ ہر ذرہ بدن کو ذاکر بنا دیتی ہے۔ اب اسی کے ساتھ ایک بڑا سوال یہ بھی ہے۔ میں اکثر بیان کرتا رہتا ہوں' دلائل السلوک میں اس پر بہت زیادہ بحث کی گئی ہے لیکن ساتھیوں میں نقص یہ ہے کہ کتاب دیکھنے کے بجائے سوال لکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں حالانکہ آسان یہ ہے کہ کتاب دیکھ لی جائے۔

بدعت اور ہمارا طریقہ ذکر

جی یہ طریقہ ذکر بدعت ہے۔ بدعت کا فتویٰ دینے والوں سے کوئی پوچھے کہ بدعت کہتے کسے ہیں ہر اس کام کو بدعت کہا جائے گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا یا کسی طرح سے ثابت نہیں ہے کیونکہ عمل صحابی رضی اللہ عنہ بھی سنت ہے' خصوصاً" خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عمل تو سنت ہی ہے

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّتِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ۔ لو کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکن تب وہ کام بدعت ہو گا جب آپ کہیں کہ اس کام کو اس طرح کرنا ثواب ہے یعنی آپ اسے شریعت کا حصہ بنا لیں وہ بدعت ہو جائے گا۔ آپ اسے شریعت کا حصہ نہیں بناتے تو وہ اس کام کو کرنے کا ایک سبب ہے جیسے حج مقصد ہے۔ سفر کا ذریعہ حضور ﷺ کے زمانے میں پیدل تھا یا اونٹ تھا یا گھوڑا تھا۔ پھر موٹر آئی' اب ہوائی جہاز آگیا' اب یہ کہنا کہ موٹر بدعت ہے یا ہوائی جہاز بدعت ہے' اس سے بڑی بھی کوئی جہالت ہے؟ موٹر یا جہاز کو ثواب یا گناہ کہتا ہے' اسے کوئی دین کا حصہ سمجھتا ہے۔ یہ تو سب سفر کے ذریعے ہیں۔ اللہ کریم نے ایک طریقہ آسان مہیا فرمایا جو کوئی اسے اختیار کرنا چاہے اختیار کر لے۔ مقصد تو حج ہے۔ ارکان حج میں گھٹائے یا بڑھائے گا یا خلاف سنت کا مرتکب ہو گا یا ترک فرض کا مرتکب ہو گا۔ یہ کچھ کرے گا تو بدعت کا شکار ہو گا۔ یہاں ذکر مقصد ہے۔ قرآن میں اور سنت رسولؐ میں ذکر کا حکم ہے لیکن طریقہ ذکر متعین نہیں کیا۔ تو اب میں آپ یا کوئی دوسرا کوئی طریقہ متعین نہیں کر سکتا۔ اسی لئے ہم نہیں کہتے' کہ ہم جس طرح سے ذکر کرتے ہیں اسی طرح سے کرو' ثواب ہے' دوسری طرح سے نہیں۔ جس طرح سے کوئی چاہتا ہے کرو' کھڑے ہو کر کرو' بیٹھ کر کرو' لیٹ کر کرو' جس طرح مرضی ہے کرو۔ یہ الگ بات ہے' کہ مشائخ سلاسل کے اپنے اپنے تجربات ہیں' کسی نے اس طریقے کو مجرب پایا' کسی نے اور طریقے کو اچھا سمجھا کہ اس طرح سے زیادہ فائدہ ہے' دوسرے نے کسی اور طریقے سے فائدہ حاصل کیا ہے۔ اب آپ اذکار کو تصوف کی کتابوں میں پڑھیں تو بے شمار طریقے ہیں۔ طریقہ یک ضربی' دو ضربی ذکر' سہ ضربی ذکر' چہار ضربی ذکر' ذکر پاس انفاس' حبس دم بے شمار طریقے لکھے ہیں' اب یہ سب کی اپنی اپنی ذاتی تحقیق ہے' مقصد صرف ذکر الٰہی ہے' یہ سارے ذرائع ہیں۔ جب ذریعے پر شریعت اصرار نہیں کرتی' کسی دوسرے کو اس پر اصرار کرنے کی بدعت یا سنت بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ جو کہتا ہے یہ

بدعت ہے وہ سنت طریقہ بتائے۔ اگر وہ کہتا ہے کہ بس مسنون تو تسبیحات پڑھنی ہیں، میں کہتا ہوں تسبیحات تو ذاکرین ہی کے لئے ہیں جن کا وجود بھی اور دل بھی ذاکر تھا کیونکہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے تو قرآن کہتا ہے۔

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تو وجود قلوب اور جلود کو ذاکر کرنے کا کیا طریقہ ہے وہ بتاؤ۔ یا محض سرے سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ چائے پینا بدعت ہے، بس پر بیٹھنا بدعت ہے، یہ شلوار پہننا بدعت ہے، یہ اس طرح کی ٹوپی پہننا بدعت ہے۔ اس طرح کے یہ کام یہ سارے مباحات میں سے ہیں۔ ستر عورت فرض ہے، کافر کی مشابہت نہ ہو، کوئی لباس پہن لے، کوئی بھی شریفانہ لباس ہو۔ کوئی چیز آ جائے ہم کھاتے ہیں۔ زمانہ اطہر رسول ﷺ میں تو ملتا بھی نہیں تھا جو کچھ ہم آج کھاتے ہیں۔ نہ اس طرح کا پکایا جاتا تھا۔ یہ سارا بدعت قرار دے دیا جائے جو کچھ آج ہم پیتے ہیں۔ اس طرح کی چیزیں تو اس زمانے میں نہیں تھیں۔ سواریاں اس زمانے میں اس طرح کی نہیں تھیں، اسلحہ اس زمانے میں اس طرح کا نہیں تھا۔

تو یہ کیا ہے، یہ سارے اسباب ذرائع ہیں، مقصد جب بھی بدلیں گے نقصان ہو گا۔ ذرائع کے لئے صرف ایک قید ہوتی ہے کہ ان ذرائع سے شریعت کی کوئی حد پامال نہ ہو، کہیں سے کوئی شرعی قاعدہ نہ ٹوٹتا ہو، شریعت کے ساتھ ٹکراؤ نہ ہو، کسی سنت کی پامالی نہ ہو۔

جو اسے بدعت قرار دیتے ہیں کیا ان کے وجود، ان کے قلوب ذاکر ہو گئے۔ ان کے پاس کوئی سنت طریقہ ہے تو ہمیں بتا دیں ہم وہ اختیار کر لیتے ہیں۔ غرض تو وجود کو، دل کو، بدن کو، جسم کو، جان کو اللہ کا ذاکر بنانا، شیطان کے پنجے سے رہائی پانا اور اللہ کی معیت کو حاصل کرنا ہے۔ تو اگر محض ذکر سے روکنا اگر کسی کا کام ہے تو اس کام کے لئے شیطان کافی ہے، یہ تو انسان کا کام ہی نہیں۔

پھر مسلمان بھی ہو اور اللہ کے ذکر سے روکے۔ روکے گا تو نادانی میں یا

ناسمجھی میں' غیر شعوری طور پر یا نہ سمجھتے ہوئے وہ کام کرے گا جو شیطان کو کرنا چاہئے۔ اس کام کے لئے اسے ہی رہنے دیں۔ اگر خود ذکر نہیں کر سکتے تو جو کرتا ہے اسے کہیں کہ زیادہ وقت لگایا کرو کم از کم کوئی تو اسے پریشان کرتا ہی رہے یعنی کسی کو تو ایسا کام کرنے دیں' کوئی ایسا آدمی تو دنیا میں ملے جس کے وجود کے ساتھ شیطان بندھا ہوا نہ ہو' کچھ تو دنیا میں کوئی نمونے کے مسلمان ہوں۔ ایسے لوگ' ایسے کردار کے لوگ' ایسے کام کے لوگ ہوا کرتے تھے اس طرح سے ہوبہو نہ سہی تو کم از کم کوئی اندزاہ' کوئی تخمینہ تو لگا سکے کہ اس طرح کے لوگ یا اس سے بہتر لوگ ہوتے ہوں گے۔

منصب کلمات شیخ

میں بے شمار دفعہ بتا چکا ہوں اور میں بار بار ایک بات کو دہرانا نہیں چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ مجھ میں بہت کمزوریاں ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک بات ایک بار کہہ دوں۔ اتنا وقت' اتنی فرصت نہیں ہے کہ میں یہ باتیں کرتا رہوں۔ موت بالکل ساتھ ساتھ ہے اور میں نہیں جانتا کہ کس وقت اس زندگی کا لباس اتار کر کفن پہننا پڑ جائے۔ میرے پاس اتنی فرصت ہی نہیں ہے کہ میں ایک ہی بات کو بار بار دہراتا رہوں۔ پھر صوفیاء کا یہ قاعدہ ہی نہیں ہے کہ وہ کسی بات پر اصرار کریں۔

تصوف کا قانون یہ ہے کہ شیخ کا کام ہے وہ کہہ دے۔ سننے والوں کا یہ کام ہے کہ مان لے۔ جو مان لے گا اسے فائدہ ہو گا۔ جو نہیں مانے گا وہ اپنا نقصان کرے گا۔ یہ شیخ کا دردسر نہیں ہے یہ ماننے والے کا دردسر ہے۔ چونکہ استفادہ کرنے کے لئے دل کو دل کے روبرو کرنا پڑتا ہے' جتنا زاویہ ترچھا ہو گا' اتنی روشنی کم پڑے گی۔ یہ تو سادہ سی بات ہے' سورج بھی نکلا ہوا ہے' ہم شیشے میں شعاع منعکس کرنا چاہتے ہیں تو جتنا شیشے کا رخ اس کی طرف سیدھا ہو گا روشنی اتنی زیادہ آئے گی۔ جتنا ترچھا کرلیں گے اتنی کم ہوتی جائے گی۔ بالکل الٹا

دیا جائے تو بالکل اٹھ جائے گی خواہ زندگی کے کسی سٹیج پر بھی ہو۔ یہی حال انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام کی مثال تو سورج کی ہوتی ہے اور استعداد رکھنے والے خدام اپنے قلوب کو سیدھا رکھنے کا تکلف کرتے ہیں اور یہی حال صوفیاء کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد کے خادم نبوت کی حیثیت سے روشنی بانٹنے والے لوگ ہوتے ہیں اور حاصل کرنے والے کا اپنا کام ہوتا ہے اور اس میں اتنی پابندی ہوتی ہے۔

ایک دفعہ مراقبہ احدیت کی تسبیح پر بات ہوئی۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا صرف و نحو اور منطق میں بہت وسیع مطالعہ اور پایہ بہت بلند تھا۔ بلکہ بڑے بڑے فاضل علماء کو آپ رحمۃ اللہ علیہ چیلنج کر دیتے تھے کہ میرے سامنے کلمہ طیبہ کا معنی سناؤ۔ جب آپ اعتراض کرتے تو بڑے سے بڑا آدمی پھنس جاتا تھا۔ اس کے معنی نہیں کر سکتا تھا۔ منطقی اعتبار سے صرف و نحو اور گرائمر کے اعتبار سے اعتراض کرتے تھے' انہیں اعتراضات کے جواب نہیں آتے تھے اور وہ اعتراض درست ہوتے تھے' ان سے حل نہیں ہوتے تھے۔ تو اکثر علماء کو آپ مناظرے میں کہہ دیتے تھے کہ موضوع پر بات تب ہو گی۔ تم میرے سامنے کلمہ طیبہ کا معنی سنا دو۔ اگر تمہیں آتا ہو تو تم ثابت کرو کہ یہی معنی ہے پھر اگلی بات کریں گے۔ اگر تمہیں کلمے کا معنی ہی نہیں آتا تو مجھ سے مناظرہ کیا کرتے ہو۔

ایک دفعہ ایک عالم نے' جو بہت نیک' اچھے صالح آدمی تھے یہ عرض کی کہ حضرت یہ جو مراقبہ احدیت کی تسبیح ہے وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَکَ یَااَللّٰہُ یہ تو صرف کے اعتبار سے بالکل غلط ہے۔ وحدہ صیغہ واحد غائب ہے۔ لا شریک لک واحد متکلم ہے یہ کیسے۔ وحدہ وہ اکیلا ہے غائب کی بات ہے یعنی اور یہاں واحد حاضر سے بات کر رہا ہے۔ لا شریک لک تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ تو لفظی ترجمہ یہ بنتا ہے۔ وحدہ وہ اکیلا ہے' لاشریک لک تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ یہ کیا عجیب الجھن بن جاتی ہے' اس میں زمانہ صحیح نہیں ہوتا۔

آپ نے فرمایا کہ تصوف میں مشائخ نے جو دعائیہ کلمات فرما دیئے ہیں'

برکات انہی میں ہیں' یہاں گرائمر کام نہیں کرتی۔ سادہ سا جواب میرے بیٹھے ہوئے ارشاد فرمایا اور یہ کہ میں تم سے زیادہ سمجھتا ہوں گرائمر کو' صرف و نحو کو' عربی کے اصولوں کو لیکن یہاں قاعدہ دوسرا ہے۔ یہاں شیخ کا کہہ دینا قانون ہے' یہاں تمہاری صرف و نحو قانون نہیں بنا سکتی' یہاں اس کا دخل نہیں ہے۔ یہ اس کی مرضی کہ وہ اس پر ہی برکات نازل کرتا ہے۔ اگر اسے بدل دو تو تمہارا مراقبہ ساری زندگی درست نہیں ہوگا' ساری زندگی صحیح نہیں ہوگا۔

مراقبہ معیت میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مشائخ سے یہ تسبیحات ملیں اَللّٰہُ حَاضِرِیْ اَللّٰہُ نَاظِرِیْ اَللّٰہُ مَعِیْ۔ یہی ہم پڑھا کرتے تھے۔ اور اس کے ساتھ قرآن کی آیت وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ۔ کچھ ساتھیوں نے اس میں تھوڑی سی تبدیلی کی اور اللہ شاہدی بڑھا لیا۔ بڑی بات تو نہیں تھی یعنی جب آپ کہتے ہیں اللہ حاضری' اللہ موجود ہے' اَللّٰہُ نَاظِرِیْ' اللہ مجھے دیکھ رہا ہے' اللہ معی' اللہ میرے ساتھ ہے اور اَللّٰہُ شَاہِدِیْ اَللّٰہُ حَاضِرِیْ کا ایک ہی معنی ہے۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ یہ نئی بات مت داخل کرو' یہ ہضم نہیں ہو پائے گی اور وہی ہوا۔ وہ نئی بات کیا ہضم ہوتی ان نئی راہوں کے متلاشی سارے ہی غائب ہو گئے چونکہ یہاں حقیقی اتباع اور اطاعت اسی راستے میں ہے' یہ راستہ محبت کا ہے' مان کر چلنے کا ہے' تعلق کا ہے' پیچھے چلنے کا ہے۔ وہ جو مفہوم ہے اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ تمہیں اللہ سے محبت ہے' میرے پیچھے آؤ' آگے یا دائیں بائیں نہیں' برابر نہیں' کچھ بچ کر ایک طرف نکل کر نہیں' دائیں طرف نہیں' بائیں طرف نہیں' آگے نہیں' پیچھے آؤ۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ میرے پیچھے پیچھے آؤ' اس سے کیا ہوگا۔ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ اب تو تمہاری پریشانیاں تمہاری ہیں پھر تمہاری پریشانیاں کس کی ہوں گی' اس کے اپنے محبوب کی' کیونکہ وہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ پھر تمہارے مسائل تمہارے نہیں رہیں گے۔ وہ اس کے محبوب کے مسائل ہوں گے' اس کا اپنا پرابلم ہے' محبوب کے مسائل اپنے ذاتی مسائل سے زیادہ اہمیت رکھا کرتے ہیں اسی میں

حقیقی اتباع ہوتا ہے۔

طریقہ ذکر

مختلف سلاسل میں مختلف طریقہ ہائے ذکر ہیں۔ ہمارے ہاں طریقہ ذکر صرف اور صرف ایک ہے کہ جب آپ سانس اندر لیتے ہیں تو اس میں لفظ اللہ سانس کے ساتھ اندر جاتا ہے' یاد رکھئے! اس میں لفظ اللہ بنایا نہیں جاتا صرف سوچا جاتا ہے یعنی اللہ کا تلفظ سانس سے نہیں بنایا جاتا' سانس قوت سے لی جاتی ہے۔ مگر ساتھ دماغ کو اس میں مصروف رکھا جاتا ہے کہ لفظ اللہ اس کے ساتھ اندر جا رہا ہے۔ جب سانس کو چھوڑتے ہیں تو ھو خارج ہوتی ہے اور ھو کی ضرب لطیفہ قلب پر لگتی ہے۔ یعنی جب سانس اندر لے جاتے ہیں تو لطیفہ قلب میں لفظ اللہ جاتا ہے۔ چھوڑتے ہیں تو ھو کی ضرب لطیفہ قلب پر لگتی ہے۔ جب دوسرے لطیفے پر ذکر کرتے ہیں تو لفظ اللہ قلب ہی میں جاتا ہے اور جب خارج ہوتا ہے تو ھو کی ضرب دوسرے لطیفے پر لگتی ہے' تیسرے لطیفے پر بھی اللہ قلب میں اور ھو کی ضرب تیسرے لطیفے پر لگے گی' چوتھے لطیفے پہ بھی اللہ قلب میں اور ھو کی ضرب چوتھے لطیفہ پر' پانچویں لطیفہ میں پھر اللہ قلب میں اور ھو کی ضرب پانچویں لطیفہ پر۔ پانچویں لطیفے میں جب آپ اندر سانس لیتے ہیں تو لفظ اللہ جب اندر اترتا ہے تو وہ پورے سینے کو پانچوں لطائف کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے' پانچوں لطائف میں بھر جاتا ہے۔ جب آپ خارج کرتے ہیں تو ھو کی ضرب پانچویں لطیفے پر لگتی ہے۔ چھٹے لطیفے میں لفظ اللہ قلب کے اندر ہی جا رہا ہوتا ہے لیکن جب آپ سانس چھوڑتے ہیں تو ھو کا شعلہ پیشانی سے نکل رہا ہوتا ہے۔

ساتویں لطیفے میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب سانس اندر کھینچو تو لفظ اللہ پاؤں کے ناخنوں تک لے جاؤ' سارے وجود میں لفظ اللہ نیچے تک چلا جائے اور جب اسے خارج کرو تو ھو خارج ہو اور ھو پورے بدن میں شعلہ بن کر ہر مسام سے نکل جائے۔ اسی طرح ہر لطیفے کی طاقت کو دوسرے لطیفے پر منتقل

کرتے رہے۔ پہلے کی طاقت کو دوسرے پر' دوسرے کی طاقت کو تیسرے پر' تیسرے کی طاقت کو چوتھے پر' چوتھے کی پانچویں یہاں تک کہ پانچوں لطائف کی طاقت جمع کر کے' چھٹے کی طاقت کو اور پھر ساتوں کی قوت اکٹھی کر کے اس پوری گرمی کو پہلے لطیفہ قلب پر لے آئیں۔

اس کے علاوہ جتنے طریقے ہیں' کوئی لا کو کھینچتا ہے دل سے' اسے کندھے پر لاتا ہے' اللہ کی ضرب لگاتا ہے' کوئی لا کو آسمان سے کھینچتا ہے' یہ مختلف سلاسل کے ہیں۔ ہمارا اپنا طریقہ منفرد ہے' باقی مختلف طریقہ ہائے ذکر بھی درست ہیں' لیکن ہر ایک سلسلہ کا اپنا اپنا طریقہ ہے جن کا ہمارے سلسلہ عالیہ میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس پر فائدہ مرتب اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ ہمارے شیخ کے بتائے ہوئے نہیں ہیں' ہمارے مشائخ کے ارشاد کردہ نہیں ہیں۔ جن مشائخ نے ان کو فرمائے ہیں وہ ان کے سلسلوں میں مفید ہیں اور ان کے استفادہ کے لئے ہیں۔ تو یہ رہا طریقہ ذکر اور ذکر کے متعلق کچھ معلومات۔ اللہ کریم مجھے اور آپ سب کو توفیق عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆

صاحب لب و دوام ذکر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۝ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (آلعمران)

انسان عالم کبیر

صانع کائنات اور خالق کل' جس نے مخلوق کو پیدا فرمایا اپنی پسند سے اس میں صفات تقسیم فرمائیں' استعداد بخشی' ان میں ضرورتیں بانٹیں اور انہیں پورا کرنے کا شعور بخشا۔ اس نے اپنی پسند سے زمین و آسمان بنائے ان میں اپنی مختلف قسم کی مخلوق کو بسایا۔ اسی نے انسان کو اس سارے نظام کا خلاصہ اور جوہر بنا دیا۔ جتنے نظام اس پوری کائنات میں ہیں ان سے کئی گنا وسیع تر نظام اس نے ایک انسانی جسم میں سمو دیا۔ جس طرح فضا کے موسم بدلتے ہیں اسی طرح انسانی مزاج بدلتے ہیں۔ جس طرح فضا میں بخارات' بارش اور تازگی ہوتی ہے انسانی نظام میں بھی دوران خون اسی طرح سے چلتا ہے۔ جس طرح زمین پر رہنے بسنے والوں میں تفاوت اور تفریق ہے' ایک انسانی وجود میں بے شمار ایسی مخلوق ہے' جس کے اپنے اپنے کام ہیں۔ اب تو موجودہ سائنس نے بھی اسے دریافت کر لیا ہے کہ اس کا شمار ممکن نہیں۔ یعنی ایک کائنات ایک وجود انسانی کے اندر اس نے بسا دی۔

انسانی شعور و حیوانی شعور

اس سارے کے ساتھ انسان کو اس نے خاص شعور عطا فرمایا۔ شعور کے خاص اور عام ہونے میں تھوڑا سا ایک فرق ہے۔ میں جسے عام کہوں گا اس سے میری مراد یہ ہے کہ جو فطری تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ساری مخلوق کو عطا ہوا ہے۔ شہد کی مکھی کتنے کمال سے رس اکٹھا کر کے اس کا شہد بناتی ہے۔ اس کے ایک ایک خانے میں جو پیمائش ہے اس کی ڈیل ڈول اور شباہت ہے۔ ہشت پہلو خانوں کا چھتہ بناتی ہے۔ اور موم سے پر خانے کا سائز ایک جیسا ہے ہر خانے کے ہر ضلعے کا سائز ایک ہی ہے اس کی موٹائی اور تہہ ایک سی ہے تو اس کے لئے اسے کوئی پیمانے نہیں لینے پڑتے یہ اس کا ایک فطری عمل ہے جو اس کے لاشعور میں اللہ نے سمو دیا ہے۔ یہ کمال صانع کا ہے جس نے اس کے مزاج میں اس طرح کی چیز سمو دی ہے۔ تو یہ عام ہے یہ ہر مخلوق کو عطا کیا گیا ہے۔ مچھلی کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنا شروع کر دے۔ جانور کا بچہ پیدا ہو کر اپنی خوراک ماں کے پیٹ سے تلاش کر لے گا۔ تو یہ ایک فطری عمل ہے۔ جسے سیکھنے کے لئے کہیں نہیں جانا پڑتا۔ بھوک لگتی ہے' پیٹ بھرنا ہے اب جانور تک میں یہ شعور ہے کہ یہ چیز مجھے کھانی ہے یہ نہیں کھانی۔ پانی پینے کے لئے فلاں جگہ جوہڑ ہے یا چشمہ ہے۔ یا فلاں جگہ پانی ہے' فلاں جگہ نہیں ہے تو یہ ایک عام عطا ہے اللہ کریم کی۔ زندگی گزارنے کے اسباب' زندہ رہنے کے ذرائع' پیٹ بھرنے کے اسباب' اپنی ضرورتوں کا احساس اور ان کی تعمیل اس نے ساری مخلوق کو عطا کیا ہے۔

صاحب لب

اس نے انسان میں باقی مخلوق کے علاوہ ایک خاص شعور بھی رکھا ہے اور اس آیت میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسے لب کہا گیا ہے۔ لب

ہوتا ہے کسی بھی شے کا اصل خلاصہ۔ اس میں جو جان ہوتی ہے اسے لب کہتے ہیں۔ تو انسان کا لب ایک خاص شعور ہے جو اسے اللہ نے بخشا ہے۔ اور وہ شعور یہ ہے کہ انسان صرف اپنی ضروریات کو ہی نہیں پہچانتا بلکہ اپنے مقصد تخلیق کو بھی جانتا ہے اور خالق کی ذات اور اس کی صفات کو پہچانتا ہے۔ یہی وہ خاص شعور ہے جس نے اسے باقی مخلوق میں بہت ممتاز کر دیا ہے اور صاحب لب کون ہے؟ انسانوں میں بھی تو بہت سا تفاوت ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ۔ تخلیقی طور پر تو سارے انسان انسان ہی پیدا ہوتے ہیں لیکن پھر وہ زندگی گزارنے کی جو اپنی راہ اپناتے ہیں یا جو طریقہ اختیار کرتے ہیں یا جو نظریہ اپناتے ہیں وہ انہیں بعض اوقات جانوروں سے بھی نیچے لے جاتا ہے۔

ادیان باطل کا مقصد

اب جتنے بھی ادیان باطلہ ہیں ان سب کی اگر آپ فلاسفی پر غور فرمائیں تو اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان سے انسانیت بھی گئی۔ یعنی مذہب کے نام پر بھی دنیوی ضروریات کی تکمیل کا وعدہ دیا گیا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں اس بت کو پوجا کرو اولاد دے گا اس پر قربانی چڑھاؤ پیسے ملیں گے۔ اس پر چڑھاوا چڑھاؤ بیماری ٹھیک ہو جائے گی اور اس طرح کے عجیب و غریب۔ میں دوبئی میں تھا تو میرے پاس ایک دوست کی گاڑی تھی جس کا ڈرائیور ہندو تھا۔ ان دنوں ہندوؤں کا ایک عجیب سا تہوار تھا۔ اس کا مجھے نام یاد نہیں رہا۔ کہنے لگا کہ کل میں نہیں آ سکوں گا' کل ہمارا تہوار ہے جس میں مجھے شمولیت کرنی ہے۔ تو میں نے پوچھا کہ تمہارا یہ تہوار کس قسم کا ہے۔ وہ بتانے لگا کہ دیئے جلائے جاتے ہیں جن میں خاص قسم کا ایک تیل جلاتے ہیں کوئی خاص قسم کی پڑھی جاتی ہیں چیزیں اور پھر آٹے کا ایک پیڑا بنا کر اس دیئے میں سے اس پر تیل وغیرہ لگا کر کسی چوک میں یا کسی موڑ پر یا کسی گلی

میں چھوڑ آتے ہیں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جس کا پاؤں اس آٹے کے پیڑے پر پڑ جائے گا اتفاقاً" تو اس گھر میں جتنی بیماریاں ہیں وہ اس کو لگ جائیں گی اور تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔ عجیب بات ہے کہ ایک چیز مذہب کے نام پر کرتے ہیں اور اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ اپنی پریشانیاں یا بیماریاں تو کسی راستہ چلتے آدمی کو چمٹا دیتے ہیں کیا عجیب فلاسفی ہے اور اس میں کون سی انسانیت ہے۔ یہ تو جانوروں سے بھی گئی گزری بات ہے۔ یہ کیا مذہب ہوا۔ یعنی محض حیوانی خواہشات میں یا ضروریات میں ان کی تکمیل کی جو رسومات بنائی گئی ہیں ان کا نام مذہب رکھ دیا گیا ہے اور اس میں اخلاقی پہلو اتنا بھی نہیں ہے۔ اگرچہ اپنی بیماری سے جان چھڑانا اچھی بات ہے لیکن اپنی بیماری کسی دوسرے کے گلے میں ڈالنا بالکل ہی مختلف بات ہے۔ بیماری کا علاج کرنا تو ایک بات بھی ہے لیکن وہ مرض یا وہ بیماری کسی راہ چلتے کے گلے ڈالنا یہ تو کوئی طریقہ نہیں ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن میں انسان بظاہر انسان تو رہتا ہے انسانیت کا غلاف اس پر چڑھا رہتا ہے لیکن وہ اس شعوری اعتبار سے حیوانوں یا جانوروں کی سطح سے بھی گر جاتا ہے۔

لب کے ثمرات

جنہیں ایمان نصیب ہو اللہ کے ساتھ تعلق نصیب ہو وہ گرتے نہیں وہ انسانی معیار میں مزید خوبصورت ترقی کرتے ہیں۔ اس میں مزید آگے بڑھتے ہیں۔ مزید انسانی عظمتیں حاصل کرتے ہیں اور انہی کو صاحب لب فرمایا جب انسان کو یہ نعمت حاصل ہو تو پھر اس کو کسی بڑے وعظ کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ کائنات کا نظام اس کی تخلیق اور ارض و سماء کی تخلیق اتنا بڑا عجیب کام ہے کہ سوائے اللہ کے کسی کی طرف منسوب کرنا ممکن ہی نہیں۔

عملِ تخلیق و صاحبِ لب

اللہ کے سوا باقی ہر کوئی خود مخلوق ہے اور اس تخلیق عمل سے گزر کر وہ وجود ظہور پذیر ہوا۔ تخلیق یہ اتنی بڑی ہے کہ کوئی لمحہ خالی نہیں جاتا کہ یہ تخلیق کا عمل مسلسل جاری نہ ہو۔ اور آج تک کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے کہ جس سے ناپا جا سکے کہ ایک ایک لمحے میں کھربوں نئی چیزیں یا بے حساب نئی چیزیں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ کوئی شمار ہی نہیں یعنی ارض و سماء کی تخلیق ایسا عمل نہیں تھا کہ ایک دفعہ اللہ کریم نے کر دیا اور وہ ختم ہو گیا بلکہ اس میں ایسا نظام رکھا کہ اس کی صنعت ہر لحظہ جاری ہے۔ اب زمین پر روئیدگی کو ہی لے لیجئے۔ کون جانتا ہے کہ ایک لمحے میں کتنے تنکے گھاس کے پیدا ہوتے ہیں' کتنے درختوں کے بیج پھوٹتے ہیں' کتنی کھیتیاں اگتی ہیں۔

زمین کا عمل کتنا ہے اس میں کیا کیا تبدیلیاں آتی ہیں' کتنی چٹانیں بنتی ہیں' کتنی ٹوٹتی ہیں' کتنے لاوے ابلتے ہیں' کہاں کہاں دھاتیں بنتی ہیں۔ کوئی شمار نہیں کر سکتا کہ کیا کیا ہو رہا ہے۔ پھر شب و روز کا آنا جانا' ان کی آمدورفت کے اوقات' ان کی کیفیات اور موسموں کے مختلف حالات۔ ان سب میں اتنا عجیب تناسب ہے اور اتنا تسلسل ہے کہ اب دن شروع ہو گا تو چلو ایک جگہ عمل ختم ہو گیا۔ نہیں مسلسل دن چلا ہی آ رہا ہے۔ اس کا آنا رکتا ہی نہیں۔ اسی طرح رات بھی مسلسل چل رہی ہے۔ زمین پر رات اور دن کا یہ اختلاف رب کریم نے اس طرح کا اس کا نظام بنا دیا ہے کہ کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ کسی نہ کسی جگہ دن طلوع نہ ہو رہا ہو یا کسی نہ کسی جگہ رات نہ چھا رہی ہو ایک تسلسل ہے اس عمل میں بھی ایسا اس قادر مطلق کے سوا ایسے چلانے والا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا اور پھر اس میں سورج اور چاند کی حدت' طلوع و غروب ان کی روشنی کی رفتار' ان کی روشنی کے اثرات ان کے چھوٹا بڑا ہونے کے عجیب و غریب اثرات ایسے ہیں کہ آدمی کی عقل رسا جتنا زیادہ اس پر عبور حاصل کرے اتنا زیادہ عظمت باری میں وہ ڈوبتی چلی

جاتی ہے اس کے علاوہ اس کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ پچھلے دنوں مغرب میں ایک تجربہ ہوا۔ سمندر میں جب مدوجزر آتا ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ نے نظام چاند کے گھٹنے اور بڑھنے سے ایسا جوڑ دیا ہے کہ جب چاند بڑھتا ہے تو اس میں بھی جوش آ جاتا ہے اور گھٹنا شروع ہوتا ہے تو پانی بھی اترنا شروع ہو جاتا ہے۔ غالباً" ڈنمارک کی ایک بندرگاہ میں ان کا ایئرپورٹ بھی بالکل سمندر کے ساتھ ہے۔ اس طرح پتہ چلتا ہے کہ جہاز سمندر میں اتر جائے گا سمندر مدوجزر ہوتا تو بے شمار پانی چڑھ دوڑتا۔ تو انہوں نے بہت دور تک سمندر میں ایک دیوار بنائی تاکہ پانی کی لہریں اندر بندرگاہ میں نہ آئیں۔ اندر کا پانی بالکل ساکن رہے اس میں کوئی ہل جل نہ ہو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ بعد دیوار کے اندر والے پانی کی تہہ میں جتنی مچھلیاں تھیں انہوں نے بیمار ہونا اور مرنا شروع کر دیا۔ تحقیق ہوئی تو پتہ یہ چلا کہ یہ جو مدوجزر ہے اور لہروں کی اٹھک بیٹھک ہے یہ نیچے والی پانی کی تہہ کو اوپر اور اوپر والی تہہ کو نیچے لے جاتی ہے' اس طرح اس میں تازہ آکسیجن شامل ہوتی رہتی ہے۔ جہاں سے آپ نے یہ عمل روک دیا اور وہ نیچے کا پانی نیچے اور اوپر کا اوپر رہ گیا تو نیچے والے پانی میں آکسیجن کی قوت نہیں رہی کہ وہ مچھلیوں کی ضرورت پوری کر سکے۔ یعنی ایک بات جسے انسان مصیبت سمجھ رہا تھا یا پریشانی کا سبب سمجھ رہا تھا وہ بالواسطہ انسانی بقا کا سبب بھی تھی۔ انسان کی بے شمار دواؤں کا سبب تھی۔ وہ طوفان اور وہ مدوجزر' سمندر کی لہروں کا وہ سر پٹخنا اور وہ شور جو انسان کے مزاج کو گراں گزر رہا تھا وہ بالواسطہ انسانی زندگی کی ضرورت تھی۔ اب ایسی بے شمار حکمتیں ہیں جو اس تسلسل میں ظہور پذیر ہو رہی ہیں جنہیں ہم جانتے بھی ہیں اور جن پہ اگر حقیقی نگاہ جائے تو بہت بڑے دلائل سامنے آ جاتے ہیں۔

صاحب لب و دوام ذکر

لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ صاحب لب یعنی وہ لوگ جنہیں خاص

شعور' خاص عقل عطا ہوئی ہے عام زندگی گزارنے کی عقل نہیں' عام دولت کمانے یا پیسہ کمانے یا صرف گرمی سردی محسوس کرنے یا گھر بنانے کی بات نہیں اس سے آگے بڑھ کر کوئی ایک خاص شعور جنہیں عطا ہوا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ان لوگوں میں ایک خصوصیت ہوتی ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔ وہ کوئی حال اور کوئی لمحہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتے' خالی نہیں جانے دیتے۔ کھڑے ہوں' بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں اللہ کو یاد کر رہے ہوتے ہیں اللہ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔

یہ دوام ذکر جو ہے یہ انہیں وہ تفکر عطا کر دیتا ہے۔ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ کہ وہ اس کائنات کی باریکیوں پہ جب نگاہ ڈالتے ہیں' ارض و سما میں اللہ کی صنعت کو دیکھتے ہیں تو پھر کہہ اٹھتے ہیں کہ اے اللہ تو پاک ہے۔ اتنا بڑا' اتنا صحیح' اتنا مضبوط' اتنا نازک کہ کسی حساب سے جو چیز گنی چنی اور لگی بندھی ہے وہ بھی زائد اور بیکار نہیں ہے' اس کا بھی ایک مقصد' ایک اندازہ اور ایک حساب ہے اور اتنا مضبوط کہ صدیاں گزر گئیں اور اس کے نظام کو کوئی ذرہ برابر گھسنے پٹنے کی یا ٹوٹنے پھوٹنے کی نوبت نہیں آئی اور صحیح مستقل مزاجی سے چل رہا ہے۔ یہ تیری ہی شان ہے تو ہی ایسا کر سکتا ہے اور یہ اتنا بڑا نظام بغیر کسی نتیجے کے بنانا ممکن نہیں کیونکہ فضول کام تیری شان کے لائق نہیں ہیں۔ تو پاک ہے۔ اس کا نتیجہ نکلے گا نہ پہچاننے والوں کو اور ناشکری کرنے والوں کو اور ناشکر گزاروں کو سزا ملے گی۔ تو اے اللہ اپنی رحمت سے' اپنے کرم سے ہمیں اس سزا سے محفوظ رکھنا یعنی وہ اس صفت کو دیکھ کر صانع کی عظمت بھی پہچان جاتے ہیں تخلیق کے عمل کو دیکھ کر اس پر جو پھل لگنے والا ہے اسے بھی سمجھ جاتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا اتنا بڑا وسیع نظام تو نے فضول نہیں بنایا۔ سُبْحٰنَکَ تو پاک ہے ایسی باتوں سے کہ تو ایسے فضول کام کرے فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور اے اللہ ہم پر یہ رحم فرمانا ہمیں آگ کے

عذاب سے محفوظ رکھنا کیونکہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے شعور میں نہیں آ سکتیں۔ تیری شان بہت بڑی ہے۔ ہم جتنا بھی تجھے سمجھیں اپنی عقل کے مطابق سمجھیں ہماری عقل بہت چھوٹی ہے اور تیری شان بہت بڑی ہے۔ ہم جتنا بڑا بھی تجھے تصور کریں تیری شان کے مطابق سوچ ہی نہیں سکتے۔ ہماری سوچ' ہمارے ادراک' ہمارے شعور سے تیری عظمتیں وراء الوریٰ ہیں۔ اس لئے تو ہماری قابلیت و استعداد کے مطابق نہیں' اپنی شان اور اپنے کرم کے مطابق ہمارے ساتھ سلوک فرمانا اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ کرنا۔

ذکر دوام و نور نبوت

تفسیر مظہری میں حضرت ثناء اللہ پانی پتی مرحوم نے اس آیت کریمہ کے تحت بڑا واضح اور ڈنکے کی چوٹ کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ ذکر دوام یہ ذکر قلبی اور یہ ذکر الہٰی اسے ہر آن کرنا اور سیکھنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔ اس لئے کہ جنہیں لب عطا ہوتی ہے ذکر دوام اس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور نتیجہ اور بیج دو میں سے ایک چیز جسے نصیب ہو جائے وہ دوسری پا لیتا ہے۔ انبیاء علیہ السلام تو وہبی طور پر ہوتے ہی صاحب لب ہیں اور نبی کبھی یاد الہٰی سے غافل نہیں ہوتا۔ نبی علیہ السلام جہاں قدم رکھتا ہے وہ زمین ذاکر ہو جاتی ہے جہاں نبی کی نگاہ جاتی ہے زرات اور فضائیں ذاکر ہو جاتی ہیں۔ نبی جو جوتا استعمال کرتا ہے اس کے اجزاء ذاکر ہو جاتے ہیں۔ جو لباس استعمال فرماتا ہے اس کی تاریں ذاکر ہو جاتی ہیں۔ جس چیز کے ساتھ اس کا تعلق بنتا چلا جاتا ہے وہ چیزیں ذاکر ہو جاتی ہیں۔ نبی علیہ السلام کی اپنی صفات بہت عظیم ہوتی ہیں۔ اگر کسی کو یہ دوام ذکر نصیب ہو جائے تو اس پر لب کا پھل لگتا ہے' کوئی صاحب لب تو ذاکر ہو ہی جاتا ہے اب یہاں بات کسب کی آ گئی لیکن کسب سے لب تو نہیں چھینا جائے گا۔ کسب پھر ذکر میں ہو گا۔ تو

اگر کوئی ہر حال میں ذکر کو اپنا لے اللہ اسے وہ شعور' وہ خاص لب عطا کر دیتا ہے کہ اسے اس کی ہر صنعت میں صانع کی عظمت نظر آنے لگ جاتی ہے۔ یعنی دوام ذکر نصیب ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حقائق جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں' جو اللہ کی کتاب میں موجود ہیں وہ بندے کو سمجھنے چاہئیں لیکن اپنی حیثیت کے مطابق ہر ذاکر اس میں اللہ کی عظمت کو دیکھنے لگ جاتا ہے' سمجھنے لگ جاتا ہے۔ پھر اس کی ساری کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ آگ کے عذاب سے نجات پا جائے۔ اللہ کی ناراضگی سے محفوظ رہے۔ حشر کی شرمندگی سے اللہ اسے بچا لے' آخرت کی رسوائی سے اللہ اس کی حفاظت فرمائے یعنی ذکر اس لئے واجب ہے کہ ذکر قلبی اور ذکر دوام ہی وہ نعمت ہے جو لب عطا کرتی ہے۔ خاص شعور عطا کرتی ہے ایک خاص درجے کا فکر عطا کرتی ہے جو فکرانسان کی عملی زندگی کو متاثر کر کے اسے اللہ کی ناراضگی سے دور اور اللہ کی رضامندی کے قریب کرتا چلا جاتا ہے۔

تو اس آیت کریمہ نے تصوف کا جو سارا خلاصہ تھا وہ ارشاد فرما دیا۔ یہ میں آج اس لئے آپ کا وقت لے رہا ہوں کہ اس طرح کے موضوع کے بہت سے سوالات میرے پاس جمع ہوتے رہتے ہیں اور ایک ہی دفعہ ان سارے سوالات کا جواب آ جائے بجائے اس کے کہ میں فرداً" فرداً" ہر بندے سے عرض کرتا رہوں تو سارے کا سارا تصوف اس میں آ گیا کہ تصوف کیا ہے۔

تصوف و تزکیہ

لفظ تصوف ترجمہ ہے تزکیہ کا جو قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے۔ تزکیہ کو جب فارسی اور اردو میں ڈھالا گیا تو اس کا متبادل تصوف سے صفائی باطن یا صفائے قلب مراد لیا گیا۔ جیسے تزکیہ سے بھی پاکیزگی اور صفائی سے تھا۔ تصوف دراصل ایک عمل کا نام ہے۔ لیکن تزکیہ اور تصوف کیوں اور کس

لئے اور اس کا مطلب کیا ہے یُزَکِّیھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَتہ نبی علیہ السلام نے تزکیہ اس لئے نہیں فرمایا کہ سب کو کشف ہو جائے' سب سے کرامات ظاہر ہوں اور سب کے مشاہدات بڑے ہوں بلکہ تزکیہ اس لئے فرمایا یُزَکِّیھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ کہ انہیں اللہ کے احکام کی سمجھ آ جائے' شعور آ جائے اور ان میں وہ دانائی وہ شعور پیدا ہو کہ وہ اللہ کی اطاعت کر سکیں ارشادات باری کو سمجھ سکیں قبول کر سکیں اور ان کے لئے محنت کرنے اور ان پر کچھ قربان کر کے انہیں حاصل کرنے کی توفیق ہو جائے۔

جب ہمیں کسی چیز کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے تو ہم اس کے لئے قیمت دیتے ہیں ایک بہت بڑے ہیرے کی قیمت کا اندازہ نہیں ہے تو وہ اس کے لئے کوئی لمحہ دیکھنے کے لئے دینے کو تیار نہیں۔ وہ کہے گا میں اسے دیکھ کر کیا کروں گا۔ لیکن جب اسے قیمت کا اندازہ ہوتا ہے تو وہ اپنی ساری پونجی داؤ پر لگا کر اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو اس تزکئے سے وہ احکام الٰہی کی وہ قیمت دل میں آ جاتی ہے اور بندہ اپنا سارا عیش و آرام تج کر کے اسے حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اسی عمل کو جب آپ نبی کی وراثت میں نبی کے ورثاء میں منتقل کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّمَا الْعُلَمَاءُ وَرَثَتُہُ الْاَنْبِیَاءِ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ علما حق انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے وارث ہوتے ہیں۔

کیفیات کا حصول اور اس کی صورت

تو وراثت نبوت کیا ہے وہی عمل جو نبیؐ نے مخلوق کو عطا فرمایا اور وہی کمال بطور وراثت نبیؐ کی برکات کو لے کر نبیؐ کے امتیوں کو اس طرح بانٹی جائیں کہ ان میں پھر وہی سی کیفیات پیدا ہو جائیں اب اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ سب کو کشف نہیں ہوتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ سب کو کشف ہونا چاہئے۔ کشف یا مشاہدے کا ہونا یہ الگ ایک بات ہے اور عموماً

مشاہدے اور کشف کے لئے توجہ' یکسوئی اور اپنے ذہن کو اردگرد کی بہت سی الجھنوں سے بچانا ضروری ہوتا ہے آپ نے دیکھا ہو گا کہ جتنے لوگوں کے مشاہدات میں مکاشفات بیان ہوئے ہیں ان کی زندگیوں کو آپ دیکھیں تو انہوں نے پوری دنیاوی ضروریات سے' دنیاوی نظام سے کٹ کر' لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ کر' کاروبار حیات چھوڑ کر' دوستی دشمنی سے الگ ہو کر ایک گوشہ نشینی کی سی حالت اختیار کر لی تو جب ذہن مختلف طرف سے تقسیم ہونے سے بچ گیا تو وہ سارے کا سارا ایک طرف متوجہ ہو گیا اور اسے مشاہدات ہونے لگ گئے۔ اس میں ایک اور بڑی عجیب بات ہے کہ مشاہدہ حق تو ولی اللہ کی ہی خاصیت ہے۔ برزخ کا نظر آنا۔ آخرت کا نظر آنا بالائے آسمان کی چیزوں کا نظر آنا' فرشتوں کا نظر آنا۔ احدیت معیت اقربیت یہ ایمان کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن یہاں سے بیٹھ کر سو میل دور دیکھ لینا یہ اگر کوئی کافر بھی ہو اور وہ الگ تھلگ بیٹھ کر اور یکسوئی سے ایک نقطے پہ اپنی توجہ مرتکز کرنا شروع کر دے تو یہ اسے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ بلکہ آج کل بھی افریقہ میں ایک قبیلہ ہے اور اس قبیلے کے ہر فرد میں یہ کمال ہوتا ہے وہ ان کی موروثی خصوصیت ہے جس پر آج کل سائنسی دنیا میں بہت بڑی ریسرچ ہو رہی ہے وہ یہ کہ اس قبیلے کے سارے لوگ اپنا کچھ وقت جو ہے وہ ارتکاز توجہ پہ لگاتے ہیں۔ بچپن ہی سے لے کر اور اس میں انہیں اتنا کمال حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ جنگل میں صحرا میں کہیں بھی جائیں تو گھر والوں کے ساتھ ایک وقت مقرر کر جاتے ہیں کہ فلاں وقت میں وہ کروں گا توجہ اور گھر کا کوئی فرد جسے وہ کہہ جاتے ہیں تو اس وقت پہ وہ وہاں گھر میں بیٹھ کر مراقبہ کرتا ہے۔ تو آپس میں وہ اپنی بات ایک دوسرے کو منتقل کر لیتے ہیں اسے جو بات پہنچانی ہوتی ہے وہ اپنے دل میں سوچتا ہے وہ اس کے دل میں آ جاتی ہے یہ اپنے دماغ میں جس بات کو لاتا ہے وہ اس کے دماغ میں آ جاتی ہے اس طرح سے وہ آپس میں بات تک کر سکتے ہیں۔ روس نے اپنی اس

تقسیم سے پہلے ایسے انسٹی ٹیوشن بنائے تھے جن میں باقاعدہ یہ تربیت دی جا رہی تھی۔ حکومت کے جو جاسوسی ادارے ہوتے ہیں یا دوسرے ملکوں میں جاسوسی کرنے والے افراد ان پر تجربہ کیا جا رہا تھا کہ اگر انہیں یہ قوت حاصل ہو جائے تو یہ پکڑی نہیں جا سکتی ورنہ پہلے فوٹو گرافی ہے یا یہ وائرلیس کرتے ہیں یا کوئی طریقہ ہے کوئی ریڈیو ٹرانسمیٹر گھڑی میں لگاتے ہیں یا بٹن میں لگا ہے چھوٹا یا بڑا بہرحال ان کی جو فریکونسی ہے وہ سائنسی آلات میں نہیں آتی۔ تو بہرحال اب پتہ نہیں وہ کہاں گئے وہ ادارے یا کیا ہوا۔ روس جب اپنے جوبن پر تھا تو اس میں یہ تحقیقات ہو رہی تھی۔ اب دوسرے لوگوں نے بھی اپنا لی ہو گی اب جہاں تک میں نے سنا ہے میرے پاس تحقیق نہیں ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ اب امریکہ بھی اس پر کافی محنت کر رہا ہے۔ اور یہ بڑی عجیب بات اور اس کا ثبوت وہ قبیلہ ابھی تک موجود ہے تو اس کو کشف کہتے ہیں کہ ان میں ایمان نہیں ہے تو دنیا کے حالات کا ایک طرح سے انکشاف تو ان پر بھی ہو گیا۔

عظمت صحابہؓ و کشف

جب ایمان ہوتا ہے تو یہ جو انکشاف ہے یہ عالم بالا تک چلا جاتا ہے۔ آسمانوں کے دروازے ایمان کے بغیر نہیں کھلتے کافر کے لئے نہیں کھلتے حقائق اخروی و حقائق الہیہ وہ کافر پہ منکشف نہیں ہوتے لیکن مومن پہ اسی طرح ہوتے ہیں جیسے کہ ایک صحابی مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں بھئی کیا حال ہے کیسے صبح کی تم نے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ایمان کے ساتھ تو آپ نے پیار سے فرمایا کہ بھئی بڑی بات کی ہے تم نے۔ تمہارے پاس ایمان کا کیا ثبوت ہے کہ ایمان کے ساتھ تم نے صبح کی تو اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں اپنے ان قدموں پر کھڑا ہوا حشر کو قائم ہوتا اور جنتیوں کو جنت میں جاتا اور دوزخیوں کو جہنم میں جاتا ہوا

دیکھ رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا واقعی یہ تیرے ایمان کی دلیل ہے۔ سیدنا فاروق اعظم ؓ بیٹھے مسجد نبوی میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور ایران میں نہاوند کے مقام پر جہاد ہو رہا تھا اور ایرانیوں نے کوشش کی کہ مسلمانوں کے لشکر کو دھوکا دے کر پہاڑی کی طرف کچھ اپنے سپاہی بھیج دیئے جائیں اور وہاں سے ان پر حملہ کر دیا جائے۔ تو یہ بیٹھے وہاں خطبہ فرما رہے تھے۔ مسجد نبوی میں اچانک چیخ پڑے یا ساریہ الجبل الجبل۔ ساریہ۔ ساریہ۔ پہاڑی کی طرف دھیان کرو اور لشکر کے ہر مسلمان سپاہی نے یہ آواز سنی کہ پہاڑ کی طرف دھیان کرو۔ سینکڑوں میل دور کہاں مدینہ منورہ اور بندہ اپنے خطبے میں لگا ہوا ہے اور کہاں وہ نہاوند جہاں جہاد ہو رہا ہے۔ اللہ کی مرضی اس نے سارے حجابات ہٹا دیئے نگاہ سے بھی اور سارے حجابات ہٹا دیئے مسلمان مجاہدین کی سماعت سے بھی وہ قادر ہے اور وہی فاروق اعظم ؓ اسی مسجد نبوی کے اسی محراب میں شہید کر دیئے گئے اور انہیں پتہ نہیں تھا کہ اس نماز میں کوئی ایسا بھی کھڑا ہے جو خنجر سے میرا پیٹ چاک کر دے گا۔ یہ اللہ کی مرضی۔ جب اس نے وہ حجابات ہٹا دیئے تو نگاہ اتنی دور تک چلی گئی تو جس بات سے پردہ نہیں ہٹایا تو بندہ وہیں کھڑا رہا اور جب آپ نماز پڑھانے لگے تو اس نے وار کر کے آپ کو شہید کر دیا تو یہ اس کی اپنی مرضی۔ عمر ؓ تو وہی تھا جو شہید ہوا اس وقت بھی وہی ہستی تھی اور جب منبر پر بیٹھا بات کر رہا تھا وہی اللہ کا بندہ تھا اور وہی فاروق اعظم ؓ تھا تو یہ اللہ کا ایک اپنا نظام ہے۔ لیکن انسان میں بہت کمزوریاں ہوتی ہیں اور وہ چھوٹے چھوٹے آسرے ڈھونڈتا رہتا ہے۔ سیدھا سیدھا اللہ پر بھروسہ کرنا یہ تو اللہ کے بندوں کا ہی کام ہے باقی سارے بندے چھوٹے چھوٹے آسرے اور چھوٹے چھوٹے تنکے پکڑتے رہتے ہیں کہ یہاں ہاتھ پڑ جائے وہاں ہاتھ پڑ جائے کہ اس کے لئے یہ ایک سہارا بن جائیں۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ طریقت اور تصوف کے بچوں کو کشف کے کھلونے دے کر بہلایا جاتا ہے کہ یہ اس سے

لگے رہیں چھوڑ ہی نہ جائیں۔ یہ کوئی اتنی عزیمت والی بات نہیں ہوتی۔
اب دیکھیں صحابہ کرام کی کثیر تعداد سے مکاشفات اور مشاہدات کی روایت نہیں ملتی۔ یہ نہیں کہ بالکل نہیں' بے شمار ہیں لیکن اکثریت ان میں ایسی ہے جن کی نہیں ملتی۔ تو کیا وہ صحابیؓ نہ تھے ان میں وہ عظمت نہ تھی۔ ان کے وہ مقامات نہ تھے۔ وہ یقیناً تھے۔ صحابیؓ وہ یقیناً بلاشبہ تھے اللہ کی بخشش ان پر یقینی تھی' اللہ کا احسان ان پر یقینی تھا۔ کشف ایک ضمنی بات ہے جسے کثرت توجہ نصیب ہو گئی یا ایک طرف ارتکاز توجہ ہو گیا اسے ہو گیا۔ ورنہ صحابہؓ کا حال تو اس طرح بھی ہے کہ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ سے آ رہا تھا مجھے تو خیال ہی نہیں تھا میں راستے میں گزرا بدر کے قریب سے تو میں نے دیکھا ایک بندہ ہے وہ بھاگتا ہوا زمین سے باہر نکلتا ہے آگ کے شعلے لپک رہے ہیں۔ پیچھے بڑی کوئی ہیبت ناک بلا ہے اس کے ہاتھ میں ہتھوڑا سا ہے اور وہ پیٹتا ہوا پھر گھسیٹ کر اندر لے جاتا ہے وہ پھر چلاتا بھاگتا ہوا باہر آتا ہے۔ پیچھے پیچھے وہی مصیبت لگی ہے۔ بڑی ڈراونی سی۔ وہ اسے پھر ہتھوڑے سے مارتی ہے وہ کہتے ہیں میں دیکھتا رہا یہ کیا تماشا ہے۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ مدینہ آ کر انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بات کی تو انہوں نے فرمایا اللہ کے بندے! تجھے یہ نہیں پتہ کہ وہاں ابوجہل دفن ہے اور اسی کا تماشا تو دیکھ رہا تھا۔ تو کلیب بدر کو دیکھ رہا تھا۔ اب وہ خود یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ سارا کچھ شاید بظاہر ہو رہا ہے اتنا اسے واضح انکشاف ہو رہا تھا کہ وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ سارا کچھ شاید ہر آدمی دیکھ رہا ہے کہ یہ اس طرح سے ہو رہا ہے حالانکہ اسے یہ مشاہدہ ہو رہا تھا لیکن ان لوگوں کا مقصد مشاہدات نہیں تھا۔ مقصد ان کا قرب الٰہی کا پانا تھا اب اس عمل میں بہت سے لوگوں کو جو مشاہدات نہ ہوئے تو اس کی وجہ وہ دنیوی مصروفیات تھیں جو اطاعت الٰہی کے لئے انہوں نے اختیار کیں اور جو ان کی توجہ کا زیادہ حصہ لے گئیں اور کشف نہ ہوا۔ لیکن ترقی درجات کا سبب وہ

بنتی گئیں۔ جہاد کئے' تبلیغ کی۔ ایک مخلوق کو اللہ سے روشناس کرایا۔ روئے زمین پر اللہ کی عظمت کو پھیلایا کفر و شرک کو مٹایا ظلم و جور سے دنیا کو صاف کیا تو ان سب کاموں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اکثریت کو کشف نصیب نہیں ہوا لیکن ترقی درجات میں کمی نہیں آئی بلکہ کشف والوں سے ان کے مقامات شاید زیادہ ہوں گے۔ جنہوں نے زیادہ کام کیا اور یقیناً زیادہ ہوں گے۔

ایک دفعہ دو آدمی اکٹھے مسلمان ہوئے ایک بندہ چند دن پہلے دنیا سے گزر گیا اور دوسرا کچھ دیر کے بعد دنیا سے گزرا۔ دونوں اصحاب صفہ میں سے تھے۔ تو کسی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ان میں بہتر منازل دونوں میں سے کس کے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے یقیناً جو زیادہ وقت پیچھے رہا اس نے زیادہ برکات حاصل کر لی ہیں۔ جو پہلے چلا گیا اس کی مزدوری تو ختم ہو گئی وہاں تک تو دونوں اکٹھے تھے اب جو کئی دن پیچھے رہا اس نے اور بہت سے کام کر لئے اور بہت سا فیض صحبت حاصل کر لیا اور بہت سی توجہ نصیب ہو گئی لہٰذا زیادہ اسی کی ہوں گی۔ حالانکہ پوچھنے والے کا خیال یہ تھا کہ جو پہلے گزر گیا ہے' وہ زیادہ اس سے بہتر آدمی تھا' شاید اس کے منازل بلند ہوں گے تو گویا ان کا جو وہ عمل حصول قرب الٰہی کا' احیائے دین کا اور مصروفیت اسلام کے احیاء میں تھا وہ کشف میں تو آڑے آئی۔ قرب الٰہی میں ترقی کا سبب بنتی گئی تو حاصل کلام یہ ہوا۔

کشف و اصلاح احوال

ہو سکتا ہے کہ دنیاوی مصروفیات روبہ اصلاح ہو گئی ہوں۔ بندہ نیکی کر رہا ہے' نیکی کی طرف بڑھ رہا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس پر اللہ کا کرم ہے' اللہ کا احسان ہے اور اسے قرب الٰہی مل رہا ہے۔ اب اگر کسی کو محض اس لئے عملی زندگی سے الگ کر دیں کہ اسے کشف ہونا چاہیے۔ تو وہ

شاید چلہ دو چلہ لگا کر کشف حاصل کرے اور باقی عمر اس کشف کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے کسی کام میں حصہ نہ لے' کہیں پبلک میں نہ جائے' دوستوں سے نہ ملے' کاروبار نہ کرے' وہ ساری زندگی اس کشف کو تو سنبھالے رکھے گا لیکن جب عملی دنیا سے بیگانہ ہو گا' تو ترقی درجات نصیب نہیں ہو گی۔ چونکہ ترقی درجات کا مدار عملی زندگی پر ہے' کشف پر نہیں ہے کہ عملی زندگی میں وہ کفر کا یا طاغوت کا یا گناہ کا کتنا مقابلہ کرتا ہے۔ نیکی کتنی پھیلاتا ہے' ایمان کہاں کہاں بانٹتا ہے' نفاذ اسلام اور احیائے اسلام کے لئے کیا قربانی کرتا ہے اور خلاف اسلام جو کچھ ہو رہا ہے۔ اسے روکنے کے لئے اس کا کتنا حصہ ہے۔ ترقی درجات تو عمل پر ہے اور ذکر الہٰی عمل کو بنیاد فراہم کرتا ہے کہ وہ بنیاد مضبوط ہو کہ بندے کو عمل کی قیمت کا احساس ہو جاتا ہے۔ عظمت الہٰی اور رضائے باری کا احساس ہو جاتا ہے۔

عظمت شیخ سلسلہ عالیہ

یہ اللہ کا احسان ہے کہ جو کچھ اس نے ہمیں کام کرنے کی توفیق دی ہے۔ یہ تاریخ تصوف میں ایک انفرادی حیثیت کا کام ہے۔ انسانی مزاج ایسا ہے کہ جب وہ لوگ اٹھ جاتے ہیں' جب دنیا سے چلے جاتے ہیں' تو پھر ان کی تصانیف پر سیمینار منعقد ہوتے ہیں۔ ان کی ذات پر مقالے لکھے جاتے ہیں۔ بڑا شور شرابا ہوتا ہے۔ غالب ایک گھونٹ شراب کو ترستا مر گیا۔ اب اس کے نام پر غالب اکیڈمی بن گئی کروڑوں روپے لگا کر۔ اس غریب کو تو کسی نے پانی کا پیالہ بھی نہ دیا۔ یہ اس طرح کا ایک نظام ہے۔ ایک نہیں یہ سب کے ساتھ ایسا ہوتا چلا آ رہا ہے کہ جب وہ لوگ اٹھ جاتے ہیں۔ تو پھر بڑے ان کے دن منائے جاتے ہیں اور بڑی باتیں ہوتی ہیں تو تاریخ میں جب ایسا وقت آیا تو اس دور کے انسان یقیناً حیران ہوں گے کہ یہ کیا لوگ تھے اور یہ کیا تماشا کر دیا کہ ہر آنے والے کا دل منور کر دیا حالانکہ چودہ سو سال

میں' خیرالقرون کے بعد' پوری تاریخ تصوف میں اگر ایک صوفی کے پاس پانچ لاکھ بندے آئے تو اس میں سے بمشکل پانچ بندے اس نے ساری زندگی میں چنے ہوں گے۔ جنہیں اس نے ذکر قلبی بتایا ہو گا' کسی کو لطائف بتا دیئے۔ کوئی ایک آدھ خوش نصیب فنا بقا تک چلا گیا ورنہ باقی سب کو کچھ تسبیحات بتا دیں۔ کچھ وظائف بتا دیئے۔ دعا کر دی اور رخصت کر دیا۔

اب بڑے بڑے ناموں کو دیکھئے اللہ نے ان پر بہت بڑی رحمتیں کیں اور بہت بڑے عظیم نام ہیں اور واقعی اللہ کے مقرب بندے اور بڑے صاحب حال صوفی جو ہیں ان کے گرد دیکھیں' کسی کے ساتھ تین' کسی کے ساتھ چار ایسے بندے ہیں جن کو ذکر اذکار یا کیفیات قلبی یا شعور خاص یا لب عطا فرمایا سب نے باقیوں کے لئے دعا ہی کی۔ تاریخ تصوف میں پہلی دفعہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بنیاد رکھی کہ آپ نے فرمایا ہم کسی سے ظاہری بیعت نہیں لیں گے ہمارے ہاں معیار یہ ہے کہ جو بھی آئے اسے کم از کم فنا فی الرسول تک پہنچا کر روحانی بیعت اس کی محمد رسول اللہ ﷺ سے کروائی جائے۔ اس لئے کہ ظاہری بیعت لینے والے بے شمار ادارے ہیں جو اصلاحی کام کر رہے ہیں۔ یہ کام انہی کو کرنے دو اور جو وہیں تک رہنا چاہتا ہے اسے وہاں جانا چاہئے۔ ہمارے پاس وہ لوگ آئیں' جو اتنا عزم رکھتے ہیں۔ طاقت رکھتے ہیں ہم ان کے ساتھ یہ محنت کریں گے۔ یہ غالباً" ستر (۷۰) کے آخر میں یا اسی (۸۰) کے شروع میں اس وجہ سے ظاہری بیعت کی اجازت دی گئی کہ اب ظاہری بیعت والے بھی سارے نیک اور صالح نہیں رہے اور لوگ سادگی سے دنیاداروں میں پھنس جاتے ہیں اور اپنی ظاہری بیعت کو نبھانے کے لئے وہیں ساری عمر دھکے کھاتے رہتے ہیں اور وہ لوگ انہیں دین کے نام پر گمراہ کر دیتے ہیں۔ تو اس لئے ظاہری بیعت بھی لی جائے تاکہ جو لوگ وہاں تک نہیں پہنچ سکتے کہ وہ باطنی اور روحانی بیعت انہیں نصیب ہو تو کم از کم ظاہری طور پر منسلک ہو کر ساتھ چمٹے تو رہیں تو اس وجہ سے مشائخ کرام نے

خصوصاً" اجازت دی اور ہم لوگوں نے بھی آدھی عمر گزارنے کے بعد پھر حضرتؒ سے ظاہری بیعت کی کیونکہ شروع ہی بعد میں ہوئی اور اس کا یہ سبب بنا۔

روحانی بیعت کی صدائے عام

اس سلسلہ عالیہ کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ ہر آنے والے کے ساتھ اتنی محنت کی جائے کہ اسے فنا فی الرسول میں اس کی روح رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حضور ﷺ کے سامنے حاضر کر کے حضور ﷺ کے دست اقدس پر اس کی بیعت کروائی جائے۔ اس بیعت کا فائدہ یہ ہو گا کہ ہمارا تعلق نبی کریم ﷺ سے روایات کا ہے۔ سماعت کا ہے۔ ہم نے بزرگوں سے قرآن سنا۔ بزرگوں سے کلمہ سنا۔ بزرگوں سے آپ ﷺ کے احوال سنے اور اس پر ہمارا ایمان یقین اور ہمارا رشتہ ہے لیکن اگر ہماری روح کو آپ ﷺ کی بارگاہ کی حاضری اور حضوری نصیب ہو جائے تو اس سماعت کے رشتے میں اور اس قرب کے رشتے میں کروڑوں گنا طاقت کا فرق پیدا ہو جائے گا اور جو اطاعت ہم اس طرح سے کر رہے ہیں اس میں کروڑوں گنا ایثار کی زیادتی آ جائے گی اور ہمارے لئے اس پر ہمارا جان تک دینا آسان ہو جائے گا۔ اب اس کے دو پہلو تھے یا تو ہم ہر آنے والے کو دنیاوی کام سے روک دیتے گوشہ نشین کر دیتے' کم غذا دیتے' کم سلاتے' پھر اسے مشاہدہ بھی ہوتا کشف بھی ہوتا۔ اس کی بیعت بھی ہو جاتی۔ تو یہ جو لوگ دنیا سے کاٹ دیتے' ان کا معاشرے میں اور ماحول میں اور احیائے دین میں کچھ بھی فائدہ نہ ہوتا۔ صرف یہ ہو جاتا کہ ہم کچھ صاحب کشف پیدا کر جاتے۔ اس کے علاوہ کوئی عملی فائدہ احیائے دین کے باب میں نہ ہوتا۔ چنانچہ مشائخ عظام نے اور ہمارے اساتذہ نے اور حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرا راستہ منتخب فرمایا کہ ہر آنے والے کو تلقین کی جائے' شریعت کے مطابق بھرپور حصہ لیا جائے ہمارے پاس

جو پہلے ایسے لوگ آئے ہیں کہ جو پہلے تارک الدنیا تھے جب وہ سلسلے میں داخل ہوئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں کام پر لگا دیا کہ جاؤ اپنی مزدوری کرو' کام کرو' مزدوری کر کے پیسہ کماؤ۔ حلال رزق پیدا کرو اور عملی زندگی میں جو بھی اللہ نے استعداد دی ہے اتنی شراکت اپنی قائم رکھو۔

بلکہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ بڑا عجیب تھا ایک صاحب آئے جو ایک خانقاہ کے گدی نشین تھے اور قبر پر چڑھاوے ان کا واحد ذریعہ آمدن تھا۔ اس زمانہ میں ان کے پاس موٹر ہوتی تھی۔ جب ہم لوگوں کے پاس کرایہ مشکل سے ہوتا تھا اور وہ مشکل دور تھا۔ وہی پیسہ تھا جو ان کے بزرگ کی قبر پر لوگ چڑھاوا کے طور پر چڑھاتے تھے اسی سے کار بھی خریدی گئی تھی اور اس میں پیڑول بھی اسی پیسے کا جلتا تھا۔ ان کے آنے سے ہمیں خوشی بھی ہوئی اور دل میں ہمیں خدشہ بھی تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج بڑا سخت ہے' یہ بندہ قبر کی کمائی کھانے والا ہے' دھماکہ ہوگا اور اسے بھگا دیں گے' حضرتؒ اسے برداشت نہیں کریں گے۔ اور یہ بھی خوشی تھی کہ ایک بندہ اچھا ہے اس کی اصلاح ہو جائے تو اس کے آگے ہزاروں لوگ ملنے والے ہیں' جو چڑھاوے چڑھانے والے ہیں وہ بھی شاید نیک ہو جائیں۔ وہ کئی دن ہمارے ساتھ رہا۔ حضرتؒ نے بڑی شفقت سے اسے ساتھ رکھا۔ حضرتؒ کے دوروں پر ہمارے ساتھ وہ بھی پھرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے احدیت' معیت اور اقربیت تک مشاہدات بھی ہو گئے۔ اس کے ساتھ مراقبات ثلاثہ بھی ہو گئے وہ بتانے بھی لگا کہ فلاں اقربیت تک پہنچتا ہے' فلاں کو میں معیت میں دیکھ رہا ہوں' فلاں کو نہیں دیکھ رہا۔ یہ سارا کر کرا کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اسے جب رخصت کرنے لگے تو بڑے آرام سے بٹھا کر سمجھایا کہ دیکھو بیٹا! میں نے تمہارے ساتھ یہ محنت اس لئے کی ہے کہ تمہیں یہ سمجھ آ جائے کہ یہ شے کتنی قیمتی ہے اور واقعی یہ یہاں ہے بھی محض قصہ کہانی نہیں ہے۔

اس کے بعد تمہارے لئے دو راستے ہیں۔ قبر پر جو نذرانہ چڑھایا جاتا

ہے یہ لینا کسی کے لئے جائز نہیں' وہ چڑھاوا چڑھانے والے کی ملکیت سے خارج ہی نہیں ہوتا کیونکہ قبر میں مالک بننے کی استعداد نہیں ہوتی تو ملکیت اسی کی رہتی ہے جو نذرانہ چھوڑ گیا خود صاحب قبر جب دنیا سے جاتا ہے تو اس کا اپنا مال اس کا اپنا نہیں رہتا وارثوں کا ہو جاتا ہے۔ اس کی بیوی جو ہے وہ اس کے نکاح میں نہیں رہتی۔ عدت کے بعد وہ فارغ ہو جاتی ہے اس نے اپنی جو جائیداد بنائی وہ اس کی اپنی نہیں رہتی ورثاء میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اب جو کچھ اس کی قبر پر رکھا جاتا ہے۔ وہ اس کا مالک کیسے بنتا ہے۔ وہ تو شرعاً" مالک ہی نہیں اب جس نے اٹھا لیا اس نے کسی چڑھانے والے کا اٹھا کر کھایا۔ اس میں جو شرک بدعت ہے اس کو چھوڑ بھی دیں تو فقہی جو لین دین ہے وہ بھی حرام ہے کہ دینے والا تو قبر والے کو دے گیا جو مالک ہی نہیں بن سکتا۔ لینے والا کوئی اور ہے۔ اس نے اٹھا کر کھا لیا۔ اس کے لئے تو وہ ویسے ہی حرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بھئی دیکھو اللہ کا نور اور حرام چیزیں ایک شکم میں دو چیزیں اکٹھی نہیں ہوں گی اور یہ تم پر ہے کہ تم یہ نور مبین اپنے دل میں رکھنا چاہتے ہو یا قبر کی آمدن سے پیٹ بھرنا چاہتے ہو اگر تمہیں اس راستے پر چلنا ہے تو مزدوری کرنی ہو گی' تجارت کر لو' کاروبار کر لو' ملازمت کر لو' رزق حلال پیدا کرو اور رہو ہمارے ساتھ اور اگر قبر کی آمدنی کھانی ہے تو السلام علیکم۔ تمہارا اللہ مالک۔ تمہارا ساتھ یہیں تک تھا۔ اس سے زیادہ کی نہ تم میں اہلیت ہے نہ یہ تمہارے پاس رہے گا اور نہ تم اس سے آگے چل سکو گے۔ تو بہرحال جو وہ اس کا نتیجہ ہوا میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت نے محنت اس کے ساتھ بھی کی لیکن آگے۔ اپنے ڈھب پر لانے کے لئے اگر تم یہ راستہ اپنانا چاہو تو اللہ کا احسان ہے نہیں تو رہ جاؤ گے۔

ہم کوشش یہ کرتے ہیں کہ ہر آنے والے کو وہ کیفیات نصیب ہوں۔ اس کے لطائف روشن ہوں' اسے احدیت'معیت' اقربیت تک رسائی نصیب ہو' اسے سیر ... اور فنا فی الرسول نصیب ہو' اس کی روح بارگاہ اقدس میں حاضر

ہو' اسے نبی کریم ﷺ کے دست اقدس پر بوسہ دینے کی سعادت نصیب ہو اور اس کا رشتہ اپنے نبی ﷺ کے ساتھ اتنا مضبوط ہو کہ اس پر وہ جان بھی دے سکے۔ اب اس میں ہم یہ لحاظ نہیں کرتے کہ اسے کشف ہوا ہے یا نہیں۔ اپنی ذمہ داری پہ رہتے ہیں کہ اس کی روح میں وہ استعداد آئی ہے یا نہیں۔ بعض دوستوں پر اللہ کا احسان ہے۔ انہیں دنیاوی کاروبار کرنے کے باوجود بھی کشف ہوتا ہے اور ایسے بھی بہت ہیں' ہزاروں ہیں' جنہیں کشف اور مشاہدہ نہیں ہوتا۔ لیکن اگر اللہ اس کی روح میں قوت دے اور اسے فنا فی الرسول تک جانے کی سعادت نصیب ہو جائے تو ہم کشف کی پرواہ نہیں کرتے' اپنی ذمہ داری پر اس کی بیعت کرا دیتے ہیں۔ اس لئے کہ بیعت ہو جانے سے جو قوت عمل میں یا ایثار میں یا قربانی کے جذبے میں آنی ہے وہ تو آ جاتی ہے۔ اسے نظر آئے نہ آئے یا اس کی زندگی کا وہ اصلاحی پہلو کہ عملی زندگی میں اس کی اصلاح ہو جائے۔ وہ مقصد ہے اس کا نظر آنا مقصد نہیں۔ اب اس سوال کا جواب تو ہو گیا۔

فنا فی الرسول کے لوازمات

جو اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ فلاں کی آپ نے بیعت کرائی اسے کیا نظر آیا اور کیا نہ آیا۔ بھئی بیعت کرنے والا جانے اور بیعت کرانے والا جانے۔ میرے خیال میں تو تیسرے بندے کو یہ حق ہی حاصل نہیں ہے کہ وہ اس کی تفتیش میں لگے اسے کیا حق حاصل ہے کہ وہ پوچھتا پھرے۔ وہ اپنی اتنی محنت اپنے آپ پر کرے اپنا مجاہدہ کرے وہ کیوں اس کام پر لگا ہوا ہے دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کو یہ بڑا ہوتا ہے کہ فلاں کو آپ نے بیعت بھی کرا یا لیکن اس کا فلاں عمل بہتر نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم فتویٰ دے دیتے ہیں۔ دوسرے کے خلاف ہمیں کسی کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔

ملامتیہ تصوف میں ایک پورا سلسلہ ہے۔ آج کل تو اس کے لوگ نہیں ملتے۔ ایک زمانے میں بڑے جوبن پر تھا ملامتیہ سلسلے کی بنیاد اس بات پر تھی کہ ایسے کام کئے جائیں کہ لوگ ہم سے دور رہیں اور ہمیں ملامت کرتے رہیں۔ اس لئے انہیں ملامتیہ کہتے ہیں۔ لیکن وہ غلط کام نہیں کرتے تھے کام جائز ہوتا تھا لیکن لوگ اس پر ملامت کرتے تھے مثلاً" رمضان میں مسافر ہیں تو اب روزہ افطار کرنے کی رخصت ہے کہ اگر کوئی نہیں رکھ سکتا تو افطار کرے اور قضا کرے تو انہیں چونکہ شرعاً" تو قضا کرنے کی اجازت ہوتی تھی لیکن انہوں نے لوگوں کے سامنے تھوڑا کھا پی لیا۔ اب لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ مسافر ہے یا وطن سے دور ہے اس کے لئے شرعی رخصت ہے لوگوں نے اسے بھلا برا کہنا شروع کر دیا۔ تو وہ کام ایسے کرتے تھے جن کے کرنے کا جواز ضرور ہوتا تھا اور شرعاً" اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا تھا لیکن دیکھنے والے کو وہ عیب لگتا تھا اور لوگ ان پر لعن طعن شروع کر دیتے تھے۔ اس لئے انہیں سلسلہ ملامتیہ ہی کہتے ہیں۔ ملامت اپنے اوپر کرواتے رہتے تھے۔ یہ ان کا طریقہ تھا لوگوں سے بچ کر رہنے کا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ فتویٰ دینے والے حضرات کو اسباب کا پتہ نہیں ہوتا ظاہری حالت کو دیکھ کر فتویٰ دے دیتے ہیں کہ اس نے یہ کر دیا وہ شاید جو یہ آپ کو عیب نظر آ رہا ہے شاید اس کے پاس اس کا کوئی شرعی جواز ہو دوسری بات یہ ہوتی ہے کہ ایک بیمار کو آپ ایک بہت طاقتور انجکشن دیتے ہیں تو اس سے بھی بیماری اس کی ایک چوتھائی حصہ جاتی ہے ساری نہیں جاتی تو اندازہ کریں کہ اگر وہ انجکشن بھی اسے نہ ملتا تو مر چکا ہوتا۔ یہاں بھی یہی حال ہے کہ کسی کو مراقبات بھی کرا دیئے جاتے ہیں تو اس کی سو فیصد اصلاح نہیں ہوتی تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا مرض اتنا شدید ہے کہ اگر اسے یہ ذکر نصیب نہ ہوتا تو اب تک ایمان سے بھی خارج ہو چکا ہوتا۔ معترض یہ کیوں نہیں سوچتا کہ جسے اتنے مراقبات یا اتنی محنت کے باوجود بھی اس میں یہ کمزوریاں باقی ہیں تو اگر اسے ذکر نصیب

ہی نہ ہوتا تو یہ تو اب تک ملنگ بن چکا ہوتا اور ٹلیاں گھنگرو باندھے پھرتا ہوتا۔ کیا آپ کے معاشرے میں یہ روزمرہ کی بات نہیں ہے کہ بندے مسلمان گھروں میں پیدا ہوتے ہیں اور باطل عقائد میں گرفتار ہو جاتے ہیں یہ روزانہ جو نئے مذہب بن رہے ہیں یہ کوئی آسمان سے تو نہیں اتر رہے انہی لوگوں کا بگڑا ہوا حال ہے گمراہی سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے اور ایک نیا فرقہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے۔ جس کا نہ سر ہوتا ہے نہ پیر ہوتا ہے تو کیا یہ مناسب نہیں کہ کسی کو کم از کم اگر ہم پوری صحت نہیں دے سکتے تو اس کو مرنے سے تو بچا لیا جائے تو پوچھنے والوں کو میرے خیال میں ان سب باتوں کا اگر ہم لحاظ رکھیں تو کچھ تجسّس کی بات نظر نہیں آتی۔

آداب شیخ

ایک بات میں آپ کو عرض کرتا چلوں کہ ہم تین چار پانچ ساتھی ہوتے تھے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اور ہمارا طریقہ یہ تھا کہ ہم جب حاضر ہوتے وہاں تو حضرتؒ گھر پر ہوتے تو کوئی اطلاع اندر نہیں دیا کرتا تھا بلکہ نماز کا وقت ہوتا تو اذان کر دی۔ حضرتؒ نماز پڑھانے آئے تو آپ نے دیکھ لیا السلام علیکم۔ وعلیکم السلام صرف حضرتؒ کھانا بھجوا دیتے تھے۔ مغرب سے عشاء تک ذکر کروا دیتے تھے اور سحری کا ذکر پھر بنفس نفیس باہر آ کر کروا دیتے تھے۔ ہمیں اگر کوئی بات کرنا ہوتی تو ہم آپس میں وقت بانٹا کرتے تھے اور حضرتؒ اشراق کے بعد رفع حاجت کے لئے باہر تشریف لے جاتے وہ زمانہ یہ لیٹرینوں کا نہیں تھا۔ اب تو گھر گھر میں ہیں تو اس وقت سب مخلوق رفع حاجت کے لئے باہر جاتی تھی۔ وہ کوئی سو گز فاصلہ چونکہ گاؤں کے باہر حضرتؒ کا گھر تھا تو سو گز ڈیڑھ سو گز دور جا کر چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔ وہاں تک حضرتؒ تشریف لے جاتے تو ہم میں سے جسے کوئی بات کرنا ہوتی تو اسے ہم آپس میں بانٹ لیتے تو نے بات کرنی ہے تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چلا جا۔

اور وہ جاتے ہوئے بات کر لی یا واپس آتے ہوئے۔ واپس آپ مسجد آتے ہاتھ وغیرہ دھو کر پھر اندر تشریف لے جاتے تو حضرتؒ اس کا انتظار نہیں کرتے تھے کہ اس کی بات پوری ہو گئی یا نہیں ہوئی۔ آتے جاتے اس لمحے میں دو چار جملے کہنے کی فرصت مل گئی اور اکثر حضرتؒ سن تو لیتے تھے جواب نہیں دیا کرتے تھے بات سنتے جاتے تھے اور پھر چلے جاتے تھے جواب نہیں دیا کرتے تھے جب جماعت زیادہ ہوئی اور حضرتؒ گھر سے باہر ہوتے تو ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے لیکن جو لوگ اس وقت بیٹھے تھے حضرتؒ کی مجلس میں انہیں یاد ہو گا کہ وہ ساری باتیں تصوف پہ ہوتیں۔ دین پہ ہوتیں یا فقہی مسائل پہ ہوتیں۔ پوری وہ مجلس جو حضرت اختیار فرماتے تھے وہ دینی ہوتی تھی۔ تو اگر کوئی دنیاوی بات آ جاتی تو یا جھڑک دیتے تھے یا مجلس برخواست فرما دیتے تھے۔ جو وقت اب جا رہا ہے میں کوئی دو مہینے بعد واپس گھر آیا اور میرے پاس ڈاک کا انبار لگا ہوا تھا۔ میں نے ایک ایک خط کو پڑھا۔ ایک خط میں دین کی بات نہیں تھی ایک میں۔ مجھے حسرت رہی کہ کاش کسی لفافے میں کوئی اللہ کی کوئی دین کی بات نکل آئے اس پورے ڈاک کے انبار میں ایک لفافے میں بھی دین کی بات نہیں تھی۔ بیوی ناراض ہے بچہ روٹھ گیا ہے۔ بیٹی بیمار ہے۔ فلاں کو جن پکڑ گیا ہے۔ پڑوسیوں کی دادی کو جن نے پکڑ لیا ہے۔ مجھے کیا مصیبت ہے پڑوسی تمہارا آگے ان کی دادی ہے دادی کا بھانجا ہے پتہ نہیں کیا کیا اور اس کا یہ ہو گیا۔ سوائے اس کے کسی کو جن نے پکڑ لیا کسی کے کاروبار میں کمی آ گئی کسی کی صحت خراب ہو گئی اس کے علاوہ مجھے حسرت ہی رہی کہ یاخدایا میں یہ اتنی جھک جھک بک بک کر رہا ہوں سارا کچھ یہی کچھ بنا رہا ہوں میری محنت کا یہی اثر ہے کہ کسی ایک کو بھی دین کی بات کا شعور نہیں اور فکر ہی نہیں اور اگر آپ کو اعتبار نہ آئے تو جو اب ڈاک آتی ہے دیکھ لیں۔ بے شمار خط پھاڑ کے بھی پھینک دیتا ہوں۔ گذشتہ رات یہ ہوا آپ کہتے ہیں میں لوگوں سے ملتا نہیں۔ کیا

ملوں۔ کس سے ملوں' رات جب میں سونے کے لئے اپنے کمرے میں جا رہا تھا گیارہ بجے تو جو خواتین کی منتظم ہیں انہوں نے مجھے کہا حضرت کچھ خواتین نے صبح جانا ہے۔ ہماری ظاہری بیعت بھی رہ گئی انہوں نے ضرور بیعت ہونا ہے۔ صبح ہمیں پتہ نہیں کب میاں لوگ تیار ہو جائیں اور پتہ نہیں صبح فرصت ملے گی بیعت کی یا نہیں۔ میں نے کہا رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ میں اب تھوڑی دیر سونا چاہتا ہوں۔ چلو بھئی کر لو بیعت۔ اب چار بیعت کرنے والی آئیں۔ دو ساتھ ان کی بیماریاں گننے والی آ گئیں۔ ان چاروں کی جنہوں نے بیعت کرنی تھی اس کو یہ بیماری' اس کو یہ بیماری اس کو یہ ہوا۔ میں نے کہا بی بی' انہیں کسی ہسپتال لے جاؤ۔ رات گیارہ بجے بارہ بجے میرے ساتھ بیماریاں گننے کی بجائے اگر میری میڈیکل رپورٹ دیکھو تو تمہارا سر چکرا جائے۔ تو میں جو خود بیماریوں کو کاٹھ ماروں میرا کام ہے تمہیں دین بتانا۔ اللہ کا نام بتانا' اللہ کے ذکر کا طریقہ سکھانا۔ اگر وہ کوئی بات ہے تو میرے ساتھ کرو۔ اگر کوئی میڈیکل پرابلم ہے تو ڈاکٹر باہر ہے۔ ہسپتال ہے یا کہیں اور تشریف لے جاؤ۔ یہ کس برتے پہ ملا جائے۔ مجھے بتاؤ۔ کس لئے لوگوں کے پاس بیٹھا جائے۔

☆ ☆ ☆

طریقہ ذکر کے اصول

ماہرین جسم اور روح

انسانی وجود صنعت باری کا ایک عجیب شاہکار ہے۔ رب العالمین نے مختلف عناصر کو ایک خاص ترکیب سے اور ایک خاص نسبت سے آمیزش دے کر اس جسم کی تخلیق فرمائی ہے اور اس مادی وجود کے ساتھ اس کے روح کا تعلق اور ایک عجیب رابطہ قائم کر دیا ہے۔روح جو لطیف ترین شے ہے حتیٰ کہ فرشتے سے بھی لطیف تر ہے۔ اس تعلق میں خداوند عالم نے کچھ ضوابط' کچھ اصول و قوانین مقرر فرمائے ہیں جہاں تک جسم بلکہ مادیات سے متعلق علوم و فنون کا تعلق ہے۔ اس نعمت کو عام فرما دیا۔ مرد ہو یا عورت' مومن ہو یا کافر' نیک ہو یا بد' جو بھی ان علوم و فنون کو سیکھنے کے لئے محنت کرے۔ بقدر سعی و استعداد انہیں حاصل کر سکتا ہے۔ آپ نے فن طب میں مہارت رکھنے والے کافر طبیب بھی دیکھے ہوں گے اور مومن بھی۔ آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ طب یا میڈیکل سائنس کا موضوع یہ ہے کہ عناصر اربعہ کی ان کیفیات کا علم اور تجربہ حاصل کیا جائے۔ جنہیں متوازن رکھ کر جسم کا روح سے تعلق قائم رکھا جا سکتا ہے۔ اگرچہ روح عالم امر کی چیز ہے اور اس لطیف ترین شے کا تعلق مادی اور کثیف بدن سے قائم رکھنا ایک عجوبہ ہے۔ مگر دیکھا گیا ہے کہ ماہر طبیب نبض پر ہاتھ رکھتے ہی امراض کی فہرست پڑھنا شروع کر دیتا ہے ایسا کیوں ہے؟ طب مشرق کی رو سے بیماری کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ چار خلطوں میں سے کوئی خلط مطلوبہ مقدار سے بڑھ جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے اور طبیب کو نبض پر ہاتھ رکھنے

سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کون سی خلط میں کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اب طبیب اپنے علم اور تجربہ سے یہ اخذ کر لیتا ہے کہ اس تبدیلی کے اثرات کیا ہیں؟ بس طبیب ان ہی اثرات کی گردان شروع کر دیتا ہے۔ فن سے ناواقف آدمی حیران رہ جاتا ہے بہرحال عناصر کا یہ عدم توازن بڑھتے بڑھتے جب ایک خاص حد تک پہنچ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے اب روح کا جسم سے اس تعلق کی کیفیت کا جاننا بھی ایک مخصوص علم ہے اور اس کے ماہر اور امام انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔ روح کے متعلق علوم و فنون کی واقفیت یا مہارت پیدا کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ یہ فن انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے صرف مومنین کاملین کا خاصہ ہے۔

روح کی بقا و صحت

روح کی صحت اور بقاء کا انحصار تعلق باللہ پر ہے ذات باری سے جس روح کا ربط جس درجہ کا ہو گا اس کی صحت اور قوت بھی اسی درجہ کی ہو گی۔ جوں جوں یہ قرب بڑھتا جائے گا روح کی صحت اور قوت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اس تعلق میں جوں جوں کمی ہو گی روح کی بیماری اور پریشانی بڑھتی چلی جائے گی۔ حتیٰ کہ جب یہ بگاڑ ایک خاص نقطہ پر پہنچ جاتا ہے تو روح کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ روح کی موت کیا ہے؟ ذات باری سے روح کا تعلق منقطع ہو جانا، مگر وہ تعلق جو مظہر رضا ہے۔ کیونکہ کسی قسم کا تعلق تو قائم رہتا ہے۔ مثلاً" غضب اور گرفت کا تعلق تو قائم رہے گا۔ روح کے لئے فناء نہیں۔ ہاں کیفیت بدل جائے گی یعنی رحمت اور رضا کی جگہ غضب آ جائے گا۔

روح کی صحت اور اس کے لوازمات

روح پر اس رحمت باری کا سبب بھی انسانی جسم ہی بنتا ہے۔ اگر روح وجود انسانی میں داخل نہ ہو، تو منازل قرب نہیں پا سکتا۔ روح اگر جسم سے الگ عالم امر ہی میں رہے تو اسی حال پر قائم رہے گا۔ جس پر اسے پیدا کیا گیا۔ قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے روح کو انسانی بدن کی ضرورت ہے بالکل اسی طرح جس طرح بدن کی ایک خاص کیفیت کو روح کے ساتھ تعلق رکھنے میں دخل ہے یا اس کا سبب بنتا ہے۔

ذکر میں تیزی کا فلسفہ

اسی طرح انسانی جسم کے ایک خاص ٹمپریچر کو، خون کی ایک خاص حدت کو انوارات کے جذب کرنے میں دخل ہے۔ ایک شخص نہایت سکون اور خاموشی سے بیٹھا اللہ اللہ کرتا رہے تو یہ ذکر ضرور ہو گا۔ دل پر اثر بھی کرے گا مگر اس انداز سے ذکر کرنے میں خون میں ایک خاص درجہ کی حدت پیدا کرنے کے لئے صدیاں درکار ہوں گی تاکہ اس میں انوارات جذب کرنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔

ذکر میں تیزی کا سبب اور نتیجہ

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں جو طریقہ ذکر رائج ہے۔ اسے اصطلاح تصوف میں پاس انفاس اور ذکر قلبی کہتے ہیں، یہ تدبیر یا طریقہ ذکر اس فن کے ماہرین حضرات کے عمروں کے کامیاب تجربوں کا ماحصل ہے۔ ذکر کراتے وقت تاکید کی جاتی ہے کہ خوب زور سے ذکر کرو اور ہر سانس کی نگرانی کرو کہ کوئی سانس ذکر سے خالی نہ جائے۔ زور سے ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اس

طرح انسان اپنی پوری توجہ سانس پر مرتکز کر سکتا ہے کہ جو سانس اندر جائے تو خیال ہو کہ اللہ کو ساتھ لے کر اندر جا رہا ہے اور جب سانس باہر نکلے تو خیال ہو کہ باہر آنے والا سانس اپنے ساتھ ھو لے کر آ رہا ہے۔ اس طریقہ ذکر میں الفاظ یعنی "اللہ" اور "ھو" بنانا یا ان کا تلفظ کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ یہ خیال کرنا ہوتا ہے۔ کہ ہر سانس جو اندر جاتا ہے۔ اپنے ساتھ لفظ اللہ کو دل کی گہرائیوں میں لے جا رہا ہے اور ہر خارج ہونے والے سانس کے ساتھ لفظ ھو کا شعلہ بلند ہو رہا ہے۔ جب سانس اتنی قوت سے اور تیزی سے چلے گا تو خون کو وہ ٹمپریچر دے گا۔ وہ مخصوص کیفیت دے گا۔ جو جذب انوارات کے لئے ضروری ہے اور جو کام برسوں میں ہونا تھا وہ دنوں میں ہو جائے گا۔

سلسلہ کا طرہ امتیاز

یہی بات ہے کہ باقی سلسلہ ہائے تصوف میں اس کام یعنی جذب انوارات پر کئی برس لگائے جاتے ہیں پھر کہیں جا کر لطائف منور ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سارے لطائف ایک ہی توجہ میں تعلیم کئے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی حضرات سالک کی تربیت کا کام ذکر لسانی سے شروع کرتے ہیں اور پھر اس کے مختلف مدارج بناتے ہیں مثلاً" پہلے درجہ میں لا الہ الا اللہ دوسرے درجہ میں الا اللہ الا اللہ تیسرے درجہ میں اللہ اللہ اور چوتھے درجہ میں صرف ھو کی مشق کرائی جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد دل کی طرف متوجہ ہو کر خاموشی سے بیٹھے رہنا ہوتا ہے۔

اخذ فیض کا منبع

دوسری بات یہ ہے کہ ان حضرات کے ہاں اخذ فیض کا طریقہ صرف یہ ہے کہ سوائے زندہ شیخ کے کسی اور سے اخذ فیض نہیں کر سکتے اور یہ طریقہ بھی صرف فناء بقاء تک کام دیتا ہے۔ اس سے آگے کے منازل بالا میں لازما" ارواح کے ساتھ رابطہ پیدا کرنا ہوتا ہے اور ان ارواح سے رابطہ قائم کرایا جاتا ہے' جو براہ راست روح آقائے نامدار ﷺ سے مستفیض ہوں۔

سلسلہ کی قوت

لیکن ہمارے سلسلہ میں یہ خصوصیت ہے کہ ابتداء ہی سے شیخ براہ راست آقائے نامدار ﷺ کے سینہ اطہر سے انوارات اپنے دل میں جذب کر کے طالب کے قلب پر انڈیل دیتا ہے۔ یہ کام تو شیخ کا ہے۔

توجہ شیخ و استعداد جذب کے اسباب

لیکن شیخ کی اس توجہ کے اثرات' انوارات قبول کرنا اور جذب کرنا طالب کا کام ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ بارش کا برسنا تو عام ہے مگر سنگلاخ زمین اس پانی کو جذب نہیں کر سکتی بلکہ وہ پانی پتھر سے پھسل کر بہہ جاتا ہے۔ مگر نرم زمین بارش کے پانی کو جذب کرتی ہے مگر روئیدگی اور ثمرات حاصل کرنے کے لئے صرف پانی کے جذب ہونے پر اکتفا نہیں کی جاتی بلکہ اس کے بعد ہل چلانا' بیج ڈالنا' گوڈی اور نلائی کرنا اور فصل کی رکھوالی کرنا سب ضروری مراحل ہیں

اور یوں سمجھئے کہ یہ سب طلب کے مراحل ہیں۔ جس نسبت سے طلب بڑھے گی۔ اسی نسبت سے شیخ کی توجہ میں اضافہ ہو گا اور طالب کے قلب میں انجذاب کی کیفیت ترقی کرے گی۔ یہ ایک فطری ضابطہ ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ بچہ جب روتا ہے تو ماں کی چھاتیوں میں دودھ اتر آتا ہے۔ یہی حال شیخ کا ہے کہ طالب میں طلب اور جذب کی استعداد جب ترقی کرتی ہے تو شیخ کی توجہ خودبخود اس کی طرف ہونے لگتی ہے۔ اگر کوئی بے ذوق ہو کر مدتوں بیٹھا رہے تو اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ شاید اسی سنت اللہ کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے مگر دل متوجہ نہ ہو تو وہ ہاتھ خالی ہی لوٹتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ سینکڑوں آدمیوں میں اگر ایک بھی شخص بے ذوق ہو کر بیٹھا ہے تو سب اہل ذوق پر شیخ کی توجہ ہو گی مگر اس ایک بے ذوق پر نہیں ہو گی۔ اس کے قلب کی طرف شیخ کے انوارات نہیں جائیں گے۔

لوازمات سلوک

تو معلوم ہوا کہ اس راہ میں طلب اور طلب صادق پہلا قدم ہے۔ مگر صرف طلب کافی نہیں بلکہ اس خاص استعداد کے پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہے جو ان کیفیات کو جذب کر سکے۔ اسی غرض سے تیزی سے اور قوت سے سانس کے ذریعہ ذکر کرایا جاتا ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ذہن پراگندہ نہیں ہوتا طرح طرح کے خیال نہیں آنے پاتے۔ پھر جب ادھر پوری توجہ ہو جاتی ہے تو اس توجہ کا تعلق سانس سے نہیں بلکہ اسم ذات سے ہو جاتا ہے۔

تیزی کے ثمرات اور توجہ شیخ

طب جسمانی کے اعتبار سے اس عمل کی اس طریقہ ذکر کی خصوصیت یہ

ہے کہ جب سانس تیزی سے چلتا ہے تو خون میں ایک خاص حدت پیدا ہو جاتی ہے اور اس میں انوارات جذب کرنے کی استعداد اور صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جو عالم بالا سے نازل ہوتے ہیں' کیونکہ روح کو منازل قرب حاصل کرنے کے لئے بدن کی شرکت ضروری ہے۔ اس لئے بدن کی خاص کیفیات کو اس بات سے خصوصی تعلق ہے کہ کونسی کیفیت کس درجہ کے انوارات کو قبول کر سکتی ہے۔ اگر روح میں قبولیت کی استعداد اور قوت پیدا نہ ہو تو طالب کا قلب شیخ کی توجہ کے انوارات کو پٹک دیتا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ مکہ کے رہنے والے بعض افراد آقائے نامدار ﷺ کے ساتھ اس قدر مادی قرب میسر آنے کے باوجود قرب حقیقی کی دولت سے محروم ہی رہے۔

اخذ فیض میں رکاوٹ

حالانکہ حضور اکرم ﷺ کے قلب اطہر میں اتنی قوت ہے کہ آپ پوری کائنات میں فیضان باری کو تقسیم کرنے والے ہیں۔ فرشتے ہوں یا انبیاء' جن ہوں یا انسان۔ کائنات بسیط کا ایک ایک ذرہ تجلیات باری کو اخذ کرنے میں محمد رسول اللہ ﷺ کا محتاج ہے۔ آپ کی ذات نور کا وہ مینار ہے جو ساری کائنات کو نور تقسیم کرتا ہے۔ پھر حیرت ہے کہ اتنا بڑا خزینہ جن لوگوں کے پاس ان کی مادی زندگی میں موجود رہا۔ وہ اس خزینہ سے اخذ فیض کرنے سے محروم رہے۔ جس ہستی کے فیضان سے صدیوں بعد بھی' لوگ زمین پر بستے ہوئے' عرش معلیٰ کی باتیں کرتے ہیں اور صورتش برخاک و جان در لامکاں کی زندہ مثالیں ہیں۔

شیخ کی توجہ سب پر ہوتی ہے

کیا ان لوگوں کی محرومی کی وجہ یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ بعض لوگوں کے لئے توجہ فرماتے تھے اور بعض کے لئے نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ

حضور ﷺ کو تو رحمتہ اللعالمین بنا کے بھیجا گیا تھا۔ لہذا تقسیم فیضان میں حضور ﷺ نے کبھی کمی نہیں کی۔ اگر فرق تھا تو اخذ فیض میں۔ جن لوگوں نے اپنے قلوب میں اخذ فیض کی استعداد پیدا نہ کی' اس کا ارادہ نہ کیا' انہوں نے خود توجہ نہ کی وہ محروم ہی رہے اور جو متوجہ ہوئے وہ نہال ہو گئے ؎

ہمارے ظرف ہی انعام کے قابل نہیں ورنہ
لنڈھائے خم کے خم اوروں پہ کیوں ممسک ہو گر ساقی

اخذِ فیض کے اصول

اگر اخذِ فیض میں کوتاہی اور کمی کی وجہ سے دربار نبویؐ سے محرومی ہو سکتی ہے تو کسی ولی کی صحبت میں رہ کر اس کے فیض سے محروم رہنا کون سی تعجب کی بات ہے۔

اخذ فیض کے لئے طالب کا صرف متوجہ ہونا کافی نہیں بلکہ اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ اعمال کے ذریعہ اپنے اعضاء میں' جوارح میں' اپنے وجود میں اخذ فیض کی استعداد بھی پیدا کرے۔

اخذِ فیض کی شرائط

لیکن اعضاء و جوارح سے اعمال صالحہ کے لئے اکل حلال شرط ہے' طیب غذا بھی درکار ہے تاکہ اس سے خون صالح پیدا ہو جو جسم کو اعمال صالحہ کی تحریک کرے۔حرام اور ناپاک غذا سے جو خون پیدا ہو گا وہ لازماً" اعمال بد کے لئے محرک ثابت ہو گا۔ جبھی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو گوشت حرام غذا

سے بنا ہے وہ آگ ہی کے لئے موزوں ہے۔ لہٰذا طالبِ صادق کو اکلِ حلال کا اہتمام کرنا چاہئے۔ یہ بات بھی یاد رکھئے کہ حلال کے ساتھ طیب کی قید بھی موجود ہے یعنی حلال بھی ہو اور پاک بھی ہو۔

صحبت کے اثرات

غذا کے بعد سیرت و کردار پر دوسرا بڑا موثر صحبت ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں' ایک تو نااہلوں کی صحبت سے پرہیز ہے اور یہ پہلو نہایت ضروری ہے کیونکہ تعمیر کی نسبت تخریب کا عمل عموماً جلدی ہوتا ہے اور آسان بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص رات بھر اللہ اللہ کرتا رہے اور دن کو چند لمحے نااہلوں اور بدکاروں کی صحبت میں گزار لے تو اس کی رات بھر کی کمائی چند لمحوں میں ضائع ہو جائے گی۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ تصوف دراصل رہبانیت اور ترک دنیا کی ایک صورت ہے بلکہ اس پرہیز کے لئے بھی ایک اصول ہے۔ وہ یہ کہ جو شخص سیرت کے اعتبار سے اتنا پختہ اور قوی ہو کہ بُرے لوگوں کی اصلاح کر کے انہیں اپنے رنگ میں رنگ سکے۔ اس کے لئے یہ پرہیز جائز نہیں۔ ہاں جو شخص ایسا کمزور ہو کہ ہر آوارہ مزاج آدمی اس کی باطنی دولت پر ڈاکہ ڈال کر اس کو اپنے رنگ میں رنگ لے۔ اسے اپنی حفاظت کی خاطر ایسے چوروں اور ڈاکوؤں سے بچ کے رہنا چاہئے۔ قوی سیرت کا شخص اگر بُرے لوگوں پر کوئی مستقل اثر پیدا نہ کر سکے تو اس کی ہیبت سے کم از کم تو اتنے وقت کے لئے وہ لوگ برائی سے بچ رہیں گے یا جب تک ان کی صحبت میں بیٹھے ہیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ صحبت بد سے صرف بچنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ صالح لوگوں کی تلاش کر کے ان کی صحبت میں بیٹھنے کا اہتمام بھی کیا جائے کیونکہ صرف تخریب سے بچنا ہی ضروری نہیں بلکہ تعمیر کا عمل جاری رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ قرب اور ترقی کی طرف قدم بڑھتے رہیں۔

کمزور لوگوں پر صحبتِ بد کا اثر کئی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً" اس کی عبادات پر اثر پڑتا ہے اور سستی ہونے لگتی ہے۔ ذکر الٰہی میں جی نہیں لگتا اور یہ دونوں اثرات دراصل اس کی روح پر پڑے اور بدن سے یہ آثار ظاہر ہوئے۔ روح بیمار ہوئی تو عبادات اور ذکر الٰہی جو روح کی غذا تھی اس سے دل اچاٹ ہو گیا۔ یہ ذکر الٰہیؒ یہ اخذ فیض یہ جذب انوارات روح کی غذا اور اس کی بقا کا سبب ہے۔ پھر اس سے بے رغبتی کیوں ہوئی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مسلسل بخار کی وجہ سے منہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے۔ ایسے بیمار کے منہ میں شہد ٹپکاؤ تو وہ کڑواہٹ محسوس کر کے تھوک دے گا۔ اسی طرح روح جب بیمار ہو جاتی ہے تو اس کا ذائقہ بدل جاتا ہے۔ عبادت اور ذکر الٰہی جیسی شیریں اور خوش ذائقہ غذا کڑوی محسوس ہونے لگتی ہے بلکہ اللہ کا نام لینا دشوار ہو جاتا ہے اور بات یہاں تک پہنچتی ہے کہ رحمتہ اللعالمین فرماتے ہیں میرے کان میں لا الہ الا اللہ کہہ دو میں تمہاری نجات کا ضامن ہوں مگر اس سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا۔

ایک ذاکر جب صحبت بد سے نہ بچے تو رفتہ رفتہ اس کے وظائف اور اذکار رہ جاتے ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی کا جسم ٹوٹ رہا ہو۔ اگر بخار نہ بھی ہو' آدمی کو کوئی ضروری کام کرنا بھی ہے تو وہ کام لگے بندھے تو کر لیتا ہے۔ مگر ذوق اور خوبی سے نہیں کرپاتا بس گزارہ کرتا ہے۔ اور اگر بخار آ جائے تو ضروری کام بھی رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح جب حرام غذا سے خون میں حرام کی آمیزش ہو جائے یا انسان صحبت ناجنس کا شکار ہو جائے تو پھر اثر یہ ہوتا ہے کہ جیسے کسی شخص کا جسم ٹوٹ رہا ہو اور وہ اپنا کام بے دلی سے کرتا ہو۔ بالکل اسی طرح اس کا ذکر کرنے کو جی نہیں چاہتا اور اگر چندے یہی حال رہا تو جس طرح بیمار آدمی ضروری کام بھی نہیں کر سکتا ہے۔ اسی طرح صحبت ناجنس کی وجہ سے اس کے نوافل کے بعد فرائض پر زد پڑتی ہے اور اگر پھر بھی تائب نہ ہو'

تو سب کچھ رہ جاتا ہے اور اس کے قلب کا تعلق اپنے رب سے ٹوٹ جاتا ہے۔

طریقہ کے مطابق ذکر کے ثمرات

اکل حلال کا اہتمام اور صحبت بد سے احتراز کے بعد کرنے کا کام یہ ہے کہ پوری یکسوئی سے اور نہایت پابندی سے ذکر الٰہی کریں۔ پوری قوت سے تیزی سے سانس کے ذریعہ ذکر کریں۔ اس قوت اور تیزی سے دو اثر مرتب ہوتے ہیں۔ اول توجہ ایک مقصد پر مرتکز رہتی ہے۔ دوم خون میں خاص گرمی پیدا ہوتی ہے۔ جو اخذ فیضان کے لئے اور جذب انوارات کے لئے ضروری ہے۔ اگر یہ گرمی پیدا نہ ہو' تو شیخ کی توجہ سے انوارات آتے تو ہیں۔ مگر طالب کے قلب میں جذب نہیں ہو پاتے۔ جب تک انوارات جذب نہ ہوں۔ منازل سلوک طے نہیں ہو سکتیں۔ ہاں ذکر الٰہی کا ثواب ہوتا رہتا ہے' محض ثواب ملنا اور بات ہے اور منازل قرب کی طرف بڑھنا اور بات ہے۔

قوت سلسلہ

آپ نے تصوف کی کتابوں میں پڑھا ہو گا کہ تمام سلسلوں میں مشائخ طالبوں کو تنہائی میں رکھتے ہیں' جنگلوں میں بھیج دیتے ہیں۔ معاشرے سے جدا کر دیتے ہیں۔ اس تدبیر سے ان کا ذہن ہر طرف سے کٹ کر ایک مرکز پر جم جاتا ہے۔ اور یہ یکسوئی جذب انوارات کی استعداد پیدا کرتی ہے۔ مگر خامی یہ رہ جاتی ہے کہ آدمی معاشرے میں رہ کر جن اعمال سے اپنی سیرت کی تعمیر کر سکتا ہے' ان اعمال سے محروم ہو جاتا ہے۔ مگر ہمارے سلسلہ و [illegible] کی خصوصیت یہ ہے کہ معاشرے سے الگ نہیں کیا جاتا [illegible]

نامساعد حالات [illegible] پیش آتے ہیں' مگر جب [illegible]

غبار دھل جاتے ہیں۔ یہ اس سلسلے کی برکت اور شیخ کی قوت کا اثر ہے' یہ [illegible] سلسلہ ہے' جو مخلوق کے ساتھ اختلاط سے منع نہیں کرتا۔ کاروبار [illegible]

چلاؤ' ملازمت کرو' بیوی بچوں میں رہو' بس مقررہ اوقات پر مقررہ طریقے سے ذکر کرتے رہو تمہارا سینہ منور رہے گا۔ ہاں اگر ان تینوں امور کا خیال نہ رکھا جائے یعنی اکلِ حلال' صحبت بد سے احتراز اور شرائط کے ساتھ ذکر تو لازمی امر ہے کہ ذکر الہیٰ کے لئے فرصت نہ ملنے کا بہانہ بھی ہو گا' جی نہ لگنے کا شکوہ بھی ہو گا مگر یہ مرض لا علاج نہیں ہاں علاج کے لئے محنت درکار ہے' وہ یوں کہ دھوبی پٹڑا سے کام لے۔ یعنی نہایت قوت کے ساتھ تیزی سے لطائف کرے تاکہ خون میں جوش پیدا ہو اور غیر صالح غذا اور غیر صالح صحبت سے اجتناب کرے۔ گذشتہ سے توبہ کرے اور یہ یقین رکھے کہ کمی ادھر سے نہیں بلکہ خامی اور نقص طالب کی اپنی ذات میں ہے۔ یہی حال شیخ کا ہوتا ہے۔ شیخ کبھی یہ نہیں کرتا کہ کسی پر زیادہ توجہ کرے' کسی پر کم اور کسی پر مطلق توجہ ہی نہ کرے۔ شیخ کی توجہ سب پر یکساں ہوتی ہے فرق لینے والے کے ظرف میں ہوتا ہے۔ اس کا گریبان ہی چاک ہو۔ دامن ہی نہ رکھتا ہو' تو جھولی کیونکر بھرے۔ کوئی شکوہ کرے تو بے جا ہے اور اگر چند کلیوں پر قناعت کرے تو کم ظرف ہے۔ ورنہ یہاں تو علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے۔

اسباب کشف و نقائص کشف

جہاں تک یکسوئی میں کمی بیشی کا تعلق ہے اس میں فطرت کو بھی دخل ہے۔ ذہین آدمی کا دماغ ہر وقت مصروف رہتا ہے اور اس کی توجہ بیک وقت کئی باتوں کی طرف رہتی ہے۔ ایسے لوگوں کو کامل یکسوئی مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔ عام اور سادہ آدمی میں یہ بات نہیں ہوتی ہے اس وجہ سے اسے یکسوئی زیادہ ہوتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا' پاگل لوگوں کو کشف ہو جاتا ہے' گذشتہ واقعات اور دور کی باتیں بیان کرتے ہیں' لوگ انہیں ولی کامل سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ سب کچھ اس یکسوئی کی وجہ سے ہوتا ہے جو انہیں پاگل ہونے کی وجہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔ مگر عالم بالا کے حالات اس کی دسترس سے باہر ہوتے

ہیں۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ بچوں' عورتوں اور کم عقل لوگوں کو جلد کشف ہو جاتا ہے۔ کشف صحیح بلاشبہ اللہ کی نعمت ہے۔ مگر یہ قبولیت کی دلیل نہیں' مگر بعض کوتاہ اندیش لوگ اسے عنداللہ مقبولیت کی دلیل سمجھ کر محنت ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے کشف الٹا حجاب بن جاتا ہے۔

دوسرا نقص یہ ہوتا ہے کہ صاحب کشف کمال کی نسبت اپنی طرف کرنے لگتا ہے اس کے مقابلہ میں وہ شخص فائدے میں ہے اور محفوظ ہے جسے کشف نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس کی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اگر اس کے ذوق میں کمی آجائے تو وہ اپنی کمزوری سمجھتا ہے اس لئے خودبینی سے محفوظ رہتا ہے۔

لطائف و برزخ

ذکر الٰہی میں سستی کے نتائج اور لطائف کی اہمیت کا اندازہ صحیح طور پر برزخ میں ہو گا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روز بات ہوئی تو فرمانے لگے کہ میں نے ۱۲۰ برس کی عمر پائی۔ مرض الموت میں چار دن مجھ سے لطائف کرنا چھوٹ گیا جس کا مجھے اب بھی افسوس ہے۔ حالانکہ آپ کے منازل عالم امر میں ہیں' آپ منازل کے اعتبار سے اُن چند گنے چنے افراد میں سے ہیں جنہیں سلوک میں منازل کی بلندی حاصل ہوئی۔ مگر یہاں کیا ہوتا ہے کہ چند روز لطائف پر زور دیا پھر گھگھو بن کر بیٹھ گئے۔ حضرت صاحب بن بیٹھے ہیں۔ سلوک کی تکمیل ہو گئی' اب زور سے لطائف کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ محنت کرنا چھوڑ دیتے ہیں' تقریر سننا گوارا نہیں ہوتا۔ درس قرآن جو صبح ہوا کرتا ہے اس میں شامل نہیں ہوں گے۔ بس کشف نے انہیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ بلکہ شیخ سے بھی مستغنی ہو جاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ڈور شیخ کے ہاتھ ہوتی ہے۔ یہاں یہ بات نہیں کہ علم ظاہر میں چند کتابیں پڑھ لیں اور استاد سے بے

نیاز ہو گئے۔ یہ الفاظ کا معاملہ نہیں ہے کیفیات کی بات ہے۔کیفیات ہمیشہ تعلق قائم رہنے ہی سے رہتی ہیں۔ لوہا جب تک آگ میں ہے وہ آگ بن جائے گا۔ جونہی آگ سے جدا ہو گا وہ کیفیت زائل ہو گئی۔ اس لئے جو شخص منازل سلوک میں جتنا ترقی کرتا جائے اتنا ہی محتاط ہونا ضروری ہے۔ محنت میں کمی نہ آنے دے۔ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ ابتدا میں لطائف میں اتنا جوش دکھاتے ہیں کہ ہمیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتے ہیں۔ اب وہی لوگ ہیں کہ ذکر الٰہی کی پابندی جاتی رہی۔ کوئی نہ کوئی بہانہ تیار ہوتا ہے' یہ ہو گیا' وہ ہو گیا۔ مجبوری تھی' وقت نہیں ملا وغیرہ اس لئے ذکر الٰہی کے سیکھنے سے اور شیخ سے استغناء طالب کے لئے موت ہے۔

شیخ و طالب کا تعلق

شیخ کے ساتھ طالب کا تعلق اس انداز کا ہونا چاہئے جو صحابہ کرام ؓ کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ حضرت صہیب ؓ کو اہل مکہ نے سولی پر لٹکایا۔ ان کی عادت یہ تھی کہ مسلمانوں کو سولی پر لٹکا کر اذیتیں دے دے کر مارتے تھے۔ ایسی ضرب نہیں لگاتے تھے کہ فوراً مر جائے۔ حضرت صہیب ؓ یہ اذیتیں سہتے اور اپنے رب سے محو گفتگو تھے کہ الٰہی اس جم غفیر میں کوئی ہمدرد نظر نہیں آتا تو میری حالت دیکھ رہا ہے۔ میرا سلام میرے محبوب کو پہنچا دے اور میری حالت حضور ﷺ کو بتا دے' قلبی تعلق اس کا نام ہے۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ اطاعت و ذکر کے لئے دعوت ملے اور آدمی کہے' بیوی کو زکام ہو گیا شیخ کے پاس حاضر نہیں ہو سکتا۔

میاں کب تک پیشاب کی بوتل لئے پھرو گے۔ کیا یہی لے کر قبر میں جاؤ گے کہ اے اللہ! بیوی بیمار تھی' قارورہ پاس تھا۔ میں کیونکر تیری عبادات اور ذکر کر سکتا ہوں۔ یہ کوئی عذر شرعی نہیں ہے۔ کون بیمار نہیں ہوتا۔ حضرت جو مہینہ بھر سے گھر چھوڑ کے یہاں آئے بیٹھے ہیں کیا ان کو دنیا کا کوئی کام گھر میں

نہیں ہے۔ جن دنیوی مشکلات میں آپ بیٹھے پھنسے ہوئے ہیں ہم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے اس کے باوجود آپ پورا وقت اجتماع کے لئے دے سکتے ہیں مگر ہم ہیں کہ بہانہ سازی کی فیکٹریاں کھول رکھی ہیں۔ بیوی آپ کی راہ میں ہمالیہ بن کر کھڑی ہو گئی ہے مگر اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ایک ایک عورت چار چار مردوں کو دوزخ میں لے جانے کا سبب بنے گی۔ سب سے پہلے باپ سے پرسش ہو گی کہ تیرے گھر میں پلی بڑھی' تو نے اسے دین کیوں نہیں سکھایا۔ پھر بھائی سے پوچھ گچھ ہو گی کہ تیرے ساتھ پرورش پائی' اسے دین کیوں نہیں سکھایا۔ اسی طرح خاوند سے پھر اولاد سے جواب طلبی ہو گی۔ آخر ایک عورت ان چاروں کو اپنے ہمراہ دوزخ میں لے جائے گی۔ مجبوری یہ ہے کہ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ مگر بات کھری ہے کہے بغیر چارہ نہیں ہے۔ یہ بارہا تجربہ کیا کہ جب کبھی تبلیغی دورے پر نکلتے ہیں کوئی مشکل سر نکال لیتی ہے' بچہ بیمار ہو گیا۔ بیوی بیمار ہو گئی' کوئی اور افتاد آ پڑی۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ سب عطا کا ایک بہانہ ہے۔ اللہ کریم کچھ دینا چاہتے ہیں۔ مگر اصول یہ ہے کہ لینے کے لئے حرکت بندے کی طرف سے ہو' لہٰذا یہ مجبوریاں تمہیں روکنے کے لئے نہیں ہوتیں' بلکہ امتحان ہوتا ہے کہ تم اپنا وزن اپنی آزاد مرضی سے کس پلڑے میں رکھتے ہو۔ اسے محرومی کا بہانہ بناؤ گے یا عطا کا بہانہ سمجھ کر دین کے لئے آگے بڑھو گے۔

کامیابی کے گُر

مختصر یہ کہ تین باتوں کا ہمیشہ خیال کرو۔

اول : ہر حال میں متوجہ الی اللہ رہو۔

دوم : حلال اور طیب غذا کا اہتمام کرو۔

سوم : نااہلوں کی صحبت سے پرہیز کرو۔

تنہائی کا احساس ہو تو کسی دینی اخلاقی/ اصلاحی کتاب کا مطالعہ کرو۔ ذکر

الٰہی میں مصروف رہو۔ نااہلوں کے ساتھ بیٹھنے سے تو سو رہنا بہتر ہے۔ ان باتوں کے ساتھ صبح و شام دونوں وقت پابندی سے ذکر کرو۔ اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ان اوقات میں حضور اکرم ﷺ سے لے کر مشائخ تک کا جو سلسلہ چلتا ہے۔ سارے مشائخ ان دو اوقات میں طالبوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

ذکر الٰہی و برکات نبوت کی کیفیت

کئی دفعہ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ دل میں گرمی اور وجود کی ایک خاص کیفیت سے ذکر موثر بنتا ہے۔ قبولیت و جذب انوارات کے لئے خون میں ایک خاص حدت اور وجود میں ایک خاص کیفیت کا ہونا ضروری ہے جس کے بغیر قبولیت جذب کی استعداد پیدا نہیں ہو سکتی۔

دراصل جتنا بھی مخلوق میں سے کسی کو منازل قرب اللہ کریم سے حاصل ہو سکتی ہیں ان کا واسطہ اور ذریعہ آقائے نامدار ﷺ ہیں۔ پہلے بات ہو چکی ہے کہ ذکر زور سے کیوں کیا جاتا ہے اور سانس ارادی طور پر تیزی سے اور قوت سے کیوں لی جاتی ہے' قبولیت انوارات کا طریقہ کیا ہے اور اس کے لئے کیا امور ضروری ہیں۔

منبع انوارات

یہ انوارات کہاں سے آتے ہیں؟ حضور اکرم ﷺ مکلف مخلوق کے لئے دو طرح سے واسطہ اور ذریعہ ہیں۔ ایک تو آپ کی ذات گرامی پر ایمان لانے سے آپ کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اس تعلق کی کیفیت یہ ہے کہ اللہ کریم اگر نور بصیرت دے دے تو جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہو تو ایک انتہائی باریک تار قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے نکل کر اس کے دل تک پہنچتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہ تعلق ایمان کا ہوتا ہے اور

اگر وہ نبی علیہ السلام کو نہ مانے تو اللہ کو ماننا اس کے بس کی بات نہیں اس لئے کہ اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہی حضور نبی کریم ﷺ ہیں۔ بلکہ فقہاء لکھتے ہیں کہ جب بچے کو یہ تصور دیا جائے کہ میں اللہ کو مانتا ہوں وہ میرا خالق' مالک اور رازق ہے تو ساتھ ہی یہ تعین بھی کی جائے کہ میں اس اللہ کو مانتا ہوں جس نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا' جو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور جو ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور جو اللہ کے آخری رسول ہیں۔ جس اللہ کو وہ مانتے یا منواتے ہیں میں اس اللہ کو مانتا ہوں۔ ورنہ دنیا میں لوگوں نے خدا کے لئے ہزاروں تعریفیں بنا رکھی ہیں جن میں انبیاء علیہما السلام کی تعریف کے علاوہ کوئی سی تعریف بھی تسلیم نہیں کی جا سکتی۔

نور نبوت کے حصول کے تقاضے

یوں تو ہر مذہب والے نے اپنے خدا کی کوئی نہ کوئی تعریف' کوئی نہ کوئی طریقہ' کوئی نہ کوئی تعین اپنی طرف سے کر رکھی ہے مگر ہمیں صرف اس اللہ کو ماننا ہے جس کو محمد ﷺ تسلیم کرواتے ہیں اور وہی خدا ہے۔ باقی تمام تصوراتی اور محض تخلیاتی باتیں ہیں۔ لہٰذا تعلق باللہ کے لئے وہ نور ایمان بنیاد بنتا ہے جو مومن قلب اطہر رسول اکرم ﷺ سے اخذ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم فرماتا ہے قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے۔ وَلٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا۔ تم کہو کہ تم نے بات تسلیم کر لی۔ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ۔ جب تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہ ہو' جب تک نور ایمان کی کوئی کرن قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے دل میں نہ آئے' تب تک ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ محض مان لینا یا تسلیم کر لینا الگ بات ہے۔ اس میں قیام اور ترقی کا سبب اعمال ہیں۔ اگر مومن کے اعمال حضور اکرم ﷺ کے ارشادات کے مطابق ہیں اور وہ اتباع نبوی ﷺ میں محنت کرتا ہے تو ہر ہر عمل' ہر ہر قول اور ہر ہر فعل اس نور میں زیادتی کا سبب بنتا چلا جاتا ہے خواہ تھوڑی

زیادتی کا سبب بنے یا زیادہ کا باعث ہو۔ جس طرح کا عمل ہو گا فرض' سنت یا نفل سنت عبادیہ یا عادیہ سے ہو گا یا امور عادیہ یا عبادات سے ہو گا جس طرح کا فعل ہو گا وہ اس نورانیت کو بڑھاتا چلا جائے گا چاہے ایک ریزہ ہی کیوں نہ بڑھائے۔ اور اگر ترک اعمال کرتا رہا یا ترک احکام ہوتا رہا یا اس کے اعمال خلاف سنت ہوتے چلے گئے تو اس نور میں سے کوئی نہ کوئی ذرہ گھٹتا چلا جائے گا اور اگر یہ بڑھنا شروع ہو جائے تو ایک ایک تار ملتے ملتے بہت موٹا مضبوط رسہ بنتا چلا جاتا ہے ہم جنہیں گناہ صغیرہ کہتے ہیں یا جن سنتوں کو ہم بڑا ہلکا اور معمولی تصور کرتے ہیں وہ معمولی نہیں۔ حضور ﷺ کا کوئی فعل بھی عنداللہ معمولی نہیں۔ ہماری نگاہ میں اس کی اہمیت ہو نہ ہو اللہ کے نزدیک اس کی ایک خاص اہمیت اور مقام ہے۔

جب ہم خلاف سنت بات یا کام کرتے ہیں تو اس تعلق میں سے کوئی نہ کوئی ذرہ ضرور گھٹتا ہے اور اگر آدمی مسلسل یونہی زندگی گزارتا چلا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گھٹتے گھٹتے ایک دن یہ تار ٹوٹ جاتی ہے۔ جب نور ایمانی کا یہ ربط ٹوٹ گیا تو وہ شخص آوارہ ہو گیا۔ اب مذاہب باطلہ میں سے اسے کوئی بھی اچک لیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ چل پڑتا ہے۔ جو بھی پہلے پہنچ گیا وہ اسی کے ساتھ چل نکلا۔ آخر لوگ جلدی جلدی کیوں مذاہب باطلہ قبول کرتے ہیں اس لئے کہ حقیقتاً وہ اپنے مذہب سے بے گانہ ہو چکے ہیں۔ کسی کا مذہب چھڑا کر اسے دوسرا مذہب منوانا بہت مشکل ہے۔ ایک پتھر کے پجاری کو پتھر کی پوجا چھڑوا کر اللہ کی بارگاہ میں لانے کے لئے بڑی محنت درکار ہے آگ کا پجاری سولی پر لٹکنا قبول کرلے گا مگر آگ کی پرستش سے باز نہیں آئے گا۔ تو کیا وجہ ہے کہ ایک مسلمان' ایمان اور اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تعلق رکھنے والا ہر کس و ناکس کی بات میں آکر کہیں سے کہیں چلا جاتا ہے؟ وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب یہ تعلق کٹتا ہے تو وہ کسی خاص فرقے کے لئے تیار نہیں ہوتا بلکہ اس کی بد نصیبی سے جونسا فرقہ اس کے قریب پہنچ گیا یا جس کے متعلق اس کے ذہن میں

غلط سلط بات آ گئی' وہ اس طرف گر گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل ساون کے مینڈکوں کی طرح مذاہب سر نکال رہے ہیں۔ ہر گھر میں اگر آدمی تیرہ ہیں تو مذہب پندرہ ہیں۔ باپ کا جدا ہے' بیٹے کا جدا ہے' بہن کا جدا ہے' بیوی بچوں کا خیال اور ہے اور میاں جی کا خیال اور ہے۔ ان سب کی وجہ یہ ہے کہ ان پتنگوں کی ڈوریں کٹ گئی ہیں۔

اب ایک تعلق ہے حضور ﷺ کو تسلیم کر لینے اور نور نبوت کو اپنے دل میں سمو لینے کا' اور ایک تعلق ہے حضور ﷺ کی محبت اقدس کا' جس تعلق نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو درجہ صحابیت سے سرفراز کیا' وہ تعلق بغیر صحبت کے حاصل نہیں ہوتا اور صحبت رسول کریم ﷺ اس وقت تک تھی' جب تک آپ اس دار فانی میں تشریف فرما تھے' جب حضور ﷺ یہاں سے پردہ فرما گئے' تو بعد میں آنے والے لوگوں یا ہم جیسے لوگوں کے لئے جو یہاں رہتے بستے ہیں' صحبت نبوی ﷺ کا حصول کیسے ممکن ہو۔

برکات نبوت کا دوام

چونکہ اللہ کریم نے حضور ﷺ کا کوئی احسان بھی منقطع نہیں کیا۔ ایک اصولی بات یاد رکھئے کہ اللہ نے جو فیض مخلوق کو نبی کریم ﷺ کے واسطے سے پہنچایا اسے اللہ نے ابدالآباد تک قائم رکھنا ہے۔ آپ ﷺ کا کوئی فیض منقطع نہیں ہو گا۔ یہ فیض صحبت محمد رسول اللہ ﷺ قوی ترین فیض ہے اور اگر یہی منقطع ہو گیا تو پھر باقی کیا بچا؟ آپ ﷺ پر ایمان لانے سے تو صرف مومن بنا اور فیض صحبت کی جسے ایک نگاہ نصیب ہو گئی' وہ درجہ صحابیت کو پا گیا یہ فیض اگر منقطع کر دیا گیا تو یوں سمجھو کہ نبوت کا عظیم حصہ اللہ نے روک دیا اور یہ ناممکن ہے' محال ہے' یہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ آپ ﷺ کی نبوت کائنات کے لئے ابدالاباد تک کے لئے ہے اور اسی فیض صحبت کو اللہ کریم نے ان سینوں میں پہنچایا جنہیں صحبت نبی کریم ﷺ حاصل ہوئی پھر ان لوگوں سے سینہ بہ سینہ ان

لوگوں نے حاصل کی جنہیں ان کی صحبت نصیب ہوئی۔ یہ ایک کیفی معاملہ تھا' یہ کیفیات تھیں اور کیفیات الفاظ میں نہیں ڈھل سکتیں۔ کیفیات کتابوں میں نقل نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی کیفیات پڑھائی جا سکتی ہیں بلکہ کیفیت کو تو صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے اور یہ کیفیت قلوب صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آقائے نامدار ﷺ سے اور تابعینؒ نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اخذ کیں جب نور ایمان کے ساتھ صحبت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نصیب ہوئی۔

نبوت سے اخذ فیض کے اصول

صحبت کا فیض اخذ کرنے کے لئے نور ایمان بنیاد ہے۔ اگر یہ نہیں ہو گا تو فیض صحبت بھی نصیب نہیں ہو سکے گا جیسے میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ کتنے لوگ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے زمانہ میں رہتے بستے ہوئے بھی فیوضات نبوی ﷺ سے محروم رہے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ فیوضات نبوی ﷺ میں تو کمی نہ تھی۔ درحقیقت وہ نور ایمان جو اخذ فیض کی بنیاد بنتا ہے انہیں نصیب نہ ہوا۔ تو اصلی بنیاد نور ایمانی ہے۔ جسے آپ صحت عقیدہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ عقیدہ درست نہیں ہو گا اور اس کی اصلاح نہیں ہو گی تو پھر اخذ فیض مشکل' محال اور ناممکن ہے۔ صحت عقیدہ کے بعد جب اسے ان منور لوگوں کی صحبت نصیب ہو گی' جو سینہ بہ سینہ اس فیض صحبت کو اخذ کر رہے ہیں' تب جا کر اس کی تکمیل ہو گی۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اسے حقیقی معنوں میں مکمل تعلق اور ربط تب ہی حاصل ہو سکے گا۔

شیخ کامل کے شرائط و تلاش

اب چونکہ یہ ایک کیفیت ہے اور اس کے حصول کے لئے ان حضرات کے پاس پہنچنا شرط ہے جو اس کیفیت کے امین ہوں۔ اگر کسی کے اپنے سینے میں

یہ نور نہ ہو، تو وہ کہاں سے بانٹے گا۔ اگر اس کا اپنا سینہ ان کیفیات سے خالی ہے، تو وہ دوسروں کو کیفیات کہاں سے منتقل کرے گا۔ اس لئے یہ شرط ہی غلط ہے کہ کسی خاندانی پیر ہی کے پاس جایا جائے۔ بلکہ شرط یہ ہے کہ خواہ کوئی ہو لیکن اس کے پاس یہ کیفیات ہوں، یہ انوارات اور تجلیات ہوں، یہ رابطہ اور تعلق ہو، جب یہ دونوں چیزیں میسر ہوں اور اگر ایسی ہستی میسر آ جائے تو ؎

چنیں مردے کہ یابی خاک اوشو
اسیر حلقہ فتراک او شو

اگر ایسی ہستی میسر آ جائے، تو بڑی خوش نصیبی ہے۔ دنیا میں انسان پر اللہ کریم نے جس قدر نعمتیں بانٹی ہیں، ان میں سب سے بڑی نعمت نبوت ہے اور کسی شخص کے لئے جس قدر دنیا میں انعامات ہو سکتے ہیں، ان سب سے بڑا انعام نور نبوت اور فیضان صحبت نبوی ہے، لہٰذا اگر ایسی ہستی نصیب ہو جائے، تو میرے خیال میں انعام بھی بہت بڑا ہے اور امتحان بھی بڑا کڑا بن جاتا ہے۔ وہ شخص جو ان حضرات کی حکایات اور قصے سن کر، ان کی باتیں سن کر، ان کی عقیدت اور محبت دل میں لے کر زندگی بھر ان کی تلاش کرتا ہوا دنیا سے چلا جاتا ہے، میرے خیال میں اس کی نجات کے لئے اتنا بھی کافی ہے، لیکن اگر کوئی شخص ان کو پا لے اور پھر تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے، ان کے فیضان سے محروم رہے۔ اور پھر اس کے اور دنیاوی مصروفیات و امور کے درمیان تقابل پیدا کر دے کہ یہ کام انجام دے لوں، فرصت ملے گی تو یہ بھی کر لوں گا۔ وہ کبھی نہیں کر سکے گا اور اس کے پاس خدا کو جواب دینے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہو گی اور میدان حشر میں اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہو گا۔ کیا یہ مناسب ہے کہ اللہ کریم کی بارگاہ میں کوئی یہ عذر پیش کرے کہ یا اللہ! مجھے دکان سے فرصت نہیں ملی، ورنہ میں ضرور نور نبوت اخذ کرتا، کیا یہ جواب صحیح ہو گا کہ کوئی کہہ دے، کہ گھر میں بیماری تھی، ورنہ میں اس نعمت کو ضرور حاصل کرتا یا کوئی یہ بہانہ پیش کرے کہ میرا کھیتی باڑی کا کام ختم ہو جاتا تو میں اس دولت کی طرف

توجہ دیتا' ان کاموں سے کوئی بھی کام جب تک یہ دنیا قائم ہے ختم نہیں ہو گا کیونکہ یہی کام کرنے کے ہیں۔

فیضان نبوت کے حصول کی شرائط

انسان میں فضیلت یہی ہے کہ ان سب امور کو انجام دے کر فیضان نبوت کو اخذ کرے۔ اسی لئے تو وہ منازل قرب پاتا ہے ورنہ محض اطاعت تو فرشتہ اتنی کرتا ہے کہ کوئی انسان اس کے مقابلے میں عبادت کر ہی نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کی اطاعت ان پابندیوں اور حدود سے مبرا ہے۔ اسے نیند کی رکاوٹ ہے نہ بیوی بچوں کی فکر ہے' نہ اسے دکان' مکان کی چنتا ہے' نہ اسے کھیتی باڑی کا غم ہے۔ صرف عبادت ہی عبادت ہے' جو فرشتے تخلیق کائنات کے وقت تخلیق کئے گئے اور ہمیشہ رہیں گے اگر اس وقت سے سجدے میں سر رکھے ہیں' تو ابدالاباد تک سجدے سے سر نہیں اٹھائیں گے۔ اس لئے ان کے درجات میں ترقی نہیں ہو گی وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ جس رتبے پر ہیں اسی پر رہیں گے۔ کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے خداوند عالم کے لقاء کے لئے اپنی کسی ضرورت کو قربان نہیں کیا۔ تو انسان جب یہ امید رکھے کہ میں فرشتوں کی طرح تمام ضروریات سے بالاتر ہو جاؤں تو اس کی عبادت بھی ویسی ہی ہو جائے گی' پھر عبادت میں کیا زور رہا اور اسکی کیا قیمت اور وقعت رہی؟ عبادت میں وزن اور وقعت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کائنات کے سارے بکھیڑوں کو اللہ اکبر کہہ کر قطع کر دیتا ہے کہ اللہ عظیم ہے' اللہ بڑا ہے' اللہ کا حکم ہی مقدم ہے باقی سارے امور اس کے بعد۔ تو میرے بھائی اخذ فیض کے لئے جس طرح سے طریقہ اور شرائط کے ساتھ ذکر ضروری ہے اسی طرح اصلاح فکر سب سے پہلے ضروری ہے' دین کو دوسرے درجہ میں نہ رکھے۔ دین ثانوی حیثیت قبول نہیں کرتا۔ دین محکوم بن کر نہیں' حاکم بن کر رہتا ہے۔ اگر دین کو اپنے اوپر مسلط کرے گا' دیندار رہے گا۔ اگر اپنی رائے کو دین پر حاکم کرے تو دین نہیں رہے گا کیونکہ دین میں ایک

خصوصیت ہے کہ یہ حاکم ہو کر رہتا ہے' محکوم ہو کر کبھی نہیں رہتا۔ اگر ہم اپنی پسند کو اس کے اوپر مسلط کریں گے اور اسے اپنے پروگراموں کے تابع کریں گے۔ تو یہ دین نہ ہو گا۔ ہمیں تو اس کے تابع ہو کر چلنا پڑے گا اور ہمیں اس کی اطاعت کرنا ہو گی۔ جس طرح سے اصلاح طریق ذکر ضروری ہے' اس طرح سے اصلاح فکر اس سے مقدم ہے اور ان دونوں طرح کے انوارات کا اکتساب ضروری ہے' جب نور ایمان کے ساتھ نور فیضان صحبت نبوی ﷺ حاصل ہو جاتا ہے' تو یہ دونوں مل کر عرش الٰہی کا زینہ بن جاتے ہیں۔

روح کی قوت کے مدارج و فنافی الرسول

آپ دیکھتے ہیں کہ وہاں ارواح بھی قدم نہیں رکھ سکتیں جہاں وجود باجود محمد ﷺ تشریف لے گئے' گویا حضور ﷺ کے وجود مسعود میں وہ تجلیات و فیوضات موجود ہیں' جن سے فرشتوں کی ارواح بھی ناآشنا ہیں۔ یہاں تک کہ سدرۃ المنتہی سے آگے جبرئیل امین جیسا فرشتوں کا سردار بھی قدم نہ رکھ سکا۔ لیکن وجود باسعود محمد رسول اللہ ﷺ وہاں تک تشریف لے گئے جہاں تک میرے رب نے چاہا۔ تو بالائے عرش تعلق پیدا کرنے کی قوت عظیم شے ہے اور وہ وجود محمد رسول اللہ ﷺ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ جب یہ تعلق قوی ہوتا ہے تو پھر روح میں قوت پرواز پیدا ہو جاتی ہے اور روح اپنی منزل کا نشان بھی بارگاہ نبوی ﷺ سے ہی پاتا ہے اور اسے ہی فنا فی الرسول کہتے ہیں۔ کہ وجود دنیا کے کسی گوشے میں ہو لیکن روح آقائے نامدار ﷺ کی جوتیوں میں ہو۔ وجود روح کے تابع ہو جاتی ہے۔ فنا فی الرسول کی دلیل یہ ہے کہ جو بات وہاں پسند ہو' وہ اس کے وجود سے ظاہر ہو اور جو بات وہاں ناپسند ہو اس سے اس کا وجود انکار کر دے' تب پتہ چلتا ہے کہ واقعی اس کی روح دربار نبوی ﷺ میں باریاب ہے اور اگر یہ بات نصیب نہ ہو' تو پھر فنا فی الرسول نہیں ہے۔

فنا فی الرسول کے ثمرات

اس لئے کہ اگر روح دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہو گی' تو حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ کر بھی بھلا کوئی حضور ﷺ کی اداؤں کے خلاف کر سکتا ہے اور جب روح ہی کوئی کام نہیں کرتا تو وجود تو بغیر روح ایک بے جان شے ہے' اس میں قوت عمل ہی کیا ہے' یہ کب کرے گا۔ اس بات سے میں آپ کو بددل نہیں کر رہا میں یہ نہیں کہتا کہ اگر یہ حاصل نہ ہو۔ تو اس کی طلب ہی چھوڑ دے طلب کا چھوڑنا مرد کا شیوہ نہیں' وہ انسان ہی نہیں' جو مقصد کی عظمت سے آگاہ ہو اور پھر اسے حاصل کرنے کی کوشش ہی ترک کر دے۔ گویا اس نے انسانیت کی تذلیل کی قرآن کریم فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ وہ تو چوپاؤں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ سو انسان کو چاہئے کہ وہ طلب میں لگا رہے۔

فنا فی الرسول کا مقصد

فنا فی الرسول کا معیار یہ ہے کہ اس بات کو ذہن نشین کرے کہ کوئی خلاف سنت کام اس کے وجود سے محال ہو جائے' وہ رک جائے وہاں وجود انکار کر دے کہ میں یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور اس کی دلیل یہ ہو گی کہ جب بارگاہ نبوی ﷺ میں روح حاضر ہے' تو وہ سامنے بیٹھ کر حضور ﷺ کے خلاف پسند کوئی کام نہیں کرے گا۔ اور جب روح ہی نہیں کرے گی تو اکیلا وجود تو کر ہی نہیں سکتا۔ یوں فنا فی الرسول کے طفیل کامل اتباع سنت نصیب ہو جائے گا۔ جب فنا فی الرسول حاصل ہوتا ہے' تو فیوضات نبوی ﷺ بدرجہ اتم نصیب ہوتے ہیں پھر روح میں وہ فیض بھی عود کر آتا ہے جو وجود مسعود کو بالائے عرش لے گیا۔ پھر وہ روح جو حضور ﷺ کی جوتیوں میں حاضر ہوتی ہے اس میں یہ قوت آ جاتی ہے کہ وہ ایک نگاہ میں لامکان کی بلندیوں کو چھو لے اور رفعتوں کو پا لے اور قرب الٰہی کی منازل کو اپنا آشیانہ بنا لے۔ اگر یہ چیزیں حاصل نہ ہوں' ایک شخص اتباع سنت ہی چھوڑ دے' اس کی زندگی حضور ﷺ کے احکام کے خلاف ہو

تو اس کے پیری فقیری کا دعویٰ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ گویا اس کی روح، روح اطہر محمد رسول اللہ ﷺ سے لاتعلق ہے یا بارگاہ نبوی ﷺ سے اس کی روح کا کوئی تعلق نہیں ہے اور جب روح کا تعلق نہیں ہے تو پیری کس بات کی ہے۔ لہٰذا بات یوں سمجھ آئی کہ جو لوگ خلاف سنت زندگی بسر کرتے ہیں وہ بے چارے بھولے ہوئے ہیں کہ یہ پیر ہے ہمیں کہیں پہنچا دے گا یہ ابلہ فریبی ہے، خود فریبی ہے، اپنے آپ کے ساتھ دھوکہ ہے، اپنے آپ کے ساتھ فراڈ ہے۔ یہ ضروری ہے کہ جس شخص کی روح وہاں حاضر ہو گی وہ خلاف سنت امور سے رک جائے گا خلاف سنت کام صادر ہونا مشکل ہو جائے گا۔ تو میرے بھائی ایک طرح سے یہ اپنا بھی امتحان ہے، اپنی جانچ اور معیار بھی ہے، کہ خلاف سنت فعل مجھے کتنا کڑوا لگتا ہے۔ اگر تو وہ کڑوا اور تلخ محسوس ہوتا ہے تو تعلق کی کوئی بات ہے اگر روح وہاں مقیم نہیں ہے تو کبھی وہاں جانا ضرور ہے اور اگر اسے دوام حضور نصیب نہیں ہے تو وہ حضور نبوی ﷺ سے محروم بھی نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص خلاف سنت کام کرتا ہے اور اس کے دل کو ٹھیس نہیں پہنچتی تو اس کی روح اس گلی سے ناآشنا ہے، وہاں تک نہیں پہنچ سکا، وہاں تک نہیں جا سکا۔ جہاں یہ اپنے جانچنے کا معیار ہے، وہیں ان لوگوں کے پرکھنے کی کسوٹی بھی ہے جو پیری یا شیوخیت کے مدعی ہیں ان کو جانچنے کا معیار یہی ہے کہ ان کی روح کو حضور ﷺ سے نسبت ہو گی تو ان کے وجود کو بھی خیرالانام ﷺ سے نسبت ہو گی اور اگر وجود کو نسبت نہیں ہے تو روح کو نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔

اخذ فیض کی شرائط

سو میرے بھائی! جس طرح اخذ فیض کے لئے شرائط کے ساتھ طریق ذکر ضروری ہے اور اس پر عمل لازمی ہے اسی طرح اس سے پہلے یہ بنیاد ضروری ہے کہ پہلے عقیدے کو درست کرے پھر رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرے کسی رطب ویابس کو نہ مانے، سنی سنائی پر اعتبار نہ کرے، سیدھا براہ راست تعلق

رسول اللہ ﷺ سے رکھے اور ان حقائق کو اسی طرح مانے جس طرح حضور ﷺ نے منوائے ہیں کیونکہ عقیدے کے بارے میں جو بات آنحضور ﷺ نے فرمائی ہے اس میں تاویل جائز نہیں ہے۔ اگر تاویل کر کے مانے گا تو ماننے والا نہیں ہے تاویل کرنے والا ہو گا مگر ماننے والا نہیں ہو گا۔ وہ مومن نہیں ہو گا عقائد میں تاویل درست نہیں ہے جو الفاظ جس کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں انہیں الفاظ کو بعینہ ماننا شرط ہے۔ جب عقیدے کی اصلاح ہو گی تو ایمان آئے گا اور نور فیض صحبت شیخ کے لئے جگہ بنائے گا اور اس کو اخذ کرنے کی دل میں استعداد پیدا کرے گا۔ پھر ایسی کوئی ہستی نصیب ہو جو نور فیض صحبت کی امین ہو۔ چونکہ یہ ایک کیفی معاملہ ہے اور کتابوں سے یہ کیفیات نہیں ملتیں تو پھر لازماً" ہمیں ایسی ہستی کی تلاش ہو گی' جس کا سینہ فیوضات نبوی ﷺ کا گنجینہ ہو۔ اور خوبی قسمت سے اگر ایسی ہستی مل جائے تو ساری کائنات کو قربان کر دے' مگر اس کی صحبت نہ چھوڑے کہ دنیا میں اس کے مقابلہ میں کوئی دولت ہی نہیں۔ دنیا کیا دو جہانوں میں کوئی اتنی قیمتی نعمت نہیں ہے۔ اس لئے کہ جنت میں جتنی بھی نعمتیں ہیں ان سب میں اعلیٰ اور قیمتی نعمت لقائے الہٰی ہے۔ ساری لذتوں کا مدار اسی بڑی لذت پر ہے' اسی کیفیت پر ہے' جو دیدار باری' لقائے باری اور قرب الہٰی سے نصیب ہو گی۔ اور دوزخ کی سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ وہ لقائے باری سے محروم ہو جائے۔ اگر دیدار باری جہنم میں نصیب ہوتا تو جہنم بھی جنت کا نمونہ بن جاتی۔ دوزخی کی سب سے بڑی سزا یہ ہے' کہ وہ لقائے باری سے محروم ہو گا قال خسوء فیھا ولا تکلمون ان پر پابندی لگ جائے گی کہ کبھی مجھے پکار بھی نہیں سکتے ہو' کبھی میرا نام نہیں لے سکتے' مجھ سے کبھی بات نہیں کر سکتے۔ اس دنیا میں اللہ کا نام لینا جنت نظیر ہے اور اللہ کے نام سے محرومی خود کو دوزخ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

فنافی الرسول و مشاہدات

جہاں ایسے حضرات کی صحبتیں برکات کا سبب بنتی ہیں وہاں یہ حساب کو بھی سخت کر دیتی ہیں اور پھر جب بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری نصیب ہو جائے اور جسے مشاہدات ہو جائیں اس کا دوسرے شخص کی نسبت محاسبہ بھی جداگانہ ہو گا۔ ایک شخص چودہ سو سال بعد ماوشما سے یہ سنتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس طرح قبر میں عذاب و ثواب ہو گا اور ایک شخص کو اللہ تعالیٰ بصیرت عطا کرتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ قبر میں اس طرح عذاب و ثواب ہو رہا ہے تو میدان حشر میں دونوں کی حالت جداگانہ ہو گی۔ جس نے سن کر اعتبار کیا اس سے سوال و جواب ہلکے ہوں گے اور دوسرے سے شدید ہوں گے کہ تم نے دیکھا' مگر عمل نہ کیا۔ جہاں یہ نعمت بہت عظمت کی حامل ہے وہاں اس کے ساتھ ہی یہ بڑی ذمہ داری بھی ہے اور اس پر امانت کا بھی اتنا ہی بوجھ ہے کیا یہ سب کچھ دیکھ کر کوئی دنیا کے امور کو آخرت کے امور پر مقدم کر سکتا ہے؟ لا تتحرک ذرۃ الاباذن اللہ اس نظام عالم میں مجھے دخل ہے نہ آپ کو۔ بارش کو نہ میں روک سکتا ہوں نہ آپ اسے برسنے کا حکم دے سکتے ہیں۔ یہ اللہ کریم کا ایک مربوط نظام ہے۔ لوگ بیمار ہوں گے اور صحت یاب بھی پیدا ہوں گے اور دنیا سے چلے بھی جائیں گے۔

میں پچھلے دنوں "الحق" رسالہ دیکھ رہا تھا' اس میں مولانا غلام غوث ہزاروی کا ایک واقعہ تھا کہ ان کا ایک ہی لڑکا تھا' جس کے بعد اولاد نرینہ سے محروم ہی رہے۔ بالاکوٹ میں قادیانیوں نے مسلمانوں سے مقابلہ رکھ دیا۔ حضرت کا بیٹا سخت بیمار تھا۔ سب نے منع کیا کہ تشریف نہ لے جائیں یہ بے چارہ پتہ نہیں بچے گا بھی یا نہیں فرمانے لگے۔ اس کو بچانا یا نہ بچانا میرے بس میں نہیں ہے لیکن مناظرہ کرنے کی قوت اللہ نے مجھے دے رکھی ہے۔ تو جو کام اس نے میرے ذمہ لگایا میں وہ چھوڑ دوں اور جو اللہ کا اپنا کام ہے میں اس کے لئے بیٹھ جاؤں۔ سو اگر یہ فوت ہو جائے تو اسے دفن کر دینا' میں باطل کے مقابلہ کے

لئے ضرور جاؤں گا اور وہی ہوا' وہ وہاں مناظرہ کرتے رہے اور یہ یہاں اللہ کو پیارا ہو کر دفن ہو گیا۔ لیکن اس شخص نے دین کا کام نہ چھوڑا۔ ساری زندگی اگر کچھ بھی نہ کرتا تو اس کی نجات کے لئے یہ بات بھی کافی ہے۔

عظمت مشائخ سلسلہ

اگر اخذ فیض کی تمنا ہے تو ایثار کرنا سیکھو۔ اپنی رائے کو حصول فیض کی کوششوں کے تابع کر دو' جو لمحہ' جو گھڑی' جو آن' نصیب ہوتی ہے' وہ حاصل کر لو۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا اور جب یہ چلا جاتا ہے تو ہاتھ نہیں آتا۔

ہمیں تو قدر نہیں ہے' ایک وقت آئے گا' لوگ ہمارے قصے بیان کر کے حیران ہوا کریں گے کہ وہ کیسے خوش نصیب لوگ تھے اور میں یہ گپ نہیں ہانک رہا ہم نہیں ہوں گے لیکن یہ شور ضرور ہو گا کہ کوئی تھے۔ سو اس انمول وقت کے ایک ایک لمحے کو بھی ضائع نہ کیا جائے۔ چونکہ قرب الٰہی کی منازل کی کوئی انتہا نہیں ہے' سب سے اعلیٰ منازل قرب حضور ﷺ کو حاصل ہیں' جب آپ کو ہر آن ترقی نصیب ہو رہی ہے' تو پھر کون ہے' جس نے قرب کی انتہا کو پا لیا ہو' جیسے خداوند عالی کی کنہ کوئی نہیں پا سکتا' اس طرح اس کے اوصاف کو بھی نہیں پایا جا سکتا۔

ہے اول تو وراء اول   حیراں زتو انبیاء و مرسل

لہٰذا جب ذات باری کی انتہا نہیں ہے' تو صفات باری کی بھی انتہا نہیں ہے۔ اگر انسان کو اربوں سال زندگی مل جائے اور وہ ہمہ وقت سیرالی اللہ اور مراقبہ میں مصروف رہے' تو سلوک کی انتہا نہیں آتی' عمریں ختم ہو جائیں' زمانے تمام ہو جائیں' لیکن اس کا انجام نہیں ہے۔

لہٰذا میرے بھائی! اس کے حصول میں ادنیٰ سی کاہلی اور سستی بھی ناقابل برداشت ہے۔

انسان کو اپنی بہترین کوشش اس طرف لگا دینا چاہئے۔

خداوند عالم ہم سب کو توفیق نصیب فرمائے۔

☆ ☆ ☆

نسبت اویسیہ کا طریقہ ذکر

تخلیق سے معرفت

قرآن حکیم نے اللہ جل شانہ کی عظمت کی گواہ اس کی ساری تخلیق کو بتایا ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ' ہر تنکا' ہر پتہ' اس کی تخلیق کا ایک شاہکار ہے اور اس کی عظمت کا گواہ ہے۔ یہ زمین' یہ آسمان' ان کی خصوصیات' ان میں لینے والی مخلوق' اس کا نظام اور اس نظام کا ہمیشہ سے اسی خاص انداز پہ چلتے رہنا' یہ عظمت الٰہی کی اتنی بے شمار نشانیاں ہیں۔ جنہیں انسان گن نہیں سکتا' لیکن اس کے باوجود بیشتر انسان عظمت الٰہی سے بے بہرہ' اس کے قرب کی تمنا سے محروم اور اس کی اطاعت کے شرف سے دور ہی رہتے ہیں۔ تو جب دلائل کی اور نشانیوں کی اس قدر بہتات ہے تو انسان کیوں محروم رہتے ہیں۔ رب جلیل نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا' کہ یہ نشانیاں تو ہیں لیکن انہیں دیکھنے کے لئے ایک خاص نگاہ چاہئے۔ انہیں سمجھنے کے لئے ایک خاص شعور چاہئے' ان سے نتائج اخذ کرنے کے لئے ایک خاص فہم و ادراک چاہئے' وہ نگاہ' وہ شعور' وہ فہم و ادراک ذکر الٰہی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

عقل کا دائرہ کار

عقل کی رسائی ایک حد تک ہے۔ چونکہ وہ خود مادی ہے' مخلوق ہے' تو اس کی سوچ کی رسائی بھی مادے تک ہے' تخلیق تک ہے۔ عقل انسانی مختلف چیزوں کے خواص تو جان سکتی ہے' خصوصیات تو جان سکتی ہے' مختلف چیزوں کو ملا

کر کوئی دوسری چیز تو بنا سکتی ہے، مختلف رنگوں کے آمیزے سے نیا رنگ تو تیار کر سکتی ہے، مختلف کھانے کی چیزوں کو مختلف اندازے سے آمیز کر کے ایک نیا کھانا تو تیار کر سکتی ہے، اینٹ گارا پتھر سے مکان بنا سکتی ہے، روڑے جوڑ کر مکان بنا سکتی ہے، پرزے جوڑ کر مشین بنا سکتی ہے، یہ سارے کام تو کر سکتی ہے، بدن کی سہولیات کا اندازہ کر سکتی ہے، ضروریات کا اندازہ کر سکتی ہے، جسم کو ڈھانپنے کے لئے، لباس، جسم کو گرمی پہنچانے، سردی پہنچانے کے اسباب اور جسم کا علاج، یہ ساری چیزیں وہ کر سکتی ہے، جو مادی وجود کے اندر ہیں۔ لیکن ذات باری، صفات باری، عظمت باری اور اس کا شعور یہ ساری چیزیں دائرہ تخلیق سے بالاتر ہیں اور یہاں تک محض عقل کی رسائی نہیں، اگر عقل محض ان چیزوں کو پا سکتی، تو نبوت کا کوئی وجود نہ رہتا۔ نبی علیہ السلام کو مبعوث کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ رہتی، بلکہ ہر انسان جس کی عقل سلامت ہوتی اور جس کے پاس دنیوی علم ہوتا، وہ ازخود عظمت باری کو پا لیتا، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔

انسانی عقل محدود ہے

انسان نے سب کمالات حاصل کئے، لیکن جب آخرت کی یا عالم بالا کی بات آئی یا عظمت باری کی بات آئی یا ان حقائق کی جو دنیوی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں ان کی بات آئی، جزا و سزا کی بات آئی، فرشتوں کی بات آئی، یا خود انسان کی اپنی ذات کی یہ بحث، کہ انسان آتا کہاں سے ہے اور انسان جاتا کہاں ہے؟ یہ انسانوں کی فوج ظفر موج کہاں سے چلی آ رہی ہے؟ اس کا منبع و مصدر کیا ہے اور یہ کروڑوں اربوں انسان روزانہ جو زیر زمین چلے جاتے ہیں، یہ جاتے کہاں ہیں؟ ان سب سوالوں کا جواب عقل کے پاس نہیں ہے نہ ازخود تنہا عقل وہاں پہنچ سکتی ہے، ان سب سوالوں کا جواب انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے دیا ہے۔

انبیاء کی دعوت و عقل

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے جب ان سوالوں کا جواب دیا، تو وہ جواب

ایسا تھا جسے عقل نے قبول بھی کیا کیونکہ وہ عقل کی استعداد یا عقل کی قبولیت کے خلاف بھی نہیں ہے۔ یعنی عقل انسانی سارے دین کو قبول کرتی ہے اور دین اسلام عین عقل کے مطابق ہے۔ لیکن بغیر نبی علیہ السلام کے ازخود عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی' نور نبوت وہ چیز ہے جو اس چیز کی نقاب کشائی فرماتا ہے اور جب یہ حقائق سامنے آتے ہیں تو عقل بھی انہیں قبول کرتی ہے کہ یہ عین عقل کے مطابق ہے۔ نبوت کے طفیل سے انسانوں کو رب جلیل سے ایک ایسا رشتہ نصیب ہوا' جو بغیر اس کے ممکن ہی نہ تھا اور وہ رشتہ تھا' دوام ذکر الہی کا۔

نور نبوت کا کمال

نبی کریم ﷺ کے فیوضات و برکات کا اندازہ لگانا تو ممکن نہیں' لیکن عظمت نبوت کی ایک جھلک آپ کو اس انداز میں نظر آتی ہے' کہ جسے بھی نور ایمان نصیب ہوا اور اسے حضور اکرم ﷺ کی ایک نگاہ نصیب ہو گئی یا اس کی نگاہ وجود اطہر ﷺ پر پڑ گئی تو اس کے وجود کا ہر ذرہ' خون کا ہر قطرہ' ہر ریشہ گوشت پوست سارا وجود ذاکر ہو گیا۔ قرآن حکیم نے فرمایا ہے۔
ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی کھالوں سے لے کر قلوب تک یعنی باہر کی جلد سے لے کر انتہائی اندر' دل تک' وجود کا ہر ذرہ ذاکر ہو گیا۔

ذکر کی برکات

ذکر کا جو دوام ہے اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ذکر کا دوام وہ نگاہ عطا کرتا ہے' وہ شعور عطا کرتا ہے' وہ ادراک عطا کرتا ہے' جو ہر تخلیق سے خالق کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے ضروری ہے۔ جس طرح آپ کسی مکان کو بنا ہوا دیکھ کر بنانے والے کاریگر کی قابلیت کا اندازہ کرتے ہیں' جس طرح آپ گھڑی دیکھ کر گھڑی ایجاد کرنے والے کی عظمت کے قائل ہو جاتے ہیں' جس طرح موٹر

کو دیکھ کر موٹر کے موجد کی بات آپ کے ذہن میں آتی ہے کہ جس شخص نے پہلے پہل اسے سوچ کر بنایا ہو گا' وہ کتنا قابل کتنا ذہین ہو گا' یا آپ مختلف ایجادات کو دیکھ کر یا مختلف مصنوعات کو دیکھ کر ان کے بنانے والے یا ایجاد کرنے والے کی عظمت کے قائل ہو جاتے ہیں اسی طرح سے جب وہ نور' وہ دوام ذکر اور اس کی برکات انسانی قلب کو نصیب ہوتی ہیں تو وہ ایک ایک تنکے سے عظمت باری کے دلائل جمع کرتا ہے۔ وہ ایک سورج کے طلوع و غروب سے' بادلوں کے آنے جانے سے' انسانوں کے عروج و زوال سے' واقعات عالم سے ہواؤں کے چلنے سے' بارش کے آنے سے' قحط سالی ہو یا آبادی ہر ادا سے اسے عظمت باری کے مختلف روپ' مختلف رنگ نظر آتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ وہ نعمت نصیب ہو۔ جو معیت نبوت کا خاصہ ہے۔ یعنی دوام ذکر جسے قرآن حکیم نے اس انداز میں فرمایا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ۔ یہ شب و روز کا آنا جانا' یہ زمین اور اس کی بے حد و حساب خصوصیت' یہ آسمانوں کی بلندیاں' بغیر دیواروں' بغیر ستون کے ان کا کھڑا ہونا' ان پر بے شمار عجائبات اور بے حساب مخلوقات کا ان میں بسنا' یہ شب و روز کی آمدورفت اور اس کے آنے جانے کے ساتھ ایک وسیع نظام کا متعلق ہونا' ساری دنیا میں کسی نہ کسی لمحے ہر لمحے رات کا موجود رہنا' ہر لمحے دن کا موجود رہنا اور ان کی یہ آگے پیچھے بھاگ اور دوڑ' اوقات کی تبدیلی' یہ ساری چیزیں اللہ کی عظمت کی دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اس دلیل کو پانے کے لئے ایک خاص حال چاہئے۔ اور وہ حال اس طرح نصیب ہوتا ہے۔

کثرت ذکر کا حکم

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ۔ ایسے لوگ جو کھڑے ہوں' بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں ان کا کوئی حال ذکر الٰہی سے خالی نہ ہو ہر

حال میں انہیں اللہ کا ذکر نصیب ہو' ان لوگوں کے لئے یہ آیات ہیں۔ ہیں تو سب کے لئے لیکن ان سے استفادہ صرف ذاکرین ہی کر سکتے ہیں۔ اب یہ جو تینوں حالتیں قرآن حکیم نے انسان کی بیان فرمائی ہیں۔ یہ ایسی ہیں کہ ہر لمحے انسان ان تینوں میں سے کسی ایک حال میں ہوتا ہے یا بیٹھا ہے یا کھڑا ہے' کام کر رہا ہے' چل رہا ہے یا لیٹا ہے' آرام کر رہا ہے' بیمار ہے یا صحت مند۔ جب تک وہ زندہ ہے' ان تین حالتوں میں سے ایک حال میں وہ ضرور ہوتا ہے۔ رب جلیل نے فرمایا کہ ہر حال میں وہ ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں محققین فرماتے ہیں کہ زبانی ذکر یا ذکر لسانی اس کا مفہوم ادا نہیں کرتا' کیونکہ زبان صرف ذکر نہیں کرے گی زبان انسان کی ساری ضروریات کی ترجمان ہے۔ پھر اگر کوئی ایسا کرے' کہ بغیر ذکر الٰہی کے کوئی بات بھی نہ کرے تو بھی جب وہ سو جائے گا' زبان خاموش ہو جائے گی۔

تو کوئی ایسا حیلہ' کوئی ایسی چیز جو اللہ کریم کے ذکر کو دوام اور ہیشگی بخشتی ہو وہ صرف قلب ہے۔ اور ذاکر قلب ہی اس کا جواب ہو سکتا ہے۔ یا اس کی مراد ہو سکتا ہے کہ قلب جب ذاکر ہو جاتا ہے' تو پھر انسان کھڑا ہے یا بیٹھا' چل رہا ہے یا بات کر رہا ہے' کام کر رہا ہے یا سو رہا ہے' کوئی بھی حال اس کو ذکر سے نہیں روکتا۔ بلکہ ایک ایک دھڑکن میں وہ سینکڑوں بار اللہ کا ذکر کر جاتا ہے۔ دھڑکتا ایک بار ہے اور اسم ذات کو کئی سو بار دہرا جاتا ہے۔ تو اس نعمت کو پانے کا سبب عہد نبوی ﷺ میں حضور اکرم ﷺ کی ایک نگاہ تھی یا آپ ﷺ پر طالب کی ایک نگاہ کا پڑنا ہی کافی تھی۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مجلس میں بھی صرف مجلس کی حاضری کافی تھی۔ جو بھی حاضر ہوا وہ فیض کی صحبت سے تابعی رحمتہ اللہ علیہ بن کے اٹھا۔ تابعین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے پاس جو آیا وہ تبع تابعی رحمتہ اللہ علیہ کہلایا۔ اس کے بعد وہ قوتیں نہ رہیں' وہ طاقتیں نہ رہیں' نہ طالبوں میں جذبہ رہا اور نہ توجہ کرنے والوں میں وہ شدت رہی ۔

نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

توجہ کی اصل ارتقاء

مشائخ عظام نے اس کا حل یہ نکالا' یہ طریقہ تجویز فرمایا کہ وہ شخص جسے یہ نور نصیب ہو وہ طالب کو اپنے پاس بٹھا کر اپنے قلب پر ذکر کرے' اپنے لطائف پر ذکر کرے' اپنے وجود کو ذاکر بنائے اور جو انوارت اس کے وجود پہ وارد ہوں انہیں طالب کے وجود پہ القا کرے اسے توجہ کہتے ہیں۔

توجہ کی ضرورت یعنی عمداً انوار القا کرنے کی ضرورت نبی کریم ﷺ کو نہ تھی بلکہ جس طرح سورج کو روشنی پہنچانے کے لئے کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ روشنی حاصل کرنے والے کو صرف سورج کے سامنے آنے کا تکلف اور اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ سورج کو روشنی پہنچانے کے لئے متوجہ نہیں ہونا پڑتا' یہی حال عظمت رسالت ﷺ کا ہے کہ نور نبوت سے مستفید ہونے کے لئے طالب کو اپنے آپ کو نبی ﷺ کے قدموں میں' اتباع میں سامنے لانا پڑتا ہے۔ حضور ﷺ کو توجہ نہیں کرنا پڑتی۔ نسبت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی یہ قوت قائم رہی' تابعین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین میں بھی رہی۔ لیکن تبع تابعین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین میں یہ قوت نہ رہی کہ جو بھی کسی تبع تابعی سے ملا' وہ بہت بڑا بزرگ ہو گیا یا اسے وہ کیفیات حاصل ہو گئیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ انہیں پاس بٹھا کر توجہ کرنا پڑی۔ تو لوگوں نے عمریں لگائیں' محنتیں کیں اور یوں جس شخص کے سینے میں یہ نور تھا' اس نے توجہ کی اور طالب پاس بیٹھ کر قلب کی طرف متوجہ ہو کر اس چیز کو جذب کرنے کی کوشش کی تو اس عمل میں توجہ کرنے والا بھی ذکر کرتا رہا اور حالت ذکر میں بیٹھا رہا اور توجہ لینے والا بھی مسلسل ذکر کرتا رہا۔ اب اس ذکر کی پھر مختلف صورتیں بنیں' کسی نے اسے کسی انداز میں کیا' کسی دوسرے نے کسی اور انداز میں کیا۔

طریقہ ذکر

جس سلسلہ ذکر سے اللہ نے ہمیں وابستہ فرمایا ہے الحمداللہ! اس میں طریقہ ذکر یہ منتخب کیا گیا' کہ ہر سانس کی نگرانی کی جائے اور ہر سانس پہ نگاہ رکھی جائے' ہر آنے جانے والے سانس کے ساتھ یہ توجہ کی جائے' کہ اندر جانے والے سانس کے ساتھ لفظ اللہ اندر جا رہا ہے اور جب سانس باہر آتی ہے' تو اس کے ساتھ لفظ "ھو" خارج ہوتا ہے اور ھو کی چوٹ لگتی ہے اس لطیفے پر جس پر ہم ذکر کرنا چاہ رہے ہوں۔ تو یہاں ایک ردھم بن جاتا ہے کہ اندر سانس جائے تو "اللہ" ساتھ لے جائے اور جب باہر نکلے تو ھو کو باہر لے آئے یعنی ہر سانس میں اللہ ھو' اللہ ھو جاری ہو۔

طریقہ ذکر کی اہمیت و فوائد

ایک بات یاد رکھئے کہ اگر آپ سانس میں لفظ بنانا شروع کریں گے' تو یہ مشکل ہو جائے گا۔ کیونکہ سانس سے ذکر نہیں کیا جاتا' یہ جو ایک جملہ کہہ دیا جاتا ہے کہ آپ سانس سے ذکر کرتے ہیں یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ آپ اسے بڑی توجہ سے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ ناک سے ہم بھی ذکر نہیں کرتے بلکہ ذکر قلب سے کرتے ہیں لیکن ہم سانس صرف تیزی سے لیتے ہیں اور ذکر قلب سے کرتے ہیں۔ سانس تو ویسے بھی لیا جا رہا ہے۔ آدمی آرام سے بھی لے رہا ہے اور تیزی سے بھی لے لیتا ہے۔ تو سانس لینا ایک الگ عمل ہے لیکن ذکر قلب سے کیا جاتا ہے سانس سے نہیں۔ تو اگر ذکر قلب سے کیا جاتا ہے' تو پھر سانس کو تیزی کے ساتھ لینے کی کیا تک ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جو بدن کی حدت اور حرارت ہوتی ہے یہ خون میں انوارات کو جذب کرنے کا سبب بنتی ہے۔ جب بدن میں حدت یا حرارت نہ رہے' تو وہ انوارات جذب نہیں کرتا۔ اسی لئے آپ کسی میت پر لاکھ توجہ دیں' اس کے بدن کے سارے ذرات کو منور

بھی کر دیں تو جب آپ توجہ ہٹائیں گے' تو وہ بدن پھر خالی ہو گا۔ اس لئے کہ اس میں وہ قوت جاذبہ نہیں رہی' انوارات قبول کرنے کی استعداد نہیں رہی۔ یہی حال بدن کا زندگی میں بھی ہوتا ہے اس میں حرارت تو موجود ہے لیکن انوارات کو جذب کرنے اور قبول کرنے کے لئے اس حرارت کا ایک خاص درجہ چاہئے۔ تو اگر آپ آرام سے سانس لیتے رہیں اور متوجہ رہیں ذکر پر اور لمبا کافی عرصہ لگائیں۔ طبعی طور پر جو سانس آ جا رہا ہے اس کے ساتھ اللہ اللہ کرتے رہیں تو ایک لطیفے کو منور کرنے کے لئے کئی برس لگیں گے یعنی جو حدت اس لطیفے کے انوارات کو جزو بدن بنانے کے لئے ضروری ہے اس پر کئی برس لگ جائیں گے۔ مسلسل متوجہ رہ کر' مسلسل ذکر کرتے کرتے آپ وہ حاصل کر سکیں گے۔ اور اس کے ساتھ شرط یہ ہو گی کہ جو آپ کو توجہ دے رہا ہے' جو ذکر کرا رہا ہے' اس میں بھی یہ استعداد ہو کہ وہ آپ کا لطیفہ منور کر سکے۔ جس کنویں سے آپ پانی لینا چاہتے ہیں اس میں اتنا پانی ہونا چاہئے کہ جو کیاری آپ سیراب کرنا چاہتے ہیں اس تک اس کا پانی پہنچ سکے۔

نسبت اویسیہ کا حصول

نبی کریم ﷺ سے نسبت اویسیہ براہِ راست اور قریب ترین نسبت ہے۔ اس میں آمد کا کوئی حساب نہیں ہے۔ اس کنویں میں پیچھے سے آنے والے پانی کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ مشائخ عظام نے سیراب ہونے والی کھیتی کے لئے یا سیراب ہونے والے دل کے لئے یہ طریقہ تجویز فرمایا کہ نہایت تیزی سے' نہایت قوت سے سانس لی جائے اور جتنی ہو سکے خون میں اتنی حرارت اور حدت پیدا کی جائے تاکہ ایک ہی ذکر میں صرف ایک نہیں بلکہ سارے لطائف منور ہو جائیں۔ سانس اس غرض سے تیزی سے لی جاتی ہے۔ پھر یہ وجود کی حرکت کا اور سانس کا ایک ہی ردھم بن جاتا ہے۔ اس کے ساتھ عقل و شعور اور ذہن کی توجہ اس طرف ہو جاتی ہے کہ سانس میں اللہ اندر جا رہا ہے اور لفظ ھو باہر آ

رہا ہے یعنی سانس میں اللہ ھو بنتی نہیں۔ سانس ہم تیزی سے بے تکلف لیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہمارا دماغ' ہماری عقل' ہمارا شعور یہ سوچ رہا ہوتا ہے کہ ہر سانس میں لفظ اللہ اندر جا رہا ہے' لفظ ھو باہر آ رہا ہے تو اس طرح سے وجود کی حرکت کی' سانس کی آمدورفت کی اور انسان کی سوچ اور فکر مل کر ذکر قلبی میں ایک مضبوط توجہ پیدا کرتے ہیں۔ جب تک یہ تینوں ایک اندازے سے مل نہ جائیں' تب تک ذکر میں لطف پیدا نہیں ہوتا۔

بے خبر لوگوں کے سوالات

تو یہ بودے بودے اعتراضات جواب کے قابل نہیں ہیں کہ آپ سانس سے ذکر کیوں کرتے ہیں اور ناک اچھی نہیں ہوتی۔ یہ ساری فضول سی باتیں ہیں۔ اب ایک آدمی موٹر چلانا ہی نہیں جانتا' موٹر کے فن کو نہیں جانتا' وہ کہے کہ اس کا ادھر سے دھواں کیوں نکلتا ہے' ادھر پاؤں کیوں رکھتے ہیں ادھر ہاتھ کیوں لگاتے ہیں۔ اسے کیا خبر پاؤں کیا کرتا ہے' ہاتھ کیا کرتا ہے' دھواں کہاں سے نکلتا ہے' تیل کہاں ڈالا جاتا ہے' وہ خواہ مخواہ باتیں کرتا رہتا ہے۔ جب تک اس فن کو سمجھے نہیں' جانے نہیں' تب تک بات کرنے کا کیا فائدہ۔ تو ایسے اعتراضات کے جوابات اس لئے نہیں دیئے جاتے کہ معترض اس فن سے واقف ہی نہیں ہوتے' تو ان کے فضول اور لایعنی سوالات کا اگر جواب دیتے رہو تو جواب بھی ان کی سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے تو کسی بھی فن کو سمجھنے کے لئے اس پر اعتراض کرنے یا اس کا جواب پانے کے لئے اس فن سے واقفیت اور اس کا حصول ضروری ہوتا ہے۔

ذکر سانس سے یا قلب سے

تو جن لوگوں کو اللہ نے اس کو سمجھنے کی سعادت بخشی ہے وہ یہ سمجھ لیں کہ ذکر سانس سے نہیں کیا جاتا ذکر تو قلب سے کیا جاتا ہے۔ سانس تیزی سے لی

جاتی ہے تاکہ خون میں حدت پیدا ہو۔ عقل کو' سوچ کو' دماغ کو' اگر آپ اس سوچ پہ نہیں لگائیں گے تو وہ کسی دوسری فکر میں نکل جائے گی۔ آپ ذکر کر رہے ہوں گے وہ دکان پہ بیٹھی ہو گی۔ آپ ذکر کر رہے ہوں گے وہ بازار میں پھر رہی ہو گی۔ آپ ذکر کر رہے ہوں گے وہ دوستوں کی مجلس میں ہو گی یا کاروبار میں ہو گی۔ تو آپ اگر عقل کو' دماغی سوچ کو بھی اس کے ساتھ لگا لیتے ہیں اور سانس کو بھی تیزی کے ساتھ لینا شروع کر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ وجود کی حرکت کا بھی ایک ردھم بن جاتا ہے تو یہ ساری چیزیں مل کر عقل کی توجہ کو بھی حاصل کر لیتی ہیں اور سانس تیزی سے لے کر بدن میں اور خون میں حرارت پیدا کر دیتی ہیں اور جو توجہ شیخ کی طرف سے یا سلسلہ مشائخ کی طرف سے آ رہی ہے' وہ اس حدت کے ساتھ' ہر ذرہ وجود میں جذب ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے لطائف میں غفلت کا آنا ممنوع ہے۔

اگر آدمی لطائف میں عقل و شعور کھو دے یا اس کی سوچ و فکر رہ جائے یا اس کے سانس لینے کا انداز بدل جائے یا وہ کھانسنا یا باتیں کرنا یا شعر پڑھنا شروع کر دے آیات پڑھنا بھی شروع کر دے تو بھی انوارات منقطع ہو جاتے ہیں۔ چونکہ توجہ ہٹ جاتی ہے وہ ردھم نہیں رہتا تو انوارات کا جو تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ لطائف نہایت سکون سے کئے جائیں' پوری خاموشی سے کئے جائیں' پوری سوچ کو دل کی گہرائی تک اس بات پر مرکوز کیا جائے کہ ہر سانس میں لفظ "اللہ" دل کی گہرائی تک اندر جا رہا ہے اور "ھو" باہر آ رہی ہے۔ بڑی سیدھی سی بات ہے۔

مگر اس کی تعبیر بھی مختلف دوست مختلف انداز میں کرتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور جو کچھ اپنے ذہن میں آتا ہے اسے چلاتے رہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے دل سے "اللہ" نکالو' عرش پہ لے جاؤ' کوئی کہتا ہے وہاں سے "ھو" لاؤ' وہاں مارو' یہ سارے فضول بکھیڑے ہیں۔

ذکر پاس انفاس میں احتیاط

ہمارے سلسلے کی بڑی سیدھی سی بات ہے کہ جب سانس اندر کھینچی جاتی ہے تو لفظ اللہ کو دل کی گہرائیوں تک اپنے ساتھ اندر لے کر جاتی ہے اور جب باہر خارج ہوتی ہے' تو لفظ "ھو" کو ساتھ خارج کرتی ہے اور "ھو" کی چوٹ اس لطیفے پر لگتی ہے' جس پہ ہم ذکر رہے ہیں۔ پہلے لطیفے پہ کر رہے ہیں دوسرے پہ یا تیسرے پہ کر رہے ہیں تو اس طرح ضرب بدلتی جاتی ہے جب تک آپ لطائف میں ہیں۔ اور یاد رکھیں کہ ذکر قلب سے کیا جاتا ہے سانس تیزی سے اس لئے لی جاتی ہے کہ خون میں حدت اور حرارت پیدا کرے۔ بعض اوقات آدمی اس حدت اور حرارت سے گھبرا کر کھانس دیتا ہے یا اس سے گھبرا کر بات کر لیتا ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا ہو تو یہ بھی محسوس کیا ہو گا کہ کھانسے یا بات کرنے سے ایک غبار سا سینے سے نکل جاتا ہے۔ وہی غبار مقصود تھا کہ اس میں قوت تھی انوارت کو جذب کرنے کی۔ اگر آپ نے بات کی یا کھانسے یا توجہ دوسری طرف گئی' تو وہ غبار نکل گیا۔ وجود تو ہلکا محسوس ہوا' جو جلن ہو رہی تھی' وہ تو کم ہو گئی' لیکن اس کے ساتھ وہ جو پیوند لگ رہا تھا' اس میں رکاوٹ آ گئی۔ جس طرح لوہے کو لوہے کے ساتھ جوڑنے کے لئے گرم کرتے ہیں' جس طرح سونے کو ٹانکہ لگانے کے لئے گرم کرتے ہیں' جس طرح چیزوں کو گرم کر کے یکجان کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حرارت غریزی یا خون کی حدت انوارات عالم بالا کو اپنے میں جذب کرتی ہے چونکہ یہ روح کی خصوصیات ہیں اور روح ان کا مسکن ہے۔ بدن ازخود جب تک منور نہ ہو' روح کو بھی وہ نورانیت نصیب نہیں ہوتی اور روح منور ہو تو بدن بھی منور ہو جاتا ہے۔ بدن منور ہو' تو روح بھی روشن ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں الگ الگ سمتوں کو نہیں جا سکتے کہ ایک کے لئے نور نازل ہو رہا ہو' دوسرا ظلمت میں جا رہا ہو' یہ ممکن نہیں ہے۔ چونکہ یہ دونوں اتنے یکجا ہیں کہ دونوں کی کیفیت ایک سی ہوتی ہے تو اس کیفیت کو پانے کے لئے اگر انسان تنہا بھی ذکر کرتا ہے تو اسے قدرتی طور پر' مشائخ سلسلہ کی

توجہ نصیب ہوتی ہے۔ خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے، کسی کونے میں، کسی لمحے ذکر شروع کرے تو اس پر توجہ آنا شروع ہو جاتی ہے۔ اب اس توجہ کو جذب کرنا، اسے وصول کرنا، اسے اپنے لطائف میں رچانا بسانا، اس کا مدار اسی قوت پر ہے جو آپ نے اپنے جسم میں، خون میں وجود کی حرکت سے پیدا کی ہے۔ جسم کی حرکت، سانس کی تیزی و قوت توجہ یعنی ان سب چیزوں کی یکسوئی اور یکجائی کو ان انوارات کے جذب کرنے میں ایک دخل ہے، جتنی جتنی ان میں یکسوئی ہوتی جائے گی، اتنی اتنی قوت جاذبہ زیادہ کام کرے گی اور جتنی آپ کی قوت جاذبہ بڑھتی جائے گی، اتنے انوارات مزید آتے جائیں گے۔

صاحب مجاز و ضلعی امرا

تو یہ ایک آسان سا طریقہ ہے، جو ہم اپنے ذکر کی تعبیر یا اس کو سمجھنے کے لئے کرتے ہیں اور میرے خیال میں صاحب مجاز یا امراء حضرات یا وہ لوگ جو ذکر کراتے ہیں، انہیں سب سے زیادہ اس کے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ میں نے کئی دوستوں سے اس کی مختلف تعبیریں سنی ہیں کہ وہ جو سن کر اپنے طور پر سمجھ لیتے ہیں، پھر وہی دوسروں کو تلقین کرتے رہتے ہیں اس کی اصلاح نہیں کرتے۔ احباب کو اسے بڑے غور سے سمجھنا چاہئے اور اسی طرح ساتھیوں کو سمجھانا اور کرانا چاہئے۔

توجہ کی شرائط

یہ بات یاد رہے کہ ہمارے طریقہ ذکر میں سانس سے ذکر نہیں کیا جاتا، ذکر دل سے کیا جاتا ہے۔ سانس تیزی سے اس لئے لی جاتی ہے کہ بدن میں، خون میں حدت کا ایک خاص درجہ پیدا ہو۔ تاکہ انوارات کو جذب کرنے کے لئے ایک خصوصی استعداد حاصل ہو جائے اور ارادی قوت سے سانس لینے کے عمل میں، لفظ اللہ ھو کو قائم رکھنے میں، ذہن بھی مصروف ہو جائے۔ یعنی کہ وہ

ارادے و توجہ کے ساتھ طریقہ بالا سے ذکر کرے تاکہ اسے مشائخ کی توجہ نصیب ہو۔ بشرطیکہ وہ ذکر کی طرف متوجہ رہے۔ اگر آپ یہ سوچنا چھوڑ دیں تو ذہن دوسری طرف چلا جائے گا وہ یکسوئی جو انوارات اور توجہ کو جذب کرنے کے لئے ضروری ہے وہ نصیب نہیں ہو گی تو جو نتیجہ اس پر مرتب ہونا چاہئے وہ نہیں ہو گا۔

ثواب و کیفیات

ثواب ہونا ایک الگ بات ہے اور کیفیات کو نقد حاصل کرنا ایک الگ بات ہے۔ ایک آدمی نماز ادا کرتا ہے' اس نے خواہ بے دلی سے کر لی' زبردستی کر لی' اپنے وقت پر شرائط کے ساتھ پڑھ لی' تو ثواب کا مستحق ہے۔ اس نے وہ حکم پورا کر دیا جو نماز کے لئے ہے۔ لیکن اسی نماز میں ان کیفیات کو جو اللہ کی تجلیات کے منعکس ہونے سے پیدا ہونی چاہئیں نقد وصول کرنا یہ الگ بات ہے۔ اگر کوئی یہ چا ہے کہ اس کا ہر سجدہ اسے ایک کیفیت دے' اس کا ہر قیام اسے ایک لذت دے' اس کی ہر تسبیح اسے اس کا بدلہ دے' تو اس کے لئے ایک خاص توجہ' ایک خاص محنت' ایک خاص مجاہدے کی ضرورت پڑے گی۔

یہی حال ذکر قلبی کا ہے۔ اس کا ہم صرف ثواب نہیں' ثواب سے بہت آگے کی طلب اور توقع رکھتے ہیں اور ان کیفیات اور ان لمحات کی توقع رکھتے ہیں۔ جو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائے۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا تم بچشم خود اس کے جمال کا مشاہدہ کر رہے ہو' تم اس کے روبرو ہو اس لمحے کو' اس کیفیت کو پانے کی تمنا رکھی جاتی ہے۔ اسی کے لئے یہ زائد محنت کی جاتی ہے۔ جو یہ تمنا نہیں کرتا وہ یہ زائد محنت نہ کرے جو یہ طلب رکھتا ہے اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں کہ وہ کیوں محنت کرے' ایک آدمی دال روٹی پہ گزارا کرتا ہے اور وقت نہیں لگاتا اس کی اپنی مرضی۔

طریقہ ذکر کی شرائط

اللہ نے طریقہ ذکر پر کوئی پابندی نہیں لگائی دیکھو! کتنی کھلی بات ہے۔ اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ کھڑے' بیٹھے' لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو۔ طریقہ ہائے ذکر میں کوئی پابندی نہیں لگائی صرف ایک پابندی ہو گی کہ ذکر کی آڑ لے کر کوئی ایسا انداز' کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جو شرعاً" ممنوع ہو' کسی دوسرے کے آرام میں مخل ہو' یا واویلا کرنا یا غیر شرعی انداز میں شعر و شاعری کرنا یا اس طرح کے گانے بجانے شروع کر دینا یا اور کوئی بھی ایسا طریقہ جو شرعاً" ممنوع ہو وہ اس آڑ میں اختیار نہیں کیا جا سکے گا۔ ذکر کا ہر حال میں حکم ہے لیکن وہ حال ممنوع ہے جو شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے منع کر دیا اور جس حال سے' جس طریقے سے' جس کا کوئی منع کا ثبوت نہیں ملتا ان شرائط کے ساتھ کسی کو ذکر سے روکا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنے اپنے سلاسل کے لوگوں کے' اپنے مشائخ عظام کے اپنے اپنے تجربات اور عمروں کا حاصل ہے کہ کس نے کس طریقے سے کیا اور زیادہ فائدہ ہوا۔ اس میں ایک دوسرے سے الجھنا بھی مناسب نہیں۔ جو جس طریقے سے کرتا ہے' اگر وہ شرعی حدود کے اندر ہے' تو اسے حق حاصل ہے نہ ہم کسی پر اعتراض کر سکتے ہیں نہ کوئی ہم پر کر سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ ہم میں سے کوئی بھی طریقہ شرعی سے تجاوز کرے یہ الگ بات ہے اور اس سے روکنا یا اس پر اعتراض کرنا یا اس سے منع کرنا' سمجھانا' یہ دوسری بات ہے لیکن محض اس لئے اعتراض کرنا کہ مجھے سمجھ نہیں' جو اس جنس کا گاہک ہی نہیں' جو اس بازار ہی میں نہیں آتا اسے سمجھانے کی کس کے پاس فرصت ہے۔ کون اتنا نکما اور فارغ ہے کہ جو اس راستے پہ چلنا ہی نہیں چاہتا اسے اس راستے پہ آگاہ کرنے چل پڑے۔ آپ نے کبھی کوئی ایسا انسان دیکھا کہ جس طرف جانا ہی نہیں چاہتا اس کے ساتھ سر کھپاتا رہے کہ اس راستے میں فلاں موڑ ہے' فلاں چڑھائی

ہے۔ اسے جانا ہی نہیں تو اسے سمجھانے کیا ضرورت ہے اور اسے سمجھنے اور اعتراض کرنے کا حق بھی حاصل نہیں ہے۔

خلاصہ بیان

لہٰذا ان فضولیات میں الجھے بغیر دل کو ذاکر کرنے کے لئے پوری توجہ سے' پوری دلجمعی سے' ذکر دل سے کیا جائے۔ اس کے ساتھ عقل کو بھی' سانس کو بھی' اپنی پوری توجہ کو بھی لگائیں کہ ہر اندر جانے والا سانس اپنے ساتھ لفظ "اللہ" کو دل کی گہرائی تک لے کر جاتا ہوا محسوس کریں اور جب باہر سانس چھوڑیں تو اس کے ساتھ لفظ "ھو" خارج ہو اور ھو کی چوٹ اس لطیفے پہ لگے جو آپ کر رہے ہیں۔ سانس کا یہ لینا اور چھوڑنا پوری تیزی اور قوت سے ہو۔ یہ ہمارا طریقہ ذکر ہے۔ یہ اس کا آسان سا اسلوب ہے۔ لطائف میں ذکر کرتے ہوئے غفلت نہیں آنی چاہئے' نیند نہیں آنی چاہئے' مانع فیض ہے۔

جس طرح بات کرنے سے حدت ختم ہو جاتی ہے اسی طرح لطائف میں غفلت آنے اور توجہ کے ہٹ جانے سے وہ گرمی رخصت ہو جاتی ہے اور انوارات منقطع ہو جاتے ہیں۔ لطائف جاگ کر کریں' ہوش سے کریں' سمجھ کر کریں' جوش سے کریں' تیزی سے کریں' قوت سے کریں تو ان چیزوں کو جتنا آپ پالیں گے اتنی برکات زیادہ ہوں گی۔

☆ ☆ ☆

حقیقت روح

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ اَبٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ○ (سورۃ الحجر)

مکلف مخلوق کی اقسام

ان آیات میں مکلف مخلوق کی چار اقسام کا ذکر ہے۔ اللہ جل شانہ کی ساری کائنات میں وہ مخلوق جو مکلف ہے۔ مکلف سے مراد وہ مخلوق ہوتی ہے جسے حکم کا پابند بنایا گیا ہو اور باقی ساری مخلوق جو فطری تقاضوں کے مطابق عمل کرتی ہے اسے مکلف نہیں کہا جا سکتا۔ جسے حکم کی تکلیف دی گئی' جسے احکام الٰہی کی پابندی کرنا لازم ہے' جس سے اس کے اعمال کی پرسش ہو گی۔ مکلف مخلوق چار قسم کی ہے۔ فرشتہ' شیطان' جن اور انسان۔ پانچویں قسم کی کوئی مخلوق مکلف نہیں ہے۔ ان کے علاوہ جتنی مخلوق ہے وہ اپنے فطری تقاضوں کے مطابق عمل کرتی رہتی ہے۔ اس مخلوق میں نہ اطاعت کا جذبہ ہے اور نہ نافرمانی کا کوئی عنصر ہے۔ اللہ نے جو بھی ان کی جبلت بنا دی ہے اس کے مطابق وہ زندگی بسر کرتے رہتے ہیں۔

شیطان، جن و فرشتوں کی حقیقت

ان چاروں قسم کی مخلوق میں فرشتہ نوری مخلوق ہے لیکن اسے نفس نہیں دیا گیا، خواہشات نہیں دی گئیں، ضرورتیں نہیں دی گئیں۔ اس کی ضرورت، اس کی خواہش، اس کا آرام ہی اطاعت الٰہی اور ذکر الٰہی میں ہے۔ اس کی غذا اس کا کھانا پینا ذکر الٰہی ہے اور اس کا کام اللہ کی اطاعت کرنا ہے وہ سراپا اطاعت ہے اور بس۔

شیطان بھی یہیں سے الگ ہوا۔ شیطان علمائے حق کے مطابق تو جنوں ہی میں سے ہے اور تخلیقی اعتبار سے ایک جن ہی ہے، لیکن اپنی حیثیت میں بالکل ایک الگ نوع اور ایک الگ خلق قرار پایا۔ اس لئے کہ اس نے جنات میں سے ہوتے ہوئے اتنی عبادت کی، اتنی محنت کی کہ فرشتوں میں اسے شمار کیا گیا اور اسے آسمانوں پر رہنے کی اجازت دی گئی۔ مفسرین کرام کے مطابق جنات انسانوں سے پہلے تخلیق ہوئے۔ اللہ کریم نے یہاں ان کا ذکر بھی فرمایا ہے۔
وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ۔ انسان سے پہلے جنوں کو آگ کے شعلے، آگ کی لپیٹ، آگ کی وہ گرم ہوا یا آگ کی وہ گرم اور لطیف کیفیت جو نظر نہیں آتی۔ آگ نظر نہ آنے والی چیز ہے۔ آگ میں جو کچھ دکھائی دیتا ہے، وہ جلنے والے کثیف عناصر ہوتے ہیں، جو نظر آتے ہیں۔ آگ سے مراد وہ حدت وہ گرمی، وہ تمازت ہوتی ہے۔ جو اپنی ذات میں ایک لطیف اور نظر نہ آنے والا عنصر Radiation ہوتی ہے لیکن جب اس میں کثیف مادے شامل ہو کر جل اٹھتے ہیں تو وہ نظر آتے ہیں۔ اور ہوا میں بھی نظر آتے ہیں، تو جنوں کی تخلیق اس سے کی گئی۔

نفخ روح

اب عجیب بات ہے کہ فرشتے کی تخلیق کے ساتھ نفخ روح کی بات نہیں ہے۔ جنوں کی تخلیق کے ساتھ نفخ روح کی بات بھی نہیں ہے۔ زندگی فرشتے میں

بھی ہے۔ حیات جنوں میں بھی ہے۔ مکلف جنوں کو بھی بنایا گیا ہے۔ اعمال کی پرسش ان سے بھی ہو گی۔ اس لئے کہ جنوں کے ساتھ ضروریات زندگی اور خواہشات ہیں۔ انسانوں کی تخلیق سے پہلے مفسرین کے مطابق جنات زمین پر آباد تھے ان میں سے کسی ایک کو ان پر امیر یا حکمران یا بادشاہ مقرر کر دیا جاتا تھا' جو اللہ کی اطاعت کرنے والا ہوتا تھا اور اسے زندگی گزارنے کے ضابطے سمجھا دیئے جاتے تھے اور ایک عرصہ اس کے مطابق یہ رہتے۔ لیکن پھر یہ کسی حکمران کو قتل کرتے یا کوئی فوت ہو جاتا یا کسی کو معزول کرتے تو فساد بپا کرتے۔ پھر آسمان سے اللہ فرشتے بھیج دیتا' جو بعض جنوں کو قید کرتے' بعض کو قتل کرتے' بعض کو سزا دیتے' پھر اس طرح سے ان کی اصلاح کر دی جاتی اور پھر ان میں سے کسی اچھے فرد کو ان پر حکمران بنا دیا جاتا۔ ابلیس جب جنوں میں سے عبادت کرتے کرتے اس درجے پر پہنچا کہ اسے آسمانوں پر رہنے کی اجازت دی گئی' تو یہ ذمہ داری بھی یعنی جنات میں نظم و ضبط اس کے سپرد کی گئی جیسے وہ کہا گیا ہے۔

ز راہ تفاخر بلفوج ملک گہہ برزمین بودگاہ بر فلک

بڑے فخریہ انداز میں فرشتوں کی فوج ہمراہ لئے ہوئے یہ کبھی زمین پر اترتا تھا' کبھی آسمانوں میں ہوتا تھا۔ جب دنیا پہ جنات فساد بپا کرتے تو اللہ کریم اس کو بھیجتے اور یہ اللہ کے حکم کے مطابق اس کی اصلاح کرتا۔ لیکن بڑی عجیب بات ہے جنوں میں زندگی بھی ہے' انہیں تکلیف بھی دی گئی' احکام ماننے پر مجبور بھی کیا گیا لیکن ان کو نبوت و رسالت نہیں دی گئی۔

جن و نبوت

اس بات پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ جنوں میں نبوت نہیں تھی۔ بعض علماء نے ایک نام لکھا ہے کہ یوسف ابن حیان نامی ایک جن گزرا ہے وہ نبی تھا۔ لیکن جمہور کی رائے اس کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ نبوت ایسی چیز نہیں ہے کہ انہیں دی گئی۔ پھر اس کے بعد کبھی نہیں دی گئی۔ ایک نبی بھیجا گیا پھر کبھی

نہیں بھیجا گیا یہ تو ایک ایسا عمل ہے کہ اگر ان میں سے ایک بھی نبی ہوتا تو پھر ان میں اور نبی بھی ہوتے۔ کبھی پوری حیات دنیاوی میں تخلیق سے لے کر قیامت تک صرف ایک نبی کا ہونا یہ درست نہیں ہے بلکہ یوسف بن حیان' حیان سلاطین یا امراء یا اللہ کے ان مقرب بندوں میں سے ہے جنہیں جنوں پر حکمران مقرر کیا گیا۔ اس کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ اسے بھی انہوں نے قتل کر دیا۔

جب آدم علیہ السلام تشریف لائے تو انسانوں میں پہلا انسان ہی نبی تھا۔ وہ شخص جس سے انسانیت کی بنیاد رکھی گئی' وہ خود اپنی ذات میں نبی تھا' گویا نبوت عطا ہی صرف انسانوں کو ہوئی اور اس کی بنیاد نفخ روح باری پر ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔

انسان کی مٹی سے تخلیق و نفخ روح

اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاٍ مَسْنُوْنٍ۔ سڑے ہوئے خشک شدہ گارے سے مٹی کا ایک ایسا عنصر' جو گارا بنتے بنتے گل سڑ جائے اور پھر اس کے بعد خشک ہو جائے۔ آپ نے گلی سڑی سیاہ مٹی دیکھی ہو گی اس طرح کی خشک مٹی سے میں ایک بشر تخلیق کرنے چلا ہوں۔ لیکن وہ صرف ایک عام تخلیق نہیں ہو گی' جیسے کائنات میں سورج' چاند' ستارے نباتات اور طرح طرح کے حیوانات' چرند اور پرند ہیں اس میں بے شمار مخلوق ہے۔ جو صنف ہو گی یہ جسے میں نے بشر کا نام دیا ہے۔ یہ جسے میں آدمی کہتا ہوں یا جسے انسان کہا جائے گا۔ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ جب میں اسے درست کر دوں جب اس کی تخلیق یا اس کی صنعت یا اس کے وجود کے بننے کا عمل مکمل ہو جائے۔

نبوت کی عظمت

وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ تو اس میں' میں اپنی روح پھونک دوں۔ فقعوا له

سٰجِدِیۡنَ۔ تو تم سارے کے سارے اس کے سامنے سربسجود ہو جانا۔ نفخ روح جو انسان کو نصیب ہوئی جس پر نبوت کی بنیاد ہے۔ نبوت کی اصل کیا ہے۔ نبوت کس کیفیت کو کہتے ہیں یا نبی کے پاس وہ کیا چیز زائد ہوتی ہے جو غیرنبی کے پاس نہیں ہوتی۔ نبی کے دل کا آئینہ' دل کی آنکھ' دل کا شعور بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے براہ راست اللہ کی ذات سے آشنا ہوتا ہے۔ نبوت اس آشنائی کا نام ہے۔ نبوت اس پہچان کا نام ہے' نبوت اس تعلق کا نام ہے' جو نبی علیہ السلام کے قلب کو بغیر کسی واسطے کے براہ راست ذات باری سے نصیب ہو۔ اس لئے اللہ کریم اس سے کلام فرماتے ہیں اور اس کی معرفت سارے بندوں تک اپنا پیغام پہنچاتے ہیں۔ اللہ کے کلام کو سننا' یہ شان بھی نبی علیہ السلام کی ہے۔ اللہ کے کلام کو سمجھنا یہ شان بھی نبی علیہ السلام کی ہے اور غیرنبی اللہ کو پہچاننے میں نبی کا محتاج ہے' جیسے سارا وجود دیکھنے میں آنکھ کا محتاج ہے' ہاتھ وجود کا حصہ ہیں' کان وجود کا حصہ ہیں' پاؤں وجود کا حصہ ہیں۔ لیکن سارے کا سارا جسم آنکھ کے دیکھنے کا محتاج ہے کہ آنکھ دیکھے کہ سامنے کیا ہے۔ اسی طرح ساری امت نبی علیہ السلام کی محتاج ہوتی ہے۔ نبی علیہ السلام امت کی آنکھ ہوتا ہے۔ وہ آنکھ جو ذات باری کو دیکھتی ہے۔ وجود کا وہ حصہ جو ذات باری کا کلام سنتا ہے۔ وجود کا وہ حصہ جو امت کا تعلق ذات باری سے قائم کرنے کا سبب بنتا ہے اس کیفیت اس حالت کو نبوت کہتے ہیں۔

روح حیوانی یا روح سفلی

تو یہ شان بھی صرف انسان کو ملی' اس لئے کہ روح دراصل باری تعالیٰ کا امین تھا۔ وَنَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ کے بارے میں مفسرین نے بہت لمبی بحثیں کی ہیں کہ نفخ روح کیا ہے۔ سمجھنے کے لئے پہلے یہ متعین کرنا پڑے گا کہ روح کیا ہے۔ علماء کے مطابق روح کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ مختلف اجزائے بدن کو جب قدرت ایک خاص نسبت سے ملاتی ہے' تو ان کے ملنے سے ایک حدت جسے

آج کل کی زبان میں انرجی کہتے ہیں اور علماء یونان یا طب یونانی کے ماہرین اسے بخارات کا نام دیتے ہیں' اس انرجی یا طاقت یا کیفیت کو روح حیوانی کہتے ہیں۔ وہ چیز جو ان اجزا کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے جو انسان کے خون کے ایک ایک ذرے کے ساتھ ایک ایک نس نس میں پہنچتی ہے اور بدن کو شعور اور حرکت عطا کرتی ہے آنکھ دیکھنے لگ جاتی ہے' کان سننے لگ جاتا ہے۔ دماغ سوچنے لگ جاتا ہے' دل دھڑکنا شروع کر دیتا ہے۔ ہر ذرہ' ہر عضو بدن اپنا اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ اسے روح حیوانی یا سفلی کہتے ہیں۔ جو زندگی کا' حیات کا سبب ہے۔ یہ روح حیوانی ہر ذی روح میں موجود ہے' اس میں تمیز نہیں ہے کہ وہ بندر ہے یا ریچھ' یہ فرق نہیں ہے کہ وہ حیوان ہے یا انسان' وہ درندہ یا چرند ہے۔ ہر وہ شے جسے اس طرح کی زندگی نصیب ہے خواہ وہ مچھر ہے یا مکھی اس میں زندگی کی یہ کیفیت موجود ہے تو اس کو روح حیوانی یا روح سفلی کہتے ہیں۔

انسانی فضیلت کا حقیقی سبب

انسان کی فضیلت یہ ہے کہ اس روح حیوانی کے ساتھ اسے ایک روح ملکوت سے یا عالم امر سے بھی نصیب ہے۔ اس نفخ شدہ روح کو روح علوی یا ملکوتی کہتے ہیں۔ وہ روح علوی کیا شے ہے۔

روح کی حقیقت

فرمایا وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا یہود کے بڑے بڑے علماء مدینہ منورہ میں تھے اہل مکہ ان کے پاس آدمی دوڑاتے اور وہ یہودی علماء انہیں سوال سمجھاتے۔ وہ آ کر نبی کریم ﷺ سے کہتے کہ اگر تو نبی ہے تو اس بات کا جواب دے۔ ان سوالوں میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ بتائیے کہ روح کیا ہے۔ اللہ نے اس کا جواب بذریعہ وحی ارشاد فرمایا وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ۔ آپ ﷺ سے روح کے بارے سوال کرتے ہیں۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ

ربی۔ کہہ دیجئے۔ روح میرے مالک' میرے رب کے امر میں سے ہے۔ امر اللہ کی صفت ہے' امر تخلیق نہیں ہے' امر مخلوق نہیں ہے۔ امر صرف اللہ کی صفت ہے۔

انسانی روح مخلوق ہے لیکن ایسی مخلوق جو کسی مادے سے' کسی جوہر سے' کسی نور سے' کسی ذرے سے نہیں بلکہ اس تجلی سے تخلیق فرمائی گئی جو اللہ کے امر سے ہے۔ من امر ربی خود امر ربی نہیں ہے۔ امر ربی میں سے ہے۔ روح خود براہ راست امر ربی نہیں ہے۔ چونکہ امر ربی تو رب کی صفت ہے۔ اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے' اللہ کا حکم' اللہ کا امر' اللہ کا کلام صفت ہے۔ جیسے ذات قدیم ہے ویسے اس کی صفات بھی قدیم ہیں۔ اللہ کی ایسی کوئی صفت نہیں ہے جو کبھی نہیں تھی پھر اس نے بنا کر اپنے ساتھ چپکا لی۔ یہ اس کی شان کے خلاف ہے جس طرح اس کی ذات کی کوئی ابتدا' کوئی انتہا نہیں' اسی طرح اس کی صفات کی کوئی ابتداء نہیں' کوئی انتہا نہیں۔ اس کی صفات اس کو سزاوار ہیں۔ کوئی دوسرا جس طرح اس کی ذات میں شریک نہیں ہے اسی طرح اس کی صفات میں بھی کوئی شریک نہیں۔ تو روح امر ربی میں سے ہے۔ صفات امر کا عالم ہی الگ ہے اور علمائے حق کے مطابق جہاں دائرہ تخلیق ختم ہو جاتا ہے جہاں مخلوق کی حد ختم ہو جاتی ہے' وہاں سے عالم امر کی ابتدا ہوتی ہے۔

مقامات سلوک

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس پر عرش جامع بول دیا جاتا ہے۔ اس کے نو حصے ہیں گویا نو عرش ہیں جن کے بارے میں کہا گیا۔

آں کہ آمد نو فلک معراج او
انبیاء و اولیاء محتاج او

تو عرش نو ہیں۔ ان میں سے پہلے عرش کی وسعت عرش کے نیچے ساری تخلیق کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے کسی صحرا میں ایک انگشتری پڑی ہو۔ دوسرا

عرش پہلے عرش سے وسیع ہے۔ پھر تیسرا اور چوتھا علی ہذا القیاس' ہر عرش پہلے سے بہت ہی بڑا ہے حتیٰ کہ نویں عرش کی وسعت کے سامنے آٹھ عرش اور آسمان و زمین ایسے ہیں جیسے کسی وسیع صحرا میں ایک انگشتری پڑی ہو۔ عالم امر میں دائروں کی حدود اجسام میں نہیں ہے' کیفیات میں ہیں۔ پہلے دائرہ کی کیفیات ایک جگہ سے شروع ہو کر دوسری جگہ ختم ہوتی ہیں۔ اس کی وسعت کے سامنے زمین و آسمان اور نو عرش ایسے ہی ہیں جیسے کسی صحرا میں ایک انگشتری پھینک دی جائے اور عالم امر کے یہ کیفی دائرے حجابات الوہیت تک کم و بیش بیالیس ہیں جن میں سے ہر ایک کی وسعت اللہ ہی جانتا ہے۔ اگر کوئی خوش نصیب روح یہ ساری بلندیاں طے کر کے حجابات الوہیت (جو صفات کا مصہ ہیں) تک پہنچ جائے تو وہ واپس اپنے گھر پہنچی منازل قرب یا منازل سلوک جو اپنے وطن سے زائد اس نے حاصل کرنی ہیں،وہ وہاں سے آگے چل کر حاصل کرنی ہیں۔

فنا و بقاء ابجد سلوک

یہ جو کہا جاتا ہے اور یہ بڑی عام سی بات ہے کہ جس کسی کو فنا بقا تک مراقبات ہو جائیں اس نے سلوک تمام کر لیا۔ یہ سلوک سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ فنا بقا تو سلوک کے حروف ابجد ہیں۔ جس طرح آپ کسی بھی زبان میں الف ب ج پڑھتے ہیں اسی طرح یہ سلوک کے حروف تہجی اور حروف ابجد ہیں۔ سلوک اس سے آگے شروع ہوتا ہے۔ اس میں اگر کوئی خوش نصیب ان نو عرشوں کے منازل طے کر لے اور اس کی روح عالم امر تک پہنچے یا جسے لامکاں کہا جاتا ہے جہاں مکانیت کا تصور نہیں ہے۔ کسی صوفی نے جسے یہ منزل نصیب ہوئی تھی دوسروں کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

صورتش برخاک جاں در لا مکاں
لا مکان فوق و ہم سالکاں

اگر یہ بیالیس کیفی دائرے طے بھی کر جائے تو پھر بھی اپنے گھر میں ہے

کیونکہ اس کی اصل ہی وہاں سے ہے۔ اس نے اتنا فاصلہ طے کیا جیسے کوئی مسافر صحراؤں' جنگلوں' دور دراز وادیوں' چور اور ڈاکوؤں سے بچ کر' سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتا ہوا بخیر و عافیت اپنے گھر پہنچ جائے۔ اگر اس نے مال و دولت کمانا ہے اگر اس نے امارت اور شان و شوکت کمانا ہے' تو اسے ان سے آگے بڑھنا ہو گا۔ اس سے آگے حجابات الوہیت' اس سے آگے قرب الٰہی کے منازل جو بطفیل محمد رسول اللہ ﷺ بٹتے ہیں اور بٹتے رہیں گے۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ صدیوں بعد ان مقامات کا ذکر ہو رہا ہے' صدیوں تک پھر نہیں ہو سکے گا۔

انسان جب کسی چیز کو کھو بیٹھتا ہے، تو اسے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ عجیب انسانی مزاج ہے۔ ایک شخص کو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ پیدا ہی ایسے گھر میں ہوتا ہے جہاں دس دس گاڑیاں کھڑی ہیں۔ اس کے نزدیک گاڑی کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن کبھی ایسا وقت آئے کہ ان کے پاس گاڑی نہ رہے تو پھر اسے احساس ہوتا ہے کہ اس میں کتنی سہولتیں تھیں۔ ایک شخص کھاتا پیتا پیدا ہوتا ہے۔ اس کے پاس ملک' حکومت اور سلطنت ہے' ان کا ہونا اسے کچھ عجیب نہیں لگتا وہ ایک روٹین میں لیتا ہے۔ زندگی کی ایک عام حالت لیتا ہے کہ یہ معمولات زندگی میں سے ہے۔ لیکن جب وہ نعمت ضائع ہو جائے' اس سے چھن جائے' تو اسے اندازہ ہوتا ہے۔ صوفیوں کا حال اس سے زیادہ عجیب تر ہوتا ہے۔ انہیں کوئی روٹین لائف میں بھی نہیں لیتا۔ لوگ ان کی تردید کرنے پر رہتے ہیں' ان کا انکار کرنے پر رہتے ہیں۔ لوگوں کی نظروں میں جھوٹی انا ہوتی ہے یا اپنی بڑائی ہوتی ہے۔

صوفیا کی شہربدری کے اسباب

لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک شخص کو اللہ نے یہ نعمت عطا کی ہے تو شاید ہمیں اسے اپنے سے بڑا ماننا پڑے گا۔ اس ضد میں انکار کرتے رہتے ہیں۔ جب ایسے

لوگ چلے جاتے ہیں تو پھر انہیں احساس ہوتا ہے۔ صدیوں تک ان صوفیاء کی کہی ہوئی باتوں کے حوالے دیتے رہتے ہیں کہ فلاں نے یہ فرمایا تھا۔ عجیب بات ہے کہ بڑے بڑے بزرگوں پر، جن کا نام آج ہم اور آپ بڑے احترام سے لیتے ہیں مثلاً" حضرت بایزید بسطامیؒ" یا ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ جنہیں شہروں سے نکال دیا گیا، کفر کے فتوے لگائے گئے کہ یہ زندیق ہیں، یہ بے دین ہیں، مسلمان ہی نہیں، یہ نیا اسلام گھڑ رہے ہیں انہیں شہر بدر کر دیا گیا۔ حکومتوں نے ان کا شہروں میں رہنا قانوناً" منع کر دیا اور ان کا وصال شہر سے باہر، آبادیوں سے باہر، جنگلوں میں ہوا۔ علماء نے فتوے لگائے، لوگوں نے تردید کی۔ جب وہ دنیا میں نہ رہے اور صدیاں بیت گئیں لوگ ان کی قبروں پر بیٹھے ہیں۔ صوفیا کرام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بہت کم نام ایسے ملتے ہیں، جن کی زندگی میں کسی نے حقیقی طور پر ان سے استفادہ کیا ہو۔

محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ اکبر کہتے ہیں۔ لیکن زندگی میں کیا ابھی تک ایک طبقہ ہے جو ان پر کفر کا فتویٰ لگاتا ہے۔ آج بھی علماء کا ایک ایسا ہی طبقہ موجود ہے جو ان کا مسلمان ہونا تک گوارا نہیں کرتا۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب آدمی تھے، اللہ نے اس شخص کو اتنی وسیع نظر دی تھی کہ اس نے اس دور میں ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا تھا۔ مالا بد قبل القیامہ جن میں ان عجائبات کا ذکر ہے جو قیامت سے پہلے ضرور ظاہر ہوں گے۔ اس بندے نے آج کی باتیں کشفاً" اس رسالے میں لکھی تھیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ جو کہا جاتا ہے سورج سوا نیزے پر آئے گا یہ تو لوگوں کو قیامت سے پہلے زمین پر روشنی سوا نیزے پر ٹنگی ہوئی نظر آئے گی۔ گو آج کی سٹریٹ لائٹس صدیوں قبل وہ شخص دیکھ کر لکھتا ہے۔ آج کے ہوائی جہاز اور راکٹ کی سواری کے متعلق وہ رسالے میں لکھتے ہیں کہ ایسی سواریاں ہوں گی جو مہینوں کی مسافت دنوں میں طے کریں گی اور وہ کھانے پینے والی یعنی ذی روح نہیں ہوں گی۔ اونٹ گھوڑے کی طرح نہیں ہوں گی، یہ کیسی ہو گی رب جانتا ہے لیکن یہ قیامت سے پہلے ہو گا۔ آپؒ نے

فتوحات مکیہ جب لکھی اس وقت پریس تو نہیں تھا۔ قلم سے لکھی اور لکھنے کے بعد اسے چھت پر پھینک دیا۔ برسوں پڑی رہی' بارشیں ہوئیں' طوفان آئے' برس ہا برس بعد کوئی مرمت کے لئے یا کسی اور غرض سے جب اوپر گئے تو یہ کتاب چھت پر پڑی تھی لیکن اس کا کوئی حرف تک میلا نہ ہوا' اس کے باوجود اس کتاب سمیت آج بھی کئی لوگ انہیں ماننے کو تیار نہیں۔ صوفیا انہیں شیخ اکبر یا بزرگ صوفی کہتے ہیں۔

بہرحال یہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا کیونکہ انسان اپنی انا میں گرفتار ہو کر یہ کرتا رہتا ہے اور جب یہ لوگ گزر جاتے ہیں اور یہ باتیں بتانے والا موجود کوئی نہیں ہوتا تو پھر اس بندے کی صورت تلاش کرنے کے لئے ان کی تصنیفات' ان کی کتابیں' ان کے رسالے' ان کے خطوط پڑھتے ہیں۔ مثلاً" حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ لگا' جیل گئے' قید ہوئے' یہ سارے تماشے ہوئے۔ لیکن اب ان کے خطوط بہت مستند ہیں اور بجائے خود ایک سند ہیں۔ لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو اس وقت کے لوگوں نے سند نہ مانا۔ یہی اصل مسئلہ ہوتا ہے۔ شاید یہ لوگوں کے اپنے نصیب کی بات ہوتی ہے کہ ان نعمتوں سے اللہ کریم انہیں نوازنا نہیں چاہتے۔ یہ اتفاقی بات نہیں ہوتی۔ ان سے فائدہ اٹھانا محض ذات باری کا انعام ہوتا ہے اور ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جن پر وہ منعم حقیقی انعام فرماتا ہے۔ جنہیں انعام نہیں ملنا ہوتا وہ ان لوگوں کے پاس حصول فیض کے لئے نہیں پہنچتے بلکہ ان کے گزرنے کے بعد ان کے حوالے تلاش کرنے کے لئے پہنچ جاتے ہیں یہ ایسی باتیں ہیں جو صدیوں بعد اللہ کریم نے کسی کو کہنے کی توفیق دی اور شاید ایسے لوگ پھر صدیوں بعد پیدا ہوں۔

نفخ روح کے نتائج

روح چونکہ عالم امر کی تجلی سے پیدا کی گئی ہے اس لئے اس میں یہ کمال ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کی کوئی حد نہیں۔ اس کی اصل محدود نہیں ہے'

لامحدود ہے۔ یہ جب انسانی بدن کے ساتھ وابستہ ہوئی تو اس نے انسانی زندگی کو بھی لامحدود کر دیا۔ فرشتہ سراپا نیکی ہے اسے آزمائش میں ڈالا ہی نہ گیا۔ شیطان کو آزمائش میں ڈالا گیا لیکن اس میں نفخ روح نہیں ہے۔ نفخ روح نہ ہونے کا نتیجہ کیا نکلا' سارا قرآن حکیم دیکھ جایئے' جنات کے لئے گناہ پر عذاب کی وعید ہے نیکی پر جنت کی بشارت نہیں ہے' نیکی پر جنت کا وعدہ نہیں ہے' صرف اتنا کہہ دیا گیا ہے یُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔ اگر اطاعت کرو گے تو عذاب الیم سے بچ جاؤ گے عذاب میں گرفتار نہیں کئے جاؤ گے' اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ جنات اپنا حساب دے کر فنا ہو جائیں گے اور جو عذاب میں گرفتار ہو گئے اپنی سزا بھگتنے کے بعد فنا ہو جائیں گے۔

قرآن حکیم میں انسانوں کی بحث پڑھیں تو جہاں گناہ کے ساتھ عذاب کی بات ہے وہاں نیک عمل کے ساتھ جنت کی بشارت بھی موجود ہے۔ ہر جگہ جہاں بھی جہنم کا تذکرہ ہے اس کے مقابلے میں جنت کا ذکر موجود ہے۔ جنات کا حال سورۃ جن میں پڑھیے تو جہنم کا وعدہ موجود ہے' خطا کرو گے تو جہنم میں جاؤ گے لیکن اگر نیکی کرو گے یُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔ تو تم اس عذاب سے بچ جاؤ گے۔ سورۃ رحمٰن میں جنت کی تخلیق اور حوروں کے متعلق بات کرتے ہوئے اللہ کریم نے فرمایا لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ۔ کہ جنتیوں سے پہلے کسی جن یا کسی انسان نے انہیں مس نہیں کیا ہو گا۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ یہ اس اعتبار سے ہے کہ دنیا میں انسانوں کو جن مس کرتے ہیں بعض خواتین کو بھی مس کرتے ہیں۔ اگر صرف یہ کہا جاتا کہ انہیں کسی انسان نے مس نہیں کیا تو شاید یہ شبہ ہوتا کہ کسی جن نے مس کیا ہو گا کیونکہ یہ زندگی کا ایک عام عمل ہے جو انسانوں کے سامنے ہے تو اللہ نے اس کی بھی نفی کر دی۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جنات جنت میں جائیں گے کیونکہ انسانوں کے ساتھ جنت کا واضح وعدہ موجود ہے اور جنات کو صرف جہنم کے عذاب سے ڈرایا گیا' نیکی اور اطاعت پر جہنم سے نجات کا وعدہ بھی کیا گیا لیکن جنت میں اس لئے نہیں جائیں

گے کہ ان کی زندگی میں وہ دوام ہے ہی نہیں جو انسانوں کی زندگی میں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بشریت و نورانیت میں توازن

اب لے دے کے ایک مخلوق رہ گئی جسے انسان اور بشر بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا جو انکار کیا جاتا ہے' یہ شرعاً" جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جو بشر نہ ہو وہ نبی بھی نہیں ہو سکتا۔ نبوت ملی ہی نوع بشر کو ہے۔ مشرکین نے اس بنیاد پر انکار کیا تھا کہ آپ ﷺ تو بشر ہیں اور بشر نبی نہیں ہو سکتا اور ہم انکار کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی تو ہیں مگر بشر نہیں ہو سکتے۔ انکار تو اپنی جگہ رہتا ہے صرف اس کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ انہوں نے بشریت کا اقرار کیا اور نبوت کا انکار کیا۔ ہم نبوت کا اقرار کرتے ہیں مگر بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ یہ سراسر غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم خود جیسا بشر تسلیم کر کے آپ ﷺ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں جیسے ہم بشر ہیں ویسے ہی وہ بشر ہیں۔ دراصل ہم اپنے اوپر قیاس کر کے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ ہم تو اپنی بشریت بھی کھو چکے ہیں۔ انسانیت تو بہت دور کی بات ہے' بہت بلندی کی بات ہے اور حضور اکرم ﷺ بشر بھی انتہائے بشر ہیں' حد بشریت میں یہ بہت بڑا فاصلہ ہے۔ بہرحال یہ بات ضمنی طور پر آ گئی' بہرحال بشریت کا انکار جائز نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بشریت بھی بے مثل اور بے مثال ہے اور کوئی دوسرا ایسا بشر نہیں ہے۔

روح کی ساخت و لطائف

اللہ کریم نے وہ روح جو عالم امر کی تجلی سے تخلیق فرمائی انسان کے وجود میں ڈال دی۔ تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ یہ وہی روح ہے جو قلب سے حیات کو شروع کرتی ہے۔ جس کا سب سے پہلا ورود ہی قلب میں ہوتا ہے اور پھر پانچ مقامات پر نظر آتی ہے۔ قلب' روح' سری' خفی'

اخفی۔ وہ فرماتے ہیں کہ انسان حقیقتاً دس چیزوں کا مرکب ہے اور یہی بات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں کہ اس عالم آب و گل سے آگ، مٹی، ہوا، پانی اور پانچواں نفس یا روح حیوانی (جو ان چار عناصر کے ملنے سے بنتا ہے اور جسے آپ آج کی اصطلاح میں انرجی کہتے ہیں) اور پانچ وہ لطائف جو عالم امر سے متعلق ہیں، جو اس روح (جو امر ربی سے ہے) کے ورود سے روشن ہوتے اور جو اس کے رہنے کا ٹھکانہ بنتے ہیں یعنی قلب، روح، سری، خفی اور اخفا۔ یہ دس چیزیں مل کر انسان بنتا ہے یہ استعداد ہر انسان لے کر آتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃٍ۔ ہر پیدا ہونے والے فطری خصوصیات لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ثُمَّ اَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْیُمَجِّسَانِہٖ پھر اس کے والدین یا اس کا معاشرہ یا اس کا ماحول، کسی کو یہودی، کسی کو مجوسی بنا دیتا ہے۔ وہ ان سے اثر قبول کر کے اسلام کے سوا کوئی راستہ اختیار کر لیتا ہے ورنہ انسان میں استعداد موجود ہوتی ہے۔

تو سجدہ انسانی وجود کو نہیں کیا گیا۔ سجدہ انسان میں موجود عناصر یا اس کے ملنے سے پیدا ہونے والے نفس یا روح سفلی کو نہیں کیا گیا بلکہ فرمایا کہ جب میں اپنی روح جو عالم امر کی تجلی سے پیدا کی گئی، جو صفت ہے حیات کی، اس میں پھونک دوں تو تمہیں سجدہ کرنا ہو گا۔ تو سجدہ اس روح کو کیا گیا، عزت و احترام اس کے لئے ہے، انسانیت کی تکمیل اس روح سے ہوتی ہے جو عالم امر کی تجلی ہے اور اس کی حیات قلب سے شروع ہوتی ہے۔ اور قلب کی حیات نور ایمان پر ہے۔

استعداد کا سلب ہونا

اب اگر نور ایمان ہی جاتا ہے تو قلب بھی جاتا رہے گا۔ قلب کی حیات کا کم از کم حال یہ ہے کہ اسے ایمان نصیب ہو۔ قلب کی حیات کی دلیل ایمان ہے۔ عمل صالح اس کی طاقت ہے۔ حیات جیسے ایک نوزائیدہ بچے میں بھی ہے،

حیات ایک طاقتور جوان میں بھی ہے' لیکن بچپن اور جوانی کی طاقتوں میں جتنا فاصلہ ہے' اتنا ہی فاصلہ ایمان لانے کے بعد عمل صالح سے بنتا ہے۔ عمل صالح اسے قوت دیتا ہے اور محض ایمان ابتدائے حیات ہے لیکن اگر کوئی ایمان پر ہی نہ رہے تو اس میں' جب تک وہ دنیا میں ہے' عالم امر کی اس تجلی کو دوبارہ پانے کی استعداد رہتی ہے لیکن وہ اگر ایمان کھو دے تو پھر اس کے وجود کا حصہ نہیں رہتی وہ اس سے سلب ہو جاتی ہے۔ اور بعض لوگ پھر اتنے جرائم کرتے ہیں کہ ان کے قلوب سے وہ استعداد نفی کر دی جاتی ہے۔ وہ دوبارہ اس تجلی کو پانے کے قابل ہی نہیں رہتے جس کا تذکرہ قرآن نے ان الفاظ میں کیا۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ اس مہر سے یہ حیوانی زندگی ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ تجلی' وہ نور' وہ نفخ روح جس کے بارے فرمایا گیا' وہ روح جو عالم امر سے ہے' اس کے نور کا دوبارہ اس قلب میں آنا محال ہو جاتا ہے' اس کے گناہوں کی وجہ سے قلب سے وہ استعداد زائل ہو جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا۔

ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ رسول اللہ ﷺ انہیں دعوت دیں نہ دیں آپ ﷺ انہیں عذاب و ثواب کے متعلق بتائیں نہ بتائیں' انہیں کفر اور برائی کے نتائج سے آگاہ کریں نہ کریں' ان کے لئے برابر ہے ھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ایمان نہیں لائیں گے' کیوں نہیں لائیں گے۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ اللہ کے اصول توڑنے میں یہ اتنے دور تک چلے گئے کہ اب واپسی کی کوئی امید نہیں رہی۔ قلوب میں قبول کرنے کی جو استعداد تھی وہ اللہ نے سلب کر لی۔ جو نور ایمان سے نصیب ہوتی ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام کی معرفت ایمان نصیب ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس حیات یعنی نور ایمان کا خزینہ اور منبع نبی علیہ السلام کی ذات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو بندہ براہ راست آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں گیا وہ ایک آن میں صحابی رضی اللہ عنہ بن گیا' ایک لمحے میں اس نے سارے منازل طے کر لئے۔ اس لئے کہ نبوت براہ

راست اس حیات سے منسلک ہے۔ جیسے آگ میں لوہے کو ڈال دیں تو وہ خود آگ بن جاتا ہے۔ وہی حدت' وہی گرمی' وہی سرخی' وہی رنگ وہ سب کچھ اس میں منتقل ہو جاتا ہے کیونکہ ساری کی ساری قوت کا خزانہ جہاں تھا وہ اس لوہے پہ بھی گیا اور لوہا جتنا آگ سے دور ہو گا تو اتنی ہی کم تپش' کم روشنی اس میں آئے گی لیکن فاصلہ کی نسبت سے گھٹتی یا بڑھتی چلی جائے گی۔ اس طرح جسے براہ راست نبی علیہ السلام کی صحبت نصیب ہوئی وہ اس روشنی' اس حدت میں منتہائے کمال کو پہنچ گیا اور جو جتنا دور رہا وہ اتنا بدرجہ میں کم ہوتا چلا گیا۔

سالک کی تربیت کا اصلی سبب

اور سلاسل تصوف کا حاصل بھی یہ ہے کہ براہ راست ان لوگوں کی مجالس میں بیٹھ کر جیسے صحابہؓ سے تابعینؒ نے' تابعینؒ سے تبع تابعینؒ نے اور ان سے ان کے شاگردوں نے یہ نور حاصل کیا۔ بعینہٖ اس حدت کو براہ راست ان قلوب سے قبول کیا گیا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تعلیمات سن کر مان لیا جائے تو ایمان پیدا ہو گیا' روح کا اتنا عنصر وجود میں آ گیا جس سے دل میں ایمان کی روشنی آ گئی لیکن وہ تعلق کمزور رہا ہاں اگر منور القلوب لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا تو دل میں وہ روشنی' وہ نور آ گیا اور وہ قوت بہت طاقتور ہو گئی' بہت مضبوط ہو گئی۔ حتیٰ کہ اللہ اگر عطا کرے تو پھر ان حجابات کو پھاڑ کر روح کا تعلق واپس آسمانوں سے' پھر عرش سے' پھر عالم امر سے استوار ہوتا جائے گا اور اس حیات میں' زمین پر بیٹھے ہوئے بھی' اپنا تعلق پھر سے اس مقام سے اس طرح قائم کرلے گا کہ جیسے کوئی مسافر دور دراز سے واپس گھر آ گیا اور زمین پر رہتے بستے ہوئے عالم امر میں سانس لینے لگا۔ وہاں آنے جانے لگا اور اپنا رشتہ استوار کر لیا اس کی دلیل عملی زندگی میں اللہ کی اطاعت اور نبی ﷺ کی کامل اور غیر مشروط اطاعت کا نصیب ہو جانا ہے۔

ایک بات جو میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے اگر روح کا تعلق قلب سے عالم

امر سے ہی کلی طور پر منفی ہو جائے تو وہ وجود جہنم میں جائے گا۔ اسی لئے آپ نے حدیث میں پڑھا یا سنا ہو گا کہ جس دل میں رائی برابر ایمان ہو گا وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ روح کا عالم امر سے ادنیٰ تعلق بھی ہمیشہ کے عذاب سے نجات دیتا ہے کیونکہ انسانی نفس یا انسانی وجود تو جہنم میں جا سکتا ہے' لیکن وہ تجلی جو عالم امر سے ہے' اس کا جہنم جانا نہیں بنتا اور جو لوگ جہنم جائیں گے ان میں عالم امر کا وہ عنصر نہیں ہو گا جس سے روح کی تخلیق کی گئی ہے۔ اسی لئے دوزخیوں کی شکل انسانی نہیں ہو گی' چہرہ انسانی نہیں ہو گا۔ انسانوں کی طرح بات نہیں کر سکیں گے۔ جانوروں اور درندوں جیسا چیخنا چلانا ہو گا اور شکل ایسی ہو گی جس جانور' جس درندے' جس حیوان کی خصوصیت اپنی زندگی میں اپنائے گا۔ مثلاً'' خنزیر' ریچھ' بندر' بھیڑیا' اژدھا اسی شکل میں وہ جہنم میں داخل ہو گا کیونکہ اس میں عالم امر کی وہ تجلی نہیں ہو گی' اگر اس روح کا کوئی عنصر یعنی عالم امر سے متعلق کوئی بھی تعلق کسی کے وجود میں ہو تو اس کے جہنم سے بچ جانے کی ضمانت ہے۔

مراقبات کا مقصد

اس لئے کہ یہ قرب الٰہی کا مظہر ہیں۔ مراقبات اور مقاماتِ تصوف یہ اللہ کے قرب کی دلیل ہیں۔ جنت فی نفسہ مطلوب نہیں ہے۔ جنت اللہ تو نہیں' جنت غیر اللہ ہے' مخلوق ہے۔ اللہ کی مخلوق مطلوب کیوں ہے؟ مخلوق کے لئے کیوں دعا کرتے ہو۔ مخلوق کے لئے کیوں محنت کرتے ہو۔ اس لئے کہ وہ ایسی مخلوق ہے جو اللہ کی رضامندی کی سند ہے یعنی اس کا ملنا دلیل ہے اس بات کا کہ اللہ کریم اس پر راضی ہیں۔ اگر اس بات کی سند نہ ہو یعنی رضائے الٰہی مطلوب نہ ہو۔ تو پھر جنت کے لئے دعا کرنا بھی فضول ہے' جنت کے لئے محنت کرنا بھی فضول ہے کیونکہ جنت اللہ تو نہیں ہے غیر اللہ ہے اور غیر اللہ کی طلب کیسی۔ ہاں وہ اللہ کی رضامندی کا سرٹیفکیٹ اور دلیل ہے اس لئے مطلوب ہے۔ اسی

طرح یہ مراقبات تصوف اور منازل سلوک یہ مظہر ہیں قرب الٰہی کے' اللہ کے قرب کی دلیل ہیں۔ جس پر اللہ جتنا مہربان ہوتا ہے اتنی رفعتیں' اتنی بلندیاں' اتنی عظمتیں اسے عطا فرماتا ہے۔ اس لئے مطلوب ہے بلکہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عالم بالا کے مراقبات نصیب ہوں تو نوافل پڑھنے سے وہ مراقبات کرنا زیادہ باعث برکت اور زیادہ باعث ثواب ہوتا ہے۔ فرائض کے بعد سب سے زیادہ جو رحمت وارد ہوتی ہے وہ مراقبات میں بیٹھے رہنے سے ہوتی ہے۔ ان کا درجہ نوافل سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے کہ وہ خود قرب الٰہی کی' تجلیات باری کی' رضائے باری کی دلیل ہیں۔

اسی انسانی عظمت کے ساتھ ٹکرا کر شیطان ہمیشہ کی سعادت سے محروم ہو گیا۔ اللہ نے فرمایا فَاِذَا نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِیْنَ جب میں اسے درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو سجدہ ریز ہو جانا۔ روح جو عالم امر سے متعلق ہے' من روحی "اپنی روح سے"۔ یعنی اس کی تخلیق اللہ کی صفت کی تجلی سے ہوئی۔ کیسے ہوئی اس کا جواب نہ کوئی سمجھ سکتا ہے' نہ کوئی سمجھا سکتا ہے' نہ کوئی اسے جان سکتا ہے اور اتنا جاننا بھی جو ہم مسلمان جانتے ہیں یہ بھی اس کی بہت بڑی عطا ہے۔ دراصل یہ کسی مادے سے' کسی جوہر سے' کسی عنصر سے' کسی ذرے سے نہیں بنائی گئی یہی باعث شرف انسانیت ہے اور اس کا موجود ہونا انسان کو انسان بناتی ہے۔ اگر انسان سے اس کی نفی ہو جائے تو جہنم یا کفر کو الگ رکھ دو' انسان انسان نہیں رہتا' حیوان ہو جاتا ہے' اپنی جبلت کے تابع چلا جاتا ہے۔ جس طرح جانور کھانے پینے پہ لپکتا ہے' جس طرح جانور صرف آرام کی سوچتا ہے' جس طرح جانور صرف جنس کی سوچتا ہے' اسی طرح انسانی زندگی بھی اسی روٹین میں چلی جاتی ہے۔

آپ سارے عالم کفر کا مشاہدہ کر لیجئے' بنظر غور دیکھ لیجئے آپ کو وہاں سوائے حیوانی زندگی کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ انسانی رشتوں کا وجود نظر نہیں آئے گا۔ انسانی عظمت کی کوئی جھلک نظر نہیں آئے گی۔ جہاں اس کی یعنی روح

کی نفی ہو گئی تو انسان انسانیت سے محروم ہو گیا اور ایک عام حیوان کی سطح پر چلا گیا جو محض کھانا پینا اور اپنی نسل بڑھانا جانتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے کوئی احساس نہیں ہے کہ غلط کھا رہا ہے' صحیح کھا رہا ہے' گندہ کھا رہا ہے' صاف کھا رہا ہے' صحیح کر رہا ہے' غلط کر رہا ہے۔ حیوانی زندگی میں کوئی سٹیٹس' احترام یا دیگر کوئی اور قدر نہیں ہوتی۔ اسی طرح سارے کافر معاشرے میں انسانی اقدار کبھی بھی نہیں ہوتیں۔ تاریخ کے کسی دور میں نہ پہلے تھیں اور نہ آج کے جدید ترقی یافتہ معاشرہ میں ہیں۔ جو بھی نور ایمان سے محروم ہے وہ انسانی اقدار سے ویسا ہی محروم ہے جیسا جاہلوں کا معاشرہ انسانی اقدار سے محروم رہا۔

حیات قلبی' تزکیہ کا تلازم

جسے آپ نیکی کہتے ہیں' جسے عبادت کہتے ہیں' جسے ورع و تقویٰ کہتے ہیں' جسے آپ بھلائی یا شرافت کہتے ہیں' یہ روح کے ساتھ آتی ہیں' حیات قلبی کے ساتھ وارد ہوتی ہیں۔ جتنا جتنا اس روح کا تعلق قلب سے مضبوط ہوتا ہے' جتنا قلب انسانی منور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اتنی اتنی اقدار کی اہمیت اس پر وارد ہوتی جاتی ہے اور اتنا اتنا وہ سنبھل کر انسان بنتا چلا جاتا ہے۔ اس کا نفی ہو جانا انسانیت کے منفی ہو جانے کی دلیل ہے۔

شیطان نے اس کی عظمت کا انکار کیا فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اِلَّآ اِبْلِيْسَ' ابلیس نے نہیں کیا جبکہ یہ فرشتوں میں رہتا تھا' اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ۔ اس نے تکبر کیا اور سجدہ نہیں کیا۔ شیطان کی محرومی کا سبب یہ بنا۔

سورۃ بقرہ میں اللہ کریم فرماتے ہیں اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۔ شیطان نے انکار کیا' تکبر کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں سے۔ اب اس کو بدلنے کے لئے جو دوست ترجمہ کرتے ہیں "ہو گیا کافر" ان سے گذارش ہے کہ جب وہاں ماضی کا صیغہ استعمال ہوا تو کیوں اسے ماضی نہیں رہنے دیتے۔

عام آدمی کو شاید یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اس لئے اسے "ہو گیا" سے بدلتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اللہ کریم نے یہ بتایا کہ "تھا تو کافر ہی" علم الٰہی میں تو یہ کافر تھا اس لئے کہ اللہ کو پتہ تھا کہ یہ ساری محنت' ساری عبادت' سارے سجدے' ساری ریاضت اپنی بڑائی کے لئے کر رہا ہے' خود کو پارسا بنانے کے لئے کر رہا ہے' خود کو نیک منوانے کے لئے کر رہا ہے۔ میری عظمت کا احساس اسے نہیں ہے۔ تو فرمایا "تھا ہی کافر" لیکن جب تک اس کا کفر کھلا نہیں تب تک اسے سزا نہیں دی۔ اگر آپ کو کوئی شخص یہ بتادے کہ یہ شخص قاتل ہے' قتل کرے گا تو آپ یقیناً کہیں گے جب کرے گا تو دیکھی جائے گی۔ اب اس بات پہ کہ وہ یقیناً قتل کرے گا تو اس پر اسے سزائے موت تو نہیں دی جاتی۔

مرتد طریقیت

اب وہ سوال آگیا جو لوگ اکثر پوچھتے تھے کہ بعض سالکین ایک بڑے کامل ولی اللہ کے ساتھ رہ کر مراقبات حاصل کرتے ہیں' انتہائی بلند مقامات تک پہنچتے ہیں' پھر وہ ضائع ہو جاتے ہیں' پھر وہ سلاسل سے خارج ہو جاتے ہیں' ان کی کیفیات چلی جاتی ہیں تو اگر ان میں ان کیفیات کے رکھنے کی استعداد نہیں تھی' انہیں وہ نصیب کیوں ہوئیں۔ جس طرح شیطان کو عبادات پر بلندیاں نصیب ہوتی رہیں۔ اسی طرح اہل اللہ کے ساتھ بھی جو لوگ اپنی بڑائی کی طلب پہ' اپنے آپ کو بڑا بنانے کی غرض سے لگ جاتے ہیں' انہیں وہ کیفیات وقتی اور لمحاتی طور پر آتی رہتی ہیں' مراقبات بھی ہوتے ہیں' منازل سلوک بھی ہوتی رہتی ہیں' لیکن جس طرح شیطان کا بھانڈا پھوٹ گیا آخر ان کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے اور سب کچھ ضائع ہو جاتا ہے۔

اس لئے ایسے لوگوں کے پاس محض اللہ کی بڑائی کو سمجھنے کا شعور حاصل کرنے کے لئے آنا چاہئے۔ اپنے آپ کو بڑا بنانے کے لئے نہیں اور آپ دیکھیں کہ جتنے لوگ ضائع ہوتے ہیں ان میں یہی شیطانی عنصر آجاتا ہے کہ میں

بہت بڑا آدمی ہوں۔ تو میں نے اس کا ضمنا" جواب عرض کر دیا' اس لئے نہیں کہ لوگ اس کا شکار ہوئے بلکہ اس لئے کہ اللہ کرے کوئی اس کا شکار نہ ہو۔ مصیبت سے بچنے کے لئے' بیماری سے بچنے کے لئے' کسی دکھ سے بچنے کے لئے اس کا جاننا بہت بڑا ممدو معاون ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ نے بار بار دوزخ کا اور اس کے عذابوں کا تذکرہ فرمایا کہ لوگ جانتے ہوں گے تو بچنے کے لئے کوشش بھی کریں گے۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ آپ کسی بزرگ کے پاس' کسی ولی کے پاس' کسی شیخ کے پاس بیٹھے اور آپ کو مراقبات ہو گئے منازل سلوک ہو گئے۔ تو یہ یاد رکھیں کہ ان سب کے حصول سے بھی اگر اپنی بڑائی مراد ہے تو پھر خطرہ ہے ان کے جاتے ہوئے کوئی دیر نہیں لگے گی۔ بلکہ انسان الٹا مجرم کہلائے گا کہ اپنی بڑائی کے لئے اس شے کو استعمال کیا جو اللہ کی بڑائی کے اظہار کا ذریعہ تھی۔ اس لئے آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ مرتد شریعت کی طرح مرتد طریقت کافر نہیں ہوتا۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں مرتد طریقت کافر تو نہیں ہو جاتا لیکن عام طور سے مرتے کفر پر ہی ہیں۔ جب طریقت سے کوئی رد ہوتا ہے تو اللہ کی شان کہ ایمان بچا کر بھی دنیا سے نہیں لے جاتا۔ اگرچہ یہ ارتداد کفر نہیں لیکن ایمان کو باقی رکھنے کی صلاحیت منفی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ کافر ہو کے مرتا ہے۔

قرآن حکیم نے کہا وَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ۔ آپ کے ساتھ معاہدہ بیعت کر کے جس نے توڑا اس نے اپنے آپ کو توڑا وَمَنْ نَّكَثَ جس نے توڑا۔ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ اس کی وہ ٹوٹ پھوٹ اس کی اپنی ذات پر پڑی۔ اس نے خود کو توڑ پھوڑ دیا' تباہ کر دیا' وہ خود باقی نہ رہا۔ تو یہ چند گزارشات تھیں جو انسانی عظمت پہ دلالت کرتی ہیں۔ انسان کو انسانیت نصیب ہی اس روح کی وجہ سے ہے جو اللہ کی صفات کے نفخ سے تعلق رکھتی ہے' جو عالم امر کی تجلی سے ہے اور قرب الہی کی بنیاد بھی وہی روح ہے۔ کسی سے اس کی نفی ہو جائے تو وہ انسان انسان نہیں رہتا۔ بلکہ قرآن کی اصطلاح میں

اولئک کالانعام چارپاؤں کی طرح عام حیوانوں کی طرح ہو جاتا ہے۔
بل ھم اضل بلکہ وہ ان سے گیا گذرا کہ عام حیوان تو تخلیقی طور پر حیوان تخلیق ہوئے اور یہ شرف انسانیت ضائع کر کے وہاں گیا۔ اللہ کریم ہمیں سمجھ کے ساتھ توفیق عطا فرمائے اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے۔

☆ ☆ ☆

قلب کی اہمیت

قلب ایمان کا محل ہے

قرآن حکیم نے ہدایت اور ایمان کا محل قلب کو قرار دیا ہے۔ جو لوگ اپنی بدقسمتی سے ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں ان کے قلوب مردہ ہو جاتے ہیں' اس محرومی کا ظاہری جسمانی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا' دماغی قواء پر کوئی اثر نہیں پڑتا' سماع اور بصارت ظاہری باقی رہتی ہے' بات سنتے ہیں' بات سمجھتے ہیں دنیا کے سارے کام کرتے ہیں لیکن دل مردہ ہو جاتے ہیں اور دل کے مردہ ہونے کا سبب انسان کے وہ اعمال ہوتے ہیں' جو وہ اپنے خواہشات نفس یا شیطان کے تابع ہو کر کرتا ہے۔

اللہ کریم گذشتہ اقوام کے حالات بطور مثال پیش فرماتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معبوث ہوئے' تو جن لوگوں نے ان کی خدمت میں آکر ایمان قبول کیا' ان کا انجام دنیا میں کیا ہوا' اور آخرت میں کیا ہو گا۔ جنہوں نے انکار کیا' انہیں دنیا میں کن مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا اور آخرت میں ان کا انجام کیا ہو گا۔

انسان کا اختیار تمیزی

وضاحت کے ساتھ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ رب العالمین نے انسان کو فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے وہ چاہے تو شکر گزار بن جائے اور چاہے تو انکار کر کے بھی دیکھ لے۔ اگر اس پر کوئی فیصلہ مسلط کیا جائے تو اس کا اختیار نہیں رہتا تو اخروی جواب طلبی ہی نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے اور انسان کے اس اختیار تمیزی

کا ثمرہ ہے کہ حضور نبی رحمت ﷺ کی زبان حق سے سننے کے باوجود بھی بعض لوگ ایسے ازلی بدبخت تھے کہ وہ کافر رہے۔ کتنی ہی وزنی دلیل یا کوئی بڑی معقول بات بھی کہی جائے تو جواب میں کافر یہ کہتے ہیں کہ ان بے چاروں کو دھوکا ہوا ہے یعنی بجائے اس کے کہ وہ اس سے اثر پذیر ہوں یا اس سے فائدہ حاصل کریں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں دھوکا لگا ہے۔ ایک بات حق بھی ہو پھر اس حق کو اللہ رب العزت ارشاد فرمائیں۔ اللہ کی بات بندوں تک پہنچانے کے لئے نبی رحمت ﷺ کی زبان مبارک ہو' آپ کا اندازِ تخاطب ہو' وہ قوت بھی اس کے ساتھ ہو' آپ کا حسن و جمال آپ کی برکات' آپ کے انوارات بھی ساتھ شامل ہوں' اتنی ساری خوبیوں کے باوجود کافر سن کر یہ کہہ دے کہ ان مسلمانوں کو دھوکا لگا ہے' حقیقت یہ نہیں ہے۔ تو ایسا کیوں ہوتا ہے؟

الفاظ کی بندش کے ساتھ آواز کی خوبصورتی بھی شامل ہو جائے اور بیان کرنے والے کا ذاتی حسن بھی ہو تو انسانی مزاج ایسا ہے کہ ان سب باتوں کو وہ نہیں ٹھکرا سکتا۔ جہاں تک کلام کے حسن کا تعلق ہے تو "کلام الملوک' ملوک الکلام" بادشاہوں کا کلام' کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ رب العزت کا کلام ہو تو وہ بے مثل' بے مثال ہو گا۔ بیان فرمائیں نبی رحمت ﷺ تو حسن کلام کے ساتھ' آواز کا حسن' آپ کی ذات کا جمال اور آپ کے برکات و انوارات شامل ہو کر اسے کتنا موثر اور کتنا پرتاثیر بنا دیتے ہیں۔ بات حق ہو' خوبصورت ہو' انداز بیان دلنشین ہو' بیان کرنے والا بے مثال انسان ہو' تو یہ سب کچھ سننے کے باوجود بھی انسان اثر پذیر کیوں نہیں ہوتا اور صرف یہ نہیں کہ متاثر نہیں ہوتا بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان بے چاروں کو دھوکا لگ رہا ہے۔

کلام باری کی سمجھ کے اصول

اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا ان کے ذہن ماؤف ہو گئے' ان کی عقل ماری گئی' وہ سن نہیں سکتے' ان کے کان نہیں ہیں' وہ دیکھ نہیں سکتے' آنکھ نہیں ہے'

یا وہ جانچ نہیں سکتے' سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اصل میں کلام باری کا محل دماغ نہیں ہے' کلام الٰہی کو سمجھنا یا اس کا تجزیہ کرنا دماغ کا کام نہیں ہے' اس کا محل قلب انسانی ہے۔ یہ استعداد صرف قلب کو دی گئی ہے کہ وہ عالم بالا کی بات کو سمجھ سکے' عالم بالا کے ساتھ رابطہ قائم کرنا' وہاں کے حالات کو سمجھنا' وہاں کی بات کو سننا' وہاں تک اپنی رسائی پیدا کرنا' اور وہاں تک اس قدر تعلق پیدا کر لینا کہ آدمی زمین پر ہو لیکن اس کا کردار عرش نشینوں جیسا ہو وہ زمین پر رہتا بستا ہو' کھاتا پیتا ہو' چلتا پھرتا ہو لیکن اس کا قلب' اس کی روح لامکان میں رہتی ہو اور لامکاں کی وسعتیں اکثر سالکان طریقت کے فہم سے بہت بالاتر ہیں۔

لَا مَکَانْ فَوقِ فہمِ سَالِکَاں۔

اس راہ کے سارے مسافر وہاں تک نہیں پہنچ پاتے۔ سمجھنے کے لئے یہ کیفیت ضروری ہے کہ آدمی کا دل زندہ ہو اور وہ اس راستے پر چل رہا ہو۔

مہر قلبی

لیکن کافر کی مصیبت یہ ہے کہ ذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

ان جاہلوں کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی۔ کفر میں بھی انسانی کردار متاثر کرتا ہے۔ ایک شخص کو دعوت الیہ پہنچی ہی نہیں' کسی نبی' کسی رسول کا پیغام نہیں پہنچا' اگر اس کا کردار انسانی ہے' اس میں دوسروں کے لئے جذبہ ہمدردی ہے' دوسروں کے حقوق چھیننے سے ڈرتا ہے' اس کے اخلاق نیک ہیں' تو اس کے دل پر مہر نہیں کی جاتی۔ اس میں قبول ایمان کی استعداد باقی رہتی ہے۔ جب اس کے پاس انوارات نبوت میں سے نور کا کوئی شمہ پہنچتا ہے تو فوراً منور ہو جاتا ہے' ایمان لے آتے ہیں۔ لیکن کردار چھوٹ جائے' عملی زندگی میں انسان دوسروں کے حقوق کی پرواہ نہ کرے تو مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔ انسان کی اخروی زندگی اور قبول ایمان کی استعداد پر کردار کا اتنا

اثر ہوتا ہے کیونکہ ہر برائی دل پر ایک سیاہی پیدا کرتی ہے جسے صرف اور صرف توبہ اور پشیمانی کے آنسو دھو سکتے ہیں۔ برائی اگر چھوٹی بھی ہو اور اسے مسلسل دہرانا شروع کر دیا جائے تو اس پر مہر کر دی جاتی ہے۔

بندے اور رب کے رشتے کی نوعیت

ہر فرد کا تعلق براہ راست رب جلیل سے ہے اور یہ اتنا خفیہ تعلق ہے کہ خدا کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ سب سے زیادہ وسیع اور باریک بیں نظر محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے' سب سے زیادہ علوم من جانب اللہ جس ہستی کو فرمائے گئے وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب لوگ جنت اور دوزخ کو جا چکے ہوں گے' میدان حشر خالی ہو جائے گا تو اس وقت آپ ﷺ کو یہ اعزاز دیا جائے گا کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں' جن کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہو گا اور اپنے گناہوں کی وجہ سے' اپنی بداعمالی کی وجہ سے جہنم میں چلے گئے ہیں انہیں جہنم سے نکال لیجئے۔ تو حضور ﷺ عرض کریں گے کہ بارالٰہ جن میں شمہ ایمان کا تھا وہ میں نے دوزخ سے نکلوا دیئے' جنت میں داخل کروا دیے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد تین لپ بھر کر ذات باری خود دوزخیوں کو دوزخ سے نکالیں گے۔ اس لپ میں کتنے کروڑ یا کتنے کھرب ہوں گے یہ اللہ ہی جانتا ہے یعنی اتنا باریک ایک درجہ ایمان کا بھی ہو گا جو حضور اکرم ﷺ کی باریک بین نگاہ اطہر سے بھی رہ جائے گا' جو صرف رب جلیل جانتے ہوں گے' کسی اور کو علم نہیں ہو گا' یہ فرد کا رب العالمین سے ذاتی تعلق ہے۔

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ..... وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔

نبی رحمت ﷺ کو کچھ لوگوں کے متعلق بتا دیا گیا کہ ان پر آپ محنت نہ فرمایا کریں' ان کے پیچھے مت جائیں' باتیں نہ سنائیں' انہیں سمجھانے کی کوشش

نہ کریں کیونکہ آپ ﷺ کا سمجھانا یا نہ سمجھانا ان کے لئے برابر ہے' ان پر بے اثر ہے' یہ کبھی نہیں مانیں گے' ایمان نہیں لائیں گے' یہ ایمان لا سکتے ہی نہیں۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ظاہری کان سے نہیں سنتے' یا ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھتے فرمایا خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ یعنی ان کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی۔

یہاں یہ سوال پیش کیا گیا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ جب اللہ نے کسی کے دل پر مہر کر دی اور قبول کرنے کی استعداد ہی نہیں رکھی گئی تو پھر اس کو جہنم میں جھونکنا اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہے۔

مہر قلبی کے نتائج

تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ رب کریم زبردستی مہر نہیں کرتے' لوگ اپنے کردار سے دلوں پر مہر لگوا لیتے ہیں' اس آیت کے تحت مفسرین نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک گناہ کرو تو دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے' توبہ نہ کی جائے' تو دوسرا گناہ اس میں اضافہ کرتا ہے' تیسرا اس میں اور اضافہ کرتا ہے اور مسلسل برائی اس ظلمت کو بڑھاتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ جب کلی طور پر دل سیاہ ہو جاتا ہے تو اس پر مہر کر دی جاتی ہے۔ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس ناقدری کی سزا کے طور پر اس کے لئے واپسی کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔ اللہ نے اسے وہ قلب عطا فرمایا جو جمال باری کی استعداد رکھتا تھا' اللہ کریم سے بات کرنے' بات سننے کی استعداد رکھتا تھا' ساری کائنات کو چیر کر عرش عظیم سے بالاتر عالم امر اور لامکاں تک پہنچنے کی استعداد رکھتا تھا' اس کو اس نے بری طرح سے ضائع کیا اور بندہ نفس کی چھوٹی چھوٹی خواہشات' دنیا کی چھوٹی چھوٹی لذات میں مبتلا ہو کر اسے تباہ کر دیتا ہے۔ جب یہ کلی طور پر تباہ ہو جاتا ہے' تو پھر دوبارہ بنانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ گرتے پڑتے اگر اس کا کوئی کھنڈر باقی ہے تو توبہ سے مرمت ہو سکتی ہے' دوبارہ تعمیر ہو سکتا ہے لیکن ایک درجہ ایسا بھی آتا

ہے جب توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

مہر قلبی سے کردار کی تبدیلی

جب دل پر مہر کر دی جائے تو حقائق افسانے لگتے ہیں۔ آج بھی ایک حافظ یا قاری خوش الحانی سے تلاوت شروع کرتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے ساری کائنات کا نظام ٹھہر گیا ہے۔ اللہ کا کلام ہو اور نبی رحمت ﷺ تلاوت فرما رہے ہوں' ان کی آواز آ رہی ہو' تو کیا سماں ہوتا ہو گا۔ لیکن مشرکین مکہ کے ایک خاص طبقے پر کیا اثر ہوا' کہنے لگے۔

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ

یعنی اس قرآن کو مت سنو' جب حضور قرآن پڑھیں' تو تم شور کیا کرو۔ اس بات کو چھوڑیے کہ ایمان نہیں لائے' قبول نہ کیا آواز کی خوبصورتی کا بھی ایک انداز ہوتا ہے' حسن صوت بھی کوئی شے ہے' اس حسن سے لطف اندوز ہونے کے لئے آدمی سن ہی لیتا ہے کہ آواز مزے دار ہے' کتنے خوبصورت انداز میں ادا کئے جا رہے ہیں لیکن اس کلام کا سارا حسن صرف دل کے لئے ہے' دل ہی اسے محسوس کرتا ہے۔

میں ایک مغربی محقق کا مضمون پڑھ رہا تھا۔ قرآن کے بارے میں اس کی رائے یہ تھی کہ میں عربی تو نہیں جانتا ہوں' میں نے قرآن کا انگریزی ترجمہ ہی پڑھا ہے۔ مستشرق ہے' علوم شریعہ پر تحقیق کرنے والا آدمی ہے' ساری زندگی علوم الٰہی پر تحقیق کرتے گزار دی لیکن اسے قرآن کے معنی تو دور کی بات ہے قرآن سے لطف لینے کا بھی طریقہ نہیں آیا۔ معانی سے مراد تو یہ ہے کہ آپ کوئی میٹھی یا مزے دار چیز کھا لیں اور اس کے اجزاء سے بھی واقف ہوں۔ اگر آپ اجزاء سے واقف نہ بھی ہوں تو اس کی مٹھاس' اس کی لذت تو اثر کرتی ہے لیکن وہ غریب اس سے بھی محروم رہا' کیونکہ ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں۔

حیات قلبی سے لاپرواہی کا نتیجہ

ہم نے مسلمان ہونے کے باوجود دل کی حیات کی پرواہ ہی نہیں کی۔ اب تو ایسا دور آگیا ہے کہ لوگ دعویٰ اسلام کے ساتھ ساتھ اس کی تردید کرتے ہیں' اس کی ضرورت اور اہمیت ہی سے انکار کرتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ انہیں قرآن الف لیلیٰ کی داستان نظر آتا ہے۔ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن پڑھاتے ہیں لیکن محض کہانیوں کی ایک کتاب کی طرح' اعمال پہ اثر انداز نہیں ہونے دیتے۔ قرآن بیان کر رہے ہوتے ہیں لیکن دل میں دولت کی طلب ہوتی ہے۔ کسی کو سمجھ آنے یا نہ آنے سے انہیں غرض نہیں ہوتی۔ توقع یہ ہوتی ہے کہ سننے والا میرے انداز بیان کی داد دے۔ آپ سامعین سے اندازہ کرلیں کہ مقرر بڑی پرجوش تقریر کر رہا ہے۔ سامعین سنتے ہیں اور جب جلسے سے باہر آتے ہیں تو آپ کسی ایک کو روک کر پوچھ لیں تو وہ آپ کو اس کا انداز بیان بتائیں گے' زور خطابت بتائیں گے' اس کے جوش اور جذبے کی تعریف کریں گے۔ اس کے برمحل شعر پڑھنے کی تعریف کریں گے' موضوع کیا تھا؟ وہ کیا چاہتا تھا' وہ کیا سمجھانا چاہتا تھا شاید ہی کوئی آپ کو یہ بتا سکے۔ نہ بیان کرنے والے کی یہ خواہش ہے' نہ سننے والے کو اس کی فکر ہے' وہ اپنے زور خطابت کی داد چاہتا ہے' یہ اس کے حسن خطاب پر لٹو ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جلسے سے نکل کر بیان کرنے والا بھی' بیان سننے والا بھی' اپنے اپنے عمل میں آزاد ہوتا ہے' جو جس کے جی میں آئے کرتا ہے' تقریر نہ سامع کو متاثر کرتی ہے' نہ بیان کرنے والے کو۔

جتنی تبلیغ دین کی آج ہو رہی ہے تاریخ کے کسی حصے میں اتنی تبلیغ نہیں ہوئی۔ تبلیغی جماعتیں جگہ جگہ درس دیتی ہیں' مساجد میں ہر صبح بیان ہوتا ہے' اخبار میں درس قرآن کے لئے جگہ مخصوص ہوتی ہے' رسالے ہیں جو صرف مذہبی تعلیم پھیلا رہے ہیں' ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تقریریں اور درس آتے ہیں اور قرآن و حدیث کی شروح بیان کی جاتی ہیں' اس سب کا کیا اثر ہے؟ ریڈیو سٹیشن سے ہم نے کتنے لوگوں کو نمازی بنا لیا ہے' ہم ٹیلی ویژن پر تقریر کرتے ہیں

تو اس کے نتیجہ میں کتنے لوگوں کی زندگی بدل گئی۔ وہ لوگ جو ہماری تقریریں ریکارڈ کر کے نشر کرتے ہیں' وہ نماز نہیں پڑھتے' ان کا کچھ بگڑتا سنورتا نہیں۔ جس طرح ایک گویے کا گانا ریکارڈ کر لیا' ایک سکالر کی بحث ریکارڈ کر لی اور ریلے کر دی' اسی طرح ایک دینی مقرر کی تقریر ریکارڈ کر کے اور ریلے کر دیتے ہیں۔ تعریف اگر کرتے ہیں تو کہتے ہیں آپ کی آواز بڑی خوبصورت ہے' بہت اچھی ریکارڈ ہوتی ہے' آپ کے الفاظ بہت خوبصورت تھے' آپ کے جملے بڑے خوبصورت تھے' چھوٹے چھوٹے جملے تھے' مگر معنی بہت تھے' آگے کچھ نہیں۔

بے ہوش قلب کے کرتوت

اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اگر ہم نے قلوب کو مرنے نہیں دیا تو انہیں زندہ بھی نہیں چھوڑا۔ اگر ہمارے قلوب میں کوئی حیات باقی ہے تو یہ اللہ کی عطا ہے۔ جہاں تک ہمارے کردار کا تعلق ہے دل اگر مردہ نہیں ہے تو بے ہوش ضرور ہے۔ بے ہوش اور مردہ میں صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ یہ سانس لیتا رہتا ہے وہ سانس نہیں لیتا۔ جس طرح مردہ نفع نقصان سے بے خبر ہوتا ہے اسی طرح بے ہوش بھی بے خبر ہوتا ہے۔ یہ تمام کوشش کوئی اثر نہیں کرتی۔

حج کے موقع پر ایک دفعہ صدر مملکت ضیاء الحق نے ایک جملہ کہا تھا کہ ہمارے ہاں سے پچاس ساٹھ ہزار حاجی ہر سال حج پر جاتے ہیں۔ اس ملک کو بنے ہوئے' نصف صدی ہونے کو آئی ہے۔ کاش وہ حاجی ہی سدھر جاتے تو آج تک آدھی سے زیادہ آبادی نیک اور صالح لوگوں کی ہوتی۔

دو آدمیوں کا ملکیت کا کوئی تنازعہ تھا۔ گورنمنٹ نے کمیشن بھیجا انہوں نے پیائش کی۔ ریونیو ریکارڈ والے پاس موجود تھے۔ ایک فریق نے سات حج کئے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا کتنی دفعہ حج پر گئے ہو "سات دفعہ گیا ہوں۔" میں نے کہا خدا آپ کو آٹھویں دفعہ بھی لے جائے سچ بتا دو اس ساری پیائش کے نتیجہ میں تمہیں کیا حاصل ہو گا۔ کہنے لگا مجھے آپ کی بات کی سمجھ نہیں آئی۔ میں

نے کہا تم نے سات حج کا سرمایہ ضائع کر دیا کم از کم وہ رقم پاس رکھ لیتے کتنا اچھا ہوتا۔ اگر مجسٹریٹ کے حکم کے بغیر تم اپنے حج کے طفیل حق کو حق مان لیتے اور کہتے کہ مجھے عدالت کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے میں جو کچھ نہ سمجھا سکا تھا اب سمجھ لیا ہے۔ ہوا وہی کہ عدالت نے اسے حکم دے دیا اور اسے ماننا پڑ گیا' لیکن اس کے حج اس سے نہ منوا سکے تو کیا فائدہ ہوا۔

قلب ہی اثر پذیر ہے

جب عملی زندگی پر حج کا اتنا اثر بھی مرتب نہیں ہوتا تو کیا حج میں کوئی اثر نہیں ہے' بیت اللہ میں کوئی اثر نہیں ہے' یا صفا اور مروہ کی بھاگ دوڑ سے کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ میدان عرفات میں آنا جانا یہ سارا فالتو کام ہے' خدا نے بلاوجہ لوگوں پر مسلط کر دیا ہے کہ اس کا کوئی اثر نہ ہو۔ کوئی حکیم ایسی دوا بھی کھلاتا ہے جس میں کوئی اثر نہ ہو۔ ان سب میں اثر موجود ہے لیکن اثر پذیر ہونے کے لئے قلب چاہئے۔ قلب محض پمپنگ مشین نہیں' لطیف قلب بھی چاہئے جو عالم امر سے اس پمپنگ مشین میں ودیعت کیا گیا ہے۔ اس قلب کی زندگی درکار ہے۔ اگر وہ زندہ ہو جائے تو حج پر نہ جا کر بھی عظمت کعبہ اس پر واضح رہتی ہے۔

لیکن اگر دل زندہ نہ ہو تو یہ آنا جانا ایک پکنک' ایک تڑپ کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ سمجھ لیں کہ گئے سیر کی اور واپس آگئے ورنہ وہاں تو عجیب عجیب کیفیتیں ہوتی ہیں۔

سیاہی آنکھوں کی لے کر میں تجھ کو نامہ لکھتا ہوں
کہ جب نامے کو تو دیکھے میری آنکھیں تجھے دیکھیں

بیت اللہ شریف میں جا کر یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ یہی وہ پتھر ہیں جنہیں حضور ﷺ نے دیکھا ہے یعنی آپ کو سارے آثار مٹتے نظر آئیں گے لیکن یہ پتھر تو وہی ہیں جن پر حضور ﷺ کی مبارک نگاہ پڑی ہے۔ اس کے ساتھ بیت

اللہ کی اپنی عظمت' اپنے انوارات اور تجلیات اس کے علاوہ ہیں۔ ان ساری چیزوں کے ساتھ یہ کتنی مزے دار بات ہے کہ اس نگاہ کو آپ کی نگاہ بوسے دے سکتی ہے جو نگاہ اس پتھر میں سمو گئی ہے وہ محض پتھر تو نہ رہے بڑی برکات کے حامل ہیں' لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ پھر بھی ہم پہ کوئی اثر نہیں ہوتا۔

حق تو یہ تھا کہ جو نگاہ پاک ان پتھروں سے ہماری نگاہ کے ساتھ ٹکراتی وہ آنکھوں کے راستے سینے میں' دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی۔ ہماری زندگی کو بدل دیتی' ہماری سوچ کو بدل دیتی' سوچ کے انداز کو بدل دیتی۔ لیکن کتنے دکھ کی بات ہے کہ ہم وہاں سے بہت چیزیں خرید لاتے ہیں' اللہ نے اجازت دی ہے منع نہیں' قیمتاً خرید کر لاتے ہیں بیچ سکتے ہیں' لیکن کچھ برکات بھی لانی چاہئیں۔ اگر دل ویسے ہی مردہ لے آئے اور دنیا ہی لے کر آ گئے تو کیا فائدہ ہوا۔

تزکیہ و علماء کی تاریخ

آج اس دور سے پہلے' تقسیم ملک سے پہلے کے علماء کی تاریخ پڑھیں تو ہر عالم کی زندگی میں آپ کو یہ بات ملے گی کہ فلاں مدرسے سے تکمیل علم کیا' پھر فلاں بزرگ کے پاس اتنا عرصہ رہ کر ان کی توجہ حاصل کی یا ان کی خدمت میں رہے ہر عالم کا طریقہ یہ تھا کہ جب مدرسے سے فارغ ہوتے تو کسی خانقاہ کا رخ کرتے۔ سال' دو سال' چار سال جتنا نصیب تھا ان بزرگوں نے پاس رکھا' ان کے پاس رہے' اپنے آپ کو سنوارا' کمالات باطنی اور حیات قلبی حاصل کی پھر میدان میں آئے۔ اب مصیبت یہ ہے کہ اول تو کوئی تکمیل نصاب کرتا نہیں ہے' طالب علم مدرسوں میں جاتا ہے' صرف تقریر کرنے کا ڈھنگ آ جاتا ہے تو مدرسہ چھوڑ کے چلا جاتا ہے اور مدرسے ایسے بن گئے ہیں جو تقریر کرنا سکھا دیتے ہیں۔ ایسے مدرسے ہمارے ملک میں موجود ہیں' سب فنڈز لیتے ہیں' امداد لیتے ہیں' زکوۃ لیتے ہیں' قربانی کی کھالیں لیتے ہیں' جو کچھ ملتا ہے لیتے ہیں لیکن سال میں ایک مہینہ آپریٹ کرتے ہیں۔ رمضان شریف میں لوگوں کو جمع کر لیتے ہیں'

انہیں چند تقریریں یاد کروا دیتے ہیں اور سند دے دیتے ہیں کہ یہ شخص فارغ التحصیل عالم ہے باقی سارا سال گلی محلے کے بچوں کو الف ب ت پڑھاتے رہے۔

ہمارے دینی علم کی یہ حالت ہے۔ دوسری زیادتی یہ ہے کہ تقریریں رٹ کر میدان میں آنے والے علماء کے پاس تو قلبی حیات ہوتی نہیں' نہ وہ اس موضوع سے واقف ہوتے ہیں' اپنی اس کمزوری کو محسوس کرنے کی بجائے اس کی تردید شروع کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس قسم کی کوئی چیز نہیں ہوتی اور یہی نہیں سب خرافات ہیں۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

ایک بہت بڑے مشہور عالم نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں کسی دوست سے کہا' کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ مسمریزم کرتے ہیں اس نے کہا کہ مولانا ایک بات بتائیے۔ میں بدکار سہی' آپ کی تقریریں مجھے متاثر نہیں کر سکیں' میں تو آپ کے شہر میں آپ ہی کے پڑوس میں رہتا ہوں۔ البتہ اس مسمریزم نے مجھے برائی سے نیکی کے راستے پر ڈال دیا۔ اگر یہی مسمریزم ہے تو میرے لئے اکسیر ہے۔ جو مسمریزم شیطان سے چھڑا کر اللہ کے دروازے پر کھڑا کر دے' اگر آپ اسے مسمریزم کہیں تو بھی میرے لئے باعث حیات ہے۔ اس نے کتنی خوبصورت بات کہی آپ اس کا کوئی بھی نام رکھ لیں۔

حیات قلبی کی ضرورت

اس دور کی بے نصیبی اور بدقسمتی ہے کہ حیات قلب کا حصول تو دور رہا' اس بات کا اقرار کرنے سے لوگ گریزاں ہیں کہ یہ بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ رابطہ الٰہی اور وہ تعلق جو بحیثیت مخلوق اپنے خالق سے استوار کیا جا سکتا ہے یا جسے آپ ایمان کہیں' آپ اسے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیں یا عشق رسول کا نام' کوئی بھی نام دیں بات ایک ہی ہے کہ دل زندہ ہو جائے۔ یہ

ساری باتیں اس کے مفاہیم بن جاتی ہیں۔ اس کی مختلف جہتیں بن جاتی ہیں' اصل ایک ہی رہتی ہے کہ دل زندہ ہو۔ اگر دل مرجائے تو مردوں کو جس طرح ہم دفن کر دیتے ہیں اسی طرح اس مردے کو من جانب اللہ درگور کر دیا جاتا ہے فرمایا۔

ذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ دیکھو لَا یَعْلَمُوْنَ کہا کچھ نہیں جانتے جاہل ہیں اور سمجھتے ہیں۔ کہ بڑے فاضل ہیں۔ لیکن جب دل مر جاتا ہے تو اس کے پاس از قسم علم کچھ بھی نہ رہا معلومات کا ذخیرہ رہ گیا۔

اب اس کے جواب میں کیا ہوتا ہے: فَاصْبِرْ آپ صبر کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ کیجئے' وَعْدَ اللّٰہِ حق بلاشک اللہ کا وعدہ تو کھرا ہے' بات تو اسی پر قائم ہے۔ میدان حشر قائم ہو گا فیصلہ ہو گا اور جو لوگ یقین نہیں کرتے اے میرے حبیب! ان کا یقین نہ کرنا آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یقین نہ کرنا خود ان کے لئے وبال جان ہے' آپ کا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

حیات قلبی کے ثمرات

تو پیام الٰہی کا محل ہی قلب ہے۔ اس میں نہ صرف حیات چاہئے بلکہ اس میں ہوش اور حواس چاہئے' اس میں زندگی کی خصوصیات چاہئیں' اللہ کریم عطا فرمائے۔

آپ نے کسی حد تک ضرور تجربہ کر لیا ہو گا کہ ذکر قلبی اور حیات قلبی کی جستجو میں نکلنے کے بعد گناہ کی کڑواہٹ محسوس ہوتی ہے' نیکی کی لذت اور اس کی شیرینی محسوس ہوتی ہے اور ذکر میں آنے سے پہلے اور ذکر کے بعد کی نمازوں میں فرق محسوس ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل ہی وہ شے ہے جو اس مٹھاس کو محسوس کر سکتا ہے۔ جب ہم اس حیات کی طرف چلتے ہیں تو اللہ کریم جتنا جتنا یہ نعمت عطا فرماتے جاتے ہیں دل اتنا مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان چیزوں میں ایک نیا لطف' ایک نئی لذت محسوس ہونے لگتی ہے۔ گناہ سے نہ

صرف نفرت ہوتی ہے بلکہ اس کی تلخی اور کڑواہٹ محسوس کرتا ہے' اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ کریم توفیق ارزاں فرمائے۔

☆ ☆ ☆

مکلف قلب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔

پندرہویں پارے میں سورۃ بنی اسرائیل کے تیسرے رکوع کی آیات ہیں۔ ان سے پہلے اور ان کے بعد کی آیات میں رب جلیل نے معاملات اور اخلاقیات کا اسلامی انداز و اسلوب بیان کیا ہے اس پر بحث فرمائی گئی ہے۔ یہاں ایک جملے میں انسانی زندگی کی راہ متعین کرنے کے انداز کو سمیٹ دیا گیا ہے اور وہ بڑا سیدھا سا قانون ہے۔

گمراہی کا سبب

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ جس شے کے متعلق تجھے یقینی علم حاصل نہیں ہے اس پر کسی عمل کی بنیاد مت رکھو' اس کے پیچھے مت پڑو۔ اگر ہم اپنے اردگرد دیکھیں تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ انسان کی گمراہی کا بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ یقینی اور قطعی تعلیمات جو انبیاء علیہ السلام کی معرفت نصیب ہوتی ہیں' انہیں چھوڑ کر اوہام اور ظنیات کے پیچھے بھاگنے لگتا ہے۔ بنیادی طور پر ایمان کے ضائع کرنے کا سبب ہی یہ بنتا ہے کہ جو باتیں اپنا کوئی قطعی ثبوت نہیں رکھتیں' انسان ان کے پیچھے بھاگنے لگتا ہے اور ان دلائل کو چھوڑ دیتا ہے جو قطعی ہوتے ہیں' جو بالکل سچے اور کھرے ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ اتنا عام اور انسانی زندگی میں اتنا دور تک جاتا ہے کہ بے شمار سوالات ایسے آتے

ہیں جن میں بتانے والے کا نام نہیں ہوتا کہ اس نے کس حوالے سے بتایا۔ حوالہ نہیں ہوتا کہ کون آدمی تھا اس نے کون سی کتاب میں یہ بات پڑھی یا اسے کس معتبر یا ذمہ دار آدمی نے یہ بات بتائی' یہ کچھ نہیں ہوتا۔ صرف یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں ایسا ہوتا ہے۔ آپ اگر تجزیہ کریں تو اپنی زندگی میں آپ کو بے شمار ایسی چیزیں ملیں گی جن کے پیچھے صرف یہ ایک بات ہے کہ لوگ ایسا کہتے ہیں' کون کہتا ہے کسی کا نام نہیں ہے' وہ کیسا آدمی ہے' کوئی پتہ نہیں ہے۔ ایسی بات کو قابل اعتنا ہی نہ سمجھا جائے۔ دین ایک رواج نہیں بلکہ اسلامی زندگی کا' مسلمان کی زندگی کا ایک قاعدہ ایک ضابطہ اور ایک قانون ہے۔

غیر ضروری باتوں سے گریز

انسان اگر ان چیزوں پر بحث کرنے سے اجتناب کرے جن کے ساتھ ان کا براہ راست تعلق نہیں ہے تو اس کے سو میں سے ننانوے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ ہم نے اگر اپنے سامنے سو مصیبت کھڑی کر رکھی ہے تو بڑی مشکل سے ان میں سے ایک آدھی ایسی ہو گی جس کے ساتھ براہ راست ہمارا تعلق ہو گا۔ ننانوے ایسی ہوں گی جو محض سنی سنائی ہیں' کسی دوسرے کی ذمہ داری ہے' کسی دوسرے کا فرض ہے' کسی کا حق ہے کسی کا نہیں ہے' وہ سچ ہے یا جھوٹ ہم ذمہ دار نہیں۔

یہاں ایک دوست کبھی کبھی آیا کرتے ہیں۔ آج کل وہ ریٹائرڈ ہیں' کبھی وہ پنجاب کے چیف جسٹس تھے۔ میرے سامنے بڑی پریشانیوں کا رونا رویا۔ میں نے کہا ایک چھوٹی سی بات عرض کروں۔ میرا اپنا یہ قاعدہ ہے کہ میں وہ بات سنا کرتا ہوں جو کسی نہ کسی طرح میرے سے متعلق ہو یا میرا اس میں کوئی کردار ادا کرنے کا موقع ہو یا میری کوئی ذمہ داری ہو۔ اگر میرے متعلق اس میں کچھ نہیں تو مجھے میرے گھر والے بھی وہ بات نہیں بتاتے نہ میں سنا کرتا ہوں۔ انہیں روک دیا ہوا ہے کہ میرے ساتھ وہ بات کی جائے جس کا تعلق میرے ساتھ ہو۔

آپ بھی تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ دوسری دفعہ وہ مجھ سے ملنے آئے تو کہنے لگے اب کوئی مصیبت نہیں رہی۔ جن باتوں سے میرا براہ راست تعلق ہے وہ تو میں پوری ذمہ داری سے ادا کرتا ہوں۔ پریشانی تو ان باتوں کی تھی جن کا میرے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ میں جب اپنی ذمہ داری ادا کرتا ہوں تو دوسرا کیا کرتا ہے کیا نہیں کرتا اس نے اپنے مالک کو حساب دینا ہے' اس نے اپنی قبر میں جانا ہے' اس نے اپنے کئے کا پھل پانا ہے۔

جس قدر فساد معاشرے میں بپا ہوتے ہیں ان کی تحقیق اگر کی جائے تو ان میں بیشتر کی بنیاد ایسی روایات پر ہوتی ہے جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ محض سنی سنائی بات سے کوئی نہ کوئی آدمی بھڑک اٹھتا ہے اور نوبت افراد کے قتل سے لے کر ممالک اور اقوام کی تباہی تک چلی جاتی ہے۔ آپ آج تک دوسری جنگ عظیم کی تباہی کے حالات سنتے آئے ہیں' کروڑوں لوگ مارے گئے' کئی ملک تباہ ہوئے' پوری دنیا جنگ کی لپیٹ میں آ گئی لیکن اس کے شروع ہونے کا سبب تلاش کریں تو معلوم ہو گا کہ ایک سیکنڈ لیفٹیننٹ نے غلطی سے ایک آدمی کو گولی مار دی تھی کسی نے تحقیق کرنا گوارا نہیں کیا کسی نے مطالبہ ہی نہیں کیا' جس آدمی نے غلطی کی تھی اسے سزا دی جاتی مگر اس کے مقابلے میں گولی چلی' پھر گولیاں ہی گولیاں چلیں اور یوں پوری دنیا جنگ کی لپیٹ میں آ گئی۔ یہ ایک واقعہ نہیں ہے۔ زندگی میں جتنے احکام شرعی پہ لوگوں کے شکوک ہیں' جس قدر اعتراضات کئے جاتے ہیں' کسی اعتراض کے پیچھے میں نے آج تک کوئی جامع دلیل نہیں دیکھی۔ اس کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ لوگ ایسا کہتے ہیں سنا ہے ایسا ہوتا ہے تو شرعا" اس جملے کی کوئی حیثیت نہیں۔ بلکہ مسلمان کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ جس بات کے ساتھ ثبوت یا دلیل نہ ہو اس پر وقت ضائع نہ کرے' اس پر توجہ ہی نہ دے' درخور اعتنا ہی نہ سمجھا جائے۔ اس لئے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں سننے' دیکھنے اور محسوس کرنے سے کیفیات کا حساب ہو گا۔

سماعت و بصارت کا احتساب

آپ کو یہ سماعت' یہ بصارت اور یہ غصے اور خوشی کی کیفیات پیدا کرنے والا قلب مفت میں نہیں دے دیا گیا کہ یہ کوئی فالتو چیزیں تھیں اللہ نے پھینک دیں اور آپ نے اٹھالیں۔ یہ اللہ نے آپ کو بہت قیمتی' نادر اور عجیب و غریب خصوصیات کے حامل اوزار دیئے ہیں جس طرح کسی فوجی کو اسلحہ تو دیا جاتا ہے لیکن ایک ایک گولی کا حساب بھی لیا جاتا ہے۔ اس طرح میدان حیات میں آپ کو یہ ہتھیار دیئے گئے ہیں' آپ دیکھ سکتے ہیں' سن سکتے ہیں لیکن فضول باتوں کا دیکھنا یا سننا اللہ کی نعمتوں کو ضائع کرنے کے مترادف ہے اور اللہ اپنی نعمتوں کا حساب لیں گے۔

جس نگاہ کے بارے تمہارا خیال ہے کہ آخر نگاہ چیزیں دیکھنے ہی کے لئے ہے وہ بھی کسی کی دی ہوئی ہے۔ اس سے تم ضرور دیکھو لیکن جو تمہیں چاہئے وہ تلاش کرو' دینے والے کی عظمت کو تلاش کرو' اس کی قدرت کاملہ کے دلائل کو دیکھو' اپنی زندگی کی صاف ستھری راہ کو دیکھو اور تلاش کرو۔ دیکھنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہر فضول بات دیکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ جہاں تک فحش مناظریا بے حیائی کے کاموں کی بات ہے آپ انہیں رہنے دیجئے وہ تو بجائے خود ایک الگ جرم ہے۔ وہ کام جو جرم نہیں ہے' وہ بات جو جرم نہیں ہے لیکن آپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کا دیکھنا بھی شرعاً" بصارت کا ضیاع ہے۔ کیوں دیکھ رہے ہیں آپ؟ اس سے آپ کو کیا غرض ہے؟ کیا مقصد ہے؟ عبرت لینا چاہتے ہیں' سبق حاصل کرنا چاہتے ہیں' کوئی خریدو فروخت کرنا چاہتے ہیں' اگر یہ کچھ بھی نہیں' آپ محض دیکھ رہے ہیں تو اللہ کریم فرماتے ہیں میں نے تو محض دیکھنے کے لئے بصارت نہیں دی۔ آپ نے کبھی نہ سنا ہو گا کہ کسی کو قلم عطا ہوا اور وہ لکیریں مار مار کر کاغذ پھینک رہا ہو۔ آپ نے کبھی یہ سنا کہ کسی سپاہی کو اسلحہ دیا گیا ہو اور وہ ہوا میں محض گولیاں چلا رہا ہو۔ کیا یہ کام دانشمندانہ ہے یا اس پر اس کو معاف کر دیا جائے گا یا اس کی پرسش ہو گی۔

جب تم اپنے ماتحت کو کوئی چیز دیتے ہو تو تم یہ توقع نہیں کرتے کہ وہ بلامقصد اسے خرچ کرے' بغیر کسی ضرورت کے اسے ضائع کرے۔ تو جو نعمتیں تمہیں دی گئی ہیں تم ان کو ضائع کیوں کرتے ہو؟ ہم محض نظارہ دیکھنے آئے تھے' یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ اس لئے کہ تم جو کچھ دیکھتے ہو اس کا جواب دینا ہے۔ ضرور دیکھو' اس کی عظمت کے دلائل کو دیکھو' اس کی صنعت کی نشانیوں کو دیکھو' اپنے لئے عبرت کے سامان کو دیکھو' اپنے کاروبار اپنے معاملات کو دیکھو۔ لیکن جن میں تمہارا کوئی دخل نہیں ہے' تمہارا کوئی نفع و نقصان نہیں ہے' تمہارا کوئی آنا جانا نہیں ہے تو محض صرف دیکھنے کے لئے دیکھنا کہ آنکھ ہاتھ آ گئی ہے اسے استعمال کرو یہ تو درست نہیں ہے۔ اور اگر غیر متعلقہ چیز کو دیکھنا شرعاً درست نہیں ہے تو جن باتوں کو دیکھنے سے روک دیا گیا' جن کا دیکھنا ہی شرعاً حرام ہے تو ان کا دیکھنا کیسا؟ اسی طرح سماعت کا بھی حساب ہو گا۔

کیا سنتے ہیں آپ؟ اللہ کی بات سنتے ہیں' اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد سنتے ہیں' اللہ جل شانہ کے قرب کا کوئی طریقہ' کوئی ذریعہ بتا رہا ہے' وہ سنتے ہیں' کاروبار کی بات سنتے ہیں' اپنے نفع و نقصان کی بات سنتے ہیں' اپنی صحت و بیماری کی بات سنتے ہیں' اپنے فرائض کے متعلق' اپنی ذمہ داریوں کے متعلق کوئی بات سنتے ہیں' اپنے نقصان کا جہاں کوئی اندیشہ ہو وہ بات سنتے ہیں کہ اس سے بچا جائے پھر تو ٹھیک ہے۔ آپ کے کان سننے کے لئے ہیں لیکن ان میں سے اگر کوئی بات نہیں اور آپ محض سننے کے لئے سنتے ہیں۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی یہ تو اللہ کی نعمت کا ضیاع ہوا۔

وجود کی بقاء کے ذرائع

بصارت و سماعت دو ذریعے ہیں۔ اللہ کریم نے جہاں انہیں وجود کی بقا کے ذرائع اور اسباب تلاش کرنے کا سبب اور فریضہ سونپا ہے وہاں انہی اسباب و ذرائع میں اپنی عظمت کے آثار بھی بنا دیئے۔ ہم غذا حاصل کرتے ہیں تو ہر

پھول، ہر پھل، ہر پتہ، ہر ڈالی، ہر دانہ، غذا کا ہر ریزہ، پروردگار کی عظمت کا پتہ دیتا ہے۔ تو آنکھ اور کان جہاں یہ وسائل، ذرائع اور غذا کے ذرات جمع کرتے ہیں وہاں ان کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ ان اسباب و ذرائع کو اس طرح سے جانچیں کہ کہیں وہ اللہ کی بارگاہ سے دوری کا سبب تو نہیں بن رہے، اللہ کی ناراضگی کا سبب تو نہیں بن رہے، یہ صرف پیٹ بھرنے کے لئے نہیں ہیں۔

اعضا و جوارح حیوانوں کو بھی دیئے گئے، انہیں سماعت بھی دی، انہیں بصارت بھی دی لیکن انہیں مکلف نہیں بنایا۔ ان میں وہ استعداد نہیں ہے کہ وہ مالک کو پہچان سکیں۔ انہیں غذا حاصل کرنا ہے اپنا ہے یا پرایا، صاف ستھرا ہے، یا ناپاک ہے، اچھا ہے یا برا، اس سے انہیں غرض نہیں ہے۔ اسی طرح انسانوں کو جو اعضا دیئے گئے ہیں ان کا معیار انسانی ہے۔ انسان کو جائز و ناجائز، حلال و حرام، خوب اور ناخوب، بھلے اور برے کی تمیز بھی کرنا ہے، صرف غذا حاصل نہیں کرنا ہے۔ چونکہ انسانی آنکھ وہاں تک دیکھ سکتی ہے جہاں تک دوسرے حیوانات کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ وہ پاک، پلید، جائز، ناجائز کی باریکیوں کو نہیں پا سکتے، وہاں تک ان کی نگاہ نہیں جا سکتی، لیکن انسان کی سماعت اور بصارت سے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ ہمیں اللہ کی رضامندی یا اس کی ناراضگی میں ڈالنے کا سبب بھی بنتے ہیں۔

آنکھ براہ راست دیکھتی ہے اس کا حساب ہو گا۔ کان براہ راست سنتا ہے اس کا حساب ہو گا لیکن شاید لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دل میں جو اثر پیدا ہوتا ہے، وہ صرف ان آلات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مگر یہاں قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ میں دل کو آنکھ اور کان کے برابر کھڑا کیا گیا ہے۔ کان صرف سنتا ہے، آنکھ صرف دیکھتی ہے لیکن دل دیکھتا بھی ہے، سنتا بھی ہے۔ اس لئے یہ فرمایا گیا کہ کان، آنکھ اور دل کا حساب ہو گا کہ انہوں نے دل کو کیوں خراب کر دیا، یا انہیں انعام دیا جائے گا کہ انہوں نے دیکھ اور سن کر دل کو سنوارا۔ اور یا ان کی خرابی پر سزا دی جائے گی۔

قلب مکلف ہے

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ۔ آنکھ بھی' کان بھی اور دل بھی کل اولٰئک کان عنہ مسؤلا۔ ان سب کا برابر کا حساب ہو گا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دل بجائے خود دیکھتا اور سنتا ہے۔ دل میں خود ایک استعداد ہے کہ وہ چیزوں کو محسوس کر کے اس سے اپنی روشنی اور نور حاصل کرے یا چیزوں کو محسوس کر کے اس پر ظلمت اور اندھیرا طاری ہو۔ یہی وجہ ہے بیشک آنکھ بھی دل کو متاثر کرتی ہے' بیشک کان بھی دل کو متاثر کرتا ہے لیکن دل کی اپنی الگ کیفیت ہوتی ہے۔ جن کے دل روشن ہوتے ہیں' کان اور آنکھیں ان کی بھی ہوتی ہیں۔ ایک شخص کی آنکھ ایک بات کو دیکھ کر اسے اس میں الجھا لیتی ہے' خواہ وہ گناہ کا کام ہو' خواہ وہ منظر بے حیائی کا ہو' لیکن اس کی آنکھ اسے اس میں لگا لیتی ہے۔ دوسرے شخص کی آنکھ اس پر پڑتی ہے تو اس کا دل اس کی آنکھ کو بھی پھیر دیتا ہے۔ کیا یہ روزمرہ کی زندگی میں آپ نہیں دیکھتے۔ ایک شخص ایک بات کو بڑے غور سے دیکھتا ہے' دوسرا اسے دیکھتا ہے تو نہ صرف رک جاتا ہے بلکہ اسے یہ بھی کہتا ہے کہ یہ کیا تماشہ ہے اس کو ختم کر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل نے اس کو رد کر دیا۔ اس کے دل نے نہ صرف یہ کہ دیکھنا پسند نہیں کیا بلکہ اس کی آنکھ کو بھی دیکھنے سے روک دیا۔

قلب میں تکلیف کی استعداد کا سبب

جیسے آنکھ مکلف ہے' جیسے کان مکلف ہے' جیسے آنکھ سے پرسش ہو گی تو ویسے ہی دل کی پرسش ہو گی۔ اگر آنکھ کو دیکھنے کے لئے ایک جہان دیا ہے' کان کو سننے کے لئے اپنی کتابیں دی ہیں' اپنے احکام دیئے ہیں' اپنے نبیوں کے ارشادات دیئے ہیں تو دل کو بھی کوئی کیفیات یقیناً دی ہوں گی تب ہی تو اس کا محاسبہ ہو گا۔ اگر اسے برابر میں استفادہ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ تو ان

کے برابر اس کا محاسبہ کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ کانوں اور آنکھوں کی رہنمائی اگر اللہ کا نبی علیہ السلام اور اللہ کا رسول ﷺ کرتا ہے' آنکھ اگر اللہ کے جمال کو دیکھتی ہے تو نبی علیہ السلام کی وساطت سے' کان اگر اللہ کی بات کو سننے کے قابل ہوتا ہے تو نبی علیہ السلام کی وساطت سے' اس طرح اگر دل بھی کیفیات پانے کے قابل ہوتا ہے تو یہ ذمہ داری بھی نبی علیہ السلام اور رسول کی ہوگی کہ دل' آنکھ' کان سے بہرحال قیمتی ہے۔ آنکھ جسم سے چلی جائے' جسم باقی رہتا ہے' کان ختم ہو جائیں' تو بھی جسم باقی رہ سکتا ہے لیکن دل کی اگر ایک دھڑکن بند (Miss) ہو جائے تو سارا جسم فنا ہو جاتا ہے اور دل کام بند کر دے تو حیات کا تصور نہیں رہتا۔ اگر کان کے لئے اہتمام ہے' آنکھ کے لئے اہتمام ہے' تو اس کا معنی یہ ہوا کہ دل کے لئے آنکھ اور کان سے زیادہ اہتمام ہے بلکہ وہ بدرجہ اتم ہے۔

ہر انسان صاحب قلب ہے

دیگر اعضا انسانی میں کمی ہو سکتی ہے لیکن قلب ہر کسی میں ہے۔ اسی لئے جن کی آنکھیں نہیں تھیں' جن کے کان نہیں تھے لیکن صحبت نبوی ﷺ میں پہنچے تو صحابیؓ ہو گئے۔ دل نے اپنی کیفیات حاصل کر لیں۔ کوئی اس وجہ سے محروم نہیں رہا کہ وہ بہرہ تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دل براہ راست چیزیں حاصل کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔ خود یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر دل کا محاسبہ ان کے برابر ہو گا تو دل ان کے برابر نظارہ بھی کر سکتا ہے بات بھی سن سکتا ہے۔ اگر آنکھ دیکھ کر کبھی خوش ہوتی ہے' کبھی نفرت سے بھر جاتی ہے' کان کسی بات کو سن کر راحت پاتا ہے' یا اسے شور و شغب قرار دے کر اس سے دور ہو جانا چاہتا ہے تو دل میں بھی یہ کیفیت موجود ہے کہ وہ کسی بات کو پسند کر لے' کسی کو رد کر دے۔ آنکھ میں نور چاہئے اور کان کی صحت و سلامتی چاہئے۔ اسی طرح سے دل کی حیات بھی ضروری ہے۔ دل خود جسم کے لئے

باعث حیات تو ہے لیکن خود دل کو زندہ رہنے کے لئے بھی ایک حیات چاہئے۔

میں نے ایک ڈاکٹر صاحب سے پوچھا جو ہمارے ملک میں امراض قلب کے سپیشلسٹ ہیں کہ آپ بائی پاس کا اپریشن کیا کرتے ہیں اس کا اتنا شہرہ ہے تو اصل میں یہ بیماری کیا ہے؟ اور آپ یہ کیسے کرتے ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ جس طرح دل باقی جسم کو خون سپلائی کرتا ہے اسی طرح خود دل کو زندہ رہنے کے لئے بھی بعض رگیں اور بعض باریک نسیں خون سپلائی کرتی ہیں۔ اس کے بھی ایک ایک ذرے میں خون پہنچتا ہے۔ وہ نسیں جب بند ہونا شروع ہو جاتی ہیں یا خشک ہو جاتی ہیں یا خشک ہونے لگتی ہیں یا کوئی مادہ جم کر انہیں بند کرنے لگتا ہے یا ان میں سے کوئی رگ بند ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خود دل مرجاتا ہے وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ تو یہ جو بائی پاس کرتے ہیں وہ یوں ہوتا ہے کہ جسم کی کوئی نس لے کر وہ رگ جہاں سے تنگ ہو گئی ہے وہاں سے اسے کاٹ کر اس کی جگہ وہ بیچ لگا کر دوسری رگ اس میں ڈال دیتے ہیں تاکہ دل کو خون ملے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جسمانی طور پر دل جو پورے جسم کو زندہ رکھتا ہے' خود اسے بھی اپنی حیات کی ضرورت ہے' دل جو جسم کی ہر رگ میں خون پہنچاتا ہے' خود اس کے اندر بھی رگیں موجود ہیں' خود اس کو بھی خون کی ضرورت ہے۔ دل جس طرح سے سارے جسم کو زندہ رکھتا ہے اس طرح اس کو اپنی باطنی اور قلبی حیات کی بھی ضرورت ہے' جو نور ایمان سے نصیب ہوتی ہے۔

سراجا" منیرا کا مطلب

نبوت کا یہی کمال ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاہِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ○ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ○ ہم نے آپ ﷺ کو بشارت دینے والا' گناہ کے مال سے بروقت خبردار کرنے والا' اللہ کی طرف دعوت دینے والا بنایا۔ اور سراجً منیرا ایسا روشن چراغ جو روشنیاں بانٹتا ہو۔ جس طرح رب کریم نے ارض و سما میں ایک سورج کو چمکا کر پوری کائنات

میں حیات دوڑا دی' اس کی چمک پوری کائنات میں زندگی کا بنیادی سبب بنا دی' اسی کی روشنی سے بخارات بنتے ہیں' بارشیں ہوتی ہیں' اسی کی دھوپ سے زمین کے نیچے بیج گلتے سڑتے ہیں' پھل پکتے ہیں اور پوری زندگی کی جو یہ گاڑی چل رہی ہے' اس کا مرکز' اس کا منبع سورج ہی ہے اور سورج ہی سراجاً منیرا ہے کہ وہ روشنی کو اپنے تک محدود نہیں رکھتا بلکہ روشنی کو بانٹتا ہے' ایسا چراغ جس کی روشنی جگہ جگہ پہنچ کر حیات کا سبب بنتی ہے' پھلوں میں' پھولوں میں' بیجوں میں' گھاس میں' درختوں میں' حیوانوں میں' انسانوں میں۔

روحانی دنیا کا سراجاً منیرا

اسی طرح سے اگر سورج مادی عالم کا روشن چراغ ہے۔ تو روحانیت کے لطیف جہان کا روشن چراغ اللہ کا رسول ﷺ ہے جس طرح سورج کی روشنی سے زمین کے سینے میں بیج پھوٹتے ہیں اسی طرح انسانوں کے سینوں میں دلوں کی تخم ریزی ہوتی ہے' دل پھوٹتے ہیں' دلوں میں نور پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح بڑے بڑے کھیت لہلہاتے ہیں' درخت سرسبز ہوتے ہیں' ان پہ پھل آتا ہے اسی طرح دل کی دنیا بھی آباد ہوتی ہے اسی سراجاً منیرا سے جو محمد ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اسی سے دل روشنیاں حاصل کرتے ہیں' دل ترقی حاصل کرتے ہیں' دل کیفیات حاصل کرتے ہیں دل حیات پاتے ہیں اور اگر دل میں وہ حیات نہ ہو تو دل نگاہ کا اور سماعت کا تابع ہو جاتا ہے۔ آنکھ دیکھ کر دل کو متاثر کرتی ہے' کان سن کر دل کو متاثر کرتا ہے لیکن اس حیات کا کمال یہ ہے کہ اگر نور قلب میسر ہو اور قلب قوی ہو جائے تو آنکھ اور کان اسے یعنی دل کو متاثر نہیں کرتے بلکہ جسم اور ان کی قوتوں کی باگ ڈور یہ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے' اگر یہ کسی چیز کے دیکھنے کو پسند کرتا ہو تو اجازت دیتا ہے' اسے پسند نہ ہو تو آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ وہ بات جو اسے پسند ہو اسے سننے کی اجازت دیتا ہے' جو اسے خوش گوار نہ لگے' کان اسے سننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ جب یہ بات

مشاہدے سے بھی ظاہر ہے' ہمارے تجربے سے بھی ظاہر ہے کہ ایسا ہوتا ہے تو پھر یہ ثابت ہوا کہ واقعی دل کا محاسبہ ہونا چاہئے۔ دل ان کے برابر کا تو نہیں ان سے زیادہ طاقتور ہے' ان سے زیادہ موثر ہے اور انسانی حیات کو' انسانی معاشرے کو' انسانی کردار کو ان سب سے زیادہ متاثر کرتا ہے۔

موتِ قلب کے اسباب

لیکن دل کی موت خرافات میں ہے جن باتوں کا کوئی ثبوت نہ ہو' جن کاموں میں ذمہ داری نہ ہو' جن فرائض سے تمہارا تعلق نہ ہو ان میں الجھو گے تو دل مرجائے گا۔ محققین فرماتے ہیں۔

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن
گرچہ گفتارش بود در عدن

قلب کی تاثیرپذیری

زیادہ باتیں کرنے سے انسان کے اندر کا دل مرجاتا ہے اگرچہ اس کی باتیں بہت خوبصورت اور قیمتی بھی ہوں۔ بہت خوبصورت باتیں کرنے والوں کا دل بھی باتوں کی کثرت سے مرجاتا ہے کیونکہ ہر متکلم مخاطب سے اثر قبول کرتا ہے جو غیر مرئی طور پر دل دل سے قبول کرتا رہتا ہے۔ آپ کسی شخص سے نفرت کرتے ہیں اور زبانی اس کی خوشامد کرتے ہیں' دل سے اس سے نفرت کرتے ہیں تو وہ بھی آپ سے نفرت کرے گا۔ آپ کی خوشامد پر مطمئن نہیں ہو گا۔ جس شخص سے آپ محبت کرتے ہیں آپ اسے جھڑکیں' آپ اسے گالیاں دیں' آپ اس سے سخت کلامی کریں' وہ جواب محبت میں دے گا۔ یہ ایسی حقیقتیں ہیں جو ہمارے اردگرد پھیلی ہیں ہم اولاد سے محبت کرتے ہیں' ہم اولاد کو جھڑکتے ہیں' اولاد کو بھگا دیتے ہیں' وہ واپس ہمارے گھٹنے کے پاس آ بیٹھیں گے' وہ کبھی بھاگ نہیں جائیں گے' وہ محبت سے جواب دیں گے' اس لئے کہ ان کا

جھڑکنا محض دکھاوا ہے' ہم دل سے محبت کرتے ہیں۔ جن لوگوں کو ہم اچھا نہیں سمجھتے' ان سے ہم بڑی خوش کلامی سے پیش آئیں' وہ ہمارے قریب نہیں پھٹکیں گے ہم سے نفرت کریں گے اس لئے کہ دل اپنی کیفیات حاصل کرنے میں یا اپنی کیفیات لٹانے میں زبان اور کان کا محتاج نہیں ہے۔ وہ براہ راست بھی معاملہ کر لیتا ہے۔ اگر ہم ہر ضروری اور غیر ضروری بات میں پڑتے ہیں تو اس کا ایک اثر ہوتا ہے۔ دینی تبلیغ سب سے بڑا کام ہے' اس کے کرنے سے دل کو تقویت ملتی ہے اور اس کی حیات میں اضافہ ہوتا ہے' اس کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے لیکن ایک بار بھی عام لوگوں میں وعظ کہنے سے مشاہدات اور مکاشفات رک جاتے ہیں۔ ترقی درجات ہوتی رہے' ثواب ملتا رہے لیکن مشاہدات و مکاشفات رک جاتے ہیں۔ جو دھواں عام آدمی کے دل سے اٹھ رہا ہوتا ہے اگر بات کرنے والے کا دل روشن بھی ہے تو اسے مکدر کر دیتا ہے۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے تقسیم ملک کے بعد عظمت صحابہؓ کے موضوع پر بہت بڑا جہاد کیا۔ اس وقت اس موضوع پر بولنے والا کوئی نہیں تھا اور صحابہؓ کی شان کے خلاف بولنے والوں کا ایک طوفان تھا۔ اس مقابلے میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت حصہ لیا لیکن پھر ایک وقت آیا کہ کچھ تھوڑا سا پیچھے ہٹ گئے اس لئے کہ جلسوں میں جانا' تقریریں کرنا' مناظرے کرنا' یہ مشاہدات کو روک دینے کا سبب بن جاتا ہے۔ سب سے عجیب بات جو آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کئی سال تنہائی میں اللہ اللہ کرتے گزار دی حتیٰ کہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام ایک ایسی عمارت ہے جس میں پتھر نہیں میرے صحابہؓ کی ہڈیاں چنی گئیں' اس پر گارا نہیں ان کا خون اور گوشت لگا ہے۔ آج ان پر طنز کیا جائے' ان کی شان میں گستاخی کی جائے' ان پر بہتان تراشی کی جائے اور جاننے والا آدمی اس لئے گوشے میں بیٹھ جائے کہ اس کے مکاشفات متاثر نہ

ہوں۔ کل اس نے میدان حشر میں بھی آنا ہے۔ یہ ایک جملہ تھا جس پر آپ نے پھر باقی ساری زندگی اسی موضوع پر جہاد کرتے گزار دی۔ میرے عرض کرنے کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ اتنے مقدس کام میں بھی دل ضرور متاثر ہوتا ہے کہ اس سے مشاہدات رک جاتے ہیں' مکاشفات رک جاتے ہیں۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح گلی صاف کرنے والا' گلی میں جھاڑو دینے والا' گلی صاف تو کر دیتا ہے لیکن اس کے اپنے کپڑے گرد آلود ہو جاتے ہیں۔ جب ہم حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لطائف کیا کرتے تھے تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ ہمیں فرماتے تھے نماز تو باجماعت پڑھا کرو لیکن سنتیں پڑھنے گھر جاؤ۔ لوگوں کے ساتھ مل کر فرض پڑھ کر الگ ہو جاؤ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے میں بھی دل متاثر ہو جاتا ہے۔ سارے نمازیوں کے دل تو روشن نہیں ہوتے۔ لوگ تو نماز رواج کے طور پر پڑھتے ہیں دل کی حالت تو وہ نہیں ہوتی۔

دل اخذ فیض کا آلہ

غرض حاصل یہ ہے کہ دل براہ راست خود مکلف ہے۔ اور لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کسی نفس کو اس بات کا مکلف نہیں کیا جاتا جس کی اسے توفیق نہ دی گئی ہو۔ اسی قانون کو آپ دل پر لاگو کریں۔ اگر آنکھ اس لئے مکلف ہے کہ اسے دیکھنے کی قوت دی گئی ہے تو دیکھنے کا حساب ہو گا۔ کان اس لئے مکلف ہے کہ اسے سننے کی طاقت دی گئی ہے اس سے سننے کا حساب ہو گا۔ دل کی گہرائی سے جہاں خواہشات پیدا ہوتی ہیں' جہاں خوشیاں یا غصہ یا دکھ جنم لیتے ہیں یا جہاں پسند و ناپسند ہوتی ہے اس کا بھی محاسبہ ہو گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے بھی کیفیات اخذ کرنے کی توفیق اور طاقت دی گئی ہے اور یہی حال جو ہے کہ اس دل کی کیفیات کی اللہ سے یا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جن لوگوں نے دولت حاصل کی ہے ان کی صحبت میں بیٹھ کر ان کیفیات کو حاصل کیا جائے تو شرعاً" اسی کو اخذ فیض کہتے ہیں۔

جہلاء کا تصور شیخ

یہ جو جہلاء کا تصور ہے کہ فلاں پیر کے پاس گئے اولاد ہو گئی' فلاں بزرگ کے پاس گئے ملازمت مل گئی' فلاں بزرگ کے پاس گئے صحت ٹھیک ہو گئی تو جو بزرگوں کے پاس نہیں جاتے ان کو اولاد کون دیتا ہے؟ جو بزرگوں کو تو کیا اللہ کے نبی کی نبوت کا اقرار نہیں کرتے' ان کو صحت کون دیتا ہے' انہیں روزی کون دیتا ہے اور جو ذات باری کے وجود کا ہی انکار کرتے ہیں ان کے ہاں کیوں بیٹے پیدا ہوتے ہیں' ان کے پاس کیوں سلطنتیں ہیں۔ یہ دنیا کا ایک نظام ہے۔ آپ کسی نیک آدمی سے یا کسی بدکار سے بھی دعا کرا لیں' دعا کرانا تو جرم نہیں ہے لیکن دیتا وہی ہے۔ ان چیزوں کو فیض مت کہئے۔ فیض وہ کیفیات ہیں کہ جو دل میں وہ قوت بھر دیں کہ یہ اچھائی کو پسند کرنے لگے اور برائی سے متنفر ہو جائے۔ اس میں اتنی طاقت آ جائے کہ ہماری سماعت و بصارت کے تابع ہونے کی بجائے اسے کنٹرول کرنے لگے۔

حیات قلبی کا کمال

حضور ﷺ کا جو کمال کتاب اللہ نے ارشاد فرمایا وہ یہی ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ میرے نبی کا کمال یہ ہے کہ جن لوگوں کو معیت رسالت نصیب ہوئی انہیں اپنے جذبات پر قابو حاصل ہو گیا۔ انہیں پتہ ہے کہ غصہ کہاں کرنا ہے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ کافر کے لئے' کفر کے لئے' بڑے غصیلے' بڑے غضبناک اور سخت مزاج لوگ ہیں۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ لیکن مومنوں کے لئے' مسلمانوں کے لئے' اسلام کے لئے' بہت کریم' بہت شفیق اور بہت محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ وہ اپنے وقتی جذبات کے تابع نہیں ہیں کہ بھڑک اٹھے تو کسی کے خلاف ہو گئے یا نرم ہو گئے تو کسی پر مہربان ہو گئے۔ نہیں بلکہ موقع و محل کے مطابق اپنے غصے اور اپنی شفقت کا

اظہار کرتے ہیں جذبات کے تابع نہیں ہیں بلکہ انہیں جذبات پر قابو حاصل ہو گیا ہے۔ یہ صحبت رسول اللہ ﷺ کا کمال ہے اور حیات قلبی کا یہی کمال ہوتا ہے کہ جو آدمی جذبات کے تابع ہونے کی بجائے جذبات پر قابو پا لیتا ہے اور پھر اپنی ضروریات جو جذبات کو حرکت میں لاتی ہیں کے تابع نہیں رہتا۔ بھوک لگتی ہے تو کھانے کا جذبہ حرکت میں آتا ہے۔ کھانے کی ضرورت پیدا ہوتی ہے تو کھانے کے لئے کچھ حاصل کرنے کی حرکات وجود کو آگاہ کرتی ہیں۔ اسی طرح غصہ آتا ہے تو لڑنے کے لئے ہاتھ لاٹھی اٹھا لیتا ہے۔ تو یہ جذبات کے تابع جسم نہیں رہتا بلکہ خود جذبات دل کے تابع ہو جاتے ہیں اور جب جذبات دل کے تابع ہوتے ہیں تو اعضاء جذبات کے آگے تابع ہوتے ہیں۔ گویا ساری زندگی اطاعت الٰہی کا نمونہ بن جاتی ہے بتقضائے بشریت جہاں کہیں بھول چوک یا غلطی ہوتی ہے یا پاؤں پھسلتا ہے تو فوراً" آدمی واپس آتا ہے۔ دل میں حیات کی یہ دلیل ہے کہ وہ گناہ پر اصرار نہیں کرتا۔ لَمْ يُصِرُّوا عَلٰى مَا فَعَلُوا۔ قرآن حکیم میں ہے کہ گناہ کا صدور ناممکن نہیں ہے، غلطی ہو سکتی ہے، لیکن غلطی کو پیشہ نہ بنائیں اس سے واپس آ جائیں۔

افسوس ہے کہ اس دل کی جتنی اہمیت اللہ نے ارشاد فرمائی ہے اس سے زیادہ آج یہ غفلت کا شکار ہے۔ ہر ناصح، ہر واعظ، آنکھ کی حفاظت کا تو کہتا ہے، کان کے تحفظ کی بات تو کرتا ہے، دل کی کوئی بات ہی نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ ہماری آج کی تبلیغ بے اثر ہے جتنی تبلیغ، جتنی محنت اور جتنا بیان آج ہوتا ہے پہلے نہیں ہوتا تھا۔ پہلے یہ ذرائع نہیں تھے اب تو ریڈیو بھی کرتا ہے، ٹیلی ویژن بھی تبلیغ کرتا ہے، اخبار بھی کرتے ہیں، دینی رسالے بھی کرتے ہیں، زبانی وعظ بھی ہوتے ہیں اور زبانی وعظ کے ویڈیو کیسٹ بھی بنتے ہیں۔ آپ کی ایک تقریر پتہ نہیں کہاں تک جاتی ہے پہلے تو یہ ذرائع نہیں تھے، اتنی تبلیغ نہیں تھی، لیکن یہ ساری تبلیغ کوئی اثر نہیں کرتی۔ جو دن طلوع ہوتا ہے اس میں ہمارا حال پہلے کی نسبت برا ہوتا ہے۔ آپ اس ملک کے چالیس پچاس سالوں کو دیکھ لیں

کہ جب یہ ملک آپ کو اللہ نے دیا تھا اس وقت کیا حال تھا اور آج ہم کہاں کھڑے ہیں اخلاقی اعتبار سے' ایمانیات کے اعتبار سے' کردار کے اعتبار سے' کتنا فاصلہ ہے۔ ہم لوگ کتنے گر گئے ہیں۔ شاید اسی لئے کہ اصل مرکز اس سارے فعل کا دل تھا جس کو ہم نے بھلا دیا اور محض ظاہری کان اور آنکھ کی اصلاح میں لگے رہتے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں سمجھ بھی دے توفیق بھی دے' اور وہ ذرائع بھی عطا فرمائے' جو دل کی اصلاح کا سبب بنتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

تزکیۂ قلب

تعارف

اللہ جل شانہ ہمارے حال پہ رحم فرمائے۔ آج کا عہد فتنوں کا عہد ہے اور اس طرح کے فتنے پیدا ہو رہے ہیں جو کسی کے وہم و گماں میں بھی نہیں تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فتنوں کا بند دروازہ ہے۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ ﷺ یہ دروازہ کھل جائے گا یا توڑا جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ توڑ دیا جائے گا اور فتنے اس طرح برسیں گے جس طرح بارش برستی ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو فتنے پیدا ہوئے آج تک مسلمانوں کے لئے' عالم اسلام کے لئے اور گذشتہ چودہ سو سالہ تاریخ اسلام میں ہر موڑ پر امت کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئے۔ شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد جو دن گزرتا گیا اس میں فتنے بڑھتے چلے گئے۔ اسلام اطراف عالم میں پھیلا' نئے نئے لوگ اسلام میں داخل ہوئے' مختلف اقوام' مختلف مزاج کے لوگ داخل ہوئے لیکن ہر قوم میں اس کے مزاج کے مطابق فتنے بھی آئے۔

مسلمانوں کا ہندی پس منظر

برصغیر میں اسلام کی ایک ہزار سالہ تاریخ ہے۔ اس ہزار سالہ تاریخ میں برصغیر میں بھی کئی قسم کے مزاج تھے۔ ایک وہ مزاج جو عرب اپنے ساتھ لائے۔ وہ قومیں جو عربی النسل ہیں' وہ لوگ جو عرب سے اسلام کا پیغام لے کر یہاں وارد ہوئے' ان کا ایک اپنا مزاج تھا' اپنی رسومات تھیں' اپنا ایک پس منظر تھا'

اس پس منظر کا کچھ حصہ مشرکانہ اور جاہلانہ بھی تھا' اس میں قتل و غارت گری بھی تھی' اس میں خوں ریزی بھی تھی' قبائلی تعصب بھی تھا اسلام نے ان مصیبتوں سے ان کی جان چھڑائی تھی۔ یہاں آ کر جو عرب بس گئے' مرور زمانہ سے جب وہ اسلام سے دور ہوئے' اسلام کی جو قوت ان کے دلوں میں تھی وہ ماند پڑی تو وہ عادات جو ان کی پرانی اور خاندانی تھیں' وہ رسومات' قتل و غارت گری' ڈاکے' لوٹ مار' عیاشی' شراب نوشی اور اس طرح کی باتیں ان اقوام میں پیدا ہو گئیں۔ دوسرے مزاج کے لوگ برصغیر کے باسی تھے۔ان میں عربوں کی نسبت زیادہ بت پرستی تھی' زیادہ فحش رسومات تھیں' دولت کی محبت بہت زیادہ تھی' جوئے وغیرہ عربوں کی نسبت زیادہ تھے۔ نسل کے معاملے میں برصغیر کے لوگ عربوں سے کئی ہاتھ آگے تھے۔ اسلام نے ان مصیبتوں سے ان کی بھی جان چھڑائی' عرب تھے' یا عجم تھے سب مسلمان کہلائے لیکن جوں جوں اسلام کا رنگ ماند پڑتا گیا تو ہر مزاج کے لوگ واپس اپنے مزاج کو لوٹ گئے۔

اسلام اور عقل

اسلام میں ایک خصوصیت تھی' ہے اور رہے گی اور وہ یہ تھی کہ اسلام عقل کو مطمئن ضرور کرتا ہے کبھی عقلی دلائل سے منہ نہیں موڑتا' کبھی یہ نہیں کہتا کہ اسلام کا کوئی حکم یا کوئی عقیدہ یا کوئی عمل عقل سے ثابت نہیں ہو سکتا' لیکن عقل پر انحصار نہیں کرتا۔ اسلام خطاب دل کو کرتا ہے' اعتبار دل پر کرتا ہے اور دل کی تبدیلی پر یقین رکھتا ہے۔ عقلاً" آدمی کسی بات سے لاجواب تو ہو سکتا ہے یا کسی بات کا قائل ہو سکتا ہے لیکن اس پر عمل کرنے کے لئے دل کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اگر دل ساتھ نہ دے تو عقل کی حیثیت یوں ہوتی ہے کہ کوئی بدکار بدکاری کو عقلاً" اچھا نہیں سمجھتا مگر خود کر رہا ہوتا ہے اپنی اولاد کو نہیں کرنے دیتا۔ خود جوا کھیل رہا ہوتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ میرے بچے اس میں نہ پڑیں اس لئے کہ عقلاً" وہ اسے برا سمجھتا ہے۔ کرتا کیوں ہے؟ اس

عادات سنور رہی ہیں' میرا مزاج سنور رہا ہے' میں دن بدن اپنے وجود میں برائیوں کو کم ہوتا اور نیکیوں کو بڑھتا ہوا پا رہا ہوں تو اسے یقیناً اس شخص کے ساتھ زندگی بھر نباہ کرنا چاہئے۔ ذکر کا حاصل تزکیہ ہے اور اگر کسی شخص کے ساتھ تعلق بھی قائم رکھے اور اس کے کہنے پہ تسبیحات بھی پڑھے اور ذکر بھی کرے لیکن تعمیر اخلاق نہ ہو' کردار درست نہ ہو رہا ہو' اعمال میں صلاحیت پیدا نہ ہو رہی ہو تو وہ یہ سمجھ لے کہ یہاں حقیقت نہیں ہے کوئی نقل ہے۔ کیونکہ حقیقت ہوتی تو واقعی وہ طبیعت کو متاثر کرتی۔ دوسری بات اور آخری بات یہ عرض کر دوں۔

تزکیہ و انانیت

یہ کیفیت اگرچہ اتنی مضبوط ہے کہ جس دل میں یہ ہو اسے ساری خدائی بھی اگر ہٹانا چاہے تو نہیں ہٹا سکتی لیکن اگر اس دل میں' اسی درد میں کسی بھی لمحے انانیت پیدا ہو جائے تو اس کی ایک ضرب زندگی بھر کے سرمایے کو ضائع کر دیتی ہے۔ اس طرف یہ اتنا نازک ہے' اتنا کمزور ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی دل میں' کسی بھی وقت یہ شے پیدا ہو جائے کہ میں بھی کوئی بڑی حیثیت رکھتا ہوں' میری بھی کوئی ہستی ہے تو اس کے دل سے یہ شے یکسر ختم ہو جاتی ہے اور اس معاملے میں اس قدر احتیاط ہے کہ خود حضور اکرم ﷺ نے جب اپنے محاسن ارشاد فرمائے جو عین دین تھا کیونکہ آپ ﷺ کے کمال سے آگاہ ہونا ضرورتِ ایمان ہے' آپ ﷺ کے جملہ کمالات پہ ایمان رکھنا ہی تکمیل ایمان ہے اور آپ ﷺ کے کسی بھی کمال کا انکار کفر ہے تو یہ سارے کمالات حضور ﷺ کے لئے بیان کرنا ضروری تھے تاکہ لوگوں کو علم ہو کہ حضور اکرم ﷺ کو اللہ جل شانہ نے کیا کیا کمالات عطا کئے ہیں لیکن اس کے باوجود ہر کمال کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَلِیْ یعنی لیکن میں اس پر فخر نہیں کرتا اور یہ جملہ ایک بار ارشاد نہیں فرمایا بلکہ ہر کمال کے ساتھ علیحدہ ہر بار فرمایا۔

ولا فخرلی یعنی میں اس پر فخر نہیں کرتا کہ یہ میرا کمال ہے بلکہ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور تمہارے علم کے لئے، تمہیں بتانے کے لئے، تمہیں اس سے واقف کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کمال بھی اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ تو اس بات کو ہمیشہ مدنظر رکھا جائے کہ ساری کی ساری عظمت اللہ کے لئے ہے اور مخلوق اللہ کے سامنے ہر حال میں اور ہر وقت محتاج بھی ہے، مجبور بھی ہے اور اسے سر اٹھانے کی جرات بھی نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆

قلب کی موت

اللہ کی عظمت

اللہ کریم نے اپنی عظمت اور اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی دعوت کی اثر پذیری کا ذکر کیا ہے اور پھر ایک وجہ ارشاد فرما دی ہے جس کے باعث بعض لوگ اسے قبول نہیں کرتے' اس سے مستفید نہیں ہو سکتے اور ان کی نگاہوں میں ٹیڑھا پن آ جاتا ہے' ذہنوں میں کجی آ جاتی ہے اور جو تصویر ان کا اپنا دماغ ان کے سامنے بناتا ہے وہ حقائق کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ فرمایا اللہ کی عظمت اس قدر مانی ہوئی بات ہے کہ ارض و سما کی ہر چیز کو اپنی بقا اور اپنے وجود کی بقا کے لئے اللہ کی عظمت کا اقرار کرنا پڑتا ہے' ہر وجود کی یہ ضرورت ہے کہ وہ اللہ کو یاد کرے اور اللہ کا ذکر کرے۔

ہر چیز ذاکر

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ ساتوں آسمان اس کی تسبیح کرتے ہیں و من فیهن اور جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں موجود ہے' پانی' ہوا' بادل' پتھر یا دریا کوئی مخلوق ذی الارواح یا غیر ذی الارواح میں سے ہے' کوئی بھی جمادات یا نباتات' آسمانوں میں فرشتے جو شے بھی ہے' کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتی ہو' اللہ کا ذکر نہ کرتی ہو' اللہ کی عظمت کا اقرار نہ کرتی ہو۔

روح انسانی و عالم امر کا بیان

اس بات سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ انسان یا مکلف مخلوق اگر اللہ کی تسبیح سے' اللہ کے ذکر سے محروم ہو تو سمجھ لیں اس نے اپنی زندگی کھو دی۔ دوسری مخلوق اور انسان کی زندگی میں ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ انسان کو جو روح عطا کی گئی ہے' جو زندگی عطا کی گئی ہے یا وہ کیفیت یا وہ شے جس کے باعث انسان زندہ ہے' اس کا اصل صفات الٰہی اور عالم امر میں سے ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اب یہ عالم امر اس عارضی موت کی دسترس سے بالاتر ہے۔ چونکہ موت خود مخلوق ہے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ۔ موت کی رسائی دائرہ تخلیق کے اندر اندر ہے۔ عالم امر شروع وہاں سے ہوتا ہے جہاں عالم خلق کی انتہا ہوتی ہے تو گویا موت کی دسترس عالم خلق سے بالا نہیں ہے۔ روح انسانی اس سے بالا کی چیز ہے تو وہاں کی موت و حیات کا تصور دوسرا ہے۔ وہاں کی جو شے ہے اس کا تعلق اگر مرضیات باری سے ہے تو یہ اس کی حیات ہے اور اگر مرضیات باری سے محروم ہے تو غضب الٰہی میں مبتلا ہو کر اپنی موت سے دوچار ہے' ایسی موت جو کسی حال میں کبھی کسی کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ دائمی طور پر اللہ کی ناراضگی اور خدا کے عذاب میں مبتلا ہونے کا نام ہے۔

ذاکرین کی تعداد کم ہی ہوتی ہے

ذرا سوچئے کہ جب کائنات کا ہر ذرہ ذکر کرتا ہے لیکن انسان پھر بھی ذکر نہیں کرتے بلکہ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ۔ ہمیشہ ہر دور میں دنیا میں بہت کم لوگ ہی ذاکر رہے ہیں جو اللہ کو یاد کرنے والے' اللہ کی عظمت کے قائل ہیں' عملی زندگی میں اللہ کی عظمت کا اظہار کرتے ہیں تو یہ نہ سمجھا جائے کہ جب آدمی ذکر نہیں کرتا تو ان ارشادات کے موجب فوراً" اس موت سے دوچار کیوں نہیں ہو جاتا جس سے ارضی طور پر ہم واقف ہیں۔ دراصل یہ موت ایک معمولی سی کیفیت کا نام ہے۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ یہ موت عذاب الٰہی

کے سبب ہو یا اللہ کی ناراضگی کے سبب ہو بلکہ یہ موت ہمارے راستے کی ایک منزل ہے جو دنیا سے آخرت کو جاتا ہے اور اس سے کوئی چارہ نہیں۔

موت حقیقی

انسان کے لئے' ارواح انسانی کے لئے' حقیقی موت اللہ کی رحمت سے محرومی ہے۔ جسمانی موت تو صرف اِس دنیا سے اُس دنیا میں منتقل کر دیتی ہے۔ اچھے' نیک' ذاکرین اور انبیاء و رسل بھی اس راستے سے گزرتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو اللہ کی ناراضگی کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کا راستہ بھی یہی ہے لیکن یہ صرف دائمی اور ابدی ٹھکانے کو جانے والا راستہ ہے اور جو موت بصورت محرومی نصیب ہوتی ہے' وہ صرف مکلف مخلوق کا حصہ ہے۔ مکلفیں میں سے بھی اس سے مراد خصوصاً" انسان کا بہت اذیت ناک' بہت دردناک اور کبھی نہ ختم ہونے والا عذاب ہے۔

غیرذاکر کو موت آتی ہے

اسی آیت کریمہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے' وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ کہ کوئی ایسی شے نہیں ہے' جو اللہ کا ذکر نہ کرتی ہو۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ جو شے ذکر نہیں کرتی وہ فنا ہو جاتی ہے' اس کا وجود باقی نہیں رہتا۔ کوئی پہاڑ ذکر چھوڑ دے تو زلزلے اس کا سینہ شق کر دیتے ہیں۔ کوئی دریا ذکر چھوڑ دے تو خشک ہو جاتا ہے' اس کی روانی چھن جاتی ہے۔ کوئی درخت' کوئی سبزہ ذکر چھوڑ دے تو خشک ہو جاتا ہے' کاٹ دیا جاتا ہے' جلا دیا جاتا ہے۔ کوئی حیوان جب ذکر چھوڑ دیتا ہے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے' کوئی درندہ' کوئی شکاری اسے شکار کر لیتا ہے' اس کے فنا کا کوئی نہ کوئی سبب بن جاتا ہے۔ بغیر ذکر الٰہی کے کسی بھی شے کا وجود باقی رہنا ممکن نہیں۔ لیکن اس کے باوجود کائنات میں ایک عجیب اصول ہے اور وہ مستثنیات کا قانون ہے۔

قانون اور قدرت کا بیان

قانون ایک چیز ہے اور اس کی قدرت دوسری چیز۔ اللہ کریم اپنی قدرت کے اعتبار سے ان قوانین کے سامنے مجبور و بے بس نہیں جو اس نے کائنات میں جاری و ساری فرما دیئے ہیں۔ اس قدرت باری کے اظہار کے لئے تمام کائنات میں ایک قانون ہے جسے قانون استثناء کہا جاتا ہے جیسے مرد اور عورت سے بچہ پیدا ہونا یہ قانون فطرت ہے لیکن خود مرد اور عورت کو بغیر کسی ماں باپ کے پیدا کرنا' یہ اللہ کی قدرت ہے۔ حواؑ کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو اکیلی ماں سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا یہ اظہار قدرت ہے کہ خدا چاہے تو ایسا بھی کر سکتا ہے وہ کسی بات پر مجبور نہیں ہے۔

اس طرح سے بہت سے مستثنیات ہمیں ملتے ہیں جو قدرت باری کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً" ہر چیز کی نسل اس کی اپنی ذات سے چلتی ہے خچر ایک ایسا جانور ہے جس کا نر اور مادہ دونوں بانجھ ہوتے ہیں' دونوں بچہ نہیں دیتے اور دوسری دو نسلیں مل کر اس کی نسل چلتی ہے لیکن آج تک وہ دنیا سے معدوم نہیں ہوا حالانکہ نہ اس کا نر اولاد کے قابل ہوتا ہے اور نہ اس کی مادہ۔ اس کے باوجود اس کی نسل چلتی رہتی ہے اس طرح کے بے شمار مستثنیات ہمیں ملتے ہیں۔

اسی طرح ذکر کے قانون میں بھی ایک استثنا ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو ذکر الٰہی نہ کرتی ہو اور جس چیز پر موت وارد ہوتی ہے وہ عدم ذکر میں ملوث ہوتا ہے۔ سوائے گدھے اور خنزیر کے' ان دو کو یہ استثنیٰ حاصل ہے کہ اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتے اور اللہ کی زمین پر رہتے بھی ہیں۔

تو آدمی بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کیسے جانور ہیں عقل سے عاری

ہونے میں گدھا ضرب المثل ہے' بات کو نہ سمجھنے میں گدھا مثال ہے اور خنزیر دنیا کی ہر غلاظت کا مجموعہ ہے تو گویا ذکر الٰہی سے محرومی انسان سے عقل و شعور بھی چھین لیتی ہے اور اس سے دنیا کی ہر برائی کی امید بھی کی جا سکتی ہے۔

زبان حال کا ذکر

دنیا کا کوئی بھی گناہ' کوئی بھی برائی اس سے سرزد ہو سکتی ہے جو اللہ کو یاد کرنے والا نہ ہو۔ لیکن عام انسانی ذہن یا دینوی ذرائع یا جو علم کے مادی ذرائع ہیں یعنی مادی آنکھیں' مادی کان' مادی زبان ان سے ارض و سما کی ہر چیز کی' ہر شے کی تسبیح کو سمجھنا ممکن نہیں ہے وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ یہ اور بات ہے کہ تمہیں ان مادی ذرائع سے یہ بھائی نہیں دیتا کہ کیسے ذکر کرتے ہیں اور اس سے یہ بھی سمجھ آتی ہے کہ یہاں زبان حال سے ذکر لسانی مراد نہیں ہے زبان حال سے جو ذکر الٰہی ہے اسے تو مادی شعور سمجھتا ہے' انسان درخت کی سبزی کو دیکھ کر عظمت الٰہیہ کی دلیل جانتا ہے' پہاڑوں کی بلندیوں' دریاؤں کی روانیوں اور ان کے اس حال کو اللہ کی عظمت کی دلیل سمجھتا ہے۔ جو ذکر وہ زبان حال سے کرتے ہیں اسے ہم اپنے شعور و حواس سے نہیں سمجھ سکتے' اس کو مادی ذرائع علم سے نہیں سمجھ سکتے کیونکہ ان کا وہ ذکر ہماری طرح زبان قال سے نہیں ہے۔ جس طرح ہم اللہ کی تسبیح اپنی زبان سے بیان کرتے ہیں اس طرح ہر شے کی اپنی اپنی زبان ہے اس کی اپنی بولی ہے اس کا اپنا قال ہے اور اپنی اس زبان میں وہ ذکر کرتے ہیں۔

حیات قلبی کا کمال

صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ ہم کھانا کھا رہے ہوتے تھے اور اس کھانے سے ہم اللہ کی تسبیحیں سن رہے ہوتے تھے یعنی وہ روٹیاں' وہ سالن جو ہمارے سامنے رکھا ہوتا تھا اسی کھانے سے ہم کھانے کے دوران اللہ کی تسبیحیں سن

رہے ہوتے تھے۔ یہ سننا جو ہے دل کے کانوں سے ہے۔ جب دل خود زندہ ہو' خود ذاکر ہو۔ پھر دل میں بھی حیات کے کئی مدارج ہوتے ہیں۔ چھوٹا بچہ بھی زندہ ہوتا ہے اور زندگی کے تمام آثار اس میں موجود ہوتے ہیں لیکن سننے کی قوت وہ نہیں ہوتی جو بڑے آدمی میں ہوتی ہے۔ ابتداء میں جب وہ سن سکتا ہے تو سمجھنے کی استعداد اسی طرح نہیں ہوتی جیسے کسی بڑے آدمی کی ہوتی ہے۔ آوازوں کو سن کر ان کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا لیکن ایک سٹیج ایسی آتی ہے جب شعور میں پختگی آ جاتی ہے تو چھوٹی چھوٹی آوازوں کو وہ سن کر سمجھ لیتا ہے۔ بعض لوگوں سے اتنی آشنائی ہوتی ہے کہ ان کی شکل دیکھے بغیر آواز سن کر ہم پہچان لیتے ہیں کہ فلاں آدمی بات کر رہا ہے۔

اسی طرح جب دل کو حیات نصیب ہوتی ہے تو ابتدا" اسے یہ شعور نہیں ہوتا کہ یہ آواز کیسی ہے' کہاں سے آ رہی ہے لیکن جب اس پر جوانی آ جائے اور اس کے شعور میں پختگی نصیب ہو جائے تو آوازوں میں' باتوں میں' نام لینے میں' سننے میں' یہ تمیز کر سکتا ہے' اس کی استعداد اللہ کریم دے دیتے ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ عامتہ الناس اگر چاہیں کہ ہر شے جب اللہ کا ذکر کرتی ہے تو ہمیں سنائی بھی دے تو فرمایا مادی ذرائع سے اس چیز کو سننا تمہارے لئے ممکن نہیں ہے ان کے سننے کا آلہ قلب ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔

اللہ کریم بہت بردبار ہیں اور یہ اس کا حلم ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اگر ذکر نہ کرے تو اس کو فنا کرتا ہے لیکن انسان کو اس نے ایک مقررہ وقت تک مہلت دے دی ہے اور تب تک تجھے برداشت کرتا ہے' جو کچھ تم کرتے ہو' کسی کے سامنے تمہارے قصے بیان کرنے نہیں جاتا' کسی وقتی اور لمحاتی لغزش سے خفا ہو کر تم سے زندگی چھین نہیں لیتا' کہیں کسی کے سامنے تمہارے حال کو بیان نہیں کرتا' شکوہ نہیں کرتا' ایک انسان کا حال دوسرے کے سامنے بیان نہیں کرتا اور بخشنے والا بھی ہے۔

اگر بہت دور جا کر بھی تم واپس پلٹنا چاہو تو وہ ساری خطائیں معاف کر

دیتا ہے لیکن جو وقت اس نے مقرر کر دیا ہے اگر وہاں تک پہنچ کر بھی کوئی شخص واپس نہ پلٹا اور اس نے ذکر الہٰی اور عظمت الہٰی کا اقرار اور اللہ کی تسبیح بیان نہ کی تو یہ سمجھ لیں کہ وہ دائمی' ابدی اور ایک ایسی اذیت ناک موت سے دوچار ہونے والا ہے جو اس ارضی موت سے مختلف ہے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک اذیت' ایک کرب اور دردناک عذاب سے دوچار ہونا ہوگا۔

دعوت الہٰی و ذکر

جتنے بھی ذرائع دعوت الٰہیہ کے ہیں ان میں سب سے مضبوط تر' سب سے حسین تر ذریعہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت ہے جس میں بات اللہ کی ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور زبان اور انداز بیان محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے مخلوق میں جس کی کوئی نظیر نہیں تو پھر تو لوگوں کو دیوانہ وار اس بات کی طرف لپکنا چاہئے۔ کیونکہ انسانی مزاج فطرتاً" حسن کا پجاری ہے' حسن کا فدائی ہے' کوئی جانور حسین ہو یہ اسے بھی کھڑا دیکھتا رہتا ہے' کوئی پہاڑ حسین ہو تو یہ اس سے نگاہ اٹھانے کو تیار نہیں ہوتا' دریا کا کوئی حسن ہو' کسی وادی کا حسن ہو' کوئی حسین آواز ہو' کوئی حسین بات ہو' کوئی حسین مضمون ہو' یہ اس پہ فدا ہو جاتا ہے اور پھر عظمت الٰہیہ ہو' اس کا حسن ہو' اس کے ساتھ کلام بھی اللہ کا ہو اور اس کا بے مثال حسن ہو اور پھر زبان محمد رسول اللہ ﷺ کی ہو اور اس کی شیرینی اور اس کا حسن بھی پوری مخلوق میں بے مثل ہو تو اس سب کے باوجود انسان کیوں محروم رہتا ہے؟ اللہ کریم فرماتے ہیں' وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جن لوگوں سے میری بات بگڑ چکی ہے وہ گناہ کی اس حد تک پہنچ چکے ہیں جہاں صلح ممکن نہیں ہے۔ ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے' اس حد کو عبور کر جائے تو واپسی ناممکن ہوتی ہے۔

حیات قلب کی نوعیت

فرمایا جو اس حد کو عبور کر چکے ہیں۔ وَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا

یُؤمِنُونَ بِالآخِرَۃِ حِجَابًا مَّستُورًا ان کے اور تیرے درمیان میں ایک پردہ حائل کر دیتا ہوں' ان کے لئے نہ میرے کلام میں حسن ہے نہ تیری زبان کا حسن ان تک پہنچ سکتا ہے۔ وَّجَعَلنَا عَلٰی قُلُوبِہِم اَکِنَّۃً اَن یَّفقَہُوہُ وَفِی اٰذَانِہِم وَقرًا۔ میں ان کی آنکھوں میں' کانوں میں ڈاٹ لگا دیتا ہوں اور ان کے دلوں کو مضبوط بند کر دیتا ہوں' پھر کوئی چیز ان میں داخل نہیں ہو سکتی۔ پھر کلام باری ہو' زبان آقائے نامدار ﷺ کی ہو تو ظاہری کان سے سنتے تو ہیں' ان کے ظاہری کان تو اللہ کریم بند نہیں فرماتے کیونکہ سارے کافر' سارے مشرک حضور ﷺ کی بات سنتے تھے اور جن کے کانوں کو خدا نے بند نہیں کیا تھا وہ ایمان لے آتے تھے اور جن کے دلوں پر مہر ہو چکی تھی انہیں اسی حسین آواز پر اسی بے مثال دعوت پر غصہ آتا تھا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جس بات میں' جس انداز بیان میں اس قدر شیرینی ہو کہ انسان کا مٹ جانے کو جی چاہے اور پھر واقعی جن کے دلوں نے اس شیرینی کو چکھا وہ مٹ ہی گئے۔

شانِ صحابہؓ و حیاتِ قلب

ایمان لانے کے بعد اور دنیا سے جانے تک کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے وجود کو' اپنی ذات کو' اپنے ارادوں کو' اپنے مال کو اپنا نہیں سمجھا۔ مدینہ منورہ میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس اس قدر خوبصورت باغ تھا اور اس کی کھجوروں کی شاخیں اس قدر آپس میں ملی ہوئی تھیں کہ ایک دفعہ ایک پرندہ باغ میں پھنس گیا' کھجوروں کے تنوں میں سے اندر تو آگیا اب اوپر اسے روشنی نظر آتی تھی لیکن اوپر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ تو وہ باغ میں ادھر ادھر اڑتا تھا لیکن کہیں سے اوپر نکلنے کا راستہ نہیں تھا اس قدر گھنا باغ تھا۔ تو وہ بیٹھے اسے دیکھتے رہے جب نماز کے لئے مسجد نبوی ﷺ میں پہنچے تو حضور ﷺ نماز پڑھا چکے تھے۔ حضور ﷺ کی اقتداء میں ایک نماز کے چھوٹ جانے کا اس اللہ کے بندے کو اتنا قلق ہوا کہ اسی وقت اس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرے باغ نے مجھے اتنا

مصروف رکھا کہ میری جماعت کی نماز قضا ہوئی۔ اس لئے یارسول اللہ ﷺ! آج ہی اللہ کے نام پر اسے خیرات فرما دیجئے کہ آئندہ کبھی ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ نماز پڑھا رہے ہوں اور میں بیٹھا باغ کو دیکھ رہا ہوں۔

کتنی بڑی بات ہے کہ چند لمحوں کی حضوری جو آپ ﷺ کی نماز کی اقتداء میں تھی وہ چھوٹ گئی' اس نے نماز چھوڑ تو نہیں دی ہو گی بعد میں ادا کر لی ہو گی' اگر چھوٹا تو وہ لمحہ چھوٹا' جب حضور ﷺ اپنے خدام کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر تھے اور وہ پیچھے رہ گیا اور حضور ﷺ کے مدینہ ہوتے ہوئے تنہا نماز پڑھی۔ صرف اس بات کی وجہ سے مدینہ منورہ کا وہ حسین ترین باغ برداشت نہ کر سکے آپ ﷺ کی معیت' آپ ﷺ کی غلامی' آپ ﷺ کے ارشادات کو سننا' آپ ﷺ کی اتباع و اقتداء میں کھڑا ہونا اور آپ ﷺ کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت میں مصروف ہونا ان کا مقصد حیات بن گیا تھا۔

اس لئے کہ ان کی سمع تک وہ لذت پہنچی تھی جو اللہ کی بات میں اور حضور ﷺ کی دعوت میں ہے۔ اب آئے دن جو وعظ ہوتا ہے' تقریریں ہوتی ہیں جن میں اللہ ہی کا قرآن بیان کیا جاتا ہے اور حضور ﷺ ہی کی حدیثیں بیان کی جاتی ہیں وہی تفسیر بیان کی جاتی ہے جو حضور ﷺ نے بیان فرمائی تو کیا وجہ ہے کہ نہ سننے والا متاثر ہوتا ہے' نہ کہنے والے کی حالت بدلتی ہے۔ کہنے والا بھی ویسے کا ویسا کورا رہ جاتا ہے الاماشاء اللہ اور سننے والا بھی۔ حد ہے آپ اکثر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ بات کرنے والے کے لب و لہجے' آواز کے زیرو بم اور اس کے برمحل اور برجستہ شعر پڑھنے کی تعریف کر رہے ہوں گے یعنی باتوں کی لذت ان تک پہنچی لیکن حقیقی لذت جو کلام الٰہی کی تھی' جو حضور ﷺ کے ارشادات کی تھی' وہ ان تک نہ پہنچی۔ کیا ان میں سے کوئی لذت اللہ کریم نے اٹھا لی ہے ایسا ہرگز نہیں ہے۔

اللہ کا کلام اس کی صفت ہے ابدی ہے' دائمی ہے' اس کی کیفیات اس کی ساری لذات دائمی ہیں اللہ کا رسول ﷺ' اس کی نبوت' اس کی رسالت کے

سارے کمالات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہیں کبھی متغیر نہ ہوں گے اور ان میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

بداعمالی حجاب ہے

تو ان سب باتوں کے اپنے حال، اپنے مقام پر موجود ہونے کے باوجود اگر کسی کو وہ لذت نہیں ملتی جس نے آپ ﷺ کے چاہنے والوں کو دیوانہ اور مجنوں بنا دیا تھا تو پھر اس کی ایک ہی وجہ ہے۔ کہیں اللہ نے ہماری خطاؤں سے خفا ہو کر، ہماری لغزشوں ہمارے گناہوں سے ناراض ہو کر، ہمارے دلوں کے اور اس کی شیرینی کے درمیان پردہ تو نہیں ڈال دیا۔ کہیں ہمارے قلوب اپنی حسیات اور اپنے ذرائع علم کھو تو نہیں بیٹھے، مر تو نہیں گئے۔ دل کی موت کا مطلب دھڑکنا اور دھڑکنے سے رک جانا نہیں ہے، یہ تو بدن کی موت ہے، دل کی موت تجلیات باری سے محروم ہو جانے میں ہے۔

تو فرمایا جنہیں نہ میرے کلام میں لذت ملتی رہے نہ میری زبان میں لذت ملتی ہے اس کی وجہ یہ ہے وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً..... وَقْرًا۔ اس پردے اور اس حجاب کا اثر یہ ہوتا ہے۔ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ ذکر پروردگار عالم کا ہو، محمد رسول اللہ ﷺ ذاکر ہوں اور زبان ہو اللہ کے قرآن کی اور توحید باری بیان ہو رہی ہو تو اس میں اتنی شیرینی ہے کہ وہاں مٹ جانے کو جی چاہے انہیں اسے سن کر نفرت پیدا ہوتی ہے، اثر بدل جاتا ہے، جس کا دل سنتا ہو اس کا وہیں مٹ جانے کو جی چاہتا ہے اور جس کا دل نہ سنتا ہو اسے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا وہ نفرت سے پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ہم تو جانتے ہیں۔

بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓی جب آپ ﷺ کے سامنے، آپ ﷺ کی بات سن رہے ہوتے ہیں اور پھر جب آپ ﷺ سے

علیحدہ ہو کر آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں اللہ کریم فرماتے ہیں اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ کتنا درد ہے اس فقرہ میں کہ یہ ظالم آپس میں کہتے ہیں کہ تم تو کسی ایسے شخص کے پیچھے چل پڑے ہو جو خود سحر زدہ ہے' جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے' خود اپنا ہوش نہیں' پتہ نہیں یہ کیسی باتیں کرتا ہے۔

قلبی موت کے نتائج

ان کا یہ کہنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا ظلم اور بہت بڑی ناانصافی ہے اُنْظُرْ کَیْفَ.... فرمایا میرے حبیب (ﷺ) دیکھو کہ جب دل میں کجی آتی ہے' دل اندھے ہوتے ہیں تو حقیقت اور ہوتی ہے اور انہیں کچھ اور نظر آتا ہے۔ تو دل کا اندھا پن اللہ کا کتنا بڑا عذاب ہے کہ ساری کائنات کا حسن ایک مرکز پر جمع ہو گیا اور انہیں وہاں بدصورتی نظر آتی ہے۔ کتنی عجیب بات ہے آواز کا حسن ہو' چہرے کا حسن ہو' خدوخال کا حسن ہو' اوصاف باطنی کا حسن ہو اور بات اللہ کی ہو' زبان ہو محمد ﷺ کی' دعوت الی اللہ ہو' عظمت الٰہی کے سارے حسن بیک وقت ایک مرکز پر مرتکز ہو جائیں جیسے دنیا میں کروڑوں سورج ہوں اور سارے سورج بیک وقت ایک نقطے پر جمع ہو جائیں پھر بھی دیکھنے والا کہے کہ ادھر تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ فرمایا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا گمراہ ہو گئے اور ایسے بھٹکے کہ واپسی کا راستہ بھی نہ رہا۔ جس شخص کو اللہ کے قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ہدایت نصیب نہیں ہوئی پھر اس کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ اور سبب ہدایت کا نہیں ہے یعنی یہ آخری دوا ہے قلوب کی حیات کے لئے۔ یہ آب حیات کا اتنا بڑا سوتا' اتنا بڑا دریا' اتنا بڑا سمندر ہے کہ جو یہاں سے محروم گیا اس کے لئے کوئی قطرہ آب حیات کا موجود نہیں۔ اپنے کردار' اپنے اعمال' اپنی آرزوئیں' اپنی خواہشوں کا جائزہ لینا چاہئے۔ اگر تو ہماری خواہشوں کا رخ حضور ﷺ کی اطاعت کی طرف ہو گیا تو سمجھ لو کہ دل

زندہ ہے۔ کسی شخص کو ساری زندگی کشف نہ ہو' اس سے کوئی کرامت ظہور پذیر نہ ہو جائے لیکن اس کے دل میں اللہ کی اطاعت کا جذبہ زندہ ہو جائے تو وہ سمجھ لے کہ میرا کام بن گیا' میں صحیح سمت جا رہا ہوں اور اگر سارے کمالات حاصل ہوں' یہ جذبہ مر جائے' تو سارے کمالات آن واحد میں سلب ہو جاتے ہیں اور کوئی کمال کمال نہیں رہتا۔

☆ ☆ ☆

تزکیہ اور فلاح

فرائض نبوت

نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کا زلزلہ تمام رشتوں کو تباہ کردے گا۔ لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے' بھائی بھائی کو' والد اولاد کو' اولاد والدین کو' دوست دوست کو لیکن اس طرح ہوں گے گویا لا انساب بینھم یومئذا کہ آج کے دن کوئی رشتہ رشتہ ہی نہیں رہا۔ سب اپنے اپنے فکر میں گرفتار ہوں گے۔ جب کہ ایسے حال میں اللہ کے وہ بندے جو محض اللہ کی رضا کے لئے جمع ہوتے ہیں اور ان کا تعلق اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے' اللہ کا ذکر کرتے ہیں' اللہ کو یاد کرتے ہیں اور جدا ہو جاتے ہیں تو یہ تعلق اتنا مضبوط ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کا زلزلہ بھی اسے نہیں توڑ سکے گا یعنی یہ ایسا رشتہ ہے کہ اس میدان میں بھی بدستور قائم رہے گا اس لئے کہ اس کا سبب بہت عظیم ہے۔ اور وہ سبب ذات باری کی رضامندی کی طلب ہے۔

نبیؑ کا کمال

ہمارا دور اس حقیقت سے اس قدر بے بہرہ اور اس متاع گراں مایہ سے اس قدر نا آشنا ہو چکا ہے کہ اب یہ سمجھا جا رہا ہے کہ اس چیز کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی حالانکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور دوسرے ماہرین فن میں بنیادی فرق ہی یہ ہوتا ہے کہ دوسرے فن کا ماہر الفاظ کے سانچے میں معلومات بہم پہنچا سکتا ہے اور اللہ کا نبی اور رسول صرف الفاظ تعلیم نہیں فرماتا بلکہ دلوں

میں ایک حال منتقل فرما دیتا ہے' ایک کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ صرف بات ہی نہیں بلکہ انبیاء کا کمال یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ فرماتے ہیں وہ بات دل کا حال بن جاتی ہے۔ مثلاً" نبی کریم ﷺ نے اگر توحید باری کے متعلق معلومات فراہم فرمائیں تو جنہیں نور ایمان نصیب ہوا' توحید باری ان کا حال بن گئی اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں اس سے ہٹا نہ سکی' وہ ان کے وجود کا حصہ بن گئی' ان کے دلوں کی ایک حالت بن گئی۔ اب محض زبانی بات ہو یا محض ذہنی فلسفہ ہو تو اسے کوئی دلیل رد کر دے۔ محض زبانی بات ہو تو کوئی دباؤ اس سے آدمی کو ہٹا دے لیکن جو بات دل کا ایک حال بن جائے مثلاً" ایک آدمی کو بخار ہو جائے آپ اسے مار کر یا اس پر کوئی دباؤ ڈال کر' اسے کوئی خوف دلا کر اس کے بخار کو دور نہیں کر سکتے۔ وہ تو اس کی ایک حالت ہے اور یہ بدن کی حالت ہے جب کوئی کیفیت دل کا حال بن جاتی ہے تو کوئی بھی خارجی اثر اس کو تبدیل نہیں کر سکتا اور یہی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں کمال ہوتا ہے۔

شان صحابہؓ

اب آپ اندازہ فرمائیے کہ جنہیں یہ دولت سب سے زیادہ وافر نصیب ہوئی وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جماعت ہے اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہمیشہ اللہ کے رسول مطاع ہوتے ہیں۔ ان کا یہ مقام ہوتا ہے کہ ان کی اطاعت بے چون و چرا کی جائے' جو وہ فرمائیں' جو وہ کریں' اسے مانا جائے' اس پر عمل کیا جائے۔ قرآن حکیم کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا بھی یہ حال ہے کہ وہ نبی نہیں ہیں' معصوم عن الخطا نہیں ہیں لیکن ان کی اطاعت واجب ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ وہ خود نبی نہیں ہیں' انہیں نبی ماننا بھی کفر ہے لیکن ان کی اطاعت واجب ہے۔ قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے ان کی اطاعت کے باہر کوئی راستہ نجات کا نہیں کیوں؟ اس لئے کہ اطاعتِ نبوت ان کے قلوب کا حال بن چکی تھی۔ وہ جو کچھ کرتے تھے منشاء نبی

ﷺ کے مطابق کرتے تھے۔ ان کی اپنی پسند ہی نہیں رہی تھی تو اللہ نے ان کی اطاعت واجب کر دی۔ درحقیقت وہی اطاعت اللہ کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی ہے وہ اس کا مظہر بن گئے تھے انہیں کسی چیز کی لذت متوجہ نہیں کر سکتی تھی۔ اگر متوجہ ہوتے تھے تو اللہ اور اللہ کے رسول کی اجازت سے۔ ان میں کسی چیز کے لئے اگر لطف تھا تو صرف یہ تھا کہ اسے حاصل کرنے کی اجازت حضور ﷺ نے دی ہے۔ کسی چیز کی کڑواہٹ انہیں روک نہیں سکتی تھی' کسی چیز میں ان کے لئے تلخی تھی تو صرف اس بات کی کہ حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع کر دیا۔ اس لئے قرآن حکیم نے اس بات پر اصرار فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بعد السابقون الاولون من المھاجرین و الانصار۔

اتباع صحابہؓ

و الذین اتبعو ھم باحسان رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ قیامت تک آنے والی انسانیت کے جن افراد نے خلوص دل سے ان کا اتباع کر لیا وہ کامیاب ہو گئے۔ ان کے اتباع سے اصل مراد یہی ہے کہ وہ اتباع نبی کریم ﷺ کا ہو گا کہ یہ ان کا حال بن چکا تھا اطاعت نبوت کی یہ کیفیت اصل دولت ہوتی ہے جو سوائے نبی کے کہیں نہیں ملتی جو الفاظ نبی ﷺ تعلیم فرماتا ہے وہ واقعی حق ہوتے ہیں' صحیح ہوتے ہیں لیکن جن دلوں کو یہ حال نصیب نہ ہو انہیں وہ حق نظر نہیں آتا۔

آپ اندازہ فرمایئے کہ آج ہم اس مبارک دور سے چودہ سو سال دور بیٹھے ہیں۔ لیکن جو لوگ خود اس شہر عزیز میں رہے' اس زمانہ پرنور میں رہے' ارشادات نبی کریم ﷺ کو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا اور پھر نور ایمان سے خالی رہے' انہیں اطاعت نصیب نہ ہوئی یعنی دو شخصوں کی حالت بالکل مختلف ہے کہ ایک آدمی سنتا ہے' اس پہ جان نچھاور کر دیتا ہے' اس سے ہٹ نہیں سکتا اور دوسرا سنتا ہے تو کہتا ہے کہ اسے پھر سنا ہی نہ جائے۔ وہ اس سے

بھڑک اٹھتا ہے' ناراض ہوتا ہے' خفا ہوتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں دل کی ہیں۔ ایک کا دل اس حال سے خالی ہے تو تعلیمات کتاب و حکمت اس کے لئے کوئی قیمت ہی نہیں رکھتیں اور دوسرے کے دل کو یہ حال نصیب ہوا کہ اس کے لئے سرمایہ حیات ہی وہی ہیں۔

تزکیہ کے ثمرات

انسانی کردار کی بنیاد یہی دولت ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے یہ فیصلہ دے دیا۔ قد افلح من تزکی۔ وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنا تزکیہ کر لیا۔ یعنی وہ حال جو برکات نبوتؐ سے دل میں پیدا ہو جاتا ہے اور اس قدر لذت پیدا کر دیتا ہے کہ اطاعت نبوت ﷺ میں نافرمانی کڑوی لگنے لگتی ہے' مزاج کے خلاف لگنے لگتی ہے' گناہ سے نفرت پیدا ہونے لگتی ہے۔

قرآن حکیم نے اس حال کو تزکیہ کہا ہے اور تزکیہ میں قلوب بفضل اللہ اس طرح ہو جاتے ہیں مثلاً" جس طرح آنکھ۔ اب آدمی کو باقی جسم پر لاٹھی پڑ جائے' برداشت پتھر لگ جائے' پاؤں پر' ہاتھ پر برداشت کر لیتا ہے' لیکن آنکھ میں ذرہ سا تنکا بھی برداشت نہیں کرتا۔ اپنا بال ٹوٹ کر اگر اندر چلا جائے تو جب تک نکل نہ جائے برداشت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ وہ اتنی شفاف اور اتنی نازک ہے کہ وہ بالکل بوجھ برداشت نہیں کرتی۔ دل کا بھی یہی حال ہے اگر غلطی سے آنکھ میں کسی وقت کوئی چیز پڑ جاتی ہے تو آدمی جب تک اسے صاف نہ کر لے اسے چین نہیں آتا۔ اسی طرح مزکی شخص سے اگر بحیثیت انسان بتقاضائے بشریت کوئی خطا ہو جائے تو اس کے دل کا بھی وہی حال ہوتا ہے کہ آنکھ کی طرح جب تک آدمی توبہ سے' توبہ کے آنسوؤں سے' آہ و زاری سے' اسے دوبارہ دھوتا نہیں' اس کام سے باز نہیں آتا تب تک دل کو قرار نہیں آتا۔ اور اگر یہ حال نصیب نہ ہو تو ہمارے سامنے مسلمانوں کی ایک حالت موجود ہے۔ غافلین کی بات چھوڑ دیں آپ ان احباب کو لیں جو عبادات باقاعدگی سے کرتے ہیں' نماز

ادا کرتے ہیں' روزے رکھتے ہیں' حج کرتے ہیں' زکوۃ دیتے ہیں لیکن یہ سب کچھ انہیں میدان عمل میں بدکاروں سے علیحدہ نہیں کرتا۔ جب عملی زندگی میں آتے ہیں تو جو کچھ ایک بے نماز کرتا ہے وہی کردار ایک نمازی کا بھی ہوتا ہے۔ جو کچھ ایک حج نہ کرنے والا کرتا ہے وہی کردار حاجی کا بھی ہوتا ہے تو پھر عبادت کرنے کا فرق کیا پڑا۔

حال اور عبادت

اس لئے کہ اس حال کے بغیر جو عبادت کی جاتی ہے اس سے فریضہ شرعی ضرور ادا ہو جاتا ہے لیکن جو اثر عملی زندگی پر مرتب ہونا چاہئے وہ نہیں ہوتا۔ جب تک دل میں یہ بات رچ بس نہ جائے' اسے تزکیہ نصیب نہ ہو جائے اور اس کی نگاہ سے دیکھا نہ جائے۔ تو تزکیہ ازحد ضروری ہے آپ کسی بھی عمل میں ارشادات باری کو قرآن حکیم میں دیکھیں یا سنت رسول مقبول ﷺ میں یا حدیث پاک میں آپ ﷺ کے ارشادات کو دیکھیں تو خشوع و خضوع و خلوص یہ ساری اسی دل کے حال کی مختلف کیفیتیں ہیں جو ہر عمل کی بنیادی ضرورت قرار دی گئی ہیں۔

حفاظت قرآن کا ایک ذریعہ

یہ بھی یاد رکھئے کہ تزکیہ دین کا سب سے بڑا شعبہ ہے اللہ کریم نے اسے مٹا نہیں دیا' چنانچہ ارشاد ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ اس قرآن کو ہم نے نازل کیا اور اس کی حفاظت بھی ہمارے ذمہ ہے۔ یہ کلام باری کا واضح اور روشن اتنا بڑا معجزہ ہے کہ آج تک اس نے دنیائے کفر کو حیرت میں ڈال رکھا ہے یعنی چودہ صدیاں بیت گئیں ایک چھوٹی سی کتاب جسے لوگ جیب میں لئے پھرتے ہیں' جسے ایک بچہ بھی زبانی یاد کر لیتا ہے' پوری دنیا کے کفار ہر کوشش کے باوجود آج تک اس میں سے کوئی ایک نقطہ بڑھا گھٹا نہیں

سکے، کوئی تبدیلی نہیں کر سکے، اپنی اصل حالت میں موجود ہے۔ آپ کسی فن پر، کسی موضوع پر مذہبی ہو یا دنیوی تحقیقات کے متعلق کوئی کتاب قرآن حکیم کے علاوہ اصلی صورت میں نہیں دیکھ سکتے وہ اسی زمانے میں بدلنا شروع ہو جاتی ہے جب مصنف زندہ موجود ہوتا ہے۔ کتابیں شائع ہوتی ہیں ان میں تبدیلی کر دی جاتی ہے اور وہ خود پڑھ کر حیران ہوتا ہے کہ میں نے کیا کہا تھا اس نے کیا لکھ دیا۔

آپ مصنفین کو چھوڑیں خود میرا اپنا تجربہ ہے کہ بعض اوقات میری تقاریر کی جو رپورٹنگ ہوتی ہے اس میں بددیانتی نہیں ہوتی لیکن ساتھیوں کو غلط فہمی ضرور جاتی ہے میری مراد کچھ اور ہوتی ہے اور جو جملہ نقل ہوتا ہے اس کا معنی اور ہوتا ہے۔ اب یہ اس آدمی کے فہم پر منحصر ہے، وہ خلوص سے کرتا ہے، ٹیپ سے کاغذ پر نقل کرتا ہے۔ اس کی اپنی استعداد ہے جو کچھ اس نے سمجھا اس انداز سے اسے لکھ دیتا ہے اور کئی بار پڑھ کر میں خود حیران رہ جاتا ہوں پھر منع بھی کرتا ہوں، کئی بار سمجھاتا بھی ہوں، پھر اکثر تنگ آ کر خود پڑھنا چھوڑ دیتا ہوں کہ کم از کم اس سے جو مجھے ذہنی ایذا ہوتی ہے اس سے تو بچوں۔ آدمی کو ذہنی طور پر ایک تکلیف ہوتی ہے کہ میں نے تو یہ نہیں کہا تھا اس نے کیا لکھ دیا حالانکہ جو ساتھی نقل کرتے ہیں یا رپورٹنگ کرتے ہیں، وہ خلوص سے، پیار سے، ثواب کے لئے دوسروں تک بات پہنچانے کے لئے کرتے ہیں۔ اگر آدمی خلوص سے بھی کرے تو اس قدر غلطی کا امکان ہمارے تجربے میں موجود ہے۔ اب جس بات کو غلط کرنے کے لئے دنیا کا سارا کفر پوری طاقت لگا رہا ہو اور یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ وہ اس میں سے ایک زیر، ایک زبر، ایک نقطہ بڑھا گھٹا نہ سکے۔

یہ اس اعلان کا مظہر ہے جو رب جلیل نے فرمایا کہ میں نے ہی ذکر کو، قرآن کو، اپنے کلام کو نازل بھی کیا ہے اور اس کی حفاظت بھی میں ہی کروں گا۔ اب اس حفاظت کے مطلب کو لیجئے تو اس کے تین پہلو ہیں۔ ایک پہلو ہے

قرآن کا سننا، کیسی عجیب اور روئے زمین پر صرف ایک ہستی ہے نبی پاک ﷺ کی جس نے قرآن پاک کو براہ راست سنا۔ باقی ساری روئے زمین کی انسانیت حضور اکرم ﷺ سے سنتی ہے، اللہ سے نہیں اور کسی دوسرے کی شہادت موجود نہیں کوئی دوسرا آدمی ایسا موجود نہیں جو یہ کہہ سکے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی میں بھی سن رہا تھا اسی طرح نازل ہوئی تھی۔ کوئی بھی نہیں، کوئی سن سکتا ہی نہیں۔ یعنی وحی کو سننا منصب ہی نبی کا ہے، غیر نبی سن ہی نہیں سکتا، بات ہی ختم ہو گئی اور اللہ کریم فرماتے ہیں کسی کی شہادت کی ضرورت ہی نہیں۔

معانی کا تعین اور اس کے ذرائع

وکفیٰ باللہ شہیدا۔ میں خود ہی گواہ کافی ہوں۔ جس طرح قرآن کو صرف نبی سنتا ہے اسی طرح قرآن کا معنی معین کرنا بھی نبی کا ہی مقام ہے، غیر نبی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے جب لوگوں نے لغات کا زور لگا کر مختلف آیات کے معنی اپنی طرف سے کرنے کی کوشش کی تو مسلمانوں میں اسلام سے ہٹ کر اسلام کے نام پر مختلف فرقوں کی بنیاد پڑ گئی۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو عرب اہل زبان تھے نبی پاک ﷺ کی بعثت کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ الواح موسیٰ علیہ السلام کی طرح لکھا لکھایا قرآن اللہ کریم بیت اللہ شریف میں رکھ دیتے اور ہاتف آواز دے دیتا کہ لوگو! یہ بتوں کی پوجا چھوڑ دو اللہ کو جو منظور ہے وہ اس کتاب میں لکھا ہوا، اسے اٹھا لو اور اس پر عمل کرو۔ عربی صرف ان کی مادری زبان ہی نہ تھی بلکہ وہ سارے ماہر زبان بھی تھے لیکن ایسی صورت میں ہر عرب، ہر جملہ کی اپنی استعداد کے مطابق، اپنی پسند کے مطابق، اپنی رائے کے مطابق علیحدہ توجیہہ اور معنی کرتا۔

تو اللہ نے معانی کی تعیین بھی کر دی اور یہ دوسرا پہلو ہے کتاب اللہ کا لتبین للناس مانزل الیہم۔ یہ منصب عالی نبی کریم ﷺ کا ہے کہ لوگوں کو آپؐ بتائیں جو نازل ہوا، اس کا معنی کیا ہے، اس سے کیا مراد ہے۔ یعنی جس

طرح قرآن کو صرف نبی علیہ السلام سنتا ہے سمجھتا اسی کا منصب ہے اور سننے والا جس طرح حضورﷺ سے سنتا ہے اس طرح سمجھنے کے لئے بھی وہ نبی کریمﷺ کے ارشادات کا محتاج ہے۔

تیسرا پہلو اس کا یہ ہے۔ یتلوا علیھم آیاتہ و یزکیھم۔ اللہ کے رسولﷺ دعوت الی اللہ دیتے ہیں اور جو دعوت کو قبول کرتا ہے اس کا تزکیہ فرماتے ہیں' اس کے دل کو ایک حال عطا فرماتے ہیں۔ اس کے بعد و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اگر تزکیہ نہ ہو تو تعلیم کتاب و حکمت اس کے دل پر اثر نہیں کرتی۔ اب انہی ارشادات کو سن کر کافر کہتے ہیں' ان ھٰذا الا اساطیر الاولین۔ بھئی یہ قصے کہانیاں ہیں' ان میں کیا رکھا ہے۔ دوسرا سنتا ہے تو کہتا ہے لا تسمعوا لھذا القران و الغوا فیہ۔ اسے مت سنو' جب یہ قرآن پڑھ رہے ہوں تو شور کیا کرو اس لئے کہ ان کے قلوب کو تزکیہ نصیب نہیں ہوا اور جنہیں تزکیہ نصیب ہوا انہیں جو لفظ قرآن حکیم کا ملتا ہے ان کے نزدیک وہ دو جہانوں سے قیمتی ہے۔

اصلاح کا قرآنی طریقہ کار

قرآن کریم ان لوگوں کے قلوب کے تزکیہ کی تین حالتیں بیان کرتا ہے جو قرآن کو مانتے ہیں اور اس پر عمل کے مکلف ہیں۔ دو چیزیں تو خصوصیت ہی نبی کریمﷺ کی ہیں کہ ایک تو لوگ قرآن کو حضورﷺ سے سنیں اور دوسرا قرآن کا معنی آپﷺ معین فرمائیں۔ اس کے بعد خدام یا جن سے اللہ نے دین کی خدمت لینی ہے ان کے ذمے یہ ہے کہ وہ قرآن میں اپنی طرف کچھ گھٹائے بڑھائے بغیر انہی الفاظ کو آگے نقل کریں۔ اس طرح کوئی معنی اپنی طرف سے مقرر کرنے کا مجاز نہیں۔ جو معنی حضورﷺ نے فرمایا اسی کو دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ تیسری بات امتیوں کے لئے تھی کہ انہوں نے اسی تزکیہ کی جو دولت بارگاہ نبوت سے حاصل کی جس طرح قرآن کے الفاظ پہنچائے' جس طرح

اس کے معنی پہنچائے' اسی طرح وہ کیفیات بھی آنے والوں کو منتقل فرمائیں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تابعین رحمتہ اللہ تعالیٰ عنہم کو' تابعین رحمتہ اللہ تعالیٰ عنہم نے تبع تابعین رحمتہ اللہ تعالیٰ عنہم کو اور تب سے لے کر اب تک اللہ کریم نے بعض لوگوں سے یہ خدمت لی اور ان کی سعادت اس میں مقرر فرما دی کہ وہ اس نعمت کو حاصل کریں اور اللہ کے بندوں تک پہنچائیں۔ اب یہ بعینہٖ یہ ایسے ہی ہے' جیسے اللہ کا کلام پہنچانا' اس کا معنی اور مفہوم پہنچانا بالکل اسی طرح اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ اس کیفیت کو جس کا نام تزکیہ ہے آگے منتقل کیا جائے۔

تزکیہ قلب

اللہ کریم فرماتے ہیں۔ و ذکر اسم ربہ۔ تزکیہ قلوب کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب دل کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو اپنے پروردگار کے ذاتی نام کے ذکر کی توفیق ارزاں ہو جاتی ہے یعنی اس کے انگ انگ میں اللہ اللہ رچ بس جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو جب یہ نعمت نصیب ہوئی تو ان کا جو حال ہوا اسے اللہ کریم نے کتاب پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ ثم تلین جلودھم و قلوبہم الی ذکر اللہ۔ کہ ان کا تزکیہ ایسے ہوا کہ کھالوں سے لے کر نہاں خانہ دل تک ذاکر ہو گیا۔ کھال جسم کا سب سے باہر کا حصہ ہے اور سب سے اندر کا حصہ دل کی گہرائیاں ہیں یعنی کھال' گوشت' ہڈیاں' بال' خون کے قطرے' اعضائے جسم حتیٰ کہ دل کی گہرائیوں تک ہر ہر عضو بدن اللہ اللہ کرنے لگ گیا۔

سیرت کی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ غالباً" میں نے مشکوٰۃ شریف میں دیکھا تھا۔ ایک صحابی ؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے جب کھانا آتا تھا تو اس حال میں کہ ہم اسی کھانے سے نوالے توڑ کر کھا رہے ہوتے تھے' اس کھانے سے اللہ کی تسبیحات بھی سن رہے ہوتے تھے یعنی یہ ان کے سینے کا' ان کے اس حال کا پرتو

تھا۔ جس طرح آپ کسی چیز کو الکٹری فائی کر دیں کہ جو بھی اس کے ساتھ رکھیں اس میں بھی بجلی دوڑنے لگے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے کھانا ہوتا تھا' ہم اسے کھا رہے ہوتے تھے اور اس میں سے اللہ کی تسبیحات بھی سن رہے ہوتے تھے یعنی نہ ان کے صرف وجود ذاکر ہو گئے بلکہ جہاں جہاں جس چیز کو ان سے نسبت ہوتی اس میں بھی اللہ اللہ سرایت کر جاتی تھی۔

عظمت صحابہؓ

ایک تاریخی بات آپ کو بتاؤں۔ آج چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ روئے زمین کے ایک بہت بڑے حصے پر اسلام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے پہنچایا۔ یہ سعادت ان کے حصے میں آئی۔ کیسے عجیب لوگ تھے کہ چین سے ہسپانیہ تک' سائبیریا سے افریقہ تک' تیئس (۲۳) سالہ دور خلافت میں اسلام نہ صرف ان علاقوں تک پہنچ چکا تھا بلکہ ان علاقوں پر دین کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ جس ملک اور جس جگہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اسلام پہنچایا اس زمین سے آج تک کلمہ اسلام کو مٹایا نہیں جا سکا۔ زمانے کے ہزاروں انقلاب آئے آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں' جہاں جہاں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دین کو پہنچایا وہاں سے آج تک حکومتیں بدلیں' زمانے بدلے' مسلمانوں کے عروج اور زوال کے مختلف حالات آئے اور گئے سب کچھ ہوتا رہا لیکن لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صدا کسی کونے سے ابھرتی ہی رہی حتیٰ کہ آج دیکھ لیں کہ کب سے انقلاب روس آیا۔ ملک سے یہودیت کو نکال دیا' عیسائیت کو نکال دیا' کسی بھی ایسے عقیدے کو جس کا مذہب سے تعلق تھا انہوں نے اپنے ملک سے نکال دیا بلکہ نعوذ باللہ من ذالک۔ سٹالن نے کہا تھا۔

(We have kicked the God out of our country)

یہ بات تاریخ کا حصہ ہے لیکن ساری کوششیں کرنے کے باوجود اتنے عرصے کے بعد آج بھی اسلام کو نہیں نکال سکے جہاں جہاں انہوں نے پہنچایا تھا۔

اگلے روز میں اخبار دیکھ رہا تھا کہ مسلمانوں نے جلوس نکالا اور احتجاج کیا کہ ہم ارکان اسلام پر عمل کریں گے اگر تم آزادیاں دے رہے ہو تو دینی امور میں کیوں آزادی نہیں ہے۔ ابھی تک اتنی جان ان میں باقی ہے کہ وہ خود چھپ کر نمازیں پڑھنے کی بجائے اب اپنے اور اسلامی حقوق کا مطالبہ آج کر رہے ہیں۔ آپ نہیں دیکھیں گے کہ عیسائیوں نے یا یہودیوں نے یا کسی اور مذہب نے ایسا کیا ہے جب کہ بظاہر روس میں مذہب نام کی کوئی چیز نہیں رہی تھی۔

یہی حال چین کا ہے پورے چین میں سارے مذاہب کو ختم کر دیا گیا تھا۔ لیکن جہاں جہاں تک' چین کے جن علاقوں میں' دین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے پہنچایا وہاں سے نہیں نکالا جا سکا۔ جنوب میں جنوبی افریقہ تک' اس طرف سری لنکا تک' سپین میں آپ دیکھ لیں اتنا ظلم تھا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمان عیسائی ہو جائے یا ملک چھوڑ دے ورنہ قتل کر دیا جائے۔ کوئی چوتھا راستہ نہ تھا۔ الفاسو کے زمانے میں پوری ہسپانیہ میں جبر سے عیسائی حکومت نے اس پر عمل کیا تھا اس کے باوجود ہسپانیہ میں اذانیں بھی ہو رہی ہیں' نمازیں بھی جاری ہیں۔ اب تک حکومت عیسائیوں کی آ رہی ہے لیکن وہاں سے کلمہ توحید کو کھرچا نہیں جا سکا۔ جہاں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے دین پہنچایا تھا اس زمین میں بھی وہ رچ بس گیا ہے' وہاں سے اب تک نہیں جا سکا یہ ان کے تزکیہ قلوب کا ان کے تقویٰ کا حال تھا۔

ذکر' سلاسل اور شیخ کی ضروریات

اس طرح ذکر الٰہی کی' شیخ کی اور سلاسل کی اسی لئے ضرورت ہے کہ وہ یہ کیفیت ہمارے اندر منتقل کر دیں۔ اس کے علاوہ جو رواج ہو گیا ہے کہ ہم دنیوی امور میں پیروں سے بڑی مدد لے لیتے ہیں' یہ ہمارے اوہام ہیں۔ دنیا کے امور ان کے بھی چل رہے ہیں جو اللہ کو اللہ ہی نہیں مانتے۔ دنیا کے کام ان لوگوں کے بھی ہو رہے ہیں جنہوں نے آج تک نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا اقرار

ہی نہیں کیا۔ تو پھر ہمارے لئے یہ کیا مصیبت ہے کہ ہم اللہ کو بھی مانیں' اللہ کے رسول ﷺ کو بھی مانیں' اللہ کی کتاب کو بھی مانیں اور ہمیں پھر دنیوی امور کے لئے خواہ مخواہ ایک پیر کا بوجھ بھی اپنے اوپر لادنا پڑے یہ تو زیادتی ہے۔ دنیا کے کام جب تک کسی کو دنیا میں رکھنا مقصود ہے اللہ کی طرف سے ہوتے رہتے ہیں اور اسی بات کا اس سے محاسبہ کیا جائے گا کہ جو عطا میں نے اپنے ذمے لی تھی وہ میں تجھے دیتا رہا۔ تیرے ذمے صرف یہ تھا کہ تو میری عطا کا شکر ادا کرتا رہ۔ کبھی تو نے یہ بھی کیا۔ حساب ہی اتنا ہو گا اس سے زیادہ تو کوئی حساب ہی نہیں۔ جو نعمتیں تو لیتا رہا ہے کبھی ان کا اقرار بھی کیا کہ اے اللہ مجھے تو دے رہا ہے یا سب اپنی بہادری شمار کرتا رہا۔

شیخ کامل کی پہچان اور قوت

ذکر کی ان محفلوں کا' شیخ کی مجالس کا' توجہ کا' صرف اور صرف حاصل یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص جسے اللہ کی طرف سے یہ دولت نصیب ہوئی ہو کسی کو دے بھی سکا۔ یاد رکھیں کہ حاصل کرنا اور بات ہے دوسروں کو منتقل کرنا اور بات ہے۔ کتنے لوگ پڑھ لکھ جاتے ہیں لیکن کیا ہر پڑھا لکھا آدمی دوسرے کو پڑھا سکتا ہے' سمجھا سکتا ہے' اس طرح کبھی نہیں ہوتا۔ اپنے لئے حاصل کرنا ایک بات ہے اور دوسرے تک منتقل کرنا دوسری بات ہے۔ ہم نے بڑے بڑے عالی مرتبہ بزرگوں کو دیکھا ہے کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے گھر کے افراد تک جو ان کی گودوں میں پلے' ان کے زیر سایہ جوان ہوئے' ان کے پاس رہے' ان کے حصے میں یہ دولت نہ آ سکی' ان کو نہ دے سکے۔ یہ ان کا قصور نہیں تھا۔ یہ اللہ کی مرضی کہ انہیں صرف حصول تک محدود رکھا تقسیم پر نہیں لگایا۔

تو اگر کہیں ایسی مجالس' ایسی صحبت' کہیں اللہ کا بندہ کوئی ایسا مل جائے جو یہ دولت دوسروں کو دے بھی سکے تو یہ رب کریم کا اتنا بڑا انعام ہے کہ جس کا

اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

اب اس بات کو اس لئے نہیں کرنا ہے کہ عام لوگ نہیں کرتے تو یہ دلیل ہمیں نماز سے بھی روک سکتی ہے کہ اکثریت مسلمانوں کی نماز ادا نہیں کرتی ہم کیوں کریں' اکثریت مسلمانوں کی زکوۃ نہیں دیتی ہم کیوں دیں تو کیا ہم اکثریت کے پیچھے جائیں گے یا حق کے پیچھے جائیں گے۔ آدمی کو حق کا ساتھ دینا ہوتا ہے اکثریت کا نہیں۔ خدانخواستہ اکثریت گمراہ ہو جائے تو وہ دلیل تو نہیں بن جاتی اس وقت اگر اکثریت اس نعمت سے خالی یا محروم رہ گئی' ناواقف رہ گئی اکثریت نے ہیرے کا نام تو سنا ہے ساری زندگی انہوں نے ہیرا دیکھا نہیں ہے۔ اور اگر انہیں ملے تو شیشے سے زیادہ اس کی قیمت نہیں لگائیں گے۔ تو کیا آپ اکثریت کی بات مان لیں گے یا ہیرے کی اصل قیمت پہ جائیں گے۔ حق پر جانا پڑتا ہے اور اگر حق سے بے شمار لوگ ناواقف ہو چکے ہیں تو اس بات کو محسوس کرنا چاہئے اور یہ دعا کرنی چاہئے کہ بارالہا انہیں بھی یہ دولت نصیب فرما دے' یہ تیرے بندے ہیں' ہمارے بھائی ہیں۔ اگر ہمیں خبر ہے تو ہمارے ذمے ہے کہ ہم دوسروں کو بھی آگاہ کریں نہ یہ کہ خود چھوڑ دیں یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔

محاسبہ عمل جاریہ ہے

دوسری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنا محاسبہ کیا کیجئے۔ دیکھیں ایک آدمی کو اگر گاڑی مل بھی گئی وہ اسے چلاتا بھی رہا لیکن اس نے سفر نہیں کیا وہ ایک جگہ اسے گولائی میں گھماتا رہا تو اسے گاڑی ملنے نہ ملنے سے کیا فرق پڑا اگر ہمیں ذکر الہی کی توفیق اور ذکر کی مجالس نصیب ہو گئیں تو ہمیں اس کے ساتھ اپنے روزمرہ کے معمولات کا موازنہ کرتے رہنا چاہئے کہ ذکر سے پہلے اگر میں نماز نہیں پڑھتا تھا تو کیا اس کے طفیل میں نے عبادت شروع کی ہے' ذکر نہیں کرتا تھا' تو غلط ملط یا دوسروں کا مال بھی لیتا تھا' پرواہ نہیں ہوتی تھی' لیکن کیا اس کے ساتھ میرے معاملات میں دیانت آنی شروع ہو گئی' مجھے احساس

ہونے لگ گیا' اسی طرح جتنی عملی زندگی ہے' جس کے ہم مکلف ہیں' جس میں بیویوں کا حق ہے' والدین کے حقوق ہیں' اولاد کے حقوق ہیں' دوستوں کے حقوق ہیں' مالی معاملات ہیں' لین دین کے معاملات ہیں۔ کاروبار ہے' ملازمت ہے' تجارت ہے' مزدوری ہے' جو کچھ کرتے ہیں' یہ دن بھر کی جو مصروفیات ہیں' جاگنے سے لے کر سونے تک ان سب کو رو بقبلہ ہونا چاہئے۔ صرف ایک قبلہ کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمانوں کا رخ کعبہ کی طرف کرنا مقصود ہے' بلکہ مقصد یہ ہے' کہ ہمارا کردار' ہمارے نظریات ہماری سوچ سب کا ایک قبلہ بن جائے اور سب کی تمنا' جو ہو' وہ یہ ہو' کہ مجھے اللہ کا قرب اور مجھے اللہ کی رضا حاصل ہو۔

گناہ' توجہ' توبہ

اگر خدانخواستہ ذکر کے بعد بھی ہماری اصلاح نہیں ہو پاتی تو پھر اندازہ کیجئے کہ اس مریض کا کیا حال ہے جس کو آب حیات بھی شفا نہیں۔ آب حیات کے بعد تو کوئی علاج نہیں ہے' اس سے آگے تو پھر کوئی دوا نہیں ہے' کوئی اصلاح کی تدبیر ہی نہیں ہے۔ ہمیں صرف اس بات پر خوش نہیں ہونا چاہئے کہ ہم تو ذکر کرتے ہیں' فلاں ذکر نہیں کرتا' ہم اچھے ہیں فلاں برا ہے' نہیں لوگ ہم سے اچھے ہیں اللہ سب پر کرم کرے۔ اگر ہم ذکر کرتے ہیں تو ہم اس لئے کرتے ہیں کہ ہم نے موٹر چلائی ہے اور ہمیں کبھی سر باہر نکال کر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جس راستے پر ہم چل رہے ہیں' کتنا سفر طے کر چکے۔ صرف موٹر چلانا تو مقصد نہیں ہے۔ مجھے گاڑی مل گئی اس میں تیل بھی ہے' مجھے ڈرائیونگ بھی آتی ہے' میں چلا بھی رہا ہوں۔ اگر اسے میں ایک مکان کے گرد ہی پھرا رہا ہوں تو جہاں جانا ہے وہاں تو نہیں جا سکوں گا۔ لہٰذا اپنا محاسبہ دوسروں پر ڈالنے سے پہلے اپنا محاسبہ ہر آدمی بہت آسانی سے کر سکتا ہے کہ میری صبح کیا تھی' شام کیسی ہے' کل کیسا تھا' آج کیسا ہے اور میں کس سمت بڑھ رہا ہوں۔

ذکر کی مثال زراعت کی طرح ہے

چونکہ اللہ کریم نعمتیں دیتے ہیں اور ان کی اگر خدانخواستہ ناقدری کی جائے تو پھر چھین لی جاتی ہیں اور بات بگڑ جاتی ہے۔ پھر انہیں دوبارہ حاصل کرنا محال ہو جاتا ہے' جس طرح آپ کسی جگہ بیج بو دیں ایک دفعہ تو وہ اُگتا ہے لیکن اس کی وہ کونپل اگر سوکھ جائے تو پھر اسے صدیوں دبائے رکھیں وہ اگنے کی اہلیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر آپ اسے پانی دیتے رہیں' کھاد ڈالتے رہیں' نگرانی کرتے رہیں پھر وہ گلتا ہی ہے اُگتا نہیں۔ یہی حال انسانی قلوب کا بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا جب یہ نعمت نصیب ہوتی ہے تو جس طرح ہم کھیتی کی نگہداشت کرتے ہیں' بروقت اسے پانی دیتے ہیں' اس کا اجاڑنے والوں سے تحفظ کیا کرتے ہیں' باڑ لگاتے ہیں' یہ سب محنت کر کے پھل کی امید رکھتے ہیں۔

اسی طرح جب ذکر الٰہی کی تخم ریزی ہم دل میں کرتے ہیں' تو ہمیں یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ میں غذا کو حلال کروں' جائز کروں' طیب کروں' پاک کروں' معاملات کو صحیح کروں۔ اگر ان میں فتور رہا تو اس کا مطلب ہے کہ شیطان دروازے پر رہے گا' جانور کے لئے راستہ رہ جائے گا جو فصل کو اجاڑتا ہے۔ تو محض اس بات پہ ہمیں خوش نہیں ہونا چاہئے کہ ہم ذکر کر لیتے ہیں یہ تو واقعی بہت بڑی بات ہے۔ لیکن کیا اس سے جو کیفیات حاصل کرتے ہیں ان کی حفاظت کا حق بھی ادا کر رہے ہیں اور اگر اس پہ تھوڑا سا آدمی احساس کو بیدار رکھے تو اللہ کریم مدد کرتے ہیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

والذین جاہدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ جو شخص میرے قرب کے حصول کے لئے مشقت اٹھانا شروع کر دیتا ہے میں خود اسے سنبھال لیتا ہوں۔ پھر یہ مشکل نہیں رہتا لیکن اہتمام بہرحال ہمارے ذمے ہے کہ ہم اس اہتمام کو جاری رکھیں اور اپنی دن بھر کی مصروفیات کا دن بھر کی سوچوں کا محاسبہ کرتے رہیں۔

میرے پاس ایک بچی آئی جو ذکر کرتی ہے۔ الحمداللہ پڑھی لکھی ہے' نیک ہے' بی۔ایس۔سی ہے۔ اس کا خاوند جیل میں تھا۔ بہت برا حال تھا۔ مختلف خاندانوں کے بے شمار لوگ قتل ہوئے اور اسے سزائے موت ہو چکی تھی۔ میں نے کہا اللہ اللہ کرو' دعا کرتے ہیں' اللہ کریم قادر ہے' اس کی مصیبت ختم کر دے اور تمہیں اس تباہی سے بچا لے۔ وہ خود بھی بڑا خوفناک قسم کا آدمی تھا اور وکیل بھی اسے جواب دے چکے تھے لیکن اللہ قادر ہے اسے اعلیٰ عدالت نے بالکل بری کر دیا۔ سال' ڈیڑھ سال کے بعد گھر آگیا تو مجھ سے ملنے آیا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ حضرت میرے بھائی اور والد دشمنوں نے بعد میں قتل کر دیئے ہیں۔ میں تو جیل میں تھا وہ مجھے بھی قتل کریں گے' نہیں چھوڑیں گے۔ میں نے کہا اللہ کے بندے ایک بات میرے ساتھ طے کر لو تم کسی کو قتل کرنے کے درپے نہ ہونا تمہیں کوئی قتل نہیں کرے گا لیکن اگر تم دوسروں کو قتل کرنے کے درپے ہو تو کوئی تمہیں قتل کر دے تو یہ عجیب بات نہیں ہے۔ جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ ہم پر لوٹتا ہے۔ میں نے کہا تم نے ان کے آٹھ دس آدمی قتل کئے' تم مفرور رہے' تم جیل میں چلے گئے' پھر انہوں نے تمہارے چار پانچ قتل کر دیئے۔ اب ایسا کرو کہ اگر وہ باز نہیں آتے تو تم یہ عہد کر لو کہ میں ان کے کسی آدمی کو عملاً" بارادہ قتل نہیں کروں گا۔ وہ تم پر حملہ کرتے ہیں تو اللہ تمہیں اپنی حفاظت کا حق دیتا ہے' اپنی حفاظت کرو' یہ الگ بات ہے۔ لیکن تم یہ ارادہ دل سے نکال دو کہ فلاں کو زندہ نہیں رہنے دوں گا۔ اگر تم کسی بھی برے سے برے آدمی کے پیچھے جاؤ گے' تو اللہ کا وہ بھی بندہ ہے وہ تم سے اپنی حفاظت اٹھا لے گا۔ تم اپنے محافظ خود ہی ہو لیکن اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔

میں نے اسے سمجھایا کہ میری عمر نصف صدی سے زیادہ گزر چکی ہے۔ میں ابھی نیا نیا بالغ ہوا تھا تو اس وقت سے مخالف مجھے قتل کرنے کی تجویزیں کرتے چلے آرہے ہیں اور کتنے لوگ مفرور رہے' ڈاکو رہے' گرفتار ہوئے' سزا

پائی، قتل ہوئے، پولیس مقابلے میں مارے گئے۔ میری گاڑی میں ہر قسم کا اسلحہ ہر وقت موجود ہوتا ہے لیکن میں صرف اپنی حفاظت تک رہتا ہوں۔ میں نے کبھی نہیں سوچا کہ کسی دشمن کو بھی قتل کروں۔ اس لئے کہ اللہ کی مخلوق ہے جو نیکی کرے گا اللہ سے اجر پائے گا، برائی کرے گا تو اللہ نے مجھے اپنی حفاظت کا حق دیا ہے۔ کوئی مجھ پر فائر نہیں کرے گا تو میں کسی پر نہیں کروں گا۔ اب دیکھ لو میں تو بوڑھا ہو چلا ہوں کوئی مجھے قتل نہیں کر سکا۔ جتنے لوگ مجھے قتل کرنے کے منصوبے بناتے رہے میں نے انہیں سربازار قتل ہوتے دیکھا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ جب وہ قتل ہو گئے تو میں نے ان کے ورثاء کی بھی مدد کی کہ ان پر مصیبت آ گئی ہے، ان سے ہمدردی کرنی چاہئے۔ بحیثیت انسان ہر آدمی کا ایک اپنا کردار ہوتا ہے، تم اپنے کردار کی ضمانت دو، دوسرے کو اللہ کے سپرد کرو، اللہ جانے اور اس کا کام جانے۔

تو ایک دن اس بچی کا ٹیلی فون مجھے آیا کہ میرا خاوند قتل ہو گیا ہے۔ آپ جنازہ پڑھانے کے لئے آئیں۔ میں بیمار تھا۔ میں نے کہا میں اٹھ نہیں سکتا ہوں، کوئی ڈیڑھ سو میل سفر ہے، میں سفر کے قابل ہی نہیں ہوں بہرحال بعد میں ملاقات ہوئی تو بڑی پریشان تھی۔ میں نے کہا ایک بات دیانت داری سے بتاؤ میں نے جب اسے کہا تھا کہ تم انہیں قتل نہ کرنا تو کیا اس نے بات مان لی تھی کہنے لگی آپ سے آنے کے بعد چار مہینوں میں ان کے چار آدمی اس نے قتل کئے۔ میں نے کہا پھر تم کیوں پریشان ہو اللہ کی تو وہ بھی مخلوق تھی پھر بھی کریم ہے کہ چار تک تو اسے برداشت کیا، اتنی ڈھیل دی کہ اس نے ایک قتل کر دیا، اللہ نے اسے گرفتار بھی نہیں کیا، کسی کو پتہ بھی نہیں چلا، دوسرا کیا، تیسرا کیا، چوتھا کیا۔ اب اگر یہ قتل ہو گیا تو کیا فرق پڑا۔ پھر تم کیوں روتی ہو بس اللہ اللہ کرو۔

یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی کہنے لگی تکلیف تو ہوتی ہے میرا میاں تھا۔ ہم نے سات سال اکٹھے بسر کئے لیکن بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ اس نے خود

اپنے آپ کو قتل کیا ہے۔
اگر آدمی اپنا محاسبہ کرے تو ہر کردار آدمی کے اوپر پلٹتا ہے اور خدانخواستہ ہم اگر عملی زندگی میں محاسبہ نہیں کریں گے تو اس کا اثر اس چیز' اس نعمت پر بھی پلٹے گا اور پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی چھن جائے۔ اگر یہ چھن جائے تو پھر مصیبت بن جاتی ہے کہ جو دانہ ایک دفعہ نمو لے لے اور پھر اجڑ جائے تو پھر بہت مشکل ہوتا ہے۔ ہاں وہ تو قادر ہے چاہے تو اسے دس بار پیدا کرے لیکن اس کا قانون یہ ہے کہ وہ کرتا نہیں۔

محاسبہ و مجاہدہ

تو اللہ کریم ہم پر یہ مہربانی فرمائے اور ہمیں یہ احساس و شعور بخشے کہ ہم اپنا محاسبہ بھی کرتے رہیں۔ اپنی نافرمانی سے بچائے' اپنی محبت اور اپنے حبیب پاک ﷺ کی اطاعت نصیب فرمائے اور جس قدر محنت ہو سکے' آپ جتنی کوشش کریں گے' آپ دیکھیں گے اللہ کریم ہماری کوششوں سے ہمیشہ زیادہ عطا فرماتا ہے' بحمد اللہ یہ سلسلہ جو ہے اس میں اتنی وسعت ہے کہ اگر آدمی کو ہزاروں بار بھی زندگی مل جائے پھر مجاہدہ کر کے آگے بڑھتا رہے تو اس کے لئے کوئی راستہ روکنے والا نہیں۔

☆ ☆ ☆

تصوف کی حقیقت و اہمیت

اسباب ہدایت

انسانی ہدایت کے اسباب کی بنیاد کیا ہے؟ خود اللہ کریم کا ذاتی کلام اس مقصد کے لئے اللہ نے نازل فرمایا کہ انسانوں کی رہنمائی فرمائی جائے۔ یہ کلام میں نے سنا' آپ نے سنا' علماء نے سنا' پیروں نے سنا' ہم نے پہلوں سے سنا' اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ سے سنا۔ اس کا نزول حضور ﷺ کے قلب اطہر پر ہوا آخر وجہ کیا تھی؟ ہر آدمی نے کلام الٰہی کو کیوں نہ سنا کیونکہ اگر سن لیتا تو ہر آدمی مان لیتا۔ وہ بڑے بدبخت ہی ہوتے' جو براہ راست سن کر بھی نہ مانتے اور میرے ناقص خیال میں تو زیادہ جھگڑا اس بات پر بنا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے سن کر یہ سمجھتے تھے کہ شاید ہمیں ان کی اطاعت کرنی پڑ جائے گی اور اس طرح یہ ہم پر بہت سبقت لے جائیں گے۔ سردار بن جائیں گے' پیشوا بن جائیں گے اور ہم آخر ایسا کیوں کریں۔ لیکن اگر شاید سارے لوگ خود سنتے تو درمیان میں یہ جھگڑا نہ رہتا۔

فہم کلام باری کی استعداد

لیکن کلام الٰہی کو سننے کی جو استعداد انسان کو دی جاتی ہے اس کا نام نبوت ہے۔ اگر سارے لوگ سنتے' تو سارے لوگ نبی ہوتے۔ نبوت اس تقدس' اس پاکیزگی' اس قلبی طہارت اور روح کی اس لطافت کا نام ہے کہ جو کلام الٰہی کو سننے اور سمجھنے کی صلاحیت دیتی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں' اب آپ کے سامنے

سائنس کی ایجادات ہیں' ریڈیو ہے' ٹیلی ویژن ہے' ٹیلی فون ہے' مائیکروویوز سسٹم ہے' ان سب کی فریکونسیز ہیں' فریکونسی کا مقصد کیا ہوتا ہے۔ اس زبان کی جو لہریں بنتی ہیں' ان کی شدت یا کمی کے ایک اندازے کو فریکونسی کہتے ہیں۔ کسی کی فریکونسی کم ہوتی ہے کسی کی زیادہ ہوتی ہے۔ جو مشین' جو آلہ اسی آواز کو نشر کرتا ہے اس کی ایک طاقت ہوتی ہے۔ اس طاقت کے پیغام کو قبول کرنے کی جس میں استعداد ہو گی تو وہ سن لے گا' اور اگر استعداد نہیں ہو گی تو نہیں سنے گا۔ ہم ایک ریڈیو آن کرتے ہیں لاہور کی فریکونسی الگ ہے' اسلام آباد کی الگ ہے' پشاور کی الگ ہے' ہمارے ریڈیو میں تین یا چار یا اس سے زائد فریکونسیوں کی گنجائش ہے' ہم اس کا وہ ناب پھیرتے رہتے ہیں جس فریکونسی پہ وہ ناب آتا ہے وہاں کی آواز آنا شروع ہو جاتی ہے۔

کلام الٰہی کی کیفیت

اسی طرح جب کلام الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو اس کی لطافت اس کی پاکیزگی' اس کی نورانیت' ذات باری کی نسبت سے ہوتی ہے۔ چونکہ کلام الٰہی اللہ کی ذاتی صفت ہے اور صفات میں جمال کا پرتو ہوتا ہے۔ اب اس درجے کی لطافت' اس درجے کی پاکیزگی' اس درجے کی نوارنیت چاہئے اس قلب میں جو اس کو سنے' اس کو سمجھے' اور اس کو رسیو کرے اور اس کی فریکونسی یا لطافت کا نام نبوت ہے۔ اس کو عصمتِ نبوت کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام معصوم عن الخطا ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں اس کے قلب میں' اس کی روح میں' اس کے باطن میں' پاکیزگی کا وہ جذبہ چاہئے۔ اس کے پاس لطافت کا' طہارت کا' پاکیزگی کا' نورانیت کا' وہ بلند درجہ ہوتا ہے جو کلام الٰہی کو سنتا ہے۔ لیکن نبی کا منصب صرف سننے کا نہیں ہے' نبی کا منصب صرف سننا نہیں ہے۔

نزول وحی کا مقصد

نبی اس لئے سنتا ہے کہ دوسروں کو سنائے فرمایا۔ انزلنا الیک کتابا ہم

نے آپ کی ذات بابرکات ﷺ پر نازل فرمائی لتخرج الناس تاکہ انسانیت کو' اولاد آدم کو من الظلمت الی النور تاریکیوں سے روشنی کی طرف آپ ﷺ نکالیں تو گویا اس کتاب کو نہ صرف سنانا بلکہ اس کتاب کو سمجھانا بھی منصب نبوت ہے۔ یہ کام بھی نبی رحمت ﷺ کی ذات بابرکات کا ہے۔

فرائض نبوت

یہ کہ نبی علیہ السلام لوگوں کو اس کا مفہوم سمجھائیں اس کی مراد بتائیں قرآن کی آیت ہو تو حضور ﷺ سمجھائیں کہ یہ آیت کیا چاہتی ہے اور کس بات سے منع کرتی ہے' کیا کرنے کا حکم دیتی ہے' اس سے منشاء باری کیا ہے۔ ورنہ تو عربی ایسی مبارک زبان ہے کہ کم از کم میں نے نہیں دیکھا کہ کسی زبان میں سوائے عربی کے اتنے متضاد معانی ایک لفظ میں ہوں۔ دن اور رات کے لئے ایک لفظ ہو۔ عربی میں ایسے الفاظ بھی ہیں جن کے معانی ایک دوسرے کی ضد ہیں مثلاً" عام لفظ "مولا" ہی کو لے لیں۔ مولا مالک کو بھی کہتے ہیں' مولا غلام کو بھی کہتے ہیں' آزاد کردہ غلام بھی مولا اور غلاموں کا مالک بھی مولا حالانکہ غلام اور مالک ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دونوں کے اظہار کے لئے ایک لفظ ہے۔

تو اگر عربی لغت کو لے کر ہم کتاب اللہ کی تشریح کرنے لگیں گے' تو جتنے جتنے ذہن ہوں گے' جتنے جتنے اصحاب لغت ہوں گے' اتنی اتنی تشریحات سامنے آئیں گے اور ہم میں فرقہ بندی اور گروہ بندی کی یہی بنیاد بنتی ہے۔ لیکن اگر سارا کلام ان لوگوں پر اس طرح چھوڑ دیں کہ جس طرح زبان دانی کے معاملے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دست بردار ہوئے' اہل عرب اہل زبان تھے' انپڑھ جاہل اور اجڈ گڈریوں نے جو شعر کہے وہ آج بھی عربی ادب کی زینت ہیں۔ غلام اور کنیزیں اور باندیاں گھروں میں کام کرنے والے نوکر چاکر جو شعر کہہ دیتے تھے وہ آج تک عربی ادب کی زینت ہیں۔ ان کی زبان دانی انہیں

اللہ کا عطیہ تھا لیکن جب کوئی بھی آیت قرآن حکیم کی نازل ہوتی تھی' کوئی صحابی ؓ کوئی تشریح نہیں فرماتا بلکہ سب رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے کہ اس کا کیا مفہوم ہے اور کیا معنی ہے۔ جو حضور ﷺ فرماتے اس پر عمل کرتے اور حضور ﷺ سے اس عمل کی تصدیق بھی چاہتے۔ اس لئے کہ انہیں دین ساری انسانیت کے لئے پہنچانا تھا۔

آخری نبیؐ کی عالمگیریت

جہاں جہاں تک انسانیت کا کوئی ایک فرد بھی رہتا تھا۔ اس تک اللہ کا پیغام حضور اکرم ﷺ کے ذمہ تھا لیکن آپ ﷺ نے تو جزیرہ نمائے عرب سے باہر قدم مبارک نہیں نکالا' آپ ﷺ تو جزیرہ نمائے عرب ہی میں رہے۔ معاذ اللہ کیا اس کا معنی یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ صرف عربوں کو دین سکھا کر دنیا سے تشریف لے گئے اور مبعوث ہوئے تھے ساری انسانیت کی طرف۔ بات یہ نہیں ہوئی بات تو یہ ہوئی کہ ایک پوری قوم' ایک پورا معاشرہ' ایک پوری ریاست' ایک پوری حکومت کی تربیت کر کے نبی کریم ﷺ نے ویسی بنائی جیسے قرآن کریم کا منشا تھا اور وہ ذمہ داری رب جلیل نے ان کے کندھوں پر ڈال دی کہ وہ پوری انسانیت تک بات پہنچائیں۔ عجیب بات ہے کہ ۲۳ برس میں قرآن حکیم کا نزول مکمل ہوا اور حضور اکرم ﷺ نے چشم عالم سے پردہ فرمایا۔ اس کے بعد ۲۳ برسوں کے اندر اندر تعلیمات قرآنی کو حضور ﷺ کے خدام نے روئے زمین پر پھیلا دیا جتنا عرصہ نزول قرآن کا ہے' آپ حضور ﷺ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے ۲۳ سالہ عہد کو دیکھیں تو ان ۲۳ برسوں میں وہ ریاست جو ان کے ہاتھوں اللہ نے منصہ شہود پر ظاہر فرمائی اس کی سرحدیں سائبیریا سے لے کر افریقہ تک اور چین سے لے کر ہسپانیہ تک تھیں۔ اس ریاست کا امیر مسجد نبوی ﷺ کا خطیب اور امام تھا اور ایک وقت میں اتنی بڑی ریاست ایک حاکم کے ماتحت پوری تاریخ انسانی میں کہیں دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ تو گویا انہوں

نے اس پیغام کو انسانیت تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔

مسلمانوں کے اصلی ماخذ کا تحفظ

آج ہمارے پاس وہی پیغام موجود ہے' ہمارے پاس وہی کتاب موجود ہے' ہمارے پاس وہی ارشادات پیامبر ﷺ موجود ہیں۔ ان دو باتوں کو کافر محققین بھی تسلیم کرتے ہیں' کہ مسلمان واحد جماعت' واحد مذہب' واحد امت ہیں' جن کے پاس ان کی نازل شدہ کتاب اصلی حالت میں موجود ہے اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ صرف مسلمانوں کے پاس اپنے نبی ﷺ کا ہر حکم' آپ ﷺ کی ہر حالت کا بیان' آپ ﷺ کی ہر کیفیت اور ایک ایک کلمہ جو نبی کریم ﷺ کے منہ مبارک سے صادر ہوا' لب ہائے مبارک سے صادر ہوا' مسلمانوں کے پاس محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری امت اس وقت ایسی نہیں جس کے پاس اپنی کتاب صحیح حالت میں ہو یا جس کے پاس اپنے نبی علیہ السلام کے ارشادات صحیح حالت میں ہوں۔ کوئی دوسری امت نہیں ہے' نہ یہود کے پاس یہ ذخیرہ محفوظ ہے نہ نصاریٰ کے پاس' تو پھر ہوا کیا۔ عجیب بات ہے۔

مخالفتِ اسلام کی تاریخ

آج اور اس دور کا اگر ہم موازنہ کریں تو حضور اکرم ﷺ نے جب مکہ مکرمہ میں اعلان نبوت فرمایا اور لوگوں کو دعوت دی تو عقلاً" محال نظر آتا ہے کہ یہی آواز روئے زمین تک پہنچ جائے گی۔ اس لئے کہ روئے زمین پر صرف ایک ہستی ہے' پھر ایک دور دراز صحرائی علاقے کی چھوٹی سی اجاڑ سی بستی میں' جہاں نہ کوئی سڑک ہے' نہ راستہ' نہ وہ لاریوں کا زور ہے' نہ ٹیلی فون کا' نہ اخبار کا' نہ آنا جانا' اتنے ویرانے میں ایک ﷺ اللہ کا ایک بندہ ایک بات ارشاد فرماتے ہیں تو وہ بات ساری روئے زمین کی انسانیت تک کیسے پہنچے گی' عقلاً" محال نظر آتی ہے۔ اس محال کو پھر کفار کی کوششیں بظاہر ناممکن بنا دیتی ہیں۔

جب ہر کافر یہ آواز سنتا ہے' تو بھڑک اٹھتا ہے اور پورا کفر اس کو روکنے پر' اس کو دبانے پر متحد ہو جاتا ہے۔ آپ یہ مت سوچیں کہ آج یہ جو سپر پاورز کہلاتی ہے یہ کوئی نئی بات ہے۔ اس زمانے میں بھی بڑی بڑی سلطنتیں اور بڑی بڑی طاقتیں تھیں۔ قیصر و کسریٰ کی افسانوی سلطنتیں الف لیلوی داستانوں کی طرح ہیں۔ ان کے حالات پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ' دو دو لاکھ' تین تین لاکھ سپاہی قیصر کے گورنروں کے پاس تھے اور یہی حال کسریٰ کی سلطنت کا تھا۔ بظاہر خسرو پرویز نے کیوں نامہ مبارک پھاڑا تھا کیوں حضور اکرم ﷺ کی توہین کی تھی۔ آج تو مسلمانوں کا بچہ پیدا ہو تو یہ خوش ہو کر بچوں کا نام' بچیوں کا نام ہی پرویز رکھتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ صرف بچوں کا نہیں بچیوں کا نام بھی پرویز رکھتے ہیں۔ خسرو پرویز صرف اس بات سے خفا ہو گیا تھا کہ یہ خط جس نے بھیجا ہے اس نے میرے نام سے پہلے اپنا نام کیوں لکھا ہے یعنی کسی کا انہیں چیلنج کرنا' کسی کا ان کا حکم نہ ماننا' کسی کا ان کے خلاف بات کرنا یہ تو بہت دور کی بات ہے وہ یہ تک برداشت نہ کر سکا کہ تحریر میں کسی کا نام پہلے آئے اور بعد میں اس کا نام آئے۔

آج تو سائنسی ایجادات کا زمانہ ہے۔ ایک آدمی اگر ایک طاقتور اوزار پہ بیٹھا ہے تو وہ ایک بہت بڑی حکومت کو بھی روک سکتا ہے لیکن وہ زمانہ سائنسی ایجادات کا نہیں تھا ہاتھوں ہاتھ لڑائی کا تھا اور سپر پاور وہی ہوتی تھی کہ جس طرف زیادہ ہاتھ ہوں۔ لیکن ساری کائنات یہ ماننے پر مجبور ہوئی کہ کفر کی طاقت ہر جگہ ناکام ہوتی چلی گئی اور حضور اکرم ﷺ کا یہ پیغام آپ کے خدام مثل نسیم سحر پھیلاتے ہی چلے گئے۔ اور بالآخر دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اس انداز میں پھیلایا کہ انسانیت کے اربوں افراد نور ایمان سے آراستہ ہوئے' قرب الٰہی کی لذتوں سے آشنا ہوئے۔ کروڑوں اور اربوں بھولے بھٹکے انسان جب دنیا کی طلب میں تباہ ہو رہے تھے انہیں طلب الٰہی کا چسکا پڑا اور اللہ کی ذات کے طالب بن گئے۔

کلام باری کی اہمیت

میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ کلام باری میں ایک نور ہوتا ہے' ایک لطافت ہوتی ہے' ایک کیفیت ہوتی ہے۔ قلب نبوت جب اسے قبول کر کے آگے پہنچاتا ہے تو وہ نورانیت نبی علیہ السلام کی وساطت سے ان قلوب کو آگے منتقل ہوتی ہے جو لوگ نبی علیہ السلام کا پیغام قبول کرتے ہیں۔ تو ان کو یہ دو طاقتیں ملتی ہیں۔ ایک آواز' الفاظ' آیات کی طاقت اور ایک ان کے ساتھ برکت' کیفیت اور حالت ہوتی ہے۔ وہ اتنی لذیذ اتنی شیریں' اتنی مزے دار ہوتی ہے کہ جسے نصیب ہوتی ہے وہ صرف اسے سننے کے لئے جان دینے کو تیار رہتا ہے اور قلوب اس کے لئے منتظر رہتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے جب اعلان نبوت فرمایا تو اللہ کا پیغام جنہیں نصیب ہوا وہ بے چارے معاشرے میں مصیبتوں کا شکار ہو گئے سارا کفر اور سارا شرک ان پر امڈ پڑا مکہ مکرمہ میں ان کی زندگی موت سے زیادہ بدتر ہو گئی انہیں تو کہنا چاہئے تھا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ جب اللہ سے بات کرتے ہیں' آپ ﷺ کے پاس اللہ سے وحی آتی ہے' آپ ﷺ کی بات رب کریم سنتا ہے تو اللہ کریم سے کہئے کہ ان کافروں کو یہاں سے بھگا دے اور ان سے ہماری جان چھڑائے یا ان کا کوئی تدراک کرے تاکہ ہم آرام سے رہیں۔ لیکن وہ اپنی طرف سے کوئی تجویز دینے کے بجائے اس طرف متلاشی رہتے تھے کہ وہ بات آئے اور اس بات کے ساتھ جو لذت ہے وہ ہمارے دلوں تک پہنچے۔ بات کا مفہوم کیا ہے وہ بعد میں دیکھیں گے جو ہو گا ہمیں منظور ہے۔ اس کے بجائے کہ اللہ کہتا تم میرے ماننے ۔ ے ہو' تم یہاں جم کر رہو' میں کافروں کو بھگاتا ہوں' لیکن وہ بے نیاز ہے کہ اس نے فرمایا اچھا تمہیں بہت تنگ کرتے ہیں تو تم شہر چھوڑ کر چلے جاؤ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہہ سکتے تھے کہ اللہ کریم تو ہمیں ہی شہر چھڑاتا ہے' کیا تو کمزور ہے کہ ہم شہر چھوڑ دیں لیکن مزے کی بات ہے کہ کسی نے

نہیں کہا بلکہ شہر کیا جائیدادیں' گھر بار جو کچھ تھا' دوست احباب' معاشرہ ہر چیز کو چھوڑ کر چل دیے اور یوں چھوڑا کہ وہی مکہ مکرمہ جب فتح ہو گیا' کفار رسوا ہوئے' کفر تباہ ہو گیا' انہیں مہاجرین کو مکہ پہ سلطنت اور اقتدار اور قبضہ نصیب ہوا' لیکن کسی مہاجر نے واپس جا کر اپنا گھر' اپنا دروازہ' اپنی زمین' اپنا مال' اپنا کوئی برتن' اپنا کوئی سامان' ایک تنکا تک بھی کسی نے واپس نہیں لیا۔ بلکہ فرماتے تھے کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں' ہمیں تو اللہ نے کہا تھا کہ چھوڑ دو۔ ہم نے چھوڑ دیا' اب ایسا حکم تو اس نے نہیں دیا کہ واپس لے لو تو ہم کیسے لیں کتنی عجیب بات ہے۔

ہمارے ہاں دیکھو ہم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو تقسیم ملک کے وقت ہندوستان چھوڑ کر آئے اور مہاجر کہلاتے ہیں لیکن آج اگر اللہ کرے مسلمانوں کا قبضہ ہندوستان پر ہو جائے' تو یہ اپنی چیزیں چھوڑ دیں گے۔ نہیں وہ اپنا گھر واپس لیں گے' اپنی زمینیں' اپنی جائیدادیں واپس لیں گے' وہاں سے یہاں آ کر بھی لوگ ابھی تک کلیموں کے مقدمے لڑ رہے ہیں کہ وہاں میری اتنی جائیداد تھی یہاں مجھے ہندوؤں کی چھوڑی جائیداد میں سے اتنی ملنی چاہئے۔ نصف صدی بیت گئی ہے ابھی تک لڑ رہے ہیں۔ مدینہ منورہ میں ہمیں کوئی مقدمہ نظر نہیں آتا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے مکہ میں اتنی جائیداد چھوڑی تھی اور یہاں تو پہننے کو لباس بھی نہیں ملتا۔

اس لئے کہ کلام الٰہی کی جو لذت ہے' نبی ﷺ کی بات کی جو لذت ہے' یہ لذتیں ہی دلوں کو اس قدر بے نیاز مستغنی اور دیوانہ کر دیتی ہیں کہ چیزیں خس و خاشاک ہو جاتی ہیں' ان کا مطالبہ کرنا' ان کا ہونا یا نہ ہونا یہ تو کوئی بات نہیں ہوتی۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

برکاتِ نبوت سے کیا مراد ہے

وہ جو لذت آشنائی تھی، جو معرفت کا چسکا تھا جو اس کا سودا تھا، وہ اس کے دلدادہ تھے۔ انہیں چیزوں سے، اشیاء سے، اقتدار سے، حکومت سے، دولت سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اگر کسی کو حکومت ملی تو ذمہ داری ہی ملی۔ کسی کو چوکیداری ملی تو اس نے ذمہ داری سمجھ کے پوری کی۔ کسی کو جرنیل بنا دیا تو ذمہ داری سمجھ کے پوری کی۔ کسی تیسرے کو سپاہی بنا دیا تو اس نے ذمہ داری سمجھ کے پوری کی۔ اگر سب کا مطالبہ تھا، اگر سب کی کوشش تھی تو اس لذت کے حصول کے لئے تھی جو کلامِ الٰہی کے ساتھ ہے، جو ارشادات نبوی ﷺ کے ساتھ ہے۔

کلامِ الٰہی کی لذت کی طلب اور اس کا چسکا جب پڑ جاتا ہے تو انسان سود و زیاں سے بالا ہو جاتا ہے۔ دنیوی لحاظ سے کیا کھویا کیا پایا اس سے بلند ہو جاتا ہے۔ کون ہارا کون جیتا اس سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ کس کے پاس سپاہ زیادہ ہے، اس کے پاس کم ہے، کس کے پاس وسائل زیادہ ہیں، کس کے پاس کم ہیں، اس سے بلند ہو جاتا ہے اور اس کی نگاہ ایک ہی طرف رہ جاتی ہے کہ میرے رب کا میرے رسول ﷺ کا حکم کیا ہے۔ اس میں صرف ایک بات جاننے کی تمنا رہ جاتی ہے کہ مجھے میرا حبیب ﷺ کیا حکم دیتا ہے وہ میری جان سے مجھے عزیز تر ہے مجھے وہ پورا کرنا ہے۔ نتائج کیا ہوں گے، سمجھ جاتا ہے، یہ میری ذمہ داری نہیں ہے، یہ جس کی کائنات ہے، نتائج مرتب کرنا اس کا کام ہے۔ یہ جو کیفیت، یہ جو حالت، یہ جو دولت ہے اس کو اصطلاح میں برکات رسالت ﷺ کہا جاتا ہے۔

برکات نبوت کی لذت

تعلیمات رسالتؐ کی لذت کا نام برکات رسالت ﷺ ہے۔ تعلیمات رسالت کو جتنے لوگوں نے پھیلایا ان میں سب سے مقدم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تھے، یہ صحابیؓ کیسے بنے، کتنے چلے لگانے سے آدمی صحابیؓ بنتا ہے،

کتنی تسبیحات پڑھ کر صحابی ؓ بنتا ہے' کتنی غزوات یا کتنی جنگوں اور کتنے جہاد میں حصہ لے کر صحابی ؓ بنتا ہے' کتنا کچھ لکھنے پڑھنے کے بعد صحابی ؓ بنتا ہے' کوئی قید نہیں صرف ایک قید ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے روبرو وہ جائے' حضور ﷺ کی نگاہ اس پر پڑ جائے یا اس کی نگاہ وجود اطہر ﷺ پر پڑ جائے تو اس نگاہ کے پڑنے سے جو کیفیات وجود اقدس سے اس کے قلب کو جاتی ہیں وہ اسے صحابی ؓ بنا دیتی ہیں۔

نوافل پڑھنا ایک الگ کام ہے' جہاد کرنا الگ شعبہ ہے' تعلیم دین حاصل کرنا الگ بات ہے لیکن جب صحابی ؓ بن جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے قلب میں وہ طہارت' وہ پاکیزگی' وہ لطافت آ گئی ہے جو کلام باری کی لذتوں کو' کلام رسالت کی لذتوں کو محسوس کر سکتا ہے' قبول کر سکتا ہے' وصول کر سکتا ہے اور ایسا انسان تمام اوصاف انسانی کے اعتبار سے ہر اس شخص سے کروڑوں گنا اونچا ہو جاتا ہے جو صحابی ؓ نہیں۔ ایک غیر صحابی صحابی ؓ سے زیادہ نوافل پڑھ سکتا ہے' زیادہ جہاد کر سکتا ہے' زیادہ روزے رکھ سکتا ہے مجاہدہ زیادہ کر سکتا ہے' لیکن اس قرب الٰہی کو نہیں پا سکتا جن سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سیراب ہوتے تھے۔ اس لئے کہ اس میں جو وصف صحابیت ہے' وہ جو براہ راست انتقال نور ہوا اس نے اس میں قرب الٰہی کی وہ کیفیت پیدا کر دی کہ اخلاقیات میں' ایمانیات میں' اعمال میں' کردار میں' امانت میں' دیانت میں' کوئی غیر صحابی کسی صحابی ؓ کے نقش کف پا کو نہیں پا سکتا وہ بہت بلند چلا گیا۔

اب یہ جو ایک نیا مسلک ہے کہ صحابی ؓ کو صحابی ؓ بھی مانے اور صحابی ؓ کے کردار پر اعتراض بھی کرے اس میں خطا اس وجہ سے ہے کہ صحابیت کی حالت اور کیفیت کیا ہوتی ہے یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ صحابیت صرف ایک ثواب کا نام نہیں ہے بلکہ وہ نور جو دل میں آتا ہے وہ انسانی استعداد کو جلا بخشتا ہے اور ایسا انسان ہر اعتبار سے ممتاز ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ جو جتنا زیادہ

قریب رہا' جتنا زیادہ عرصہ رہا یا جتنی زیادہ جس کو محبت ہے یا جسے جتنی زیادہ شفقت نصیب ہو گئی' وہ صحابیت میں بھی اتنا ہی ممتاز ہوتا چلا گیا۔

بخاری شریف میں ایک حدیث ہے۔ حضور اکرم ﷺ اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر امت میں اختلاف ہو اور اہل بدر میں سے ایک آدمی باقی ہو اور ساری امت ایک بات پر متفق ہو جائے لیکن اس بدری صحابی رضی اللہ عنہ کی رائے ان سے الگ ہو تو عمل اس بدری صحابی رضی اللہ عنہ کی رائے پر ہو گا۔ یہ حضور ﷺ نے محض اس لئے نہیں فرما دیا کہ یہ صرف بدری صحابی رضی اللہ عنہ ہے بلکہ اس لئے فرما دیا کہ جو انوارات وہاں لٹے' جو انوارات وہاں برسے' جو رحمتیں وہاں تقسیم ہوئیں' اس کے قلب نے ان سے حصہ پایا اور نہ صرف آخرت کو' نہ صرف الٰہیات کو بلکہ امور دنیا کو بھی سمجھنے میں وہ ساری دنیا سے آگے نکل گیا۔ اب اس کا مقابلہ اگر کوئی کرے گا تو اس کا دوسرا وہی ساتھی ہی کرے گا جو بدر میں اس کے ساتھ تھا۔ اہل بدر کے علاوہ ان کے مقابلے میں ساری دنیا سے کوئی نہیں آ سکتا۔

اسلام کیا ہے؟

اسلام محض ایک فلسفہ نہیں ہے' اسلام محض ایک طریقہ نہیں ہے' اسلام نری دعوت یا لمیٹڈ کمپنی بنانا یا لوگوں کو جمع کرنا نہیں ہے' اسلام محض ایک پارٹی بنانا نہیں ہے' اسلام انسانی استعداد کو ان عظمتوں تک پہنچانے کا نام ہے کہ وہ صحیح معنوں میں انسان کہلانے کا مستحق ہو جائے' اس کا معاملہ رب کریم کے ساتھ درست ہو جائے اور ہر طرف وہ حقوق پہنچائے بھی حقوق ادا بھی کرے' فرائض نباہے بھی اور راستی بھی اپنائے' اس کا نام اسلام ہے۔

برکات نبوت کا توارث

ظاہر ہے واحد ہستی تو رسول اللہ ﷺ کی تھی' صحابہ کرام رضوان اللہ

تعالیٰ علیہم اجمعین میں بھی اوصاف بٹ گئے' کسی میں شجاعت زیادہ تھی' کسی میں سخاوت زیادہ تھی' کوئی دوسروں پر فقہی لحاظ سے مقدم تھا' دوسرا تفسیر کے لحاظ سے اہمیت کا حامل تھا' تیسرا حدیث جمع کرنے کے اعتبار سے یہ مختلف شعبے تھے۔ اسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باقی تمام اوصاف کے ساتھ ساتھ کیفیات قلبی میں بھی سب پر سبقت لے گئے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تم پر نرے نماز اور روزے میں فضیلت نہیں ہے بلکہ وہ بات جو میرے دل میں تھی وہ جتنی کثرت سے ان کے دل نے قبول کی ہے کوئی دوسرا اس کی مثال نہیں بن سکا۔ قرآن حکیم تو سب نے برابر سنا' حدیث پاک تو سب نے برابر سنی' نمازیں تو سب نے برابر ادا کیں' ہجرت بھی سب نے کی' جہاد بھی سب نے کئے لیکن وہ جو ایک اندر لذت ہے' اس کو قبول کرنے کی استعداد اس میں وہ دوسروں سے بڑھ گئے۔

جب باقی شعبے بنے' مثلاً" تفسیر کے' حدیث کے' فقہ کے۔ تو کیفیات کا بھی باقاعدہ ایک شعبہ بن گیا کہ صحابی رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بیٹھنے والا تابعی' تابعی کی صحبت میں بیٹھنے والا تبع تابعی بن گیا۔ اس حد تک تو وہ قوت آئی کہ ہر صحابی رضی اللہ عنہ کو ملنے والا تابعی بن گیا' ہر تابعی کو ملنے والا تبع تابعی بن گیا' لیکن اس کے بعد لوگوں میں وہ قوت نہ رہی اور چیدہ چیدہ افراد جنہوں نے مجاہدے محنتیں کر کے اس قوت کو قائم رکھا' وہ اس قابل کہلائے کہ ان کی محافل میں بیٹھ کر لوگوں نے وہ کیفیتیں حاصل کیں اور تمام ائمہ تفسیر' تمام ائمہ فقہ' تمام ائمہ حدیث اس نور کے حامل تھے۔ سو یہ اپنی پوری قوت سے ایک الگ شعبہ بن گیا جس کا اصطلاح میں تصوف نام پڑا۔ یعنی مشائخ کے پاس بیٹھ کر' ان کی مجلس میں بیٹھ کر' ان کیفیات کو اخذ کرنا تھا جو ان کے قلوب میں آتی ہیں۔

برکات نبوت کے امین

لیکن یاد رکھیں۔ اس کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ لوگ صرف مساجد میں

بیٹھے بیٹھے رہ گئے نہیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ کیفیات جب دل میں آئیں تو دل اس لذت سے آشنا ہو جو کلام باری کی ہے۔ اور آدمی کے دل میں بھوک پیدا ہو کہ کون کون سا حکم ہے اللہ کا اور کون سی بات کا اللہ نے حکم نہیں دیا اور وہ ایک ایک ارشاد کے پیچھے اپنی جان لڑا دے۔ اس کو پورا کرنے کے لئے' جہاد کا حکم ہو تو میدان جہاد میں نظر آئے' صلوٰۃ کا وقت ہو تو نماز پڑھتا نظر آئے' روزے کا مہینہ ہو تو رمضان کے ساتھ نظر آئے اور حرام ہو تو اس سے بچتا نظر آئے' حلال ہو تو اس کی طرف لپکتا ہوا نظر آئے اور یہ سارے کام اس لذت کی تلاش میں کر رہا ہو جو اس کے قلب کو اللہ کے ارشاد کی تعمیل سے حاصل ہو گی۔ یہ تو تھا مقصد پیری مریدی کا یا اصل شعبے کا یا جس غرض سے یہ شعبہ بنا۔

خانقاہ کے زوال کے اسباب

لیکن ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ سب سے زیادہ زوال اسی شعبے ہی کو ہے اور تب سے تو یہ شعبہ بیک قلم ختم کر دیا گیا جب بلاتمیز کسی بھی نیک آدمی کی وفات پر' کسی بھی بڑے سے بڑے شیخ کے گزرنے پر' اس کے بیٹے کو خواہ وہ اہل تھا یا صرف اس کا بیٹا ہونا اہلیت قرار پایا اور اسے یار لوگوں نے جانشین بنا دیا خواہ اس نے خود کوئی چیز اپنے والد سے حاصل کی تھی یا نہیں تو وہاں سے تصوف میں خرافات اور رسومات شروع ہو گئیں' کیفیات ختم ہو گئیں۔ اب یہ رسم اتنی پرانی ہو گئی ہے کہ اب تو کوئی سیاست دان بھی مرتا ہے' تو اس کا بیٹا سیاستدان بن جاتا ہے خواہ اس کے مرنے تک اس نے سیاست کی ابجد نہ سیکھی ہو۔ آپ اپنے ملک میں دیکھ لیجئے' ہمارے سارے سیاست دانوں کا یہی حال ہے' سب کا حال یہی ہے کہ ان کی سیاست کیا ہے' ان کا باپ سیاست دان تھا وہ فوت ہوا تو بیٹے سیاستدان بنے۔ یہ ہمارے مزاج میں سما گیا ہے۔ مسلمانوں کے اس مزاج میں کہ ہر جگہ وہی قانون کو لگاتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر تو اتفاقاً" جو استعداد والد میں تھی اس کی اولاد میں بھی تھی تو اتنا تو نہ

سہی کسی حد تک وہ کام کرتا رہا۔ لیکن اکثر یہ ہوا کہ والد کی بالکل ہی استعداد اور تھی اور اولاد بالکل اس قابل نہیں تھی' وہ ناخلف تھے' ناخلف بھی وہاں بیٹھ گئے۔ کسی نے کہا تھا۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

جہاں کبھی شاہین ہوا کرتے تھے وہاں کوے بٹھا دیے تو ایک عربی شاعر نے کہا تھا۔

اذا کانوا غراب دلیلا قوم

سیہدیہم الی دارالکلابی

جس قوم کے رہنما کوے ہوں گے وہ اسے مردار پر ہی لے کر پہنچیں گے۔ جہاں انہوں نے خود جانا ہے وہیں اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی لے کر جائیں گے۔

امت کا اصلی مسئلہ

میری ناقص رائے میں' میں نہیں سمجھتا کہ آپ لوگوں کی رائے کیا ہے جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں میری ناقص رائے میں امت مرحومہ کا سب سے مہلک مرض ہی یہی ہے کہ ہمارے دلوں میں طلب کی وہ لذت رہی ہے نہ اس لذت کی خواہش رہی ہے اور نہ صدیوں سے ہم اس لذت سے آشنا ہی ہوئے۔ ہمارے پاس قرآن بھی ہے' حدیث بھی ہے' نمازیں بھی پڑھتے ہیں' روزے بھی رکھتے ہیں' حج بھی کرتے ہیں' اسلام زندہ باد کا نعرہ بھی کہنے میں ہم بڑے تکڑے ہیں لیکن کافر کا دیا کھاتے ہیں' اس کے گن گاتے ہیں' اس کے پیچھے چلتے ہیں' ہم سب سے بہتر یہ سمجھتے ہیں کہ خود ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہو امریکہ سے پیسہ آئے گا کھا لیں گے' برطانیہ والے مدد دیں گے ہم کھا لیں گے' روس سے خیرات مل جائے گی کھا لیں گے اور کافر ہمیں کتوں کی طرح لڑا رہے ہیں۔ جس طرح کتوں کے درمیان' بندروں کے درمیان' جانوروں کے درمیان' کھانے کی

چیز پھینک کر کوئی تماشہ دیکھے اور وہ ایک دوسرے پر جھپٹ رہے ہوں' ایک دوسرے کو کاٹ رہے ہیں۔ دنیا طلبی اور اس دنیا کے پیچھے بھاگنے کی وجہ سے ایک دوسرے کے دشمن بن گئے ہیں۔ وہ اس لئے دنیا طلبی کیوں آئی قرآن حکیم نے اسی آیتہ مبارک میں اس کا ذکر فرمایا۔

ویل للکفرین من عذاب شدید۔ کافروں پہ وائے ہے' دکھ ہے' افسوس ہے' کافروں پر بہت شدت سے عذاب ہو گا۔ کیوں الذین یستحبون الحیوۃ الدنیا علی الاخرۃ۔ جب وہ اس نور سے' اس لذت سے' اس لطف سے محروم ہوئے تو آخرت کی لذتوں سے محروم ہو گئے' آخرت کی آشنائی سے محروم ہو گئے کیونکہ ان کے پاس صرف دنیا کی لذت رہ گئی اور ان کی ساری کوششیں دنیا طلبی میں ہی لگ گئیں۔ حلال و حرام' جائز و ناجائز' نیک و بد کی تمیز اٹھ گئی' دنیا چاہئے جہاں سے مل جائے۔ آپ اپنی اکثریت کا اندازہ لگا لیجئے کیا آج ہم میں نیک و بد' حلال و حرام' جائز و ناجائز کی تمیز ہے۔ ہر آدمی صرف اور صرف دولت سمیٹنا چاہتا ہے خواہ وہ اسے فرعون کے پاس سے ملے یا اسے قارون کے خزانے سے ملے' وہ اسے دوسرے کو ذبح کر کے ملتی ہو' وہ اسے رشوت لے کر ملتی ہو۔ جاں بلب مریض تڑپ رہا ہوتا ہے اور ڈاکٹر ہاتھ نہیں لگاتا کہ تم مجھے اتنے پیسے دو گے تو دوائی لاؤں گا۔ آدمی مر رہا ہوتا ہے اور ہم اسے پانی کا قطرہ ڈالنے کی بجائے اس کی جیب پر نگاہ رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کی جان نکل جائے تو کوئی اور نہ آ جائے میں ہی پہلے اس کی جیب کی تلاشی کر لوں۔

یہ طلب دنیا تب آتی ہے جیسا قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق جب وہ نور جو ذات نبوی ﷺ سے تقسیم ہونا تھا اس سے جب کوئی محروم ہوتا ہے تو یاد رکھیں' تصوف میں مشاہدات یا مکاشفات یہ ضروری نہیں ہیں۔ ذکر کرنے سے جب دل میں لطافت آتی ہے تو انوارات کا نظر آجانا یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے' کسی مقام کا' منزل کا نظر آ جانا عجیب بات نہیں ہے۔ لیکن تصوف کا اصل مقصود

وہ لذت' وہ شیرینی' کلام الٰہی کے نور کو چکھنے کی طاقت جو اس کا شیدائی بنا دے' جو اس کی اطاعت پر مجبور کر دے اور جو دیوانہ کر دے کہ ایک ایک حکم کے پیچھے آدمی بھاگ رہا ہو اور ہر حکم کی تعمیل میں اسے نئی لذت نصیب ہو گی۔ ارے منت میں کوئی بھاگتا ہے' بے لطفی میں کوئی جان دیتا ہے۔ وہ ایک لذت ہے' وہ ایک لطف ہے جسے اللہ کریم نے نور کہا ہے لتخرج الناس من الظلمت الی النور جو اس سے محروم ہے۔ اس کی کیفیت کا نام ظلمت اور تاریکی ہے۔ جسے وہ لطف اور لذت نصیب ہوتی ہے اس کا نام نور ہے۔

نورِ نبوت کا کمال

اگر یہ نور آج بھی ہمیں مل جائے' یہ نور امت میں عام ہو جائے' یہ نور مسلمانوں کے سینوں کو منور کر دے تو فرشتے آج بھی اتر سکتے ہیں۔ ہر میدان جنگ میں' جہاں تم جنگ کر رہے ہو کفار کی ساری تدبیریں الٹ سکتی ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ ہم میں صرف وہ خلوص آ جائے جو اس نور کی بدولت آتا ہے اور یاد رکھیں تصوف بے کاری کا نام نہیں ہے کہ آدمی برقعہ پہن کر ایک کونے کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے اور کچھ نہ کرے اور وہ سمجھے کہ میں صوفی ہو گیا ہوں۔ دراصل تصوف اس قوت کا نام ہے کہ میدان عمل میں جائے لیکن اللہ کی اطاعت کا دامن اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اس میں ایک ایسی قوت آ جائے' ایک ایسی طاقت آ جائے' اندر ایک ایسی لذت آ جائے مثلاً" آپ دیکھتے ہیں کہ جس آدمی کو شراب پینے کا چسکا پڑ جائے' جو چرسی ہو جاتا ہے اسے گھر والے ملامت کرتے ہیں' معاشرے والے ملامت کرتے ہیں' حکومت والے پکڑ کر جیل میں دے دیتے ہیں' وہ وہاں بھی کہتا ہے مجھے تھوڑی سی ہیروئن لا دو' مجھے تھوڑی سی چرس چاہئے۔ روز برتن بیچتا ہے' گھر بیچتا ہے' عزت گنواتا ہے' صحت گنواتا ہے لیکن وہ سُوٹا لگانے سے باز نہیں آتا۔ یہ لذت اگر ذات باری کے کلام اور ارشادات نبوی ﷺ کے ساتھ پیدا ہو جائے آدمی جان سے جائے'

آدمی کا گھر جائے' اس کی آبرو جائے' اس کا اقتدار جائے لیکن اطاعت پیامبر نہ جائے' اس کیفیت کا نام تصوف ہے۔ یہ چسکا پڑ جائے' یہ لذت آ جائے' دل میں ایک شیرینی آ جائے اور یہ ازخود نہیں آتی کیونکہ ازخود ہر آدمی کو تقسیم نہیں ہوئی دراصل یہ برکات اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو تقسیم فرمائیں اور نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پہ تقسیم فرمائیں اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے تابعین پہ اور تبع تابعین سے سینہ بسینہ چلتی رہتی ہے۔

مسلمان تو وہ بھی ہو گیا جس نے قرآن حکیم کو مان لیا اور حضور ﷺ کو نہیں دیکھا' لیکن مسلمانی کی جو کیفیت ایک صحابی ؓ پہ وارد ہوئی اس پر نہ ہو سکی۔ اسی طرح محض ایمان لا کر آدمی مومن تو ہو سکتا ہے مسلمان تو ہو سکتا ہے' لیکن مسلمانی کا کمال اور حسن اسلام اس لذت کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جسے تصوف نصیب نہیں وہ مسلمان ہی نہیں' اللہ معاف کرے جو بھی ایمان کا اقرار کرتا ہے بحمداللہ سب مسلمان ہیں لیکن اسلام کا وہ حسن' وہ لطافت' وہ لذت جو صوفی کو نصیب ہے غیر صوفی کو نہیں۔ سارا کام تو اس کمال کے لئے کیا جاتا ہے۔

اللہ کریم ہمیں دین کی سمجھ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری خطاؤں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔

☆ ☆ ☆

معیت باری کے درجات

معیت کا عمومی درجہ

خداوند عالم نے نہ صرف کائنات کو پیدا فرمایا بلکہ ہر ایک شے کو ایک خصوصی خلعت تخلیق بخشا۔ صورت و سیرت' ظاہر و باطن' مغز اور پوست بنائے۔ پھر ایک تنکے سے لے کر پہاڑ تک' چیونٹی سے ہاتھی تک' تحت الثریٰ سے ثریا تک اور از فرش تا عرش ہر ایک شے کی نگہداشت' پرورش اور رزق وغیرہ سے نگہبانی فرماتا ہے اور فرماتا رہے گا۔ چونکہ وہ ہر شے سے الاول ہے' اس لئے اس کا علم ہر چیز کے موجود ہونے سے پیشتر ہے' اس چیز کے اوصاف سے اس قدر واقف ہے کہ خود وہ چیز اپنے موجود ہونے کے بعد اس کے علم کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور وہ الاخر ہے' اس لئے ہر چیز کے نتائج اور ماحصل کو وجود شے سے بھی بہت پہلے جانتا ہے۔ اسی کے لئے بقاء ہے' باقی ہر شے کی گھات میں فنا ہے۔ وہ الظاہر ہے اور اس کی ذات کا احاطہ ہر شے کی قدرت سے بالا ہے۔ الظاہر سے مراد یہی ہے کہ ہر چیز کے اوپر سب سے اعلیٰ سب سے ارفع ہے اور اس کی ذات ہر شے کو محیط ہے اور وہ الباطن ہے' اس لئے کسی بھی شے کے اندر بھی جو شے ہو گی' اس کی ذات اس سے بھی اندر ہے۔ حقیقت الاشیاء کے سب سے قریب اسی کی ذات ہے۔ اس کا علم سب کو محیط' سب پر حاوی' سب کے اندر باہر' دور و نزدیک اعلیٰ و اسفل سے اس طرح قریب ہے' جس طرح اس کی شان کے لائق هوالاول و الاخرو و الظاہرو الباطن و هو بکل شئ علیم۔ پیدا کرنا یا مارنا' رزق ہو یا صحت' اولاد ہو یا

عمر، ہر کام اس کے کرنے سے ظہور پذیر ہوتا ہے، اگر انسان نے فاعل حقیقی کو جان لیا تو مومن، اگر نہ جانا اور اسباب میں ہی الجھ کر رہ گیا تو کافر۔ بہرحال یہ معیت ساری مخلوق کے لئے ہے۔ یہ جدا بات ہے کہ اس راز کو پانے والا اسی کی بدولت ناجی اور نہ جاننے والا اسی کی عدم معرفت کی وجہ سے دوزخی۔ یضل بہ کثیرًا و یہدی بہ کثیرا یہ معیت کا پہلا درجہ ہے مومن و کافر زاہد و فاسق ہونا بندہ کی طرف سے ہے۔ اس کی طرف سے ایک ہی اعلان ہے۔ وھو معکم این ماکنتم۔ اب بندوں کے اعتقادیات و ایمانیات کے شجر اسی باراں سے بار آور ہیں۔ ہر درخت پر وہی پھل لگ رہا ہے جو اس پر لگنا چاہئے اور جس قسم کا درخت کسی نے اگا رکھا ہے، اسی قسم کا پھل لگنا ضروری ہے، ورنہ بارش تو ایک ہی ہے۔ ذائقہ و تاثیر میں اختلاف نہیں ہے۔ وھو معکم این ماکنتم۔

معیت کا دوسرا درجہ

اب جن لوگوں نے معیت باری کو جان لیا، علم الٰہی کی عظمت سے آگاہ ہوئے، قدرت خدا کا مشاہدہ نصیب ہوا تو ان سب میں لازمی نتیجہ اطاعت باری ہے۔ اس کی ذات ایسی ہے کہ جس کسی نے اس کی معرفت کا ایک شمہ بھی پایا وہ اسی کا ہو رہا سبحان اللہ۔

اے عزیز! جس نے اس کی اس عموم معیت کو جانا اس نے مثل بے پایاں عنایات کا علم حاصل کیا۔ لامحالہ اس کا قلب دربار باری تعالیٰ میں جھک گیا، اس کا وجود اطاعت شعار بن گیا، تقویٰ ذکر فکر اس کا اوڑھنا بچھونا بن گیا کیونکہ اس کی ذات ہی ایسی ہے۔ جس کسی نے اس کی ذات کا اقرار کیا تب ہی کیا جب کوئی رتی معرفت کی نصیب ہوئی۔ تو پھر اس کا وہ ہو رہا۔ دنیا اور اس کی رنگینی سے منہ موڑا، دولت و سطوت کی خواہش کو چھوڑا، اقتدار و حکومت کے بتوں کو توڑا اور ہمیشہ کے لئے اطاعت الٰہی کو اختیار کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسرے

درجے کی معیت کے خلعت یافتہ قرار پائے اور فرمایا ان اللہ مع الصابرین مع المتقین ان رحمتہ اللہ قریب من المحسنین یہ وہ معیت ہے جو اولیاء اللہ کا حصہ ہے لیکن یاد رہے کہ ایک طرف ذات باری ہے اور دوسری طرف وصفِ مخلوق ہے ان اللہ مع الصابرین یعنی متقیوں کے ساتھ' محسنین کے ساتھ اور صابرین کے ساتھ اللہ ہے۔ یہ معیت اوصاف کی وجہ سے ہے اور اوصاف انسانی تغیر پذیر ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ وصف بدل جائے تو معیت خاصہ سے محروم ہو گیا اور ولی اللہ تادم واپسیں خطرہ میں ہے کہ مبادا دامن صبر ہاتھ سے نکل جائے اس دوسرے درجہ میں ایک طرف بندہ کے اوصاف ہیں اور دوسری طرف ذات باری ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

من آنم بجاں گر تو آئی بہ تن

معیت کا تیسرا درجہ

یہ درجہ انبیاء علیہ السلام کا ہے اور یہاں ایک اور عجیب بات ہے کہ نبوت کسبی نہیں وہبی ہے اور شے موہوب ملک ذات بن جاتی ہے اس لئے نبوت نبی کی ذات کا مستقل وصف بن گیا۔ نبی ہر حال میں نبی ہوتا ہے' خواہ عالم امر میں ہو' خواہ عالم خلق میں ہو یا عالم آخرت میں۔ جہاں نبی کی ذات ہے وہاں نبی کی نبوت موجود ہے۔ سفر و حضر' بیماری و صحت' صلح و جنگ کوئی اثرِ خارجی نبی سے نبوت کو جدا نہیں کر سکتا اور جس ذات کو نبوت کا درجہ حاصل ہے اسے بواسطہ نبوت معیت بھی حاصل ہے مگر یہاں معیت صفاتی بیان فرمائی مثلاً" فرمایا انی معکما اسمع واری۔ دو نبیوں علیہما السلام کو فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی ذات موسیٰؑ اور ہارونؑ کے ساتھ۔ مگر اپنی طرف سے اپنے اوصاف بیان فرمائے کہ سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔

جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر نکلے تو کنارہ سمندر پہ پہنچے تھے کہ عقب سے لشکر فرعون کی گرد اڑتی ہوئی نظر پڑی۔ اب ساتھ تھا

اسرائیلیوں کا۔ جن کی ایذاء رسول علیہ السلام کو قرآن بطور ضرب المثل کے بیان کرتا ہے اور فرماتا ہے الذین اوذوا و موسیٰ۔ انہوں نے خوب شور مچایا اور زبانِ طعن دراز کی کہ اس بے کسی کے قتل سے ہمیں قبطیوں کی غلامی بدرجہا بہتر تھی۔ زندہ تو تھے۔ مگر اب سامنے سمندر کی موجیں اور عقب میں تلواروں کی زبانیں بھوکے اژدھوں کی طرح لپک رہی ہیں۔ بیوی بچے ساتھ ہیں' اے موسیٰؑ تو نے میدان میں لاکر مارا جہاں نہ چھپنے کی جگہ' نہ بھاگنے کا راستہ یا سمندر میں ڈوبیں گے یا قتل ہوں گے۔ دہائی دینے لگے۔ تو اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کیوں گھبراتے ہو اے اسباب کو دیکھنے والے اندھو! اس ہستی کو تو دیکھو جو اسباب کی خالق ہے مگر تم میں یہ استعداد کہاں' یہ میرا کام ہے جسے قطعی یقین ہے کہ نبوت معیت باری کو چاہتی ہے اور یہ لازم و ملزوم کی کیفیت رکھتی ہیں۔ تو فرمایا ان معی ربی سیہدین لیکن سبحان اللہ ایک طرف اپنی ذات کو ذکر فرمایا اور مقابلہ میں صفات باری کو فرمایا معی ربی یعنی نبوت نبی علیہ السلام کا وصف ذاتی ہے تو گویا ذات نبی علیہ السلام کو معیت حاصل ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی علیہ السلام بھی ہو اور کسی لمحہ معیت باری سے محروم بھی ہو۔ یہ جو کسی نے کہا ہے کہ خدا کبھی کبھی انبیاءؑ سے نبوت جدا کر لیتا ہے تاکہ ایک دو گناہ کر لیں۔ اس کا سلیس معنی یہ ہے کہ خدا نبی کی نبوت سلب کر لیتا ہے اور پھر دے دیتا ہے۔ برین عقل و دانش بباید گریست۔ یاد رکھو نبیؑ سے کبھی' کسی لمحہ کو نبوت جدا نہیں ہوتی اور نبوت معیت باری کو چاہتی ہے مگر معیت صفاتی ذکر فرمائی اور صفات بے حساب ہیں' الباسط بھی ہے' القابض بھی ہے' الرحیم بھی ہے' العادل بھی ہے' العلیم بھی ہے اور الحکیم بھی۔

تو جہاں ولی کو معیت ذات باری حاصل ہے مگر ولی کی ذات کو نہیں اس کی صفات کو جو تغیر پذیر ہیں وہاں نبی علیہ السلام کی ذات کو معیت باری حاصل ہے مگر معیت صفاتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ نبیؑ سے نبوت جاتی رہے۔ جس طرح

یہ ممکن نہیں اس طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی حال میں بھی نبیؑ معیت باری سے جدا ہو' جو بخش بھی دیتا ہے اور عدل بھی فرماتا ہے یہ اس کی مرضی۔

معیت کا آخری درجہ

اس سے اوپر ایک مخصوص درجہ معیت باری کا ہے اور یہ اخص الخواص کا حصہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ذات مخلوق کو ذات باری کی معیت حاصل ہو۔

دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

ایک طرف خالق کی ذات ہو اور دوسری طرف مخلوق کی بھی ذات ہو۔ سبحان اللہ! یہ درجہ ساری مخلوق میں صرف دو انسانوں کو حاصل ہے۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے مبارک گروہ میں سرور انبیاء سلطان الانبیاء امام الانبیاء اور تمام نبیوں کے مرشد مربی اور شیخ جن کی بیعت ازل میں انبیاء علیہما السلام سے لی گئی و اذاخذ اللہ میثاق النبیین آقائے نامدار سیدنا و مولٰنا و حبینا و حبیب ربنا و طبیب قلوبنا محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے اور کیوں نہ ہو اور دوسرا انسان عرش سے فرش تک' ازل سے ابد تک' انبیاء علیہما السلام کے مقدس گروہ کے بعد ساری خدائی کا پیشوا' افضل البشر بعد الانبیاء' امیرالمومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ یہ صرف میرا حسن عقیدت نہیں۔ اللہ کی قسم مجھے اپنے حسن عقیدت پر ناز ہے۔ اس وقت جب میری زبان کی نوک پر محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے یار غار رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر ہے مجھے خالق کائنات کی قسم میرا دل رقص کناں ہے۔ مجھے وہ سرور حاصل ہے کہ بے شک تسنیم و کوثر کا مزہ اپنا ہو گا لیکن میں نہیں چاہتا کہ میرے دل سے یہ درد جنت کے عوض بھی چلا جائے چہ جائیکہ تسنیم و کوثر تو ایک شمہ ہیں۔

دیر و حرم سے روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا
مجھ کو تو تو پسند ہے اپنی نظر کو کیا کروں

لیکن اے میرے عزیز! تو میرے حسن عقیدت کو رہنے دے۔ براہ

راست خداوند عالم سے پوچھ۔ خداوند کون و مکاں اپنے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان حق ترجماں سے کہلوا رہا ہے اور بذریعہ وحی متلو کہلوا رہا ہے وحی خفی بھی نہیں کہ وہ قرآن میں نہ ہو اور حدیث کا درجہ پائے۔ ذرا سن تو سہی' فرماتا ہے لا تحزن ان اللہ معنا ایک طرف ذات باری ہے اور دوسری طرف ایک ذات محمد عربی ﷺ کی ہے اور دوسری ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی۔ ان دونوں کی ذات کو ذات باری کی معیت حاصل ہے اور یہ وہ معیت ہے جو ساری خدائی میں صرف دو ہستیوں کو نصیب ہے اور غالباً" پوری دنیا کے اطاعت شعاروں کو صرف دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک گروہ انبیاء علیہم السلام اور ایک غیر انبیاء۔

انبیاء علیہم السلام میں' سردار گروہ انبیاء علیہم السلام کو یہ خلعت نصیب ہے اور یہ بھی سردار گروہ کا حصہ ہے۔ یہ وہ تاج ہے جو پورے ملک میں شاہنشاہ کے نصیب ہے' باقی ساری حکومت اس کے تابع فرمان ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے ملک میں محمد رسول اللہ ﷺ شہنشاہ ہیں اور غیر انبیاء کے دیس کا بادشاہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے۔ یہاں خداوند قدوس نے اپنے اوصاف بیان فرمائے اور ساتھ اپنے بندوں کا وصف بھی لایا۔ بلکہ فرمایا۔ ذات الہ' ذات محمد ﷺ و ذات ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ یہاں اگر کوئی چاہے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جملہ محاسن سے آنکھیں بند بھی کر لے' آپ کی سبقت ایمان کو مانے نہ جانثاری کا اعتبار کرے' نہ معیت کو جانے' نہ صحبت غار کی اہمیت اختیار کرے' نہ امامت نماز کا قائل ہو صرف نبی ﷺ کے ایک پیار کو لے۔ اگرچہ جملہ امور اظہر من الشمس ہیں۔

دیدہ لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا ان کا

ہر صورت میں معیت ذات باری کو ذات ابوبکر رضی اللہ عنہ سے چھیننا پڑے گا تو اگر معیت الہی سے محروم ہے تو یقیناً ابوبکرؓ نہ ہوا۔ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے تو اللہ ذاتی

طور پر اس کے ساتھ ہو گا۔

اب ذرا اس پس منظر کی جھلک دیکھو کہ تم اس راز کو پا سکو۔ آج سے چودہ سو برس پیشتر کے مکہ کو دیکھو' کفار کے مظالم اور مسلمانوں کا اندازہ کرو' مرتے ہیں' کٹتے ہیں' پیٹے جاتے ہیں اور گھسیٹے جاتے ہیں' مگر نہ پائے استقلال میں لغزش نہ زبان پر آہ۔ پھر کس امید پر جی رہے ہیں؟ یہ وہی معیت باری ہے' جو ان کے ایمان ورع اور ان کے ساتھ مختص ہے۔ سوائے معیت باری کے کون ہے جو ان کمزور مسلمانوں کو خاطر میں لائے۔ یہی امتحان کیا کم تھا کہ ہجرت کا حکم ہوا۔ پہلے تو صرف جان اور آرام نثار تھا' عزت و آبرو نثار تھی' پھر گھر بار بھی شامل ہو گیا لیکن حضرات صحابہ کرامؓ معیت باری میں اس قدر سرشار کہ لوگ آرام سے مطمئن اور یہ تکلیف سے پر سکون' لوگ مال اکٹھا کرنے پہ' یہ لٹانے پہ راضی' لوگ گھر رہنے پر راضی' یہ ترک وطن پر مسرور' بڑا مہنگا سودا ہے۔

مگر یہ درجہ ان لوگوں کے لئے جنھوں نے نشہ معیت کو جانا' جو اس کے شیدائی ہیں' ان کی عمریں' ان کے گھر بار' مال اولاد' ہر شے اس جرعہ پہ نثار ہو گئی۔ شاید کوئی کہہ دے کہ جب مسلمانوں کو معیت باری ملی تو انہیں وہیں غلبہ مل جاتا ترک وطن کی ضرورت کیا تھی؟ تو میرے بھائی ایک سبب ہے کہ اہل مکہ کو ان لوگوں کی معیت سے محروم کیا جنہیں معیت باری حاصل تھی۔ اور یہی راز ہے کہ وہ بے سروپا مکہ کی ساری شوکت و سطوت ساتھ ہی لے گئے۔ و ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم۔ جن لوگوں کے ساتھ ایسے لوگ بستے ہیں جنہیں معیت خاصہ سے حصہ ملا ہو تو ان کے صدقے ساری بستیاں عذاب کی زد سے محفوظ رہتی ہیں جب اللہ کریم ناراض ہوا اور راضی نہ ہونا چاہے تو پھر ایسے عظیم لوگوں کی صحبت سے انکاری لوگوں کو محروم کر دیتا ہے۔ اعاذنا اللہ منھا۔

غرض صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین چلتے رہے' ہجرت کرتے رہے تاآنکہ خود باعث حصول معیت کی ذات با برکت کو ہجرت کا حکم ہوا اور اس انداز سے ہوا کہ اہل مکہ آخری تدبیر بھی کر چکے تھے کہ یہ افسوس نہ رہ جائے

کہ فلاں تدبیر نہ کی تھی۔ ہر قبیلہ کا جری جب تیغ بکف خانہ رسول ﷺ کو گھیرے میں لے چکا تو حکم ہوا۔ میرے حبیب ﷺ ہجرت فرمایئے لیکن کسی کو اپنی چارپائی پر لٹا دیں کہ جو بستر وجود رسول ﷺ سے اخذ فیض کرے اس کا وجود اس بستر سے اخذ برکات کرے۔ جب یہ حکم ہوا تو یقیناً تعین فرد بھی بحکم الٰہی ہو گی تو یہ سعادت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا حصہ تھی اور اس جوانمرد نے تلواروں کے سائے میں اپنے حصہ کی سعادت اپنے لئے حاصل کر لی۔ وہ کیا شان اسد الٰہی ہے کہ کفار مکہ کے چیدہ دستوں کی تلواروں کا منہ چڑایا جا رہا ہے۔

اور دوسری طرف خود صاحب بستر کے اوقات کو بھی خالی نہ رکھا غیر انبیاء کا سلطان نامزد کیا اور ذات رسول ﷺ کا فیضان اس کے حصہ میں مقرر فرما دیا سبحان اللہ! اس نحیف و نزار انسان کی جرات پہ بھی قربان ہونے کو جی چاہتا ہے جس نے اپنے حصے کا فیضان بوسہ اقدام مبارک کے ذریعے زمین کو بھی حاصل نہ کرنے دیا بلکہ عرض کی کہ حبیبی ﷺ یہ میرا حصہ ہے۔ اس سعادت سے میرے کندھوں کو مشرف فرمایئے۔ زمین ابوبکرؓ کی جوتیوں سے کمال حاصل کر سکتی ہے مگر براہ راست رسول کریم ﷺ سے حاصل کرنا آج میرا مقدر ہے۔

اب غار ثور کو دیکھ اور محبوب کبریا کا مبارک سر صدیق کی گود میں ہے۔ اللہ اللہ یہ وصل' یہ معیت رسول' یہ قرب محبوب اور اس میں کفار کا مخل ہونا کہ حاصل زندگی گود میں ہے اور کفار نہ صرف مخل محفل ہیں بلکہ ایذائے محبوب کے درپے ہیں۔ یہ کیفیت' یہ درد اور کڑھن وہی جانے جس کا محبوب ہو' وصل ہو' تنہائی ہو' جنگل ہو اور پھر دشمن بھی دخل انداز ہو۔ نہ جاننے والوں کا کیا ہے۔ یہ تو محبوب ہی نہیں رکھتے۔

دلے دارند و محبوبے نہ دارند

جس قدر دکھی مخلوق میں کوئی ہو سکتا ہے اس سے زیادہ دکھی اس وقت حضرت ابوبکرؓ تھے کہ فوراً" نغمہ جانفزا لب محبوب نے چھیڑا۔ لا تحزن یہ کس نے کہا اور کس کو کہا اور کس وقت کہا اور کس کے حکم سے کہا۔

یہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور بحکم خدا فرمایا۔ اپنے عاشق صادق کو فرمایا۔ لصاحبہ۔ بندے تو سب اللہ کے ہیں لیکن بعبدہ میں شان کچھ اور ہے' مصاحب تو جملہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بھی ہیں رسول اللہ ﷺ کے۔ لیکن لصاحبہ کی لذت جداگانہ ہے اور پھر کیا فرمایا کہ میرا دکھ نہ کر' نہ تیرے وصل میں کوئی مخل ہو گا' نہ میری ذات کو کوئی دکھ دے سکے گا۔ اے میرے عاشق زار! تیرا وقت بڑا قیمتی ہے' تو رخ روشن سے آنکھوں کو سیراب کر' دل بیتاب کو محبوب کا تکیہ بنا لے اور دماغ پر جمال محبوب کا نشہ طاری کر دے کہ تیرے محبوب کو بھی اور تجھے بھی ذات باری کی معیت حاصل ہے۔ نگہبانی اس کو سونپ دی جسے سزاوار ہے۔ ان اللہ معنا۔ اللہ کریم کی ذاتی معیت محمد رسول ﷺ کی ذات کو حاصل ہے اور ساری کائنات میں' غیر انبیاء میں اے عاشق زار! یہ تاج تیرے نصیب میں ہے کہ تیری ذات کو ذات باری کی معیت حاصل ہے۔ یہ اخص الخواص کا مقام ہے اور انسانی ترقی کی انتہا اور یہ اصل ہے۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعۃ وارنا باطلا و ارزقنا اجتنابۃ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و علی الہ و صحبہ اجمعین۔

☆ ☆ ☆

نبوت حقیقی شرف انسانی ہے

شرف انسانی کی نوعیت

اللہ جل شانہ کی تمام تر تخلیقات میں انسان کو ایک خاص شرف اور ایک خاص رتبہ حاصل ہے۔ اس کے اس حقیقی شرف کا باعث نبوت ہے۔ جو ساری تخلیق میں صرف انسانوں کو عطا فرمائی ہے۔ نبوت صرف پیغام رسانی نہیں ہے جیسا عموی طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے اور خصوصاً" اس دور میں کہ نبوت محض اتنا سا کام ہے اللہ کریم سے بات لے کے لوگوں تک پہنچا دی اور بس۔

کمالات نبوت

اللہ جل شانہ سے بات کرنے کے لئے' کلام باری کو سننے کے لئے' کلام باری کو سمجھنے کے لئے' ایک خاص قوت کی ضرورت ہے جو ہر انسان میں نہیں ہو سکتی اور کسی حیلے' کسی طریقے' کسی علم' کسی مجاہدے سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ وہ قوت محض عطائے الہی ہوتی ہے اور انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کو وہبی طور پر عطا کی جاتی ہے۔ اس لئے نبوت محض پیغام رسانی نہیں بلکہ ایک ایسی عظمت ہے جو غیر نبی کسی طریقے سے حاصل نہیں کر سکتا۔

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو یہ طاقت اور یہ قوت جو ان کی آنکھوں کو وہ قوت دیتی ہے' کہ وہ جمال باری کو دیکھ سکیں اور صفات باری کو پہچان سکیں۔ ان کے قلب کو وہ قوت دیتی ہے کہ حقائق الٰہیہ کو وہ پا سکیں' منشائے باری کو وہ سمجھ سکیں اور کلام باری کو سن سکیں اور سمجھ بھی سکیں۔ تو انسانیت کے شرف کا

سبب یہی عظمت ہے کہ ساری مخلوق میں یہ انسانوں کو عطا کی گئی۔

برکات و تعلیمات کا انتقال

جب نبی علیہ السلام اپنا پیغام دنیا میں پہنچاتا ہے تو نبی علیہ السلام کا پیغام بھی محض ایک بات نہیں ہوتی۔ سائنس دان جو ایک بات دوسروں تک پہنچاتا ہے وہ محض ایک بات ہوتی ہے۔ کیمیا دان جو عقدہ کشائی کرتا ہے وہ محض ایک بات ہوتی ہے اور کسی دوسرے فن کا ماہر' طبیب ہو یا کوئی موجد ہو' جو بات بھی پیش کرتا ہے وہ محض ایک بات ہوتی ہے لیکن جو بات نبی علیہ اسلام ارشاد فرماتا ہے اس کے ساتھ ایک حال ہوتا ہے۔ اور نبی کی بات کو قبول کرنے والے شخص پر وہ حال وارد ہو جاتا ہے' ایک کیفیت وارد ہوتی ہے جو اس کے باطن کو' اس کے ضمیر کو' اس کی سوچ کو تبدیل کر دیتی ہے اور ایک خاص استعداد کار انسان کے وجود میں پیدا ہو جاتی ہے۔

آپ نے دیکھا کہ نبی رحمت ﷺ جب مبعوث ہوئے تو روئے زمین پر بسنے والے سارے لوگ تباہی کی طرف جا رہے تھے۔ کوئی اخلاقی معیار نہیں تھا' کوئی انسانی اقدار نہیں تھیں' لیکن جس شخص کو بھی رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ایمان نصیب ہوا فورا" اس کی حالت بدل گئی۔ یعنی نبی رحمت ﷺ کے ارشادات محض الفاظ یا محض بات نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ ایک حال تھا' جو قبول کرنے والے افراد پر پوری قوت سے وارد ہوا اور صرف جسم یا کھال' گوشت پوست یا حلیہ وہ رہ گیا باقی سب کچھ بدل گیا۔ پورے کا پورا انسان بدل گیا' اس کی سوچ' اس کی تمنا' اس کی آرزو تک بدل گئی۔

خصوصی استعداد انسانی

اب اس حال کو قبول کرنے کے لئے رب جلیل نے ہر پیدا ہونے والے انسان میں ایک استعداد رکھی ہے' اس لئے ارشاد ہوا ہے :۔

کل مولود یولد علی فطرۃ

ہر پیدا ہونے والا فطرۃ پر پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس استعداد کو لے کر پیدا ہوتا ہے جو قبول ایمان کے لئے' نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور حالات کو قبول کرنے کے لئے وجود میں ہونی چاہئے۔ پھر اس کے بعد' ثم ابواہ یھودانہ او ینصرانہ معاشرہ اور معاشرے کے افراد یا اس کے والدین یا جن میں وہ تربیت حاصل کرتا ہے وہ اسے گمراہ کر دینے کا سبب بن جاتے ہیں۔ یعنی وہ استعداد جو اس غرض سے تھی کہ نبی رحمت ﷺ کے ارشادات کو قبول کرتا اس استعداد کو غلط راستے پر ڈال کر دوسروں کی باتیں اس کے ذہن میں' اس کے دل میں ڈال دی جاتی ہیں جو اس کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں۔

استعداد خصوصی کے درجات

یہ قوت ہر انسان میں ودیعت کی گئی ہے۔ فطری طور پر اس کے لئے تین درجے ہیں۔ پہلا تو یہ ہے کہ انسان اگر مجاہدہ کرے' خاص قسم کی ورزشیں کرے' جن سے اس کی قوت متخیلہ ایک مقام پر مرتکز ہونے کی عادی ہو جائے اور وہ جہاں بھی اس کو ایک مقام پر یا ایک نقطے پر یا ایک بات پر جمع کرنا چاہے تو پوری یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ مخفی قوتیں اس کے وجود میں بعض عجائبات پیدا کر دیتی ہیں۔ اس راز کو جن لوگوں نے سمجھا اور پایا انہوں نے اس کے حصول کے مختلف طریقے اور مختلف مشقیں ایجاد کیں جن میں کسی کا نام ٹیلی پیتھی ہے' کسی کا نام مسمریزم ہے' کسی کو یوگا کہتے ہیں۔ یہ ساری مشقیں ہیں۔ حقیقتاً اس قوت کو جو ہر انسان فطری طور پر لے کر پیدا ہوتا ہے' اس کو یکجا کر کے' اس کے طفیل کچھ عجائبات کا اظہار کیا جاتا ہے جس کے لئے نہ مومن ہونا شرط ہے اور نہ کافر ہونا ضروری ہے۔ محض انسان جس میں مومن بھی شامل ہے اور کافر بھی شامل ہے' دونوں ہی اگر یہ مشقیں شروع کر دیں تو وہ کمال حاصل کر سکتے ہیں۔ ان مشقوں کے مختلف طریقے ہیں مثلاً" کوئی شخص ایک نقطہ لگا کر

اسے مسلسل دیکھنا شروع کر دیتا ہے' کوئی موم بتی یا لائٹ جلا کر اس کی طرف دیکھنا شروع کر دیتا ہے اور پھر اس مشق کو اتنا پختہ کر لیتا ہے کہ وہ گھنٹوں بغیر پلک جھپکائے یہاں تک کہ سورج کو بھی گھورتا رہتا ہے۔ تو جتنی جتنی یہ قوت پیدا ہوتی چلی جائے' اتنی اتنی اس کی قوت متخیلہ مضبوط ہوتی چلی جاتی ہے جس کے طفیل بعض عجیب چیزیں اس سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ مثلاً" دنیا میں وقوع پذیر ہونے والا کسی دور کا واقعہ وہ یہاں بیٹھ کر مشاہدہ کر لیتا ہے' کسی آنے والے شخص کے دل و دماغ کو پڑھ کر اس کے خیالات کو چرا لیتا ہے اکثر اوقات اپنے خیالات دوسروں پر مسلط کر دیتا ہے اور وہ دوسرا غیر شعوری طور پر بغیر سوچے سمجھے' بغیر بات کئے' بغیر اسے کچھ کہے کام کرتا چلا جاتا ہے جو یہ شخص اس سے کروانا چاہتا ہے۔ تو یہ طاقت بھلائی پر بھی استعمال کی جا سکتی ہے اور برائی پر بھی۔ اس کا مدار اس شخص پر ہوتا ہے جو یہ قوت حاصل کر لیتا ہے اور اس کے لئے کسی خاص نظریئے یا عقیدے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

سفلی علوم

ایک طریقہ ان سفلی علوم کو بروئے کار لانے کا اور ہے اور اس کے لئے کافر ہی ہونا پڑتا ہے۔ بغیر کفر کے وہ حاصل نہیں ہوتا۔ اسے اصطلاحاً" سفلی علوم یا کالا علم کہتے ہیں۔ اس کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی انسان جب کفر اور برائی کی طرف چلتا ہے تو اسے شیطان کے ساتھ ایک گونہ نسبت ہو جاتی ہے۔ پھر بعض لوگ اس میں ایک مہارت حاصل کرتے ہیں' بعض کفریہ کلمات پڑھ کر اور بعض قبیح حرکات کر کے' کبھی انسانوں کو ذبح کر کے ان کی قربانی دیتے ہیں' کبھی مُردوں کو نکال کر ان کا گوشت کھاتے ہیں اس طرح کی قباحتیں کر کے اور شیطانی کلمات کا ورد کر کے شیطان کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق اور نسبت پیدا کر لیتے ہیں۔ وہ طاقت جو اللہ نے اپنے نبی یا رسولوں کے ساتھ نسبت پیدا کرنے کے لئے دی تھی' اس کا غلط استعمال یہ ہوتا ہے کہ وہ قوت شیطان کے ساتھ

تعلق پیدا کرنے میں صرف کی جاتی ہے۔

سفلی علوم کا سبب اصلی

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔ ان الشیاطین لیوحون الی اولیاء

ھم۔

کہ شیاطین اپنے دوستوں کے ساتھ باتیں کرتے ہیں' انہیں باتیں بتاتے ہیں' ان کی باتیں سنتے ہیں یعنی اتنا قریب تر ہو جاتے ہیں کہ وہ ان کے ہم مجلس' ہم نشین بن جاتے ہیں۔ وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ ان شیاطین کو یا ان جنوں کو میں نے مسخر کر رکھا ہے لیکن نتیجہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ دراصل شیاطین نے اس شخص کو اپنا آلہ کار بنا رکھا ہوتا ہے اور اس کے ذریعے سے انسانیت میں برائیاں پھیلاتے ہیں' لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ کوئی بھی شخص جو اس راستے پر چلتا ہے جب وہ اس قسم کے اوراد اور کلمات شروع کرتا ہے تو ان میں بنیادی طور پر کفر ہی موجود ہوتا ہے اور اس کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ ان علوم کے حصول کے لئے ایمان کا ضیاع شرط ہے۔ نور ایمان جب تک دل میں ہو تو شیطان کے ساتھ وہ تعلق قائم نہیں ہو سکتا جس تعلق کے طفیل عجائبات ظہور پذیر ہوں یا لوگوں کو پریشان کرے یا اس طرح کی بات کوئی اس میں پیدا ہو۔ اسطرح کے علوم کو سفلی علوم میں شمار کیا جاتا ہے اور اس فن کے بھی بڑے بڑے اساتذہ گزرے ہیں۔ جس میں جادو' ٹونا' ٹوٹکا اور اس قسم کی چیزیں آ جاتی ہیں اور یہ ہمیشہ لوگوں کے عقیدے اور اعمال خراب کرنے کے لئے بھی اور ایذا دینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

حقیقی علم جس کے لئے یہ استعداد دی گئی اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے جس طرح کسی سپاہی کو ہتھیار تو دیا جاتا ہے' ملک کی حفاظت کے لئے لیکن اگر اس ہتھیار کے ساتھ وہ لوگوں کو لوٹنا شروع کر دے تو بھی استعمال کر سکتا ہے۔ اس لئے یہ استعداد جو اخذ فیوض و برکات کے لئے دی گئی تھی اس کا غلط

استعمال اسے شیطنت کی طرف اور سفلی علوم کی طرف لے جاتا ہے۔ حقیقی علم جسے علم کہا جا سکتا ہے اور جو واقعی علم ہے اس کے علاوہ دیگر تمام علوم' علوم نہیں ہیں بلکہ معلومات ہیں۔

علم و معلومات کا فرق

معلومات اور علم میں ایک خاص فرق ہوتا ہے معلومات انسان کا حال نہیں بنتیں لیکن علم انسان کا حال بن جاتا ہے اور جو علم حال بنتا ہے وہ صرف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے طفیل اور ان کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ بالکل اس طرح ہے جس طرح عالم آب و گل میں سورج ہے۔ عالم روحانیت میں یا روحوں کی دنیا میں نبوت سورج کی مانند ہے جس کے طفیل اس سارے روحانی عالم کی آب و تاب' زندگی اور حرارت قائم ہے اور جو شخص بھی نبوت پر ایمان لاتا ہے اور بہ تائید ایزدی جسے بھی ایمان لانے کی سعادت حاصل ہوتی ہے جیسے ہی وہ ایمان لاتا ہے اس کے قلب کا تعلق اس نور نبوت کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔

تصدیق قلبی

اسی لئے ایمان لانے کے لئے یقین قلبی ضروری شرط ہے۔ اگر کوئی شخص دل سے یقین نہ کرے اور محض زبان سے جان بچانے کے لئے یا کسی فائدے کو حاصل کرنے کے لئے کہہ دے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو اگرچہ وہ فرد اسلام میں یا مسلمانوں کی گنتی میں شامل ہو جاتا ہے لیکن اللہ کے نزدیک وہ مسلمان اور مومن نہیں ہے جب تک دلی طور پر' قلبی طور پر نبی کریم ﷺ کی تصدیق نہ کرے۔

یہ تصدیق قلبی' قلب کا تعلق نور نبوت سے قائم کر دیتی ہے اور اگر اللہ کریم مشاہدہ عطا فرما دیں تو دیکھا جا سکتا ہے کہ ہر کلمہ گو کے دل کے ساتھ ایک

نورانی تار جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ اس کے مسلمان ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ خدانخواستہ اس کے عقائد خراب ہو جائیں تو وہ ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ صرف تب تک رہ سکتی ہے جب تک اس کا دل ضروریات دین کی تصدیق کرتا رہے اور جب یہ تار ٹوٹ جاتی ہے تو انسان معاشرے میں ایسے ہو جاتا ہے جیسے فضا میں کسی پتنگ کی ڈور کٹ جائے۔ اس لئے آپ نے دیکھا ہو گا کہ بے شمار نئے فرقے پیدا ہوتے ہیں' ہر فرقے کو کچھ لوگ مل جاتے ہیں جنہیں یہ لوگ اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہیں' یہ سب وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی ڈور کٹی ہوئی ہوتی ہے۔ ورنہ انسان کسی عقیدے پر قائم ہو تو اسے ہٹا کر کسی دوسری طرف لے جانا یہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو مختلف خیالات اور مختلف نظریات کے لوگ اچک لیتے ہیں یہ دراصل اپنے اصل سے کٹے ہوئے ہوتے ہیں' یہ کٹی ہوئی پتنگیں ہوتی ہیں۔ اب کسی کی ہمت ہے جس کسی نے لوٹ لیا۔

نور نبوت کی تاریں

لیکن جب نور نبوت سے تعلق قائم رہے اور انسان اطاعت پیغمبر میں کوشاں رہے تو یہ بڑھتا رہتا ہے اور مضبوط ہوتا رہتا ہے اور یہ ہلکی سی روشنی کی کرن جو ایمان لانے سے پیدا ہوتی ہے' یہ پھیلنا شروع ہو جاتی ہے' اور نبی رحمت ﷺ کے قلب اطہر سے اس کے قلب تک ایک تار جڑ جاتی ہے۔ جوں جوں وہ اطاعت پیامبر اور اتباع رسالت اختیار کرتا ہے توں توں یہ روشنی بڑھتی جاتی ہے' مضبوط ہوتی جاتی ہے اور اس انسان کا کردار نکھرتا جاتا ہے' سنورتا جاتا ہے' سوچ مثبت ہوتی چلی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اس نعمت کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ اور بھی ہے اور وہ ہے کسی کی صحبت میں پہنچ کر انعکاسی طور پر بہت سا نور اپنے سینے میں انڈیل لینا جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اسی ہی کے ذریعے مقام صحابیت کو پا لیا۔

مقام صحابیت

مقام صحابیت کو پانے کے لئے صرف اور صرف ایک راستہ ہے اور وہ ہے صحبت پیامبر ﷺ۔ جب ہم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں تو محض ایک اصطلاح نہیں ہے' اس کے پیچھے ایک بہت بڑی حقیقت ہے اور وہ یہ ہوتی ہے کہ یہ شخص امانت میں' دیانت میں' اخلاقیات میں' عقائد میں' اعمال میں' ورع اور تقویٰ میں' خشوع اور خضوع میں ہر غیر صحابی سے کروڑوں درجے آگے بڑھا ہوا ہے۔ یعنی جب ہم کسی کو صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں تو اس کے ساتھ ہمارا یہ عقیدہ ہوتا ہے' یہ صرف ہمارا خیال یا ہمارا علم نہیں ہوتا' ہمارا ایمان ہوتا ہے' یقین ہوتا ہے کہ یہ شخص تمام اوصاف عالیہ میں ہر غیر صحابی سے کروڑوں درجے بلند تر ہے۔

اور اسے یہ کمال کس طرح حاصل ہوا کہ جب وہ ایمان لایا تو اس کے قلب کی تار یا تعلق حضور ﷺ کے قلب اطہر سے جڑ گیا۔ تو ایمان لانے کے بعد کوئی لمحہ اسے حضور اکرم ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی' آپ کی نگاہ اطہر میں آگیا' تو جیسے وہ صحبت عالیہ میں پہنچا تو وہ نور جو سمندر کی طرح حضور اکرم ﷺ کے قلب اطہر میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا اس نے اس کے دل کو بھی سیراب کر دیا۔ اور یہ انعکاسی طور پر سینہ اطہر ﷺ سے اس مومن کے سینے میں وقوع پذیر ہوا۔ اگر کسی کو حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانے میں ایمان نصیب ہوا اور وہ بہت پائے کا نیک شخص ٹھہرا لیکن مجلس عالی میں نہ پہنچا تو صحابی نہ بن سکا یعنی اس درجے کی نورانیت اس کے قلب میں نہ آسکی جو اسے مقام صحابیت پر فائز کرتی۔ چونکہ اس کے لئے انعکاسی طور پر خود سمندر میں غوطہ لگانا شرط ہے۔ بارش میں بھیگنا اور بات ہے اور سمندر میں ڈوبنا اور بات ہے۔

برکات کا توارث

تو غیر صحابی اور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایسا ہی فرق ہے۔ غیر صحابی

پر بھی وہی انوارات مترشح ہوتے ہیں' جو مقام رسالت کے طفیل صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتے ہیں لیکن غیر صحابی سمندر سے بھاپ اٹھی' بادل بنی' برسی' اس کی پھوار میں بھیگ رہا ہوتا ہے اور صحابی رضی اللہ عنہ خود سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے۔

اس مقام کو پانے کے لئے حضور ﷺ کی بعثت سے لے کر آپ کے وصال مبارک تک وہی تیئس سال تک کا عرصہ تھا۔ اس میں جن خوش نصیبوں کو یہ نعمت مل گئی مل گئی اور بس۔ حضور ﷺ کی صحبت میں پہنچنا اس دار تکلیف میں' اس عالم آب و گل میں شرط تھا' جب حضور اس دارالدنیا سے تشریف لے گئے' عالم برزخ میں جلوہ افروز ہوئے تو وہ بات ختم ہو گئی' وہ وقت ختم ہو گیا لیکن وہ دولت ختم نہ ہوئی' حضور ﷺ کی برکات اور آپ ﷺ کے فیوضات ختم نہ ہوئے۔

پھر ایک درجہ کم ہو گیا کہ جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی خدمت میں پہنچا' ان کی صحبت اختیار کی' وہ تابعی بن گیا یعنی وہ نور جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دلوں میں موجزن تھا وہ انعکاسی طور پر تابعی کے دل میں منتقل ہو کر اسے تابعی بنا گیا۔ تابعین کی جو مجلس عالیہ میں پہنچا وہ تبع تابعی بن گیا۔ اسی طرح تبع تابعین کے بعد جس طرح باقی ادارے تقسیم ہو گئے جیسے حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں مفسر' محدث' فقہاء یہ کوئی علیحدہ علیحدہ نہیں تھے' سارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضور اکرم ﷺ سے تفسیر بھی سنتے تھے' فقہ کی باتیں بھی سنتے تھے' حدیث پاک بھی سنتے تھے اور سارے بیان بھی سنتے تھے لیکن جوں جوں زمانہ آگے چلتا گیا یہ سارے فنون علیحدہ علیحدہ ہوتے گئے۔ یہ سارے کمالات صرف حضور ﷺ کی ذات گرامی میں یکجا تھے۔ پھر کوئی فقہ کا ماہر بنا' کوئی تفسیر سے معروف ہوا' کوئی حدیث سے مشہور ہوا' کوئی حدیث کا امام ہوا' کوئی فقہ کا امام ہوا' کوئی تفسیر کا امام ہوا۔

سلاسل تصوف کا قیام

اسی طرح اس فن میں بھی منفرد لوگ' خوش قسمت لوگ' الوالعزم لوگ جنہیں اللہ نے پسند فرما لیا وہ آگے بڑھے اور اس طرح سے سلاسل تصوف قائم ہوئے۔

جس طرح ظاہری علوم کے لئے مکاتب یا مدارس بنے اسی طرح اس کے لئے بھی بعض لوگ معروف ہوئے اور دوسرے لوگ ان سے اپنی استعداد کے مطابق استفادہ کرتے رہے۔ تو جو لوگ اصحاب سلاسل گزرے ہیں یا جن لوگوں کے ناموں سے سلسلے جاری ہیں وہ بہت ہی بلند پایہ لوگ گزرے ہیں' اتنے عالی ہمت اور اتنے خوش نصیب کہ جن کے مقامات اور منازل کا اندازہ کرنا میرے اور آپ کے بس کی بات نہیں جن کا تعلق محض کسی چھوٹے سے ذخیرۂ آب سے نہیں بلکہ فیوضات آقائے نامدار ﷺ سے ہے اور ایسا چشمہ' جتنا آپ لیتے جائیں اس کی قوت اور اس کے برکات کی جو آمد ہے وہ بڑھتی چلی جائے گی۔

جب ان لوگوں سے برکات کا ظہور شروع ہوا تو اثر وہی ظاہر ہونا تھا جو اصل کا تھا۔ آپ چاہ زم زم پر جا کر اصل زمزم شریف کا پانی پی لیں یا کوئی آپ کو یہاں لا کر دے دے اس پانی کی خصوصیات جو وہاں ہیں وہی یہاں بھی ہوں گی۔ تو یہ برکات براہ راست حضور ﷺ سے پہنچے۔ فرق صرف اتنا پڑا کہ وہاں مقدار میں بہت زیادہ پہنچے اور جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے منتقل ہوئے تو اثر ان کا وہی تھا' وہی خشوع و خضوع وہی صدق و صفا' وہی ورع و تقویٰ تابعین میں بھی آیا لیکن ان کی مقدار کم ہو گئی' اس اندازے سے نہ پہنچیں جس اندازے سے براہ راست حضور ﷺ سے پہنچتی تھیں لیکن ان کے اثرات میں کمی نہیں آئی۔ اسی طرح جب انوارات تابعین رحمتہ اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے تبع تابعین رحمتہ اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ان سے اہل اللہ کو منتقل ہوئے اور مشائخ عظام کے سینوں میں موجزن ہوئے' تو ان کی مقدار میں کمی آئی' ان کی برکات میں کمی نہیں آئی اور اس سے وہی نتیجہ ظہور پذیر ہوا کہ

جس سینے میں وہ جاگزیں ہوئے وہ شخص بدل گیا اور برائی سے ہجرت کر کے نیکی کے راستہ پر اس نے اپنا سفر شروع کر دیا اور اخلاقیات میں' ایمانیات میں' معاملات میں اس کی اصلاح ہوتی چلی گئی۔ اب اصلاح پذیر ہونے کی استعداد ہر شخص کی جداگانہ ہوتی ہے لیکن یہ طے ہے کہ جب یہ برکات نبوت سینے میں آتی ہیں تو ہر آدمی جس مقام پر کھڑا ہوتا ہے اس سے بہتری کی طرف چل پڑتا ہے۔

نور نبوت اور تزکیہ

فرق یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اس حالت میں ہو کہ وہ کتنا دور ہے اور وہ کتنے وقت میں اصل راستے تک پہنچے گا لیکن سفر سب کا حقیقت کی طرف شروع ہو جاتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہوتا ہے کہ ٹیلی پیتھی سے آپ عالم آب و گل میں اثر کر سکتے ہیں' دور نزدیک کی بات دیکھ سکتے ہیں' اس دنیا کی چیزوں کو متاثر کر سکتے ہیں' اسی طرح سفلی علوم سے بھی آپ زمین سے اوپر اور آسمان کے نیچے جو چیزیں ہیں' ان کو متاثر کر سکتے ہیں لیکن جب نور نبوت آتا ہے تو یہ تحت الثریٰ سے عرش معلی تک ہر چیز کو متاثر کر دیتا ہے اور ان کی نگاہ جب اٹھتی ہے تو بالائے آسمان عرش عظیم تک' برزخ میں جنت و دوزخ اور پیچھے عالم امر اور عالم ارواح تک چلی جاتی ہے یہ کمال صرف نور نبوت میں ہوتا ہے کہ آپ نگاہ کو' اپنی قوت کو' اپنی استعداد کار کو اس احاطہ امکان سے باہر لے جاتے ہیں۔

کشف و نور نبوت

ورنہ کوئی بھی علم' کوئی بھی طاقت' امکانات کی حدود سے باہر نہیں جا سکتی۔ اگر کسی مخفی قوت سے کوئی شخص پرواز کی طاقت حاصل کر لیتا ہے' یہ عین ممکن ہے لیکن یہ طاقت مادی دنیا میں لوگوں نے مشینیں بنا کر بھی حاصل کر لی ہے۔ اس طرح یہ ممکن ہے کہ کسی مخفی علم کا ماہر آپ کو تھوڑے وقت میں

زیادہ فاصلہ طے کرتا ہوا نظر آئے اور جو فاصلہ آپ مہینے میں طے کرتے ہیں وہ ایک دن میں اس میں پہنچ جائے' یہ ممکن ہے' اس کے لئے ایمان بھی شرط نہیں۔

لیکن بالائے آسمان جھانکنے کے لئے نور ایمان اور نور نبوت شرط ہے یعنی زیر آسمان کے وہ سارے عجائبات مجاہدے سے' محنت سے' قوت سے حاصل کر سکتا ہے لیکن بالائے آسمان کی بات یا روح کی بات یا وہ بات جو مادی آنکھوں سے پوشیدہ ہے' جسے دیکھنے کے لئے دل کی آنکھ چاہیے' اس تک سوائے نور نبوت کے کوئی علم بھی نہیں پہنچ سکتا اور وہاں سوائے نور نبوت کے کسی شخص کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی۔ صرف اور صرف ایک راستہ ہے ان حقائق تک پہنچنے کا یا جن علوم کو علوم الٰہیات کہا گیا ہے' جس میں عظمت باری ہویدا ہوتی ہے' معرفت باری نصیب ہوتی ہے' حقیقی شرف انسانیت جس سے نصیب ہوتا ہے اور وہ صرف اور محض نور نبوت ہے۔

تصوف کے ادارے کا قیام

اب یہ ادارے جو اللہ کے نام پر بنے ہوئے ہیں اور تصوف کے داعی ہیں' ان کا اصل کام یہ ہے کہ وہ خود اس نور نبوت کے حامل ہوں۔ ان کے سینے' ان کے قلوب اس سے منور ہوں اور جو طالب بھی ان تک پہنچے اس تک روشنی کو' اس نور کو پہنچانے کی استعداد رکھتے ہوں۔

اور میرے خیال میں یہ بات کرنا تو ضروری نہیں ہے' کہ اس کے حصول کے لئے کوئی خاص صنف یا کوئی درجہ شرط ہے' مرد ہو یا عورت' بوڑھا ہو یا جوان ہر اس شخص کو جو ایمان لاتا ہے عالم ہے یا جاہل' گڈریا ہے' چرواہا ہے' یا تاجر و دکاندار' مل کا مالک ہے یا مزدور یا چوکیدار ہے' ملک کا سربراہ ہے' کسی فرم کا چپڑاسی ہے یا مالک' ایمان لانے کے بعد اس نعمت سے اپنا حصہ حاصل کرنا اس کا حق بن جاتا ہے۔ کسی ایک کی اس پر اجارہ داری نہیں ہے۔

ذکر فرض ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم نے اور متقدمین مفسرین نے بھی قرآن کریم کی تفاسیر میں یہ لکھا ہے کہ اس کا حصول مومن مرد و عورت کے لئے واجب ہے۔ ہاں عورت کے لئے احکامات جداگانہ ہیں کہ وہ ان حدود کو جو شریعت اسلامیہ نے مقرر کی ہیں قائم رکھے' بے حجابانہ لوگوں سے نہ ملے اور ایسی حرکت نہ کرے جس کی شریعت اس کو اجازت نہ دیتی ہو۔ بلکہ عورتوں کے لئے سب سے زیادہ موزوں یہ ہے کہ مرد حضرات جو خود اس نعمت کے حصول کو لگے ہوئے ہیں وہ اپنے گھروں میں بیویوں کو' بچیوں کو' اپنی ماؤں کو' بہنوں کو اس نعمت عظمیٰ سے واقف کرائیں اور انہیں اس کے حصول کا طریقہ سکھائیں اور ان پر انعکاسی طور پر ذکر کے دوران القا کیا کریں تاکہ ان کے دلوں میں بھی یہ نور پیدا ہو۔ یہ نور جس دل میں آئے گا اس شخص کے اعمال اور کردار کی حالت بدلے گی ورنہ محض وعظ سے' محض تحریروں سے اور تقاریر سے انسان پر کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ اس سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے علم میں نہیں۔

ذکر سے محرومی کا نتیجہ

مشاہدہ یہ ہے اور آپ دیکھتے ہیں کہ جتنی تبلیغ جلسوں میں' تقریروں میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر' اخباروں اور رسالوں میں آج کے دور میں ہو رہی ہے' اس کا تصور آج سے پہلے ممکن ہی نہیں تھا۔ جب یہ ذرائع ابلاغ نہیں تھے تب اتنی تبلیغ نہیں ہو سکتی تھی لیکن اس ساری بحث کا ماحصل کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ لوگ سن لیتے ہیں اور یہ نتیجہ نکلتا ہے اور کہتے ہیں کہ بہت اچھی تقریر تھی' الفاظ بہت اچھے تھے' جملے بہت اچھے تھے' زیر و بم بہت اچھا تھا' اس کے علاوہ کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں صرف معلومات ہوتی ہیں اس کے ساتھ وہ حالات نہیں ہوتے' وہ انوارات نہیں ہوتے جو دلوں میں مرتکز

ہو کر دلوں کو تبدیل کرنے کی قوت رکھتے ہوں۔

استعداد انسانی کا اصلی مقصد

انسان کو اصل میں جو قوتیں دی گئی ہیں اور جن کی وجہ سے یہ باقی مخلوقات سے افضل ہے یہ وہ قوتیں ہیں جن کے طفیل یہ نور نبوت کو اخذ کر کے اپنے دل میں اسے سجا کر' قرب الٰہی کی طرف گامزن ہو سکتا ہے اور ان منازل تک پہنچ سکتا ہے' جن پر بجز انسان کے دوسری کوئی مخلوق قدم نہیں رکھ سکتی۔

یہ سلاسل تصوف محض حکایت اور رواج نہیں ہیں' محض دعویٰ نہیں' بلکہ ان کے پیچھے ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ ان انوارات اور برکات کو حاصل کیا جائے اور اس استعداد کو جو تخلیقی طور پر اللہ کریم نے ہمیں بحیثیت انسان کے عطا کی ہے۔ اس کو اس کی اصل جگہ پر صرف کیا جائے اور اصل مصرف پر لگایا جائے۔ اس سے نور ایمان کو اخذ کیا جا ئے اور نور ایمان کو منور اور مضبوط کرنے کے لئے برکات نبوت کو حاصل کیا جائے جو انعکاسی طور پر صحبت شیخ سے حاصل ہوتی ہیں اور ان کے حصول کی دلیل صرف کشف و مشاہدہ نہیں ہے بلکہ سب سے بڑی دلیل ہمارا ارادہ' ہماری سوچ' ہمارا عمل اور کردار ہے۔ اگر کسی شخص کو کشف نہیں ہوتا لیکن اس کا عمل اور کردار مثبت انداز میں تبدیل ہونا شروع ہو گیا تو یقیناً اس کے سینے میں نور نبوت ہے جو اسے اس طرف لے جا رہا ہے۔

کشف و مخفی قوتیں و نور نبوت

اگر کسی شخص کو کشف ہونا شروع ہو گیا' مختلف روشنیاں نظر آتی ہیں لیکن اس کے عمل کی اصلاح نہیں ہو رہی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اسے باطنی قوتوں کو جلا دینے کی تو مہارت ہو گئی لیکن ان میں نور نبوت داخل نہیں ہوا۔ ایسا شخص جسے کچھ عجائبات نظر آتے ہیں لیکن اعمال اصلاح پذیر نہیں ہو رہے وہ

ہر آن خطرے کی زد میں ہے اور وہ شخص جسے کشف نہ بھی ہو' اس کے اعمال سنت کے مطابق سدھرتے جا رہے ہیں وہ اس کی نسبت نہایت ہی اعلیٰ مقام پر کھڑا ہوا ہے اور اگر اس بہتری کے ساتھ کشف و مشاہدہ بھی نصیب ہو جائے تو یہ رب العٰلمین کا مزید انعام ہے۔

ضرورتِ کشف

یہ جو کہہ دیا جاتا ہے کہ کشف کوئی شے نہیں' اس کے لئے محنت کی کوئی ضرورت نہیں' یہ بھی نادانی یا سیدھا کہا جائے تو جہالت کی نشانی ہے۔ اگر صاف بغیر لگی لپٹی کے کہا جائے تو یہ جہالت کی دلیل ہے کیونکہ مشاہدے کی تمنا اولوالعزم رسولوں نے بھی کی ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ خدایا مجھے دکھا دے' کیف تحیی الموت' اللہ مجھے اس بات کا مشاہدہ کرا دے تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔

ارشاد ہوا' اولم تو من' تجھے یقین نہیں ہے' عرض کیا' بلیٰ' خدایا یقین ہے' لیکن ولکن لیطمئن قلبی' لیکن میں بھی انسان ہوں اور انسانی قلب میں جو باتیں اٹھتی ہیں ان کے ازالے کے لئے مشاہدہ ہی سب سے قوی دلیل ہے کہ جب وہ خود دیکھ لیتا ہے تو اسے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔

آپ ایک انسان کو لاکھوں دلیلیں دے کر کسی چیز کے متعلق قائل کریں کہ اس کا رنگ سبز ہوتا ہے' وہ آپ پر یقین بھی کرے لیکن جب وہ اس چیز کو سبز رنگ میں دیکھ لے گا تو جو یقین اسے اس وقت حاصل ہو گا وہ آپ کی باتوں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ انسانی مزاج ہے۔ چنانچہ اللہ نے انہیں دکھا دیا۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ اس طرح ملتا ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے کہ نقص علیک القصص آپ ﷺ پر ہم جو انبیاء کے

قصص بیان کرتے ہیں' لنبثت بہ فوادک' یہ اس لئے کہ آپ کے قلب اطہر میں تیقن کی وہ کیفیت پیدا ہو جائے جس پر قلب میں کوئی سوال وارد نہیں ہوتا۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ کا یقین ساری کائنات کے یقین سے محکم تر تھا' افضل تر تھا۔ لیکن انبیاء و رسل میں بھی خصوصیات بشری ضرور ہوتے ہیں تو اس لئے بغیر مانگے بھی حضور اکرم ﷺ کو انبیاء سابقہ کے حالات بتائے گئے اور اللہ کا بتانا دکھانا ہی ہوتا ہے۔ چونکہ حضور ﷺ پر جتنی باتیں من جانب اللہ وارد ہوتی تھیں وہ حضور اکرم ﷺ قلب اطہر کی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور قلب اطہر کے کانوں سے سنتے تھے' وہ سارا کچھ "کشفاً" ہوتا تھا اور جو بات "کشفاً" بتائی جائے وہ صرف سنائی نہیں دیتی بلکہ فلم کی ریل کی طرح دکھائی بھی دیتی ہے۔ جن احباب کو اللہ کی ذات نے کشف اور مشاہدہ کی نعمت سے نوازا ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جب بھی کوئی واقعہ بیان کیا جا رہا ہوتا ہے تو اس کی ساری حالت سامنے منکشف ہوتی چلی جاتی ہے' وہ نظر بھی آ رہا ہوتا ہے۔

وحی الٰہی ساری چونکہ "کشفاً" حضور ﷺ پر وارد ہوتی تھی۔ اور "کشفاً" جو بات سنائی جاتی ہے وہ صرف سنائی نہیں دیتی بلکہ ساتھ دکھائی بھی جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو جن انبیاء کے قصص بتائے گئے وہ صرف بتائے نہ گئے بلکہ بعینہٖ مشاہدہ بھی کرا دیا گیا۔ یہ اس لئے کہ لنبثت بہ فوادک کہ دل کی گہرائیوں میں کوئی سوال باقی نہ رہے۔

تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص کو مشاہدے کی ضرورت ہے۔ جنہیں قوت مشاہدہ نصیب ہو جاتی ہے ان کا تیقن بہت پختہ ہو جاتا ہے یہ اور بات ہے کہ اپنی نادانی کی وجہ سے کہیں اس میں پھنس نہ جائیں۔ کیونکہ دنیا دارِ ابتلا ہے اور آدمی امتحان و آزمائش میں رہتا ہے۔ تو مشاہدے کے لئے ہر غیر نبی کے لئے شرط یہ ہوتی ہے کہ اس کا کشف و مشاہدہ نبیؑ کے کشف و مشاہدہ سے ٹکرا نہ جائے۔ اگر ٹکرائے گا تو حق وہ ہو گا جو نبیؑ نے دیکھا اور غیر نبی نے جو سمجھا وہ غلط ہو گا اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ اگر حدود شرعی سے باہر جا رہا ہے تو

اس میں دو نقص ہوں گے یا اس کی قوت مشاہدہ کے سامنے کوئی چیز شیطان متشکل کر کے پیش کر رہا ہے یا اسے سمجھنے میں غلطی لگ رہی ہے یا اس کا اپنا نفس کوئی شے اس کے سامنے متشکل کر رہا ہے۔ ورنہ حق وہی ہے جو نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ولی کے کشف و مشاہدے کے لئے ارشادات نبوی ﷺ کی حدود کے اندر رہنا شرط ہے۔ کسی کا مشاہدہ حضور ﷺ کے مشاہدے سے مضبوط نہیں ہے کہ جس چیز کو حضور ﷺ ہرا کہیں وہ کہے کہ مجھے لال نظر آتی ہے۔ اگر اسے لال دکھائی دیتی ہے تو اس کے دیکھنے میں قصور ہے یا اسے نفس بھٹکا رہا ہے حقیقتاً وہ شے سبز ہی ہے جسے حضور ﷺ نے سبز فرمایا۔

تو اس استعداد کا اور اس قوت کا یہ اصل مصرف ہے اور یاد رہے کہ کشف و مشاہدہ جتنی بڑی نعمت ہے اور اس کی جتنی طلب کی جائے درست ہے لیکن یہ طلب اتنی نہ بڑھ جائے کہ کشف ہو گا تو اللہ کے دروازے پر سجدہ کروں گا اگر نہیں ہو گا تو پھر مجھ سے یہ ذکر اذکار نہیں ہوتے۔ بات اس درجے پر اگر پہنچ گئی تو یہ خود شرک بن جائے گا۔ اگر نصیب ہو جائے تو یہ بہت بڑی نعمت ہے لیکن اگر نصیب نہ بھی ہو تو اللہ کا دروزہ کسی حال میں نہیں چھوڑوں گا کہ میرا اصلی مقصد قرب الٰہی ہے یعنی مشاہدہ نصیب ہو جائے تو یہ اس راستے کی لالٹین ہے' ٹارچ ہے' روشنی ہے جس سے دوسروں کی نسبت آسانی سے آپ راستے کے نشیب و فراز دیکھ سکتے ہیں۔ یہ ایک مزید نعمت ہے' جو آپ کو مل گئی لیکن اصل مقصود اور مطلوب رضائے باری اور قرب الٰہی ہے۔

تو یہ وہ راستہ ہے جس کو بہ توفیق الٰہی آپ نے اختیار کیا ہے۔ اس کے مالہ و ما علیہ یعنی اس کی جو ضروریات ہیں اور جہاں سے بچنا چاہئے ان کے متعلق ان کی آپ آؤٹ لائن کہہ لیں' ان کے اشارات میں نے آپ کو دے دیئے ہیں۔ جہاں جہاں سے غلط ہونے کا خطرہ ہے یا بھٹکنے کا خطرہ ہے اس کی میں نے نشاندہی کر دی ہے ۔ مزید آپ اس پر نگاہ رکھیں اور کبھی غلطی سے ان علوم کو اس کے ساتھ خلط ملط کر کے اس طرح دھوکا میں نہ آ جائیں۔ چونکہ شیطان

زیادہ کوشش اور زیادہ محنت ان لوگوں کے ساتھ کرتا ہے جو منور القلوب ہوتے ہیں۔

نور قلبی کے ثمرات

جب دل میں روشنی آ جائے تو ایک خاص کیفیت خشوع و خضوع کی پیدا ہو جاتی ہے' جو انسان کو سلامتی کے ساتھ صراط مستقیم پر چلاتی ہے۔ اگر دل میں روشنی نہ ہو' تو سارے اعمال کو شیطان ایک چھوٹا سا حیلہ پیدا کر کے ضائع کر دیتا ہے۔ یہ دوسرے لوگوں سے اتنا خوف نہیں کھاتا نہ اسے ڈر ہوتا ہے لیکن منور القلوب لوگ' دل میں جب نور نبوت آ جائے تو اس کے وسوسے ڈالنے کی قوت میں کمی آ جاتی ہے اور دل میں یہ داخل ہو کر وسوسہ نہیں ڈال پاتا۔ پھر اسے اس کی "زد" سے باہر کھڑے ہو کر وساوس القا کرنے پڑتے ہیں۔ پھر جوں جوں نور قلبی بڑھتا جائے اس کے لئے توں توں دشواری پیدا ہوتی جاتی ہے اور اسے پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ یہ کوشش کرتا ہے کہ کسی دل میں یہ نور نہ رہے۔ مختلف حیلوں سے' مختلف بہانوں سے' مختلف طریقوں سے' کہیں منصب کا لالچ دے کر اور کہیں مختلف دیگر انسانی کمزوریوں کو یہ استعمال کرتا ہے۔

تو ہر حال میں ایک خیال باقی رہے کہ کوئی منصب انسان کے لئے حضور ﷺ کی اطاعت سے باہر نہیں۔ کوئی بڑائی' کوئی عزت' کوئی شرف' کوئی عظمت' کوئی بھی بزرگی نبی رحمت ﷺ کی اطاعت سے باہر ہرگز نہیں ہے۔ جو کچھ بھی انسان کو ملتا ہے وہ حضور ﷺ کی اطاعت اور سنت کی حدود کے اندر رہ کر اسے ملتا ہے۔ اس کے باہر اس کے لئے تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں خواہ وہ کتنے عجائبات حاصل کر لے' ہوا میں اڑنے کا کمال حاصل کر لے یا اس سے بھی بڑھ کر کوئی کمال حاصل کر لے وہ سب اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔

اللہ کریم آپ سب کو' حاضر و غائب تمام احباب کو عامتہ المسلمین کو صحیح

سمجھ' توفیق عمل اور برکات نبوت عطا فرمائے۔ آمین

پوشیدہ قوتوں کا استعمال

آج صبح کے بیان میں میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ کریم نے انسان میں کچھ پوشیدہ قوتیں رکھی ہیں' کچھ مخفی خزانے اسے عطا فرمائے ہیں جن کو یہ تین طرح سے استعمال کرتا ہے۔ ایک کسی مشق' کسی قاعدے کے ذریعے مجاہدہ کر کے قوت متخیلہ کو ایک نقطے پر مرتکز کرنے کی مشق حاصل کرتا ہے اور اس ارتکاز توجہ سے مختلف ایسے امور انجام دیتا ہے جو محیرالعقول ہوتے ہیں' بڑے عجیب نظر آتے ہیں۔ شعبدہ بازی سے لے کر ٹیلی پیتھی تک اور یوگا سے لے کر مسمریزم تک کے اقسام اس ضمن میں آتے ہیں۔

دوسرا استعمال اس کا یہ ہوتا ہے کہ انسان برائی میں پڑ کر ابلیس کے ساتھ' شیاطین کے ساتھ اپنا رابطہ' اپنا تعلق قائم کر لیتا ہے۔ تو چونکہ اس میں استعداد کار ہوتی ہے' بنیادی طور پر کچھ مخفی قوتیں ودیعت کی گئی ہیں ان پر جب شیطانی اثرات مرتب ہوتے ہیں تو یہ خود مجسم شیطان بن جاتا ہے اور دنیا میں شیطان کے نمائندے کے طور پر کام کرتا ہے۔ پھر اس سے بعض محیرالعقول چیزیں صادر ہوتی ہیں جو از قسم کہانت جادو ٹونا وغیرہ یا جنہیں اصطلاحاً" سفلی علوم کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگ نہ صرف کافر ہوتے ہیں بلکہ بدکار بھی ہوتے ہیں اور دوسری طرح کے لوگ جو بعض مشقوں سے عجائبات اور امور حاصل کرتے ہیں وہ کافر بھی ہو سکتا ہے' مسلمان بھی ہو سکتا ہے' نیک آدمی بھی کر سکتا ہے' بدکار بھی کر سکتا ہے۔ وہ محض مشق ہے۔

ان قوتوں کا اصل مصرف میں نے صبح بھی عرض کیا تھا یہ ہے کہ جب اللہ کا کوئی نبی اور رسول مبعوث ہوتا ہے تو آدمی اس پر ایمان لانے کا مکلف ہوتا ہے جہاں تک اس کی نبوت کا دائرہ کار ہو۔ جب حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو ساری انسانیت کے لئے ہوئے اور ہمیشہ کے لئے ہوئے' تو دنیا کے جس

گوشے میں جہاں بھی کوئی آدمی بستا ہے' اس تک جب آپ ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچے تو اس کا ایمان لانا فرض عین اور ضروری ہے اور وہ اس بات کا مکلف ہے۔ جب ایمان لانا نصیب ہوتا ہے تو ان مخفی قوتوں کا یا دل کی طاقتوں کا یا روح کی طاقتوں کا یا روح کے مرکز کا تعلق نور نبوت سے قائم ہو جاتا ہے اور پھر نور نبوت کے طفیل انسانی طلب میں وہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ارشادات نبوی ﷺ کو سمجھ سکے جس طرح نبی کو نبوت ملنے سے یہ استعداد حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ کے کلام کو سن بھی سکے اور سمجھ بھی سکے۔ جب عام مجلس میں حضور اکرم ﷺ تشریف رکھتے ہیں' نزول وحی شروع ہو جاتی ہے' تو مختلف حالتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں جن میں قدر مشترک یہ ہے کہ اس میں حضور ﷺ پر تجلیات و انوارات کا اس قدر بوجھ پڑتا تھا کہ آپ ﷺ کا وجود مبارک حسی طور پر بہت وزنی ہو جاتا تھا حتیٰ کہ حضور ﷺ سانڈھنی پر سوار ہوتے اور نزول وحی شروع ہو جاتا تو سانڈھنی بیٹھ جایا کرتی تھی' بوجھ اٹھا کر کھڑا نہ ہو سکتی تھی۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ آرام فرما رہے تھے اور آپ ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا تو نزول وحی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ سر اقدس کا بوجھ اتنا تھا کہ میں سمجھتا تھا کہ میری ران کی ہڈی ٹوٹ جائے گی یعنی جب تجلیات باری کا اور انوارات عالم بالا کا کلام باری کے ساتھ نزول ہوتا تو وہ حسی طور پر وجود اقدس کے وزن کو بڑھا دیتا۔

دوسرا یہ ہوتا تھا کہ حضور ﷺ پر غنودگی' نیم بیہوشی یا نیند کی کوئی قسم کی حالت طاری ہو جاتی تھی اور خود حضور ﷺ فرماتے ہیں' کہ میں ان کو اس طرح سے سنتا تھا جیسے قافلے کی جرس (گھنٹی) بجتی جا رہی ہوتی ہے یا اس طرح کی مختلف آوازیں۔ پھر ان سب حالتوں میں ظاہر ہے کہ کلام باری اس طرح تو نہیں جس طرح میں اور آپ بات کر رہے ہیں' نہ اس کی کوئی جہت ہے' نہ اس کی کوئی مقدار مقرر ہے' نہ اس کے الفاظ معین ہیں' وہ کسی لاؤڈ سپیکر سے تو نہیں آئے گی۔ وہ تو سمت سے بالا ہے۔

جس طرح آپ کے ہاں مختلف اداروں کے خفیہ الفاظ ہوتے ہیں جنہیں آپ ''کوڈ ورڈز'' کہتے ہیں' تو بولنے والا کوڈ بول رہا ہوتا ہے اور سمجھنے والا سمجھ رہا ہوتا ہے دوسرا نہیں جان سکتا۔ اسی طرح ان گھنٹیوں کا بجنا' تو آپ نے ہمارے سمجھانے کے لئے کہا کہ اگر تم سن پاؤ تو تمہیں گھنٹی کی آواز سنائی دے' اگر تم سن پاؤ جو کہ ممکن نہیں ہے لیکن اگر ایسا ہو' تو تم یوں سنو گے جیسے کوئی گھنٹی بج رہی ہے۔ لیکن حضور ﷺ جب سنتے تھے' تو یہ آیات مبارکہ سنتے تھے اور انہی کو سمجھتے تھے یہی انہیں ازبر ہوتی تھیں اور یہی ارشاد فرماتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی اور رسول تھے' میں اور آپ نبی اور رسول نہیں ہیں۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ پہلے جو ٹیلیگرافی ہوتی تھی ایک تار کا بابو یہاں ڈاک خانے بیٹھا ٹک ٹک کر رہا ہوتا تھا' دوسرا سینکڑوں میل دور بیٹھا اس کی ٹک ٹک کو سن کر الفاظ لکھتا جاتا تھا۔ اب میرے اور آپ کے لئے وہ محض ٹک ٹک تھی' لیکن ان میں بعینہٖ انہی الفاظ کا تبادلہ ہوتا تھا۔ آپ ایک شخص کو دیکھتے ہیں وہ آڑی ترچھی لکیریں بنا رہا ہے اور آپ سارا صفحہ دیکھیں تو اس پر سوائے آڑی ترچھی لکیروں کے کچھ نہیں ہوتا لیکن جو شارٹ ہینڈ جانتا ہے وہ جب اس صفحے کو دیکھتا ہے تو سارا پڑھ لیتا ہے کہ اس میں یہ لکھا ہوا ہے۔

یہی حال نور نبوت ﷺ کا ہوتا ہے کہ دوسرے آدمی کی گرفت سے وہ کیفیت بالاتر ہوتی ہے جب کہ نبیؐ اس کو حسی طور پر دیکھ بھی رہا ہوتا ہے اور سن بھی رہا ہوتا ہے اور سمجھ بھی رہا ہوتا ہے۔ اس طرح نبوت ملنے سے نبیؑ میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ کلام باری کو سنے' سمجھے اور دوسروں تک پہنچائے۔ اسی طرح نبیؐ کی ذات پر ایمان لانے سے مومن میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے جو ارشادات نبوی ﷺ کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے اور اگر ایمان نصیب نہ ہو تو یہ نعمت نصیب نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ کفار و مشرکین حضور اقدس ﷺ کی ذات اقدس پر اعتراض کرتے تھے یعنی ایک ایسا وجود اقدس

جسے اللہ نے مرقع خوبی و حسن تخلیق فرمایا جس کا وجود' جس وجود کا ہونا ہی کافروں کے لئے بھی باعث رحمت ہے دنیا میں جو غذا' جو حیات' جو زندگی اور جو ٹھکانہ انہیں نصیب ہے وہ بھی اللہ کی رحمت ہے اور اس وجود اقدس کے طفیل ہے۔

وما ارسلنک الا رحمتہ للعالمین۔

عالمین میں تو کافر بھی شامل ہیں تو بجائے اس کے ممنون اور زیر احسان ہونے کے معترض کیوں ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس کے کمالات کو نہیں دیکھ سکتے۔ ایک دفعہ غالباً" کرک کالج میں ایک پروفیسر نے یہ بات پوچھی تھی کہ ایک آدمی نبی رحمت ﷺ کی خدمت کرے اور اللہ کی رحمت سے محروم رہے' یہ دو باتیں ممکن نہیں۔ تو پھر ابو طالب آپ ﷺ کے چچا بھی تھے اور جنہوں نے آپ ﷺ کی خدمت کے لئے جان تک کی بازی لگا دی' سارے وسائل صرف کر دیئے' اس کے ساتھ بھی یہ ہے کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہوا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں۔ تو میں نے عرض کی کہ آپ تھوڑا سا بھول رہے ہیں۔ ابو طالب نے اللہ کے رسول ﷺ کے لئے کچھ بھی نہیں کیا۔ ابو طالب نے اپنے بھتیجے محمد بن عبداللہ کے لئے ساری محنتیں کی تھی اگر حضور ﷺ کے اس کمال سے باخبر ہوتا تو یقیناً ایمان لاتا یا تم ہی کہو کہ اگر محمد ﷺ ابو طالب کے بھتیجے نہ ہوتے' کسی دوسرے خاندان سے ہوتے' دعویٰ نبوت کرتے اور اس کے بدلے ایذا اٹھانا پڑتی تو کیا ابو طالب مدد کو بڑھتا؟ کہنے لگا ایسی تو کوئی بات نظر نہیں آتی چونکہ وہ نبیؐ کو مانتا نہیں ہے تو وہ نبیؐ کی خدمت کو کیوں بڑھے۔ تو میں نے کہا پھر تم یوں کہو کہ ابو طالب نے اپنے بھتیجے کی حمایت کی اللہ کے رسول کی حمایت نہیں کی اور ایمان اللہ کے رسولؐ کی خدمت کے ساتھ مشروط ہے۔

ایمان و نور نبوت

تو جب ایمان نصیب ہوتا ہے تو استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی حیثیت

کے مطابق کمالات و عظمت نبوی ﷺ کو سمجھے۔ ارشادات نبوی ﷺ کو سمجھے اور اسے ان کی عظمت کا اپنی حیثیت کے مطابق اندازہ ہو۔ اگر یہ نصیب نہ ہو تو پھر نبی کریم ﷺ کے ارشادات پر بھی اعتراض ہی سوجھتے ہیں۔

ذکر کی اہمیت

تو یہاں اللہ کا قرآن اسی بات کی تائید فرماتا ہے۔ کتنی ایسی حقیقتیں ہیں جن کی تمہیں خبر نہیں' تمہاری سماعت' تمہاری بصارت' ان تک نہیں پہنچتی۔ مثلاً" یہی دیکھ لو۔

یسبح لہ السموات السبع والارض۔

ساتوں آسمان اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ ساری زمین اور اس کا ہر ہر ذرہ اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے و من فیھن اور جو کچھ زمینوں آسمانوں میں ہے وہ سارے ذکر کرتے ہیں' درخت ہیں' دریا ہیں' چشمے ہیں' پودے ہیں' پھول ہیں' پھل ہیں' جانور ہیں' چرند ہیں' پرند ہیں' کیڑے ہیں' پتنگے ہیں۔ کتنی مخلوق ہے۔ اس طرح آسمانوں میں کتنی مخلوق ہے' ان کو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ کیا زمین پر بستے ہوئے تجھے یہ سنائی دیتا ہے۔ تو تمہارے نہ دیکھنے سے یہ تسبیح کہیں چھوڑ تو نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں۔

فرمایا و ان من شئی الا یسبح بحمدہ کوئی شے جس کو رب نے وجود بخشا ہے وہ شے اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔

و لکن لا تفقھون تسبیحھم۔ لیکن قصور اس طرف ہے کہ تم اس تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے۔ جب نور نبوت دل میں در آتا ہے تو انسان کی مخفی قوتوں کو نور نبوت سے جِلا ملتی ہے تو پھر وہ اس جگہ جا کھڑا ہوتا ہے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کھڑے نظر آتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم کھانا کھانے بیٹھتے تھے تو جس روٹی سے ہم نوالے کھا رہے ہوتے تھے اس کی تسبیحات بھی ہم سن رہے ہوتے تھے۔

اسی طرح سے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں مکہ کے ان درختوں اور پتھروں کو پہچانتا ہوں کہ بعثت سے پہلے جب میں گزرتا تھا تو مجھے وہ سلام کرتے تھے۔ اب جو نہیں سنتا وہ تو کہتا ہے عجیب بات ہے۔ یہ کہتا ہے' درخت بات کرتا ہے۔ پتھر بات کرتا ہے' زمین بات کرتی ہے۔ یہ میں تو نہیں کہتا یہ تو ان کا خالق کہتا ہے جس نے مجھے اور تجھے بولنے کی توفیق دی ہے۔ وہ فرماتا ہے صرف تو ہی بات نہیں کرتا میں نے یہ زبان زمین کے ایک ایک ذرے کو دی ہے' ایک ایک تنکے کو دی ہے' ایک ایک بوٹے کو دی ہے' ایک ایک گل کی پتی کو دی ہے۔

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

کاش تو اس علم سے محروم رہا اور اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ پھر فرمایا ہر چیز کی زندگی میرے ذکر سے قائم ہے۔ جس چیز سے جس آن ذکر چھوٹ جاتا ہے وہ فنا ہو جاتی ہے' تمام غیر مکلف مخلوق کی حیات کا مدار ذکر الٰہی پر ہے۔ جب وہ ذکر چھوڑ دیتے ہیں مثلاً" اگر پہاڑ ذکر چھوڑ دے تو آتش فشاں بن جاتا ہے' پھٹ جاتا ہے' ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ دریا ذکر چھوڑ دے تو خشک ہو جاتا ہے۔ جانور سے ذکر چھوٹ جائے' مر جاتا ہے' درندے چیر پھاڑ کر کھا لیتے ہیں' شکاری کھا جاتے ہیں اور شکار کرنے والے سے ذکر چھوٹ جائے تو وہ خود شکار ہو جاتا ہے۔ یعنی کوئی شے سوائے مکلف مخلوق کے ایسی نہیں ہے جو اللہ کا ذکر نہ کرے اور اس کا وجود قائم رہے۔

ان من شئی الا یسبح بحمدہ۔

اس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ جو ذکر کرتا ہے تسبیح بیان کرتا ہے وہ ہے اور جو ذکر نہیں کرتی وہ شے ہے ہی نہیں۔

ذکر سے مستثنیات

تخلیق باری میں مستثنیات ہیں اور یہ کارگاہِ حیات میں ایک عجیب نقطہ رکھا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ اس کے خلاف کرنے پر بھی قادر ہے اور اس کی تخلیق یا صنعتی امور میں وہ اس طرح کرنے پر مجبور نہیں ہے۔ جیسے انسان سے انسان کو پیدا فرمایا لیکن پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے بنایا ہمیشہ مرد اور عورت کے ملاپ سے نسل چلتی ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باپ کے بغیر پیدا کر دیا یہ اس قادر مطلق کی قدرت ہے اور یہ استثنیٰ ہے۔

مثلاً" نر اور مادہ سے نسل چلتی ہے لیکن خچر کا نہ نر بچہ دیتا ہے نہ مادہ بچے جنتی ہے اور اسکی نسل باقی ہے۔ اسی طرح ہر جانور کا خوراک کھاتے ہوئے نچلا جبڑا حرکت کرتا ہے' اوپر والا فکس ہے لیکن مگرمچھ کا اوپر والا حرکت کرتا ہے نچلا فکس ہوتا ہے۔ اس میں استثنیٰ ہے۔ ہر شے کے اندر دو پھیپھڑے ہوتے ہیں۔ سانپ کا ایک ہوتا ہے۔ ہر چیز ہاتھ پاؤں سے چلتی ہے جب کہ سانپ پسلیوں سے چلتا ہے۔ کسی جانور کے ناک میں پانی ڈال دو تو وہ مرنے لگتا ہے ہاتھی پہلے پانی ناک میں بھرتا ہے پھر پیتا ہے۔

اسی طرح آپ چلتے جائیں۔ میں نے ایک دفعہ بہت سی مثالیں جمع کی تھیں۔ ہر پرندہ انڈے دیتا ہے تو بچے نکلتے ہیں۔ ققنس ایک پرندہ ہے جو گھونسلا بنا کر بیٹھ جاتا ہے اور مختلف سریں نکالتا ہے اس کی سروں میں اتنا سوز ہوتا ہے کہ گھونسلے کو آگ لگ جاتی ہے وہ جل کر خاک ہو جاتا ہے۔ اس راکھ پر جب کوئی بارش کا قطرہ گرتا ہے اس میں انڈہ بن جاتا ہے۔ سورج کی گرمی سے پھر اس میں سے ققنس کا بچہ نکلتا ہے' یعنی یہ استثنیٰ کہ زندہ سے تو نسل چلتی ہے وہ مر کر بچہ دیتا ہے۔

اسی طرح ہر جانور نر اور مادہ وطی کرتے ہیں تو نسل چلتی ہے لیکن مور وطی نہیں کرتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بچے مور کے پروں کو قرآن میں سجائے پھرتے

ہیں اس لئے کہ یہ وطی نہیں کرتا۔ وہ جب مستی میں آتا ہے ناچتا ہے تو اس کی آنکھوں میں پانی آ جاتا ہے جو مادہ پی لیتی ہے اور وہ انڈے دیتی ہے۔ یہ استثنی ہے۔

باب الذکر میں بھی محققین نے مستثنیات کو شامل کیا ہے اور فرمایا دو جانور مستثنیٰ ہیں ایک خنزیر اور ایک گدھا۔ یہ ذکر نہیں کرتے اور پھر بھی زندہ ہیں۔ اور یہ آیت کریمہ و ان من شئی الا یسبح بحمدہ۔ کہ کوئی وجود ایسا نہیں جو اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو سوائے مکلف مخلوق کے۔ مکلف کو تو ایک مدت تک مہلت دے دی گئی چاہے ذکر کرے چاہے ذکر نہ کرے' اس کا حساب ہو گا۔ جو مخلوق مکلف نہیں ہے ان کا حساب یہی ہے کہ جیسے ان کا ذکر چھوٹا فنا ہو گئے۔ تو ارشاد ہوتا ہے کہ ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے و لکن لا تفقھون تسبیحھم لیکن اے عام انسانو باعتبار عمومیت کے تم اسے نہیں سمجھ سکتے۔

انه کان حلیما غفورا۔ وہ کتنا بردبار ہے کہ پھر تمہاری کوتاہیوں کو برداشت کرتا ہے اور کتنا کریم ہے کہ اگر ساری کوتاہیوں کو کرنے کے بعد اس کے دروازے پر آجاؤ تو یک آن معاف کر دیتا ہے۔ انه کان حلیما غفورا۔ اس کا حلم یہ ہے کہ تم مسلسل اس زمین پر ظلم کرتے ہو جس کا ذرہ ذرہ ذکر کر رہا ہے۔ تم اس فرش پر اس کی نافرمانی کرتے ہو جس فرش کا ہر ذرہ اس کی پاکی بیان کر رہا ہوتا ہے۔ تم اس چھت کے نیچے اس کی نافرمانی کرتے ہو جس چھت کا ہر تنکا اس کی تسبیح بیان کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا کتنا تحمل ہے کہ وہ پھر بھی درگزر کرتا ہے اور تمہیں مہلت دیتا ہے۔ اور کتنا کریم ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد جب تم کہہ دیتے ہو خدایا میں نے ظلم کیا ہے' میں نے زیادتی کی ہے تو وہ سارا نامہ اعمال تمہارا صاف کر دیتا ہے۔ انه کان حلیما غفورا۔ کتنا بردبار اور کتنا کریم ہے' کتنا معاف کرنے والا ہے۔

نور نبوت و مخفی قوتیں

تو یہ وہ دولت ہے' وہ علم ہے' وہ نور ہے جس کے متعلق میں نے صبح

عرض کیا تھا کہ جب ایمان نصیب ہوتا ہے تو ان مخفی قوتوں میں دیکھنے' سننے' سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر یہ ساری باتیں عام آدمی سن نہیں سکتا' دیکھ نہیں سکتا۔ جس کا قلب منور ہو جائے' اللہ قوت مشاہدہ دے دے تو پھر وہ دیکھتا بھی ہے' سنتا بھی ہے' سمجھتا بھی ہے لیکن یہ نور نبوت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے اگلی آیت پھر اس کی موید ہے۔ فرمایا و اذ قرات القرآن۔ اے میرے حبیبؐ جب تو قرآن پڑھتا ہے تو پھر لوگ آخرت سے' آخرت کے ساتھ ایمان لانے سے' تیری ذات کے ساتھ ایمان لانے سے' اللہ کے ساتھ ایمان لانے سے کیوں محروم ہیں۔

جعلنا بینک و بین الذین لا یومنون بالاخرۃ حجابا مستورا۔ تیرے اور لوگوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے۔ نہ انہیں تیری زبان کی شیرینی محسوس ہوتی ہے' نہ تیر انداز بیان متاثر کرتا ہے' نہ قرآن کے دلائل متاثر کرتے ہیں' نہ قرآن کے انوارات متاثر کرتے ہیں کیونکہ وہ قوت جس میں ان سب کو چکھنے کی استعداد تھی اس کو نور نبوت سے جلا نہیں ملی وہی قوت جو سمجھنے' چکھنے اور سننے کے لئے تھی بجائے خود وہی ایک حجاب بن گئی۔

آپ دیکھیں جو شخص جو کچھ کھاتا ہے آم کھائیں یا مرچ کھائیں' اس کا ذائقہ صرف زبان پر محسوس ہوتا ہے۔ زبان پر کوئی ایسی دوائی لگا دیں جو اسے چند لمحوں کے لئے' آدھے گھنٹے کے لئے' بے حس کر دے تو آپ آم کھائیں یا بھوسہ کھائیں برابر ہو گا۔ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آپ مرچیں کھائیں یا چینی کھائیں اگر زبان بے حس ہو جائے تو چینی میں اور مرچوں میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔ پیٹ میں صرف اثر محسوس ہوتا ہے ذائقہ محسوس نہیں ہوتا۔ ذائقہ جو ہوتا ہے وہ حلق سے اوپر ہوتا ہے۔ اب اگر کسی کا یہ حصہ ہی بے حس ہو جائے تو آپ اچھی سے اچھی مزے دار غذا دیتے رہیں وہ کہے گا' یار پیٹ بھر لیا تو نے یہ کیا مٹی مجھے پھانکنے کو دی۔

بالکل یہی حال ارشادات نبویؐ اور آیات الٰہیہ کا ہوتا ہے۔ جب یہ دل

بے حس ہو جائے تو اس کی حس نور نبوت سے بیدار ہوتی ہے اور صمیم قلب سے جب ایمان نصیب ہو تو اس میں زندگی آ جاتی ہے۔ نبیؐ کے کلام سے وہ زندگی اس کو لذت آشنا کرتی ہے۔ نبیؐ کے کلام سے وہ زندگی اس میں یہ استعداد پیدا کرتی ہے کہ آیت الٰہی سے اسے لذت محسوس ہو' ذکر الٰہی سے لذت محسوس ہو' نیک کام سے' نیک بات سے' نیک خیال سے یہ لذت حاصل کرے۔

یہ بھول نہ جائیں کہ نبی کے بغیر کوئی بھی معصوم نہیں ہوتا' خطا ہو سکتی ہے' انسان فرشتہ نہیں ہوتا۔ گناہ ہو سکتا ہے لیکن گناہ لذت نہیں دیتا کڑوا لگتا ہے۔ جب دل زندہ ہو جائے' تو بتقاضائے بشریت اگر انسان گناہ کر بیٹھے تو وہ گناہ اسے لذت نہیں دیتا' پریشان کر دیتا ہے اور فوراً" توبہ کرتا ہے۔ یہی دلیل دی ہے قرآن حکیم نے۔

لم یصرو اعلٰی ما فعلوا۔

خطا کر بیٹھے تو خطا کو غذا اور پیشہ نہیں بنا لیتا۔

لیکن جب دل مر جائے تو گناہ میں لذت ملتی ہے اور نیکی پھیکی لگتی ہے۔ نیک لوگوں کو دیکھ کر یہ بندہ ہنستا ہے کتنے بیوقوف ہیں' کیا لیتے ہیں گھر چھوڑ کر' یہاں یہ کیوں اٹھ بیٹھ رہے ہیں' کس چیز نے پاگل کر دیا انہیں کہ دیوانہ وار بیت اللہ کے گرد بھاگ رہے ہیں یہاں انہیں کیا ملتا ہے۔ ایک مکان کے گرد چکر کاٹ کر اس دوڑنے بھاگنے سے کیا فائدہ ہو گا؟ یہ بے شمار لوگ بھاگ رہے ہیں' یہ کیا کہتے ہیں۔ مسجد نبوی ہے' روضہ اطہر ہے اللہ کا ایک بندہ تھا دنیا سے گزر گیا۔ اب اس پر مکان ہو تو کیا فائدہ اور نہ ہو تو کیا فائدہ؟ وہاں جا کر یہ کیا لیتے ہیں۔

میں نے مکہ مکرمہ میں ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ سب بے وقوف ہیں' ہزاروں روپے خرچ کر کے یہاں کیا لینے آتے ہیں' انہیں کیا ہو گیا ہے' کیوں دیوانہ وار بھاگ رہے ہیں۔ وہ ایسا کیوں کہتے ہیں جب کہ آپ کا ایک دیہاتی' صحرائی بادیہ نشین' ریوڑ چرانے والا' جنگل میں رہنے والا تڑپتا ہے

کہ خدایا مجھے حرم لے چل اور حرم میں بیٹھا ہوا شخص یہ کیوں کہتا ہے کہ یہ پاگل ہے۔ یہ اس لئے تڑپتا ہے کہ اس کے دل میں تھوڑی سی زندگی کی حرارت تو ہے جو ایمان کی بدولت ہے۔ اور اسے وہ سب کچھ پھیکا لگ رہا ہے جو وہاں بیٹھا ہے دراصل اس کے دل میں زندگی کی رمق نہیں ہے' اسے لذت اس میں سے نہیں ملتی۔ وہ اپنے محسوسات بیان کر رہا ہے۔ یہ اپنے بیان کر رہا ہے۔ یہی بات میں عرض کر رہا ہوں کہ انسان کو اللہ نے مخفی قوتوں کا خزانہ دیا ہے۔ اب وہ ٹیلی پیتھسٹ بن جائے اس کی مرضی' مسمریزم پہ لگ جائے تو بھی اس کی مرضی' اور اگر شعبدہ باز بن جائے اس کی مرضی' ابلیس کے ساتھ رابطہ پیدا کر کے سفلی علوم کا ماہر بن جائے اس کی اپنی پسند ہے۔

اصل مصرف ان قوتوں کا یہ ہے کہ صمیم قلب کے ساتھ نبیؐ پر ایمان لائے اور نور ایمان سے اپنے دل کو زندہ کرے اور اس پر مزید ترقی یہ ہے کہ ان برکات کو تلاش کرے جو صحبت نبویؐ سے ملتی ہیں یعنی ایمان لا کر زندگی تو پیدا ہو گئی لیکن حقیقی قوت اور چیز ہے جیسے زندہ ہونا اور بات ہے اور صحت مند' جوان اور پہلوان ہونا اور بات ہے۔ ہم سب زندہ ہیں لیکن ہم میں سے کوئی بھی پہلوان نہیں' کوئی بھی اکھاڑے میں اترنے کی جرات نہیں کرتا۔ زندہ ہونا ایک درجہ ہے' صحت مند ہونا دوسرا درجہ ہے اور پہلوان ہونا تیسرا درجہ ہے۔

ایمان و برکات صحبت کا کمال

اسی طرح ایمان لانا ایک درجہ ہے اور برکات صحبت کو حاصل کرنا گویا میدان حیات میں پہلوان بننا ہے۔ وہ فیوضات' وہ برکات جو صحبت نبوی ﷺ میں تقسیم ہوئیں۔ پھر آپ ﷺ کے صحابہؓ کی صحبت میں بیٹھے' پھر ان کے شاگردوں کی صحبت میں بیٹھے اور ہم تم نے بیچا ہی کیا۔ میں تو کہوں گا کہ یہ جو آیت کریمہ ہے۔ ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم۔ یہ ہے ہی اہل اللہ کے حق میں جنہوں نے فی الواقع سب کچھ بیچ رکھا ہے' یہ ہر کسی کا کام نہیں یہ

انہیں اولوالعزم لوگوں کا حوصلہ ہے کہ جن کے گھر' جن کی قوتیں' جن کی طاقتیں' جن کے علوم' جن کے اختیارات' جن کا مال' ہر چیز ایک ہی مصرف پہ صرف ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ اس لذت سے آشنا ہوتے ہیں۔

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

جب تک کوئی لذت آشنا نہ ہو' چکھ نہ لے' وہ اس کے لئے دیوانہ کیوں ہو۔ تو یہ فیض صحبت جب تک دل میں در نہ آئے اس کا کوئی شمہ' اس کی طلب بھی پیدا نہیں ہوتی۔ جو کچھ میں نے صبح عرض کیا تھا ان آیات مبارکہ سے' اس کی مزید تفصیل یا توضیح یا تائید حاصل ہوئی کہ اللہ کریم فرماتے ہیں' آسمان' زمین اور جو کچھ ان میں ہے ہر آن میری تسبیح بیان کرتا ہے' جو شے تسبیح بیان نہیں کرتی اس کا وجود ہی نہیں رہتا۔

لیکن تم یوں نہیں سمجھ سکتے' اسے تمہارے یہ کان' تمہاری یہ آنکھیں' تمہاری یہ زبان اس بات کو نہیں پا سکتی۔ اور پھر میرا نبیؐ جب اپنی زبان سے قرآن تلاوت کرتا ہے تو البتہ اس زبان سے نکلے ہوئے الفاظ مومن بھی سنتا ہے اور کافر بھی سنتا ہے لیکن مومن کو دوسری لذت دیتا ہے' کافر پر دوسرا اثر مرتب ہوتا ہے۔ وہ تائید کرتا ہے' یہ تنقید کرتا ہے۔ وہ اس پر فدا ہوتا ہے' یہ اس کو مٹانے کے لئے بڑھتا ہے۔ اس لئے کہ جو استعداد میں نے اسے دی تھی مومن نے اس کو صحیح مصرف پر لگایا اور کافر نے اسے ضائع کر دیا۔

استعداد خصوصی کے غلط استعمال کے نتائج

جب آدمی اس مخفی قوت باطنی کو غلط راستے پہ لگاتا ہے' مس یوز (Misuse) کرتا ہے' تو اللہ کریم اس کی سزا یہ دیتے ہیں۔ و جعلنا علی قلوبھم اکنته لا یفقھون کہ دل پر ایک پردہ ڈال دیتے ہیں کہ وہ کبھی سمجھ نہیں پاتا۔ گویا یہ تفقہ دین جو ہے اور دینی کلمات کا اور دینی علوم کا اور ارشادات پیامبر ﷺ کا اور ارشادات باری کا یہ تفقہ دماغ کا کام نہیں ہے' یہ

کام ہی دل کا ہے اور انسانی مظالم جو ہیں اس کی سزا یہ ہوتی ہے کہ خدا دل سے اس تفقہ کی استعداد کو سلب کر لے۔ تو گویا دین کا اور ارشادات باری کا اور ارشادات پیامبرﷺ کا موضوع ہی قلب ہے۔ قلب میں اور دل میں یہ قوت پیدا ہوتی ہے کہ وہ ارشادات نبوی کی باریکیوں کو' لذتوں کو قابو کرے' سمجھ سکے اور اگر دل نہ سمجھ سکتا ہو تو دماغ تو تعریف کر کے ختم کر دیتا ہے۔

دماغ کا سمجھنا کیا ہے۔ کسی نے اچھا شعر کہا واہ واہ کر دی اور ختم۔ کسی نے اچھی بات کہی' واہ واہ کر دی اور ختم۔ کسی نے حضورﷺ کی اچھی حدیث مبارک پڑھی' دماغ نے سنی اور کہا واہ واہ کیا کہنے' سبحان اللہ اور اٹھ کر گھر چلے گئے۔ یعنی شعر سننے سے جتنا اثر مرتب ہوا' ایک جملہ کسی مقرر کے سننے کا جتنا اثر مرتب ہوا' اتنا ہی ایک حدیث پاک سننے سے مرتب ہوا' کوئی فرق نہ پڑا۔ شعر سنا واہ واہ کہہ دی حدیث پاک سنی واہ واہ کہہ دی' اب ایک شاعر نے شعر میں قتل ہونے یا قتل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ہم شعر کی بندش پہ واہ واہ کہہ دیتے ہیں۔ اور گھر چلے جاتے ہیں' قتل ہونے کے لئے تو نہیں بڑھتے۔ اسی طرح حدیث پاک میں عمل کرنے کا حکم سنتے ہیں تو واہ واہ مولانا نے کمال کر دیا کہہ کر گھر چلے جاتے ہیں۔ عمل کی طرف نہیں بڑھتے۔

تو مطلب یہ ہوا کہ دل نے اس بات کو نہیں سمجھا۔ محض کانوں نے سنی' ذہن نے پرکھی اور ختم۔ اور جب دل پر سے یہ پردہ اٹھتا ہے اور دل میں استعداد تفقہ اور سمجھ کی استعداد پیدا ہوتی ہے بات تب بنتی ہے۔ پھر جب دل بات سمجھتا ہے تو وہ اس پر نچھاور ہو جاتا ہے پیچھے نہیں ہٹتا۔ اسی لئے آپ صحابہ کرامؓ کی مبارک زندگیوں کو دیکھیں تو انہوں نے ایک ایک حکم کے لئے گھر بار لٹا دیئے اگرچہ گھر لٹانے کا کوئی حکم نہیں تھا حضورﷺ نے سب سے پہلے فرمایا کہ کہہ دو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ نہ نماز فرض' نہ روزہ فرض' نہ حج' نہ جہاد۔ سارا کفر اس بات سے روکتا رہا' مت کہو' وہ کہتے رہے کہ ہم تو کہتے رہیں گے' مر جائیں' لٹ جائیں' اجڑ جائیں' لیکن ضرور کہیں گے لا الہ الا اللہ محمد

رسول اللہ۔ کتنی عجیب بات ہے۔ کیا وہ دیوانے ہو گئے تھے' نہیں۔ ان کے دل نے یہ بات پا لی تھی۔ نگاہ مصطفویؐ نے دلوں سے حجاب ہٹا لئے تھے اور ہم پر اثر نہیں ہوتا۔ شاید کہیں ہمارے دل بیمار نہ ہوں' پس دیوار نہ ہوں ورنہ جب یہ لذت ملتی ہے تو کہتے ہیں :-

اللہ کرے عشق کا بیمار تجھے بھی
روتا ہوا دیکھوں پس دیوار تجھے بھی

پھر تو یہ دل ایسا جاتا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا محبوب ہے ہی نہیں جیسا محبوب' اللہ کا رسول ﷺ ہے حسن سیرت ہو' حسن صورت ہو' حسن قامت ہو' حسن عقائد ہو' حسن پیام ہو' حسن اخلاق ہو' کسی سمت سے آؤ' تو سارے کا سارا حسن حضور ﷺ کی جوتیوں میں بٹتا ہے۔ اگر کوئی دیکھ لے تو پھر وہ وہاں سے اٹھتا نہیں بلکہ اٹھنے کے قابل ہی نہیں رہتا۔ اٹھ سکتا نہیں' چھوڑ کر جا نہیں سکتا لیکن تب جب دل دیکھ لے۔

اللہ کریم ہم سب کو' حاضر و غائب تمام مسلمانوں کو یہ نعمت عظمیٰ نصیب فرمائے۔

☆ ☆ ☆

کمالات برکات نبوت

کمالات نبوت

کمالات نبوت میں سے بہت ہی بے مثال پہلی بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ شاہد ہیں۔ شاہد کا معنی ایسی ہستی ہوتا ہے جو کسی بات کے متعلق یقینی اطلاع فراہم کر سکے اور جس کی اطلاع یقینی نہ ہو اس کی اطلاع رد کر دی جائے' تو اس کی شہادت مردود ہوتی ہے اسے پھر شاہد قرار نہیں دیا جا سکتا وہ مردود الشہادت کہلاتا ہے۔

شاہد کی شہادت

شاہد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جس بات کی اطلاع فراہم کرے' جس بات پر گواہی دے' جس بات کے متعلق خبر دے' وہ خبر حتمی یقینی اور ہر شبہ سے بالاتر ہو۔ تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے شاہد ہونے میں اس لئے کوئی رائی برابر شبہ نہیں کہ یہ کمال عطا فرما کر ہم نے آپ ﷺ کو مبعوث کیا ہے۔ یعنی اس کمال پر خود ذات باری نے اپنی گواہی رکھ دی کہ ہم نے مبعوث ہی آپ ﷺ کو بحیثیت شاہد کے' بحیثیت گواہ کے کیا ہے اور آپ ﷺ کی گواہی معمولی نہیں ہے بلکہ جملہ علوم الٰہیات' خواہ اللہ کی ذات کے بارے ہوں' رب العزت کی صفات کے بارے ہوں' آسمانوں کے بارے ہوں یا فرشتوں کے بارے ہوں یا کوئی بھی وہ حقیقت جو عقل انسانی سے یا مادی قوتوں کی رسائی سے یا مادی تخلیق سے بالاتر ہو' وہ آخرت ہو' وہ برزخ ہو' وہ جنت ہو' دوزخ ہو' وہ

عذاب و ثواب کا مسئلہ ہو' وہ حشر و نشر کی بات ہو اور سب سے بڑی بات کہ خود ذات باری کے متعلق بات ہو یا صفات باری کے متعلق بات ہو تو اس سب پر صرف اور صرف ایک گواہ ہے اور وہ ہے محمد ﷺ۔ یعنی صرف آپ ﷺ کی شہادت پر ان تمام حقائق کے علم کا مدار ہے۔ پوری انسانیت کے پاس یہ سارے حقائق جس ہستی کے طفیل پہنچے وہ شہادت آپ ﷺ کی ہے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد جو مخلوق عالم وجود میں آئی وہ براہ راست آپ ﷺ کی شہادت سے مستفید ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام' آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ سے مستفید ہوئے۔ باقی انبیاء علیہم السلام کی امتیں اپنے اپنے نبیؑ اور رسولؑ سے مستفید ہوئیں لیکن وہ امتیں بھی بالواسطہ حضور اکرم ﷺ سے مستفید ہوئیں اور آپ کے امتی بلاواسطہ یعنی براہ راست مستفید ہوئے۔

پھر یہ شہادت یکطرفہ نہیں ہے۔ یہ ایسی عجیب شہادت ہے کہ روئے زمین پر جو شخص بھی جو کچھ کرتا ہے یا جس پر اسے ثواب کی یا جس پر اسے اللہ سے انعام پانے کی یا جس پر اسے گناہ کی بخشش کی یا جس پر اسے اللہ کی رضامندی کی امید ہے' کوئی کام خواہ چھوٹا ہے یا بڑا' اس کی قیمت بھی نبی کریم ﷺ کی شہادت پہ مقرر ہو گی۔ اگر اسے حضور اکرم ﷺ نے قبول فرما لیا کہ میں نے یہ کام تعلیم فرمایا ہے تو وہ کام اپنی قیمت پا گیا اور اگر حضور اکرم ﷺ نے اس کی شہادت نہ دی کہ یہ کام میرا نہیں ہے' یہ میں نے نہ پسند کیا' نہ اس کے بارے حکم دیا' نہ میں نے یہ کام کرنے کے لئے کہا' نہ اس کے بارے میں نے کسی کو تعلیم فرمایا تو اسے کوئی خواہ کتنی بڑی نیکی سمجھے' اس کی کوئی قیمت نہیں۔ ایک طرف ذات و صفات باری سے لے کر تمام علوم غیبیہ پر آقائے نامدار ﷺ کی شہادت ہے تو دوسری طرف ایک عام آدمی سے لے کر عالم' ولی' صحابیؓ' تابعی' نبیؑ تک ساری مخلوق جس کام کو بھی نیکی کہتی ہے وہ نیکی تب ہے کہ اس پر نبی کریم ﷺ شہادت دیں۔ فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ عام گواہ نہیں۔ عام گواہوں

کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ گواہی دیتے ہیں تو عدالت کی مرضی کہ اس گواہی کو من و عن قبول کرلیتی ہے' پوری بات مان لیتی ہے مثلاً" دنیاوی عدالتوں میں ایک گواہ کہتا ہے کہ اس آدمی نے قتل کیا ہے میں نے دیکھا۔ عدالت اس کی پوری بات کو مان لیتی ہے۔ اس گواہ کے کہنے پر آدمی کو سزائے موت کر دیتی ہے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ اس کی پوری بات کو نہیں مانتی لیکن پوری کو رد بھی نہیں کرتی اور کہتی ہے اس کی ساری بات تو صحیح نظر نہیں آتی لیکن اس کی ساری شہادت رد بھی نہیں کی جا سکتی لہٰذا آدمی کو سزائے موت تو نہیں دیں گے اسے دس سال قید دے دی جائے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں اس آدمی کو چھوڑ دو اس کی شہادت میں تو جان ہی نہیں ہے یہ کہہ تو رہا ہے لیکن قرائن بتا رہے ہیں کہ اس کی شہادت کا تو اعتبار نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا: کہ آپ ﷺ کی شہادت ایسی نہیں ہے بلکہ جس بھلائی کی بات کے آپ شاہد ہیں اس کی تین صورتیں ہیں۔

مبشر کی حیثیت

مبشراً"۔ اب دنیا میں آدمی صرف وہ کام کرے جس کی آپ ﷺ تصدیق کریں۔ اگر آپ اس کی تصدیق فرما رہے ہوں تو آپ ﷺ اسے بشارت بھی دے دیجئے کہ تو نے انعام پا لیا۔ اسے وہاں یعنی دنیا میں مطلع فرما دیجئے۔ باقی فیصلہ ہو گا میدان حشر میں۔ وہ پیش ہو گا اس کے اعمال پیش ہوں گے لیکن اگر اس کا عمل آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق ہوا جس پر آپ ﷺ شاہد ہوں اور آپ ﷺ کو منظور ہو کہ یہ کام میں نے کیا ہے اور اس کے کرنے کا حکم دیا ہے کہ اس طرح سے کرو تو اسے بشارت بھی سنا دیجئے۔ آپ ﷺ کی شہادت میں کسی کو وہم نہ رہا کہ کیسی ہو گی یا وہ کس حد تک قابل قبول ہو گی۔ دنیوی شہادت کی طرح عام گواہ کی شہادت نہیں ہو گی بلکہ اس شہادت کے ساتھ فیصلہ بھی سنا دیجئے کہ تو جیت گیا۔ کیوں جیت گیا' اس لئے کہ تیرے اس کردار کو میں نے پسند کر لیا' بات ختم ہو گئی۔ اس کے لئے یہی کامیابی کافی ہے کہ اس کے اس سجدے

کو' اس کی اس ادا کو' اس کی اس قربانی کو' اس طرز فکر کو آپ ﷺ نے پسند کر لیا اور ایسی شہادتیں ملتی ہیں۔

جیش العسرۃ تیار ہو رہا تھا' مسلمانوں پر بہت تنگی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے لشکر کی تیاری کا حکم دیا تو اس لشکر کا نام ہی جیش العسرۃ تنگی کا لشکر رکھا تھا۔ کھانے کو نہیں مل رہا تھا اور لشکر تیار کیا جانا تھا تو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سونے کے درہم اور دیناروں کی ایک جھولی بھر کر لائے اور وہ آکر آقائے نامدار ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔ بخاری شریف میں موجود ہے۔ حضور اکرم ﷺ اس میں ہاتھ مبارک ڈالتے تھے اور انہیں ادھر ادھر پلٹتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کے علاوہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عمر بھر کچھ بھی نہ کرے تو اس کی جنت کی ضمانت یہی کافی ہے' یعنی آپ ﷺ نے ان کو نام لے لے کر بشارت دی۔

ایک بار حضور اکرم ﷺ مسجد نبوی میں بیان فرما رہے تھے حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ آپ کیوں کھڑے ہو گئے۔ یارسول اللہ ﷺ میرے لئے دعا کر دیجئے کہ میں جنت میں چلا جاؤں۔ فرمایا اچھا چلو' تم جنت میں چلے جاؤ گے۔ ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ تم پر سبقت لے گیا اب نقل سے وہ بات نہیں بنتی جو بے تکلفی سے بنی تھی وہ نقل سے نہیں بنتی وہ جیت گیا وہ تم پر سبقت لے گیا وہ وقت گیا وہ لمحہ گیا۔

آپ ﷺ کی شہادت کو عام شہادت یا عام گواہی نہ سمجھا جائے بلکہ آپ ﷺ نرے شاہد ہی نہیں جس کا طریقہ' جس کا عمل' آپ ﷺ کی طبع مبارک کو پسند آجائے اسے بشارت دے دیجئے اور جو آپ ﷺ کے مزاج عالی پر گراں گزرے' جو آپ ﷺ کی سنت کے خلاف ہو' جو آپ ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہو اسے اس کے خطرناک نتائج بھی وہیں بتا دیجئے۔

نذیرا" کی حقیقت

و نذیرا" وہیں اسے بتا دیجئے کہ اگر تم اسی ڈگر پر رہے تو اس کا نتیجہ یہ

ہو گا۔ رب کریم نے آپ ﷺ کے یہ تین کمالات نبوت ارشاد فرمائے اور رب کریم نے مسلمانوں سے یا انسانیت سے یا امت سے تین ہی نعمتوں کے جواب میں تین چیزوں کا مطالبہ کیا۔

لتو منوا باللہ و رسولہ۔ آپ ﷺ شاہد ہیں۔ تمہارا حق ہے کہ تم حضور اکرم ﷺ کی بات کو مانو اور اللہ پر ایمان لاؤ جیسا حضور اکرم ﷺ منواتے ہیں اللہ کو اس طرح مانو' لتو منوا باللہ۔ کیسے مانو جیسے شاہد و عادل منواتے ہیں۔ صرف اللہ کو مت مانو بلکہ اللہ کو ایسے مانو جیسے محمد رسول اللہ ﷺ منواتے ہیں ویسا ہی مانو لتو منوا باللہ و رسولہ۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان تب مقبول ہو گا جو رسول ﷺ قبول فرمائیں گے۔

و تعزروہ۔ اس کی عظمت کا اقرار کر لو کہ کیسی عجیب ہستی ہے کہ جس کی پسند پر انعامات باری کی تقسیم کا مدار ہے اگر کسی کی ایک مسکراہٹ سے اللہ کی جنتیں ہمیشہ کے لئے نچھاور ہوتی ہوں تو وہ کس عزت کا مستحق ہے' کس عظمت کا مستحق ہے۔

و توقروہ۔ اس کے وقار کو پہچانو۔ بات کرنے میں' نام لینے میں' بارگاہ عالی میں حاضر ہونے میں' ذکر کرنے میں ایک حد ادب کو ملحوظ رکھو کہ آپ ﷺ کیسی عجیب ہستی ہے' اللہ کا کتنا عجیب بندہ ہے' اللہ کی کیسی عجیب تخلیق ہے' اللہ کا کیسا حبیب ﷺ ہے' اللہ کے نزدیک اس کا کیا رتبہ ہے کہ جس بات پر مسکرا دے اس پر جنتیں لٹا دیتا ہے اور جس پہ خفا ہو جائے اس کے دو جہاں اجڑ جاتے ہیں۔

تو فرمایا۔ جس طرح یہ تین اوصاف تمام جمال نبوت کو جامع ہیں اس طرح سے امتی کی طرف سے متذکرہ بالا یہ تین باتیں ورع اور تقویٰ کی بنیاد ہیں کہ اس کا عقیدہ وہ ہو جو نبی نے سکھایا ہے اور اللہ کے بعد اگر کسی کی عزت' کسی کی عظمت' اس کے دل میں جاگزیں ہو تو وہ اللہ کا رسول ﷺ ہو۔

کمالات نبوت کا نتیجہ

اس کا نتیجہ کیا ہو گا و تسبحوہ بکرۃ و اصیلا۔ اس کا انعام تجھے یہ ملے گا کہ ہر آن تم اللہ کو یاد کرتے رہو گے۔ تمہیں ایسا اپنے قریب کر لے گا کہ تم کبھی اسے بھول نہیں سکو گے۔ مثلاً" کبھی دن شفاف ہو' سورج طلوع ہوا ہو' دھوپ نکلی ہوئی ہو اور آدمی سوئے نہیں تو کبھی وہ سورج کو بھول سکتا ہے' وہ سورج سے کبھی حجاب میں نہ جائے' وہ کسی مکان میں داخل نہ ہو' وہ کبھی کسی سائے میں نہ چلا جائے' سارا دن سورج اس کے سر پر چمکتا رہے' تو وہ سورج کو بھول سکتا ہے گو وہ سورج کا نام زبان سے نہ لے۔ اسی طرح اگر تم یہ میرے نبی ﷺ کے ساتھ کر لو تو میرا جمال تمہارے چہروں پہ یوں چمکے گا جس طرح دوپہر کا سورج کسی کے سر پر چمکتا ہے۔

سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعریف میں رب کریم نے فرمایا کہ ان کی پیشانیوں پر تو میری تجلیات برستی ہیں۔ اب جس چہرے پہ انوارات برستے ہوں بھلا وہ اللہ کو بھول جاتا ہے' اس سے کبھی اس کی یاد فراموش ہو سکتی ہے۔ تو فرمایا۔ یہ ہر آن کی یاد تمہیں تب نصیب ہو گی کہ جب تم متذکرہ بالا درجہ پا لو گے۔

بیعت رسول ﷺ

اب اس کے بعد قرآن کریم نے ایک بڑی عجیب بات کہی ہے۔ قرآن نے عظمت نبوت کے بارے میں ایک بڑی عجیب بات کہی ہے' فرمایا ان الذین یبا یعونک انما یبایعون اللہ بے شک جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں' ید اللہ فوق ایدیھم۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا دست قدرت ہوتا ہے جو عقیدہ آپ ﷺ کے ارشادات کے مطابق رکھے' جو آپ ﷺ کے اس منصب عالیہ کو تہ دل سے قبول کر لے اور پھر اسے یہ سعادت نصیب ہو کہ وہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو اور آپ ﷺ کے دست

شفقت پہ بیعت کرے جتنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو یہ شرف حاصل ہوا ان سب کا مقام یہ ہے کہ جس نے حضور ﷺ کے دست اقدس میں ہاتھ دے دیا اس نے گویا اللہ کے دست قدرت میں ہاتھ دے دیا۔ اعتراض کرنا مشکل کام نہیں ہوتا اس لئے کہ اعتراض بنیادی طور پر جہالت سے ہوتا ہے۔ کوئی بھی سوال جہالت سے ہوتا ہے اور جواب علم سے دینا پڑتا ہے۔ کسی بھی بڑی سے بڑی بات پر' جاہل سے جاہل آدمی' اعتراض کر سکتا ہے۔ معترضین کا منہ بند نہیں کیا جا سکتا لیکن آدمی از خود تنہائی میں بیٹھ کر اللہ کو حاضر سمجھ کر کبھی یہ سوچے کہ جو کسی نے کہا تھا:

مجھے تو ان کے مقدر پہ رشک آتا ہے
وہ لوگ کیا تھے جو محبوب کبریا ﷺ سے ملے

عظمت صحابہؓ

آدمی تنہائی میں کبھی سوچے کہ کیسی خوش نصیب مخلوق تھی' کیسے عجیب لوگ تھے جنہیں حضور ﷺ کی مجلس نصیب ہوئی' جنہیں حضور ﷺ کے پاس بیٹھنا نصیب ہوا اور جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے جسد اطہر کو چھوا۔ حضور اکرم ﷺ کے ارشادات براہ راست سنے۔ جن کی آنکھوں نے رخ انور ﷺ کو دیکھا۔ کیسے عجیب لوگ تھے' کیا نصیب لائے تھے' اللہ کو کتنے پیارے لوگ تھے' وہ کتنے خوش قسمت لوگ تھے اور وہ کیسے بے نظیر بندے تھے۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی یہ عظمت معمولی بات نہیں' امت محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا تمام امتوں پر ہمیشہ امتی بننے کے لئے' مسلمان بننے کے لئے صرف نبیوں علیہما السلام پر ایمان لانا ضروری رہا لیکن یہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک ایسی بڑی خصوصیت ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ میں نے ان کے اوصاف تورات میں بھی نازل کئے' انجیل میں بھی نازل کئے' قرآن کو بھی ان کے اوصاف سے بھر دیا۔ تورات جب نازل ہوئی تو حضرت موسیٰ

علیہ السلام تورات کی تختیاں لے کر اپنی قوم کے پاس آئے اور یہودی تورات پر ایمان لائے۔ اس میں ان کی تعریف جب رب نے ذالک من فی التوراۃ۔ کے الفاظ کے ساتھ کی ہے۔ ان کی یہی مثالیں میں نے تورات میں ارشاد فرما دیں تو وہ قوم اگر یہ کہتی کہ ان لوگوں کی عظمت ہم نہیں مانتے تو کیا وہ مسلمان رہ جاتے وہ تو تورات کا انکار کر کے کافر ہو جاتے و مثلھم فی الانجیل۔ فرمایا ان کی باتیں میں نے انجیل میں بیان کی ہیں۔ جب انجیل نازل ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش کی تو ان کی امت اگر ان باتوں کو ٹھکرا دیتی کہ ہم نہیں مانتے تو کیا وہ مسلمان رہ جاتے۔

کیا آج ان عظیم ہستیوں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پہ اعتراض کر کے آدمی بچ سکتا ہے۔ یہ اتنا نازک معاملہ ہے کہ مخالفت یا بہتان تراشی کرنا یا دشنام طرازی کرنا تو بہت دور کی بات ہے' ان کی عظمت کا انکار آدمی کو اسلام سے محروم کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ اتنا نازک معاملہ ہے کہ ان کی عظمت کا انکار نور ایمان سے' اللہ کی بارگاہ سے دور کرنے کے لئے اور انسان کو محروم کرنے کے لئے کافی ہے۔

جس جس شخص سے یہ جرم سرزد ہوا آپ اس کا انجام دیکھ لیں۔ آپ اس کے افکار و نظریات کو لے لیں وہ نہ صرف خود گمراہ ہوا بلکہ کتنے لوگوں کو گمراہی میں لے کر دلدل میں ڈوب گیا۔ یہ اس لئے تھا کہ ان لوگوں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایک بہت بڑا حسن عمل یہ تھا کہ ان کے ہاتھوں نے نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں کو چھو لیا تھا۔ دیکھو کیسی عجیب بات ہے' کیسی عجیب نیکی ہے اور ان کے مزاج بھی عجیب تھے کہ آدمی سمجھ ہی نہیں سکتا ہے۔

مدینہ منورہ میں جب یہ لوگ ہجرت کر کے آئے تو ساڑھے تین برس کوئی شخص زرہ کھول کر نہیں سویا۔ رات کو لوہے کی زرہ پہن کر اور تلوار اپنے ساتھ رکھ کر چارپائی پر لیٹتے تھے۔ خطرہ ہوتا تھا کہ اس چھوٹی سی بستی کو کفار نابود

کر دیں گے۔ دن کی تو بات ہی نہیں رات کو بھی مسلح لیٹتے تھے۔ کھانے کو نہیں ملتا تھا' بھوک تھی' افلاس تھا اور خطرات اتنے تھے کہ نبی کریم ﷺ مسجد نبوی میں جلوہ افروز ہیں' کچا سا صحن ہے' کچی سی مسجد ہے۔ آج کی مسجد نہیں ہے۔ کچھ لوگ پاس بیٹھے ہیں جنت کی بات چلی تو ایک صحابی ؓ بیٹھے تھے' پھٹے ہوئے کپڑے' پریشان بال' افلاس سے اندر دھنسے ہوئے گالوں والا چہرہ' منہ پر زردی۔ وہ کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ ہمیں تو جنت نہیں چاہئے ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ جس حال میں ہیں یہی طویل ہو جائے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا' ارے او نادان! رب جلیل نے تو جنت کی تعریف فرمائی' مانگنے کا حکم دیا' میں مانگنے کا حکم دیتا ہوں اور تو اتنا مستغنی ہے۔ وہ کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ! اصل بات یہ ہے' اب دیکھو کہ اللہ کی جنت کو وہ اہمیت ہی نہیں دے رہا' کہتا ہے' اصل بات یہ ہے کہ جنت میں آپ ﷺ کا مقام تو وہ ہو گا جو کسی دوسرے کا نہیں۔ ہم بھی جنت میں پہنچیں گے لیکن ہم تو بہت نیچے ہوں گے۔ یارسول اللہ ﷺ تو اس سے یہ کچے گھروندے اور خالی پیٹ اچھا نہیں کہ جب جی چاہتا ہے آ جاتے ہیں اور رخ انور ﷺ کی زیارت سے فیض یاب ہوتے ہیں' یہ کچی مسجد بہتر نہیں کہ جہاں جب جی چاہتا ہے گھس آتے ہیں اور آپ ﷺ کی مجلس سے مستفیض ہوتے ہیں۔ اس جنت کو ہم کیا کریں گے جہاں آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھنا نصیب نہیں ہوگا' آپ ﷺ کے قریب نہیں پھٹک سکیں گے' اس جنت میں مزہ کیا خاک ہو گا؟

یہ بات اس بدوی نے' اس صحرائی نے' اس غریب عرب نے اتنے درد سے کہی کہ اس کا جواب رب جلیل نے قرآن میں نازل فرمایا کہ نہیں ایسا نہیں ہو گا جو لوگ میرے نبی کا اتباع کریں گے اولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین و الشھداء والصلحین و حسن اولئک رفیقا۔ یعنی اپنے اپنے گھر ہوں گے' آنے جانے سے وہاں بھی نہیں روکوں گا۔ انبیاء علیھما السلام کے پاس جاؤ شہداء کے پاس جاؤ صلحاء کے پاس جاؤ جس جس سے جس کا

واسطہ ہے اس کی منزل پر جانے سے منع نہیں کروں گا۔ عجیب لوگ تھے کہ جنت بھی تب قبول کی کہ حضور ﷺ کی بارگاہ کی حاضری کی اجازت وہاں ہو۔ ورنہ جنت کیا خاک ہے ہم جنت کو کیا کریں گے۔

حضور ﷺ سے بیعت کا' حضور ﷺ سے تعلق کا' اثر ہی یہ ہے کہ رب جلیل فرماتے ہیں ان الذین یبایعونک۔ بے شک جو لوگ تیرے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہیں انما یبایعون اللہ۔ بے شک وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں ید اللہ فوق ایدیھم۔ اللہ کا دست قدرت ان کے ہاتھوں پر ہے۔ یہاں تک تو بات پہنچی۔ عجیب بات یہ ہے کہ قرآن حکیم اور نبوت نبی کریم ﷺ کی قیامت تک کی انسانیت کے لئے ہے' جو برکات ہیں نبوت کی' جو احکام ہیں نبوت کے' جن چیزوں سے روک دیا' اوامر اور نواہی قیامت تک کے لئے ہیں۔ اگر بیعت صرف ایک عہد کے لئے ہوئی ختم ہو گئی تو پھر انصاف تو نہ ہوا۔

برکات کا دوام

یعنی آج بھی اگر کوئی اطاعت کرے تو ثواب پاتا ہے' نافرمانی کرے تو عذاب پائے گا۔ اس دور میں بھی اطاعت کرتا تو ثواب پاتا نافرمانی کرتا عذاب پاتا۔ آج بھی رب جلیل کا وہی قانون ہے اطاعت کرے گا ثواب پائے گا' جو نافرمانی کرے گا عذاب پائے گا۔ سادہ سی بات ہے کہ آج بھی نبوت وہی ہے' کوئی نیا نبی علیہ السلام نہیں آئے گا۔ کتاب بھی وہی ہے تو پھر پچھلی امت کو اس شرف سے محروم کر دینے کا کیا مطلب ہے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ اصول ربوبیت کے خلاف ہے کہ کچھ انعامات' کچھ وقت اور قوموں پر محدود کر دیا۔ یہ ہو نہیں سکتا۔ مثلاً" کسی بھی بہترین درخت کے ساتھ کچھ عرصہ ایک پھل لگے' کچھ عرصہ کے بعد اس پر آم لگیں' پھر کچھ عرصے بعد اس پر امرود لگنے شروع ہو جائیں یا بعد والوں کے لئے کچھ نہ رہے یہ ناممکن ہے۔

اسی طرح وہ برکات ہمیشہ کے لئے ہوتی ہیں۔ ایک بات یقینی ہے کہ زمانہ

جیسے جیسے بدلا تو زمانے کی خیر کے اعتبار سے مدارج میں فرق تو آتا چلا گیا مثلاً" اس عہد میں جس نے سجدہ ادا کیا اور حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں جو سجدہ آج کیا جاتا ہے اس میں زمانہ کی وجہ سے جو فرق برکات نبویؐ میں ہو گا وہ یقیناً ہو گا کہ زمانہ وہ نہیں بدل گیا نبوت وہی ہے' حکم وہی ہے' اس پر ثواب و عذاب کا وعدہ وہی ہے لیکن زمانہ وہ نہیں رہا' زمانہ بدل گیا۔

خیرالقرون کی اپنی برکات ہیں اس کے بعد کی اپنی برکات ہیں حتیٰ کہ جوں جوں زمانہ حضور اقدسؐ سے وقت دور ہوتا جاتا ہے تو وہ انوارات' وہ برکات اپنی قوت کے اعتبار سے کم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ یہ اصول فطرت ہے چونکہ زمانہ تو وہ نہیں' وقت تو وہ نہیں' باقی چیزیں تو وہ ہیں۔

اس لئے جن لوگوں نے زمانہ اقدس ﷺ پایا اور انہیں شرف زیارت نصیب ہوا تو زیارت سے شرف صحابیت پہ مشرف ہو گئے اور صحابی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہلائے لیکن جنہوں نے اس زمانہ کو نہیں پایا' نہ وہ ہم عصر ہوئے تو ان کے بارے میں دوسری اصطلاح آ گئی۔ بہرحال وہ دور بیت گیا۔ اس وجہ سے ان برکات کی قوت میں فرق آتا چلا گیا۔

حیاتِ انبیاء علیہم السلام

تو یہ نعمت نہیں چھنی گئی۔ فرق یہ ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ نے دار دنیا سے پردہ فرمایا' آپ برزخ میں تشریف فرما ہوئے۔ اب لوگ مسئلہ موت و حیات النبی علیہ السلام کو درمیان میں لے آتے ہیں۔ اتنا بھی تکلف نہیں کرتے کہ موت و حیات کی حقیقت کو پہلے سمجھ لیں کہ یہ دو چیزیں درحقیقت ہیں کیا۔ اگر اتنا تکلف کر لیں تو شاید زیادہ پریشانی نہ ہو۔

خلق الموت و الحیاتہ موت و حیات دونوں مخلوق ہیں۔ حیات اور موت دونوں اللہ کی تخلیقات اور دونوں کی عمروں میں اتنا فرق ہے کہ میدان حشر میں حیات انسانی کا حقیقی عرصہ شروع ہو گا اور موت کو حشر کے میدان میں

معدوم کر دیا جائے گا۔ یعنی موت کی ساری قوت اس وقت تک ہے جب تک قیامت قائم نہیں ہو گی۔ موت کو حشر کے بعد ختم کر دیا جائے گا۔ نہ جنتی مریں گے' نہ دوزخی مریں گے' موت سرے سے رہے گی ہی نہیں۔ جس کسی کو مرنا ہے پہلے مرچکا ہو گا۔ تو اس وقت حیات انسانی اپنی حقیقی قوت کے ساتھ موجود ہو گی۔ موت کا تو اتنا پیٹ ہی نہیں کہ وہ حیات کو کھا سکے۔

آپ حیات انبیاء علیہما السلام کو رہنے دیجئے' عام انسانی جسم کی حیات کا نگلنا موت کے بس کی بات ہی نہیں۔ ایک بالشت کا سانپ دس گز کے اژدہا کو نہیں نگل سکتا یعنی موت کے پاس اتنی وسعت ہی نہیں جتنی وسعت حیات انسانی کے پاس ہے اس لئے جہاں موت کا خاتمہ ہے وہاں سے حیات انسانی کی ابتداء ہے۔

موت کسی فنا یا عدم کا نام نہیں ہے صرف ایک تبدیلی کا نام ہے۔ جس طرح عالم امر سے پشت پدر میں آیا تو عالم امر میں مرگیا۔ وہاں سے شکم مادر میں آیا تو پشت پدر میں مرگیا۔ شکم مادر کی موت دنیا کے لئے پیدائش ہے اور دنیا کی موت عالم برزخ کے لئے ولادت ہے۔ یہاں سے وہاں چلا گیا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانے کا نام موت نہیں ہے۔ مومن اور کافر کی موت میں بہت بڑا فاصلہ ہے مومن کی موت پر اللہ کے فرشتے استقبال کے لئے آتے ہیں' کافر کو گرفتار کرنے کے لئے آتے ہیں' کسی کے استقبال کے لئے اور کسی کی گرفتاری کے لئے آنے میں بہت بڑا فرق ہے۔

یضربون وجوھھم و ادبارھم۔ انہیں منہ پر مارتے ہیں' پیٹھوں پر مارتے ہیں' انہیں سزا دے کر' گرفتار کر کے لے جاتے ہیں اور جنہیں عزت و احترام کے ساتھ اٹھا کر لے جاتے ہیں دونوں میں بڑا فرق ہے۔ دراصل عام مومن اور صالح کی موت میں فرق ہے' صالح اور شہید کی موت میں فرق ہے بلکہ اللہ شہیدوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

کہ تم شہید کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ یہ سوچا ہی نہ کرو کہ یہ مرچکا ہے۔

جس نے اپنی جان دے کر نبی علیہ السلام کی نبوت پر شہادت دی تو حکم قرآنی ہے کہ اس کو مردہ ہی خیال نہ کرو۔ اب جس نے ذات باری کے وجود پر شہادت دی اور جو اللہ کا رسول بھی ہے اس کی حیات کے بارے اگر کسی کو شبہ ہے تو اس نے موت و حیات کو سمجھا ہی نہیں۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی موت ایسی موت نہیں ہوتی جیسے ہمیں موت آتی ہے بلکہ انبیاء کی موت صرف نام کی موت ہوتی ہے۔ حیات النبی علیہ السلام کے بارے میں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال لکھی ہے۔

کہ جیسے کوئی بلب جل رہا ہو اور اس نے ماحول کو روشن کیا ہو۔ آپ اس پر ایک فانوس لا کر رکھ دیں اور اس کی روشنی اس فانوس میں محدود ہو جائے۔ اسی طرح حیات النبی علیہ السلام کا مسئلہ بھی ہے۔ یعنی روح کے جو تعلقات عالم دنیا سے ہوتے ہیں ان کا رخ ادھر سے پھیر کر عالم برزخ سے منسلک کر دیا جاتا ہے۔ ارواح انبیاء علیہما السلام اپنے اپنے وجود اقدس میں رہتی ہیں اور خصوصاً جہاں تک نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات کا تعلق ہے تو اللہ کی ساری کائنات کی ارواح میں افضل ترین روح حضرت محمد ﷺ کی ہے اور جتنے وجود رب جلیل نے بنائے ان سب میں افضل ترین وجود، وجود حضرت محمد ﷺ کا ہے۔ اگر روح اطہر ﷺ کو وجود عالی سے جدا کر کے کہیں بھی بھیجا جائے گا تو وہ مقام وجود اطہر سے درجے میں کم تر ہو گا۔ اور کون ایسا بدبخت ہے کہ حضور ﷺ کے لئے یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ وصال کے بعد آپ کی روح اطہر پہلے سے کم تر مقام پر تشریف لے گئی۔ یہ کس کا عقیدہ؟ اگر کوئی ایسا عقیدہ رکھے تو کیا یہ بات مناسب ہے۔ جبکہ ہم ہر ولی، ہر نیک کے متعلق تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وصال کے بعد پہلے سے اعلیٰ جگہ پائے گا اور حضور ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ آپ ﷺ رحلت کے بعد پہلے سے کم تر جگہ پر تشریف لے گئے۔ یہ انصاف ہے اور اگر یہ انصاف نہیں ہے تو کائنات میں وجود عالی سے اعلیٰ جگہ کیا ہے۔ کون سی ہے، خواہ وہ جنت ہو، خواہ وہ عرش ہو، خواہ وہ کرسی ہو، کوئی بھی وجود

ہو، جو رب نے تخلیق کیا ہے وہ حضور ﷺ کے وجود اطہر پر ہرگز فضیلت نہیں رکھتا۔

حضور ﷺ کا وصال روح اور وجود کی جدائی کا نام نہیں ہے، بلکہ دنیا سے تشریف لے جا کر برزخ میں جلوہ افروز ہو گئے۔ بات صرف اتنی سی ہے جس کی وجہ سے روضہ اطہر کا آج بھی ویسا ہی ادب ہے کہ جب مسجد نبوی میں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے جو اس وقت ادب ہوتا تھا۔ جو اس ادب کا پاس نہیں رکھتا وہ اسی بے ادبی کا مرتکب ہوتا ہے جو حیات دنیوی میں حضور ﷺ کی توہین ہو سکتی تھی۔ اسی طرح آواز بلند نہ کرنے کا حکم ہے۔ ان تمام آداب کا حکم آج بھی موجود ہے۔ علماء سے پوچھ لیں جو آداب حضور ﷺ کی حیات دنیوی میں تھے رحلت کے بعد ان میں کوئی فرق نہیں بلکہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کو نکاح ثانی کی اجازت نہیں ہے، وراثت تقسیم نہیں ہوئی۔ جنازہ میری اور آپ کی طرح نہیں پڑھا گیا، اللھم اغفر۔ نہیں کیا صرف نبوت پر شہادت دی، درود شریف پڑھا گیا اور یہ گواہی دی گئی کہ اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تیرے نبی نے تبلیغ کا، دین پہنچانے کا حق ادا کر دیا اور ایک ایک آدمی نے کھڑے ہو کر اپنی اپنی گواہی دی، نہ کوئی جماعت ہوئی، نہ کوئی امام ہوا، نہ کوئی مقتدی۔ بہرحال یہ تو ایک الگ موضوع ہے لیکن حقیقت وہی ہے جو میں نے بتا دی ہے۔

نسبت اویسیہ کی عظمت

تو رب جلیل نے اس نعمت یعنی برکات نبوت کو بھی باقی رکھا اور یہ جتنے اصحاب سلاسل ہیں ان کے پاس فضیلت یہ تھی کہ یہ آدمی کی روح کو اس قدر مصفیٰ کرتے، دلوں کو اس قدر منور کرتے، اس قدر روشن کرتے کہ ان کو عالم برزخ میں آپ ﷺ کے دست اقدس ﷺ پر بیعت کراتے ہیں اور اسی کو اصطلاح تصوف میں فنا فی الرسول کہا گیا ہے۔ اس لئے باقی تمام سلاسل سے ہٹ

کر اس نسبت اویسیہ والوں نے ظاہری بیعت لینا ہی مناسب نہ سمجھا بلکہ ان کا قاعدہ ہمیشہ یہ رہا کہ ہمارے ساتھ وہ آدمی سفر کرے جو حلال و حرام میں اتنی تمیز رکھے' جو نیکی اور بدی پہ اس قدر عمل کر سکے' جو عقائد کی اس طرح اصلاح کرے اور جو اپنے اندر وہ عشق' وہ محبت' وہ جذبہ' وہ جلن' وہ تڑپ پیدا کر سکے اور ہمارے ساتھ اتنا مجاہدہ کرے کہ اپنی روح کو منور کر کے برزخ میں بارگاہ عالی ﷺ میں حاضر ہو اور اپنی روح کو حضور اکرم ﷺ کے دست اقدس کے سامنے بیعت کے لئے پیش کر دے۔

آج بھی ہم آپ ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کراتے ہیں۔ آپ اگر اکابر صوفیوں کے حالات پڑھیں تو بڑے فخر سے انہوں نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے کہ میں نے قرآن نبی کریم ﷺ سے پڑھا ہے' میں نے بیعت حضور اکرم ﷺ سے کی ہے' میں نے یہ بات حضور ﷺ سے پوچھی ہے' حضور ﷺ نے مجھے اس کام کا حکم دیا ہے' اس طرح کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ بہت بڑی بات جب وہ کرتے ہیں تو صرف ان باتوں تک پہنچتے ہیں۔ جبکہ نسبت اویسیہ والوں نے ظاہری بیعت لینے سے انکار اس لئے نہیں کیا کہ یہ بیعت ظاہری کے منکر ہیں بلکہ اس لئے کہ ظاہری بیعت لینے کے لئے بے شمار لوگ مل جاتے ہیں جو ظاہری اصلاح کر سکتے ہیں اس لئے آپ ان کے پاس جائیں۔

ہاں اگر کوئی اتنی طلب رکھتا ہے کہ وہ اپنی روح کو آج بھی بارگاہ عالی ﷺ میں پیش کرنا چاہتا ہے اور آج بھی یہ مزا لینا چاہتا ہے تو آپ مطلوبہ شرائط کے ساتھ اس کا مزہ لے سکتے ہیں۔

ید اللہ فوق ایدیھم۔ اور اگر کوئی یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ بندے کے ہاتھ پر دست قدرت باری کیسے آتا ہے تو وہ ہمارے ساتھ آ جائے صلائے عام ہے۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری سالوں میں یہ فیصلہ ہوا غالباً" ۱۹۷۹ء میں اور یہ بھی بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تھا ماوشما کا نہیں۔ چونکہ یہ عہد عمومی گمراہی کا ہے اور لوگ ایسے لوگوں سے بھی بیعت ہو جاتے ہیں جن کے اپنے عقائد اور اعمال درست نہیں لہٰذا اب ظاہری بیعت کا اہتمام کیا جائے۔ اگر سارے لوگ برکات باطنی حاصل نہ کر سکیں تو ظاہری طور پر منسلک ہو کر کسی بدکار کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے تو بچ جائیں اور پہلی بار اِس سلسلہ عالی میں اس بیعت ظاہری کا احیاء ہوا۔

ورنہ ہمارے اکابرین رحمتہ اللہ تعالیٰ سمجھتے تھے کہ جو کام اور بزرگ کر رہے ہیں اس کے کرنے کی ہمیں کیا ضرورت ہے یہ سنت ختم تو نہیں ہو رہی لہٰذا لوگوں کو وہاں جانا چاہئے۔ جسے صرف ظاہری اصلاح کی طلب ہے وہاں جائے اور بیعت کرے۔ لیکن جب اس میں بھی اشتباہ پیدا ہونے لگا اور بیشتر اکابر کی جگہ ایسے لوگ آ گئے جن کو اپنی اصلاح کی ضرورت تھی جن کے عقائد و نظریات میں فساد آ گیا یا محض دولت ان کا مقصد حیات بن گئی' جاہ طلبی آ گئی تو اب آ کر اس سنت کو بھی اس سلسلہ عالیہ میں اس لئے جاری کیا گیا کہ لوگوں کو ایک ایسا دروازہ میسر آ جائے جہاں کم از کم انہیں صاف ستھرے عقائد تو ملتے رہیں۔ ورنہ ہمارے سلسلہ عالیہ میں بحمداللہ آج بھی یہی کوشش کی جاتی ہے کہ ہر آنے والا اگر کچھ بھی حاصل نہ کر سکے تو کم از کم بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک ہم اسے گھسیٹ کر ضرور لے جائیں۔ ہماری اپنی یہ طلب ہوتی ہے' ہماری اپنی یہ آرزو ہوتی ہے اور ہماری اپنی یہ خواہش ہوتی ہے۔

میں نے یہ دیکھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب ہم جاتے تھے تو آپؒ کی مسجد کا پانی بھرنے والا جو بابا تھا وہ بھی فنا فی الرسول تھا' موذن بھی فنا فی الرسول تھا اور جو بھی وہاں نمازی تھے وہ بھی سارے فنا فی الرسول اللہ ہوتے تھے' خواہ وہ پانچ تھے یا سات تھے یا دس تھے۔ اور یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ صرف یہاں

نہیں دنیا کا شاید ہی اسرائیل کے علاوہ کوئی ملک ہو گا جہاں ایسے لوگ موجود نہ ہوں جو آج بھی نبی کریم ﷺ کی بارگاہ کو روبرو نہ دیکھتے ہوں۔

فنافی الرسول کی صلائے عام

یوں تو ہر شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہم بھی فنا فی الرسول کرا سکتے ہیں لیکن میرے خیال میں یہ دلیل اس دعوے پر پیش کرنا کہ میرے پاس آیئے میں آپ کو بھی اس بارگاہ میں لے چلتا ہوں یہ آسان نہیں ہے۔ یہ دعویٰ آسان ہے کہ مجھے بھی یہ کمال حاصل ہے لیکن اس کے ساتھ یہ دلیل پیش کرنا کہ میرے ہمراہ چلئے آپ کو بھی وہاں تک لے چلوں یہ آسان نہیں ہے۔

اس نسبت عالی میں' اس سلسلہ عالیہ میں' بحمداللہ یہ فضیلت موجود ہے کہ بیرون ممالک ہندوستان میں اس نسبت کے حامل فنا فی الرسول لوگ موجود ہیں' بنگلہ دیش میں' سعودی عرب میں' مڈل ایسٹ کی دوسری ریاستوں میں' افریقہ میں' برطانیہ میں' امریکہ میں' کینڈا میں ہیں' سیکنڈے نیوین ممالک میں' فرانس میں بھی اس نسبت کے حامل موجود ہیں۔ مشرق کی طرف تھائی لینڈ سے اب الحمداللہ منصور آ گئے اور الحمداللہ بیعت ہو کر جائیں گے اور یہ کہ ہم نہیں کہتے ہیں کہ تمہیں فنا فی الرسول ہو گئی بلکہ ہمارا اصول تو یہ ہے کہ جب وہ شخص کہتا ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں اسے بیعت کرا دیتے ہیں۔ ہم نہیں کہتے کہ تمہیں یہ ہو رہا ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے کچھ نظر آ رہا ہے' وہ کہتا ہے میں کہاں پہنچا ہوں اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس گئے گزرے زمانے میں لوگ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تو بننے سے رہے لیکن جہاں سے چلتے ہیں وہاں سے بڑا فاصلہ طے کر لیتے ہیں۔ جہاں وہ عقائد کے اعتبار سے' اعمال کے اعتبار سے اب ہیں تو ہر شخص اپنی اس حیثیت کے مطابق فاصلے کو دیکھے کہ کتنا بڑا فاصلہ طے کر لیا ہے۔ اور یہ اللہ کریم کا احسان ہے۔

تو آج بھی اس پہ پوری تفصیلی بات نہ ہو سکی۔ بات پھر ادھوری ہی رہ

گئی۔ میں ایک بات ضرور عرض کر دوں کہ یہ سلاسل تصوف جتنے ہیں یہ سارے ہی دراصل اللہ کی طرف سے برکات نبوت کی تقسیم کے ذرائع ہیں۔ یہ سارا کمال نبی رحمت ﷺ کی ذات بابرکات کا ہے' یہ ساری صفات آپ ﷺ کی ہیں' سارا جمال آپ ﷺ کا ہے' سورج آپ ﷺ کی ذات ہے' ہم سب دیواریں ہیں۔ جو دیوار ذرا چمکا دی جاتی ہے اس سے شعاعیں منعکس ہو کر آگے پہنچنا شروع ہو جاتی ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ بارگاہ نبوت میں ان کی اپنی ایک قدروقیمت ہوتی ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑی عزت کے مستحق ہیں۔

قوت شیخ

آپ مجھے دیکھ لیجئے' الحمداللہ مجھے سلسلہ عالیہ میں اب تیس برس سے اوپر عرصہ جا رہا ہے۔ لیکن مجھے یاد نہیں کہ ان تیس اکتیس برسوں میں کوئی ذکر میرا ایسا ہو جس میں میں نے مشائخ سے اجازت طلب نہ کی ہو۔ حالانکہ اللہ نے مجھے تاریخ تصوف میں وہ ذمہ داریاں عطا فرمائی ہیں اور مجھے پر اللہ کا وہ احسان ہے کہ یہ شاید ہی کسی کو نصیب ہو۔ بہت مشکل کام ہے کہ پورے روئے زمین کے انسانوں سے کوئی کہہ دے کہ میرے پاس آؤ' میں تمہیں فنا فی الرسول کراتا ہوں۔ اللہ نے مجھ پر احسان کیا ہے کہ میرے ہاتھ پر اگر کافر نے بھی اسلام قبول کیا اور دس دن رہا ہے تو اسے بھی فنا فی الرسول حاصل ہو گیا اور بحمداللہ ایسے لوگ موجود ہیں۔ اس کے باوجود مجھے یہ ہمت نہیں ہوتی کہ میں اپنے آپ کو کوئی شے سمجھوں یا میں اپنے برتے پہ کوئی کام کروں یا میں اپنی پسند سے کوئی قدم اٹھاؤں۔ اس لئے کہ میں ازخود کچھ بھی نہیں ہوں یہ جو کچھ ہے یہ سب اللہ کی عطا ہے اور کسی کے طفیل' کسی کی وساطت سے' برکات نبوت ملی ہیں ہم اس کا ذریعہ بن گئے ہیں۔ یہ اللہ کا کرم ہے اور وہ کسی دوسرے کو بھی بنا سکتا ہے۔

برکات نبوت کے حصول کی شرائط

اسی طرح ان برکات کے حصول کے لئے صرف ایک سفارش چاہئے اور وہ ہے آپ کا خلوص۔ کسی انسان' کسی فرشتے کی سفارش کی ضرورت نہیں ہے صرف آپ کا اپنا خلوص اس راستے کا زاد راہ ہے۔ کسی کے دل میں جتنی طلب' جتنا خلوص ہو گا اتنی ہی اسے اس طرف سے نعمت مل جائے گی۔ ورنہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وقتی طور پر شیخ کے پاس بیٹھے ہوئے لطائف چمکنے لگتے ہیں' روشنیاں نظر بھی آنے لگتی ہیں۔ لطائف کی یہ چمک اور انوارات کا دیکھنا اس وجہ سے ہے کہ جس طرح کسی کے پاس بیٹھنے سے تپش آ رہی ہو اور جب وہاں سے اٹھ جاتا ہے تو وہ تپش ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ تپش اس کی ذاتی نہیں ہوتی۔ اس لئے جب سالک صحبت شیخ سے جاتا ہے تو لطائف کی چمک ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ اس کے اپنے انوارات نہیں ہوتے۔ چونکہ اس کے اپنے دل میں خلوص نہیں ہوتا وہ انوارات وہاں اپنی جگہ نہیں بناتے۔ کام تو وہ انوارات آئیں گے جو اپنے دل میں جگہ بنالیں اور پھر یہ اللہ کا احسان ہے کہ ہم نے اسے عام تصوف کی روش سے ہٹا دیا ہے۔ حالانکہ اس کے لئے بہت بڑی قوت چاہئے کہ آدمی کاروبار حیات معمول کے مطابق کرتا رہے' اپنی جاب بھی کرے' اپنی دکانداری بھی کرے' اپنی کاشتکاری بھی کرے اور معمولات دنیا میں بھی پورا حصہ لے اور پھر بھی اسے منازل سلوک کرائے جائیں تو یہ بہت مشکل کام ہے۔ یہ صرف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا منصب ہے ورنہ صوفی عام طور سے لوگوں کو دنیا چھڑا دیتے ہیں' الگ کر کے گوشہ نشین کر کے انہیں تنہائی میں بٹھا کر محنتیں کراتے ہیں۔ ہم پر اللہ کا یہ بڑا احسان ہے کہ سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہم نے کسی کو کام چھوڑنے کے لئے نہیں کہا ہاں حرام چھوڑنے کے لئے ضرور کہتے ہیں باتیں کرنے سے منع نہیں کرتے لیکن فحش کلامی اور جھوٹ سے ضرور منع کرتے ہیں' غلط کاموں سے منع کرتے ہیں۔ اتباع شریعت میں جو اللہ نے حلال کیا ہے اس سے ہم کبھی نہیں روکتے بھرپور زندگی گزارو لیکن اس کے ساتھ ذکر کو بھی

اپنا وقت دو' اس پر محنت کرو' مجاہدہ کرو اور دیکھو۔

بیا تا در مدینہ نور احمد بگینی از درو دیوار وانے
جمال مصطفیٰ بے پردہ بنی چوں خورشید کے بے ابر

اور میرے خیال میں اتنی بڑی دولت شاید روئے زمین کی سلطنت دے کر بھی نہیں مل سکتی۔

☆ ☆ ☆

معیت رسول اللہ ﷺ کے تقاضے

معیت رسالت کا تعارف

اسلام میں ہمیشہ سے' روز اول سے لے کر آج تک اور آج سے قیامت تک ہر مسلمان کا سرمایہ حضور ﷺ کی معیت ہے۔ اسلام دراصل نام ہی معیت رسالت کا ہے اور جتنے ارکان اسلام ہیں خواہ وہ فرائض ہوں سنن ہوں یا واجبات ہوں یا مستحبات اوامر ہوں یا نواہی ان سب کی اصل بھی وہی معیت رسالت ہے۔ معیت کا معنی ہوتا ہے ساتھ ہونا۔ نبی اکرم ﷺ سے تعلق ہی تمام باتوں کی بنیاد ہے حتیٰ کہ معرفت الٰہی اللہ جل شانہ کی پہچان' اللہ رب العزت کی ذات کی پہچان' اللہ رب العزت کی صفات کی پہچان' ان تمام کمالات کی بنیاد وہ تعلق ہے' وہ نسبت ہے' وہ ایمان ہے جو ہمیں آقائے نامدار ﷺ سے نصیب ہے۔

معیت رسالت کی توجیہہ

مسلمان کو اس پر بجا طور پر فخر ہے کہ دنیا کا کوئی کام ہو یا آخرت کا' ذاتی ہو یا خاندانی یا قومی' کوئی چھوٹا مسئلہ ہو یا بڑا' ایک چھوٹی سی اور ذاتی ضرورت کی سطح سے لے کر میدان حشر کے بہت بڑے معرکے تک ہر مسلمان کا بھروسہ ہی معیت رسالت ﷺ پر ہے۔

بڑی عجیب بات ہے۔ اس کی توجیہہ اپنے اپنے انداز میں مختلف لوگ مختلف طرح سے کرتے ہیں لیکن اصل بات ایک ہی ہے کہ سب کو اعتماد' سب کی

امید' سب کی توقع اسی معیت رسالت پر ہے۔ اگر کوئی بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہے تو اس کی توجہ کو حاضر ناظر کی طرف لے جاتا ہے' اگر کوئی غیر مقلد ہے تو وہ اسے اپنے انداز میں کرتا ہے' دیوبندی حضرات اپنے انداز میں اس کی تعبیر کرتے ہیں۔ تعبیریں مختلف ہیں۔ ہر مکتب فکر کے پاس اس کے اپنے انداز کی ایک تعبیر ہے لیکن اصل بات سب کی ایک ہے۔

اب اس میں چھوٹے چھوٹے دھوکے لگنے بھی شروع ہو گئے کہ اس معیت رسالت ﷺ کو لوگوں نے دنیوی خواہشات کی تکمیل کا سبب سمجھا اور یوں اس کی برکات یا اس کے ثمرات پر ان کی امیدیں دنیا داری کی طرف لگ گئیں اور ہم یہ سمجھنے لگ گئے کہ جب میں نبی اکرم ﷺ کا غلام ہوں' میری آپ ﷺ کے ساتھ نسبت ہے' آپ ﷺ سے میرا تعلق ہے اس لئے مجھے زیادہ دولت ملنی چاہئے اس لئے مجھے بیمار نہیں ہونا چاہئے اور اس لئے مجھے عہدہ ملنا چاہئے یا میری اولاد دوسروں کی نسبت زیادہ یا اچھی یا قابل ہونی چاہئے۔ یہاں آکر اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ جب دنیا کی ہماری توقعات' ہماری منشاء کے مطابق پوری نہ ہوئیں' دولت ملی لیکن جتنی ہمیں توقع تھی اتنی نہ ملی۔ صحت ملی لیکن جیسے ہمیں امید تھی ویسی نہ ملی۔ اولاد تھی لیکن جو ہم چاہتے تھے وہ نہ ہو سکا تو اس کا ردعمل یہ ہوا کہ ہم عظمت رسالت ﷺ میں شک کرنے لگ گئے کہ بھئی یہ کیا بات ہے ہم تو غلامی کرتے ہیں پتہ نہیں اس میں کوئی بات ہے بھی کہ نہیں۔ اور یوں ایک انبوہ کثیر عمیق غاروں کی نذر ہو گیا۔ اس گمراہی کو ہم اپنے ماحول میں' اپنے اردگرد' اپنے آگے پیچھے' بڑے آرام سے دیکھ سکتے ہیں اور زیادہ تلاش نہیں کرنا پڑتی۔

اولیاء اللہ سے ہماری توقعات

یہی بات جب نچلی سطح پر آئی' نبی کریم ﷺ کی برکات کو صحابہؓ نے بانٹا۔ صحابہؓ سے تابعینؒ' تابعینؒ سے تبع تابعینؒ اور ان سے اہل اللہ کی مجالس میں آئی تو ہماری وہی توقعات اولیاء اللہ کے ساتھ منتقل ہو گئیں اور ہمارا رشتہ ایمان و عمل سے آگے نکل کر دنیوی خواہشات کے دائرہ کار میں چلا گیا۔ آج آپ دیکھ لیں بیشتر لوگوں کا تعلق اگر کسی مزار سے ہے' کسی زندہ انسان سے بحیثیت شیخ یا پیر کے ہے تو اس تعلق کی بنیاد دنیوی خواہشات اور ضروریات ہیں۔ لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہمارے دنیا کے جتنے کام ہو رہے ہیں یہ شاید ہمارا پیر ہی کر رہا ہے۔ اگر انہیں یہ یقین آ جائے کہ یہ کام تو ازخود ہو رہے ہیں' اللہ کریم کر رہا ہے' اس کا نظام کائنات اپنی روش پہ چل رہا ہے تو آپ دیکھیں گے مزاروں کے یہ جلسے' مزاروں پر یہ بھیڑ بھاڑ' یہ رونقیں' یہ ہر روز کی پکنے والی دیگیں' یہ روز کے چڑھنے والے نذرانے اور یہ رنگ برنگی ریشمی چادریں سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ اگر انہیں یہ یقین ہو جائے کہ ہمارے کام یہ مزار نہیں بلکہ اللہ کریم کر رہا ہے جو اس کائنات کا مالک ہے تو کوئی ایک تنکا بھی لے کر نہ جائے۔

یہ بات وہاں سے چلی اور نتیجتاً ہمیں اللہ سے دور' خدا سے بے خبر' مالک سے بے بہرہ اور بالکل گمراہی کے گڑھے میں یوں پھینک گئی کہ پھر لوگوں نے اطاعت الٰہی کو بھی ضروری نہ سمجھا۔ سال میں عرس کی تقریب میں شرکت کر لی تو سارے سال کی نمازیں' روزے' عبادات بھی معاف ہو گئیں۔ ایک دفعہ پاکپتن شریف گئے بہشتی دروازے سے گزر گئے ساری زندگی عمل کی ضرورت نہ رہی۔ جو آدمی اس دروازے سے گزرا وہ بہشتی ہو گیا۔ یہ تک نہیں سوچتے کہ جو پولیس والے ڈیوٹی پر ہوتے ہیں سارا دن اس دروازے سے ادھر ادھر آتے جاتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس قوم کے پیشوا تو انہیں ہونا چاہئے۔ گانا بجانے والوں کی جو ٹولیاں جاتی ہیں وہ علماء سے پہلے وہاں سے گزرتی ہیں' جس کا یہ مطلب ہے کہ سب کے قائد تو وہ ہوئے اور یہ کیسی عجیب بات ہے کہ بیت

اللہ کے دروازے سے گزر جاؤ' مسجد نبوی ﷺ کے دروازے سے گزر جاؤ' روضہ اطہر ﷺ کے دروازے سے گزر جاؤ' اس کی برکات اپنی ہیں لیکن اس کے باوجود عمل کے آپ مکلف رہیں گے۔ دوزخ و جنت کا فیصلہ اللہ کریم خود ہی کرے گا دروازوں سے گزرنے پر موقوف نہیں ہے۔

یہ ساری گمراہی ہدایت کے نام پر اس لئے پھیلی کہ ہم نے اس کی تعبیر غلط کی۔

مقصد بعثت انبیاء علیہم السلام

ایک بات توجہ سے سن لیجئے' حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاءؑ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ مخلوق کو خالق سے آشنا کرے۔ لوگ پیدا کیسے ہوتے ہیں' ہسپتال میں علاج کیسے کیا جائے' دوائیں کیسے بنتی ہیں' لباس کیسے سینا چاہئے' کھانا کیسے پکانا چاہئے' فصلیں کیسے ہونی چاہئیں اس کے لئے نبوت کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے نبیوں کی بعثت کے بغیر انسانی شعور میں یہ باتیں القا کر دیں اور جس انسان نے تھوڑی سی محنت کر کے اپنے دماغ کو معلومات دیں' تھوڑا سا علم پہنچایا' تھوڑا سا مطالعہ کر لیا' تھوڑا سا دنیا کو پھر کر دیکھا تو وہ ہزاروں طرح کے فنون سیکھ گیا خواہ وہ کافر تھا یا مومن' اس نے نبی اور رسول کو مانا یا نہیں مانا ڈاکٹر بننے کے لئے' انجینئر بننے کے لئے' اچھا باورچی بننے کے لئے' اچھا درزی بننے کے لئے اسے ایمان کی ضرورت پیش نہ آئی۔ محض انسان ہونا ہی کفایت کر گیا۔ یہ ساری باتیں انسانی عقل میں سمو دی گئیں۔ اب جتنے کوئی اسے صاف کرتا ہے' چمکاتا ہے' مختلف علوم سے' مختلف تربیتوں سے' مختلف لوگوں کی شاگردی سے وہ فنون سیکھتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اللہ کے ساتھ تعلق' اللہ کی بات کیسی ہے' اس کی صفات کیسی ہیں' ہمارا اس کے ساتھ تعلق کیا ہے' وہ کس بات پر راضی ہے' کس پہ خفا ہوتا ہے' اس کی رضامندی کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے' کیا چھوڑ دینا چاہئے' اس کی رضامندی کی

ضرورت کیوں ہے یا اس کی طلب ہمارے دل میں کیسے پیدا ہو' یہ کام سوائے انبیاءؑ اور رسل کے نہ ہو سکا۔ مجرد عقل سے یہ کام نہیں ہو سکا۔

وہ راز ایک کملی والے نے چند اشاروں میں بتلا دیا یہ کتنی چھوٹی سی بات تھی۔ لا الہ الا اللہ۔ لیکن اس چھوٹی اور مختصر سی بات کے لئے محمد ﷺ جیسی عظیم ہستی کی ضرورت تھی۔ کوئی فلسفی' کوئی دانشور' کوئی مورخ' کوئی سائنس دان یہ نہیں بتا سکتا۔ یہ عقل کا کام نہیں تھا کہ جب مخلوق کا تعلق اللہ سے استوار کرنے کے لئے نبی علیہ السلام مبعوث ہوتا ہے تو معیت نبیؐ کے ساتھ دنیا داری کے بکھیڑوں کو جوڑنا کہاں کی دانش مندی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ دین داروں پر بھی دنیاوی نعمتیں عام کر دے' اس کی مرضی لیکن انہیں شرط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر یہ شرط ایمان ہوتیں تو سب سے پہلے ایمان لانے والوں پر تو مصیبتیں نہ پڑتیں۔

معیت رسالت کا حاصل

اہل مکہ نے کیا پایا جب وہ ایمان لائے' جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے' انہوں نے اسلام قبول کر کے دنیا سے کیا پایا بلکہ جو کچھ ان کے پاس تھا وہ بھی کھویا۔ اولادیں قربان کیں' گھر قربان کئے' مال قربان کئے' عزت و ناموس قربان کی' جان قربان کی' مار کھائی' پیٹے گئے' بازاروں میں گھسیٹے گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سب باتوں سے زیادہ کوئی قیمتی چیز انہوں نے پا لی تب یہ سب چیزیں چھوڑ دیں۔ آدمی مفت میں دست بردار نہیں ہوتا۔ آپ کسی سے کہیں کہ یہ جوتا چھوڑ دو' اس کی شرط یہ ہو گی کہ اس سے بہتر جوتا اسے دے دو ورنہ مر جائے گا چھوڑے گا نہیں۔ آپ کسی کو گھر چھوڑنے کو کہیں کبھی نہ چھوڑے گا ہاں اسے اس کا معاوضہ دے دو' اس سے بہتر جگہ دے دو تو وہ بغیر لڑے چھوڑ دے گا۔

تو ان سب لوگوں نے اگر اتنی قربانیاں دیں کہ سب کچھ لٹا دیا تو اس کا

مطلب یہ ہے کہ انہوں نے کوئی اتنی قیمتی چیز پا لی کہ جو یہ سب کچھ دے کر بھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے اسے بچایا اور وہ چیزیں چھوڑ دیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ زمانے کی رفتار اپنی ڈگر سے چلتی رہی اور پہیے کا جو حصہ نیچے تھا وہ اوپر ہو گیا تو دنیا کی سلطنتیں ان کے قدموں میں گر چکی تھیں' زمانہ بدل چکا تھا لیکن ان کی یہ شرط کبھی نہیں تھی کہ اللہ دنیا ہمارے لئے جنت بنا دے تب ہم ایمان لاتے ہیں بلکہ ان کے پاس جو تھا وہ بھی چھوڑ دیا۔

یہ مثال ایسے ہے جیسے حج پر آپ جائیں تو تجارت منع نہیں' اگر آپ پاس تین جوڑے جوتے تھے' دو وہاں بیچ دیے کہ اور ضروریات پوری ہو جائیں یا آپ کے پاس دس جوڑے کپڑے تھے' چار بیچ دیے کہ چھ سے گزارا ہو جائے گا یا آپ کے پاس چار پانچ چادریں تھیں تین بیچ دیں دو سے گزارا ہو گا یا وہاں سے نکلتے ہوئے آپ کے پاس پیسے بچتے تھے' ضرورت کی چند چیزیں خرید لیں تو اس طرح منافع کے لئے بھی خرید و فروخت کر لینا منع نہیں ہے۔ لیکن مقصد حج ہو گا اور یہ بات ضمنی ہو گی' منافع ہو جائے ٹھیک ہے' نقصان ہو جائے ٹھیک ہے' کوئی چیز بک جائے ٹھیک ہے' نہ بکے ٹھیک ہے' کوئی ضرورت کی چیز مل گئی' خرید لی ٹھیک ہے' نہیں ملی' نہیں خریدی' کوئی حرج نہیں کیونکہ مقصد حج ہے اور یہ بات ضمنی ہے پھر تو تجارت جائز ہے۔

لیکن اگر مقصد ہی تجارت ہو مثلاً" یہاں سے اس نیت سے جائے کہ وہاں سونا سستا ہے دس' بیس تولے لے آؤں گا تو حج نہیں ہوتا کیونکہ نیت تجارت کی ہے حج کے بہانے جاتے ہیں تو حج ادا نہیں ہو گا۔ تجارت کی نیت سے جائے تو تجارت کرنی جائز ہے' حلال ہے' منع نہیں۔

برکات نبوت کے ثمرات

برکات نبوت ﷺ کے ساتھ دنیا کی نعمتیں بھی مل جائیں تو اللہ کا احسان ہے لیکن اگر نہ ملیں تو شرط نہیں ہے۔ برکات نبوت کے ساتھ جو چیزیں مشروط

ہیں وہ کچھ اور ہیں وہ دنیا سے زیادہ' بہت زیادہ قیمتی ہیں۔ ساری دنیا دے کر بھی وہ چیزیں نہیں ملتیں۔ رب جلیل نے ان چیزوں کا شمار کیا ہے فرمایا۔

محمد رسول اللہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ "والذین معہ" جو لوگ آپ ﷺ کے ہمرکاب ہیں' جنہیں آپ ﷺ کی معیت نصیب ہے اسی آیت کریمہ کے مصداق اول تو صحابہؓ کرام ہیں جن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئیں' جو ان کے مخاطب اول ہیں اور جنہیں مسلمان کے طور پر یہاں رب العزت نے پیش فرمایا ہے۔ لیکن قرآن چونکہ ساری انسانیت کے لئے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے اس لئے ہر آیت پڑھنے اور سننے والے کو مخاطب کرتی ہے۔ یہ زمانوں میں مقید نہیں ہے' یہ زمینوں میں مقید نہیں ہے' یہ افراد میں مقید نہیں ہے۔ یہ اقوام میں مقید نہیں ہے' جہاں بھی اور جس زمانے میں بھی انسان تک اس کا پیغام پہنچتا ہے اس انسان کو اللہ کی طرف سے مخاطب کرتی ہے۔ فرمایا جو لوگ میرے نبی ﷺ کے ساتھ ہیں' جنہیں معیت محمد رسول اللہ ﷺ نصیب ہے' ان کا قد نہیں بڑھتا گھٹتا' ان کی شکلیں تبدیل نہیں ہوتیں' مالی حالات تبدیل ہونا شرط نہیں ہے' ان کا امیر یا فقیر ہونا شرط نہیں ہے' ان کا مریض یا صحت مند ہونا شرط نہیں ہے لیکن معیت کی برکات یہ ہیں کہ

وہ ایک ایسی گھٹا بن جاتے ہیں جس کے جل میں بجلیاں بھی تڑپتی ہیں اور جس کا دامن ابر رحمت سے بھی لبریز ہوتا ہے۔ وہ ایسی دانا و بینا بجلیاں و گھٹائیں بن جاتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کون سا خرمن جلانا ہے تو وہاں پر بجلیاں کڑکتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ کون سا گلشن بسانا ہے تو وہاں ابر رحمت برستا ہے۔

انسانوں کی استعداد کی خرابی

یاد رکھیں کہ انسان اپنی دو جبلی خصوصیات سے مار کھا جاتا ہے' ایک قوت غضبیہ اور ایک قوت شہوانیہ۔ یہ دو فطری جذبے انسان میں ایسے ہیں جن کا یہ قیدی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دنیا میں بڑے بڑے نامور قائد

ہوئے ہیں خواہ وہ سیاست دان ہوں یا گمراہ کن مغربی تحریکوں کے سربراہ' ان سب میں ایک قدر مشترک ہے اور وہ یہ کہ انہیں انسان کے ان جذبوں کو ابھارنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ کسی نے قوت شہوانیہ کو ابھارا کہ یہ عبادت کرو یا اس طرح کی پوجا کرو تو تمہیں دنیا میں یہ نعمت ملے گی' یہ عیش ملے گی' یہ آرام ملے گا انسان اس لالچ میں آکر اس میں پھنس گیا۔

کسی دوسرے نے قوت غضبیہ کو ابھارا جیسے ہٹلر نے کہہ دیا کہ جرمن قوم سپیریر ہے' اسے دنیا پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے' جرمنوں کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا اور اس نے پوری دنیا میں تباہی مچا دی۔ سٹالن تک نے یہی طریقہ اپنایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب لوگوں کا خمار اترتا ہے' ان کی آنکھ کھلتی ہے' جذبات سرد ہوتے ہیں' حقائق سامنے آ جاتے ہیں تو انہی لیڈروں کو ٹانگوں سے گھسیٹ کر پھانسی پر لٹکا دیتے ہیں۔ اسی ہٹلر کا نام آپ آج جرمنی میں نہیں لے سکتے' موزدے تنگ کا نام لینا چین میں جرم ہے' لینن اور سٹالن کے مجسمے روس کی ماتحت ریاستوں میں ٹینکوں سے روندے گئے اور گاڑیوں کے پیچھے باندھ کر گھسیٹے گئے کہ انہوں نے ہمیں مصیبت میں ڈال دیا۔ جب لوگوں کی آنکھ کھلی تو اس کا ردعمل یہ ہوا۔

یہاں خود اپنے ملک میں دیکھ لو۔ بنگال میں شیخ مجیب الرحمان نے کتنی زبردست آگ لگائی تھی لاکھوں لوگ تباہ ہو گئے اور پھر انہی بنگالیوں کے ہاتھوں کتنی بری طرح ذلیل ہو کر قتل ہوا وہی لوگ تھے کہ جب جذبات کا خمار اترا اور ہوش میں آئے تو صورت حال بدل گئی۔ لیکن معیت نبوت ﷺ لوگوں کو ان جبلی عادتوں میں گرفتار اور مدہوش نہیں کرتی بلکہ ان کو ان جبلی خصوصیات پر قبضہ و اختیار دے دیتی ہے۔ روئے زمین کے انسان اپنی شہوات اور قوت غضبیہ کے تابع ہوتے ہیں لیکن جنہیں معیت رسالت ﷺ حاصل ہوتی ہے ان کی قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ ان کے تابع ہو جاتی ہے انھیں پتہ ہوتا ہے محبت کہاں کرنی ہے' غصہ کہاں دکھانا ہے' بیک وقت اشداء علی الکفار کفر کے لئے'

اللہ کے نافرمانوں کے لئے' گمراہی کے لئے برق تپاں ہوتے ہیں اور اسی لمحے ایمان کے لئے' اسلام کے لئے' اطاعت الٰہی کے لئے' مسلمان کے لئے بادبہاری بن جاتے ہیں۔ یعنی اس ایک لمحے میں ایک شخص کو قتل کرنے اگر ان کی انگلی ٹریگر پر جاتی ہے تو جب اس کے منہ سے کلمے کی صدا سنتے ہیں تو اسی ہاتھ سے اسے سینے سے لگا لیتے ہیں۔ اگر ایک ہاتھ سے کسی کا سر قلم کرنے کے لئے تلوار اٹھتی ہے تو اس کے منہ سے کلمہ سن کر وہی ہاتھ اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیتا ہے اور اسی آن وہ سارے حقوق اس کو بھی دے دیے جاتے ہیں جو مسلمان کے حقوق ہیں وہی اس نووارد مسلم کو نووارد کو بلکہ ان سے کچھ زائد دے دیے جاتے ہیں۔

قلبی کیفیات ومعیت رسالت

مسلمان کو یہ سوچنا نہیں پڑتا کہ میں کب بدلوں یا اسے بدلانے کے لئے کوئی جذباتی جلسہ' تقریر یا نعرہ نہیں لگانا پڑتا بلکہ جیسے اسے خبر پہنچی کہ یہ تو میرے نبیؐ کا امتی ہے یا میرے ہی مالک کا یہ بھی بندہ ہے تو بات ختم ہو گئی۔ تو معیت رسالت ﷺ کیا ہے؟ سب سے پہلی بات یہ کہ معیت رسالت کچھ کیفیات قلب عطا کرتی ہے' دنیاداری کے معاملات کو اس کا نتیجہ نہ سمجھو' نبی کریم ﷺ کے بہت قریب رہنے والا بھی بھوک سے بے ہوش ہو سکتا ہے۔ آپ کو ایسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ملیں گے جو ہر وقت مجلس نبوی ﷺ میں بیٹھے رہتے تھے' انہیں کئی کئی دن کا فاقہ آ جاتا تھا' بھوک سے گلیوں میں بے ہوش پڑے ہوتے تھے۔

یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی صحابیؓ بھوک سے بلک رہا ہو لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کبھی دنیا کا کوئی کفر اس کے دل پر گزر جائے' اس کے دماغ پر گزر جائے یا کوئی کافر اسے بہلا پھسلا کر اپنی بات منوا لے۔ وہ مر سکتا ہے لیکن کفر سے' نافرمانی سے' گناہ سے' سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ دنیا کے سارے شدائد

برداشت کر سکتا ہے لیکن اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور دنیا کی ساری لذتیں چھوڑ سکتا ہے لیکن اپنے رب کی عبادت اور اطاعت نہیں چھوڑ سکتا۔ معیت رسالت ﷺ کا یہ اثر ہوتا ہے جسے میں' آپ یا پوری امت مسلمہ ولی اللہ کہتے ہیں۔

ولایت کیا ہے؟

حق تو یہ ہے کہ جب ولایت کی نسبت اللہ کی طرف سے ہو مجھے اور آپ کو فیصلہ کرنے کا حق ہی نہیں رہتا کہ کون ولی اللہ ہے اور کون نہیں۔ وہ جانے جس کی ولایت کی بات ہے۔ کیا خبر کون اس کا دوست ہے' کس کو وہ دوست سمجھتا ہے لیکن عرفاً" ولی اللہ سے ایسے بزرگ' ایسے حضرات جو ان کیفیات معیت کے امین ہوں' مراد ہوتی ہے۔ اور جن کے پاس جا کر' جن کی مجلس میں بیٹھ کر' جن سے ذکر اذکار سیکھ کر' وہ کیفیات معیت محمد رسول اللہ ﷺ ہمارے قلب میں بھی' ہمارے سینے میں بھی' دنیاداری سے بالاتر ہو کر در آئیں' اپنے رب اور اپنے رسول ﷺ کے غلام بن سکیں۔ ہمارا تعلق بھی دال روٹی سے ذرا بلند ہو کر قلب اطہر محمد رسول اللہ ﷺ سے قائم رہے ہم فقیر ہوں تو بھی اس کے غلام ہوں ہم امیر ہوں تو بھی اس کے غلام ہوں' ہم غصے میں ہوں تو بھی اس کے احکام کی حدود کو نہ توڑ سکیں اور ہم انتہائی خوف زدہ ہوں' تو بھی اس کے احکام کے حدود سے باہر نہ رہ سکیں۔ اگر یہ نعمت ملے پھر تو وہ بندہ ولی اللہ' ہم طالب کھرے اور وہ ولی کھرا۔ لیکن اگر بات دال روٹی کے بکھیڑوں میں چلی گئی کہ اس نے مجھے کتنے پیسے دیئے ہیں' کون مجھے کتنی شیرینی دیتا ہے' کس سے مجھے کیا دنیوی فائدہ حاصل ہو رہا ہے' کون مجھے مٹھی چاپی کرتا ہے' کون میرا سر دباتا ہے' کون مجھے زیادہ حضرت صاحب کہتا ہے' کون میرے لئے پھل لاتا ہے اور لانے والوں کو یہ خیال ہو کہ ہم اسے دس روپے کی چیز دیں گے تو یہ ہمیں دنیا کا ہزار روپے کا فائدہ پہنچائے گا' تو دونوں بے وقوف بھی ہیں اور دونوں

نامراد بھی۔ بے وقوف تو میں اس لئے کہوں گا کہ جس کے لئے دس روپے کا پھل آپ لاتے ہیں' اس سے آپ ہزار روپے وصول کرنے کی توقع کیوں رکھتے ہیں۔ اگر اس کا بس چلے تو وہ ہزار بھی اپنے لئے لے گا' جو دس لے کر کھا سکتا ہے' اسے ہزار لے کر کھانے میں کیا ڈر ہے' اگر اس کے قبضے میں ہو گا تو وہ آپ کو نہیں دے گا۔ آپ کو وہی دے گا جس نے آپ کو پیدا کیا ہے' وہ دس بھی دے سکتا ہے' دس ہزار بھی دے سکتا ہے' لاکھ بھی دے سکتا ہے' دس کروڑ بھی دے سکتا ہے۔

یرزق من یشاء بغیر حساب۔ وہ چاہے بے حساب بھی دے سکتا ہے چاہے تو روک دیتا ہے چاہے تو فراخ کر دیتا ہے یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ رزق وہ دے گا' اولاد وہ دے گا' صحت وہ دے گا۔ اگر کسی کو ولی اللہ سے یہ امید ہو کہ اس کے پاس جانے سے میری بیماریاں رفع ہو جائیں گی تو اسے دیکھنا یہ چاہئے کہ کہیں وہ اس سے زیادہ امراض کا شکار تو نہیں ہے۔ تو جو خود امراض کی چکی میں پس رہا ہے دوسروں کے لئے وہ شفاء کامل کہاں سے اگر آپ مجھ سے یہ امید رکھیں کہ میں آپ کو صحت دے دوں تو میرے خیال میں جتنے مرضوں نے مجھے گھیرا ہوا ہے آپ میں سے کسی کو اتنا شدید کوئی مرض نہیں ہے۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو اپنی جان چھڑاتا۔ آپ کے لئے خواہ مخواہ تڑپتا رہوں۔ میرا معاملہ بھی اس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ آپ کا معاملہ ہے۔ آپ مرض سے نجات اس سے مانگیں جس کا کام ہے۔ ہمارا کام تو آپ کو اس کا دروازہ دکھانا ہے۔

تو معیت رسالت کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو ان عظمتوں پہ لے جائے جو عام آدمی کے بس کا روگ نہیں ہے۔ انسان توقعات کو ان بلندیوں پر لے جائے جو بغیر معیت رسالت کے ممکن ہی نہیں۔ بڑے سے بڑا شہنشاہ یا امیر جو دنیا میں ہو وہ بھی دنیاداری کے لالچ کا اسیر ہو گا اور دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے وہ دعا مانگے گا۔ آپ دیکھیں گے کہ جس مرد درویش کو معیت رسالت نصیب ہو گئی دنیا تو دنیا یہ آخرت کو بھی خاطر میں نہیں لاتے ہم نے ایسے لوگوں کی باتیں سنی ہیں'

الحمداللہ ایسے افراد دیکھے ہیں۔

ایک دن مجھے ایک آدمی کہنے لگا کہ آپ کی آخرت میں نجات تو ہو جائے گی۔ الحمداللہ بڑی بات ہے اگر آپ کو مجھ سے یہ امید ہے۔ لیکن کہنے لگا میں آپ کو جنت میں جانے نہیں دوں گا۔ میں اس کی بات نہیں سمجھ سکا اور سٹ پٹایا کہ یہ کیا کہتا ہے' یہ کیسا آدمی ہے' اس کا مطلب کیا ہے' یہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا تمہارا مطلب کیا ہے؟ کہنے لگا میں تجھے ساتھ رکھوں گا۔ میں نے کہا آپ کا ارادہ کیا جہنم جانے کا ہے۔ کہنے لگا' استغفراللہ۔ میں نے کہا پھر آخرت میں دو ہی تو جگہیں ہیں' جنت یا جہنم کہنے لگا کہ جنت نہ خود جاؤں گا نہ تجھے جانے دوں گا۔ تو ارادہ کہاں کا ہے؟ کہنے لگا وہاں جاؤں گا جہاں اللہ کریم خود رہتے ہیں۔ لے جانا یا نہ لے جانا یہ اس کا کام ہے لیکن اس آدمی کی امید اور توقع دیکھو' اس کی آرزوؤں کی پرواز دیکھو اور اس کا حوصلہ اور ہمت دیکھو کہ کیا بلا ہے۔ ایک مشت غبار میں رب کریم نے کیا طوفان بپا کر دیا۔ دنیا و آخرت' دوزخ و جنت یہ چیزیں اس کی نگاہ میں کچھ بھی نہیں۔ وہ کہتا ہے یہ تو بندوں کے رہنے کی جگہیں ہیں میں تو اپنے مالک کے ساتھ رہوں گا۔ سبحان اللہ یہ حوصلہ اس کو کس نے دیا کیا وہ انسان نہیں ہے۔ اسے جنت کے میوے' اسے جنت کے لباس جنت کی نعمتیں پسند نہیں ہیں' اسے دنیا اور دنیا کی لذتیں' دنیا کی عیش پسند نہیں آتی۔ انسان نہیں ہے اسے گرمی سردی نہیں لگتی۔ انسان تو ہے' گوشت اور پوست کا انسان' اس کے اندر جو شعلے جوالافروزاں ہیں وہ اسے عام انسانوں سے بہت بلند لے گیا بلکہ کوئی فرشتہ یہ جرات نہیں کر سکتا۔ جو وہ مشت خاک کر گیا کہ میں تو اپنے رب کے ساتھ رہوں گا۔ مجھے جنت و دوزخ سے کیا غرض' یہ کسی فرشتے کی جرات نہیں ہے کہ وہ یہ کہہ سکے۔

لیکن اس نے یہ جرات رندانہ کہاں سے پائی' وہ اتنا بے باک کیسے ہو گیا' وہ بلا کیا ہے۔ وہ کچھ بھی نہیں ہے مشت غبار ہے وہ نہیں بول رہا یہ نسبت محمد رسول اللہ ﷺ ہے جو اس کے لبوں سے اپنا اظہار کر رہی ہے۔ یہ جمال

مصطفویؐ ہے جو کسی کی زبان سے ٹپک رہا ہے۔ یہ حسن پیامبر ﷺ ہے جو کسی کی آرزوئے گل گوں سے ہویدا ہے۔ یہ جمال نبوت ﷺ ہے جس کی روشنی اس کی آنکھوں سے نظر آتی ہے۔ وہ کیا ہے' ایک ٹکڑے پہ بک جاتا' اسے تو ایک ٹکے پہ خریدا جا سکتا' کسی ایک بندوق کی نالی اسے سب کچھ ماننے پر مجبور کر دیتی لیکن وہ ان سب چیزوں سے بیگانہ دوزخ سے اور آخرت کے عذابوں سے' آخرت کی نعمتوں سے بھی آگے نکل گیا۔ نہ اسے کوئی لالچ روکتا ہے' نہ اسے کوئی دھمکی روکتی ہے اور جب اسے دوزخ کا ڈر نہیں ہے تو دنیا کا ڈر کیا ہو گا۔ اسے جنت کا لالچ نہیں ہے تو آپ کے ان پاؤ بھر چاولوں کا اسے لالچ کیا ہو گا یا دس کلو پھل کا لالچ کیا ہو گا۔ یہ تو دو عالم سے ہاتھ اٹھا کر کہاں کی سوچ رہا ہے۔ اسے کیا دے گا یہ تو اس کی مرضی لیکن اس کے مانگنے کے انداز دیکھ لو اس نے بندہ بن کر ثابت کر دیا کہ بندگی اسے کہتے ہیں۔

تو معیت رسالت کا کمال یہ ہے کہ خواہشات اور جبلی جو عادات ہیں انسان ان کے تابع نہ رہے بلکہ یہ جبلیات اس کے تابع ہو جائیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اے مخاطب! ایسے لوگوں کو تو جب بھی دیکھے گا وہ رکوع اور سجود کر رہے ہوں گے۔

مجھے اگلے دن ایک خط آیا کہ میری زندگی اصحاب صفہ جیسی ہے' میرے بہت سے بچے ہیں مختلف دینی مدارس میں پڑھتے ہیں' میں بڑا تنگ دست ہوں' میرے پاس کرایہ بھی نہیں ہے' یہ نہیں ہے وغیرہ وغیرہ میں نے اسے جواب میں لکھا کہ خود کو اصحاب صفہ سے تشبیہ نہ دو اس لئے کہ تم کام چور ہو اور وہ قربانیاں کر کے' ہجرتیں کر کے' مال لٹا کر صفہ میں آ بیٹھے۔ تم نے کام سے جان چرانے کا بہانہ دین کو بنایا ہے حالانکہ کام کرنا فرض عین ہے اور طلب رزق حلال فرض عین ہے ہر مسلمان پر صرف نماز' روزہ ہی فرض نہیں رزق حلال پیدا کرنے کے لئے محنت کرنا بھی فرض عین ہے۔ تم نے فرض کو چھوڑا' شادی کر لی' بچے پیدا کر لئے' لیکن ان کے نان نفقے کا انتظام کرنے کی بجائے خود کو

اصحابہ صفہ میں شامل کر لیا۔

اصحاب صفہ میں روساء مکہ کے صاحبزادے تھے' بڑے بڑے امیر لوگ تھے' جو ہجرت کی وجہ سے فقیر ہو گئے اور جن کی غیرت نے کسی کا مہمان بننا گوارا نہ کیا اور مسجد نبوی میں ڈیرہ لگا کر فاقوں کے ساتھ گذر بسر کرتے رہے لیکن کسی کے گھر جا کر نہیں ٹھہرے اور اگر یہ مسلسل ہوتا تو آج تک صفہ میں لوگ بیٹھے ہوتے لیکن وہ کبھی دائمی نہیں رہا' وہ ایک عارضی کیمپ تھا جب لوگ آباد ہو گئے' ہجرت ہونا بند ہو گئی تو جو جو ان میں تھا وہ رخصت ہو گیا' لڑائی میں شہید ہو گیا' یا دوسری جگہ جا کر آباد ہو گیا' پھر سے اپنا کاروبار شروع کیا' مزدوری کی' مشقت کی' محنت کی اور اپنے آپ کو دنیا میں اللہ کا بندہ ثابت کر کے دنیا سے چلے گئے۔ اگر یہ فضیلت ہوتی تو وہ مسلسل چلتا اس صفہ کو بند کیوں کیا جاتا' ہمیشہ چلتا رہتا۔ میں نے لکھا کہ میرے بھائی تم کام چور ہو' تم اصحابہ صفہ میں سے نہیں ہو اور تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم مزدوری کرو ہل چلاؤ' مویشی پالو' بکریاں پالو' جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور بیچو' لیکن اپنے آپ کو مسلمان بنانے کے لئے پہلے رزق حلال پیدا کرو' پھر میرے پاس سلوک سیکھنے کے لئے آنا اور اگر اپنی روزی پیدا نہیں کر سکتے تو تم میرے پاس مت آنا' کسی اور خانقاہ کا کسی اور مقبرے کا دروازہ دیکھو جہاں مفت کی روٹیاں ملتی ہوں۔

اسلام بطور ایک آڑ

تو ہم اسلام کو آڑ بنا لیتے ہیں اپنی بے کاری کی' اپنی کمزوری کی' اپنے گناہوں کی جس آفیسر کی ترقی رک جائے وہ کہتا ہے میں نمازیں پڑھتا تھا ترقی رک گئی۔ جس ملازم کو تنخواہ نہ ملے وہ کہتا ہے میں چونکہ دیندار ہوں اس لئے لوگ میرے ساتھ ضد کرتے ہیں۔ جس سے کوئی کام نہ ہو وہ کہتا ہے میں مذہبی آدمی ہوں اس لئے مجھ پر کام کا بوجھ ڈالتے ہیں۔ ارے بھئی مذہب ایسا ہی پھیچھر تھا کہ جو اس مذہب میں آیا وہ کسی کام کا نہ رہا۔ یہ مذہب تو وہ شعلہ جوالا تھا کہ

جس میں چرواہے آئے' تو جرنیل بن گئے' جاہل آئے تو دنیا کے فاضل اور امام بن گئے' نادان آئے دنیا کے سیاست دان بن گئے' خانہ بدوش آئے تو دنیا کے حکمران بن گئے۔

تم نے اس مذہب کو کیا سمجھا ہے' ایسی کمزور شے تھی' اس مذہب کی تو ایک تاریخ ہے اس نے تو انسانوں کو وہ عظمتیں عطا کیں کہ فرشتے ترستے ہیں کہ یہ بلا کیا بن گئے۔ یہی مذہب نہیں تھا جس کے بندوں کو کھڑا کر کے اللہ نے فرشتوں کو دکھایا تھا کہ تم کہتے تھے انسان کیا بلا ہو گا لو دیکھو' دیکھو میرے ان بندوں کو اور اب جاؤ اور ان کی طرف سے میدان جنگ میں جا کر لڑو۔ یہ بھاگیں گے نہیں کٹ مریں گے اور میں انہیں مارنا نہیں چاہتا' میں انہیں بچانا چاہتا ہوں۔ یہ ہزاروں کے سامنے جو خالی ہاتھ چند افراد کھڑے ہیں میرے نام پر یہ کٹ جائیں گے بھاگیں گے نہیں جاؤ اور ان کی طرف سے جا کر لڑو' یہ جان نہیں بچائیں گے' یہ واپس نہیں جائیں گے' انہیں بچوں کی محبت نہیں پکارے گی' انہیں بیویوں کا سہاگ یاد نہیں آئے گا۔ یہ میری محبت کے اسیر ہیں' کتنے عجیب لوگ تھے وہ کہ ایک جملے نے انہیں کن بلندیوں پر پہنچا دیا کہ جو کام وہ کرنا چاہتے ہیں وہ کام عرش نشین فرشتے آ کر کریں۔ مذہب ایسا چیتھڑ تو نہیں تھا کہ آدمی بے کار ہو جائے' اس نے تو انسانی عظمتوں کے انبار لگا دیے' حقیقتاً انسانیت کی عظمت کا اظہار ہی نبی کریم ﷺ کی بعثت سے ہوا۔ کمال اظہار ہی نبی کریم ﷺ میں ہوا' اس کی تکمیل ہوئی اور اس لئے کسی نئی نبوت کی ضرورت ہی باقی نہ رہی کہ اب اس سے آگے بڑھنا انسان کے لئے ممکن نہ تھا اس سے آگے نہ کوئی ہمت' نہ کوئی عشق' نہ کوئی محبت' نہ کوئی جرات اور نہ کوئی منزل اللہ خود فرماتا ہے و اتممت علیکم نعمتی میں نے اپنی نعمتیں اے بنی آدم تجھ پر تمام کر دیں اب اس سے آگے تو کچھ نہیں پا سکتا آگے کوئی منزل نہیں ہے۔ ان آخری منزلوں تک جہاں تک رسائی ممکن تھی تو وہاں تک میرے نبی ﷺ نے تجھے پہنچا دیا۔

معیت و کیفیات

معیت رسالت ﷺ سے مراد وہ کیفیات ہیں جو قلب انسانی میں پیدا ہو کر اس میں یہ جرات رندانہ پیدا کر دیتی ہیں کہ ان کے ہر عمل کو رکوع و سجود فرمایا۔ اے مخاطب! اسے جب دیکھے گا' رکوع میں ہو گا یا سجدے میں ہو گا۔ کیا صحابہؓ کرام صرف نمازیں پڑھتے تھے نہیں دنیا کا ہر کام کرتے تھے۔ جہاد کئے' سیاست کی' حکومتیں کیں' تجارت کی' مال مویشی رکھے' زراعت کی' شادیاں کیں' اولادیں ہوئیں' دنیا کا ہر کام کیا لیکن اللہ فرماتا ہے وہ سوائے رکوع اور سجود کے کچھ بھی نہیں کرتے تو انہیں جب دیکھے گا وہ رکوع میں ہیں یا سجدے میں۔ رکوع اور سجدہ کیا ہوتا ہے' اللہ کے سامنے اپنے تذلل اور انکساری کی انتہائی صورت' اللہ کے قرب کی طلب کی انتہائی صورت' اللہ جل شانہ کی رضامندی کو پانے اور اس کے قریب جانے کی انتہائی شکل و صورت۔ تو فرمایا جنہیں معیت حبیب ﷺ نصیب ہوتی ہے ان کا ہر وہ کام درد لئے ہوتا ہے جو رکوع اور سجدے میں ہوتا ہے وہ کھیتی باڑی کریں' وہ مزدوری کریں' وہ ملازمت کریں یا نماز پڑھیں وہ کبھی نماز سے خارج نہیں ہوتے۔ جس خشوع و خضوع سے سجدہ کرتے ہیں اسی خشوع و خضوع سے مزدوری بھی کرتے ہیں اور مجھے اپنے پاس موجود پاتے ہیں۔ جس طرح میرے سامنے رکوع کرتے ہیں اسی طرح میرے سامنے بیٹھے ہوئے تجارت بھی کرتے ہیں اور اپنے تجارتی اصولوں میں مجھے اپنے ساتھ موجود پاتے ہیں۔ جس خلوص سے کوئی عبادت کرتا ہے اسی خلوص سے وہ جنگ اور جہاد بھی کرتا ہے۔ مجھے اپنے ساتھ موجود پاتا ہے یعنی ان کا دنیا کا کوئی کام میری عبادت' میری اطاعت اور میرے قرب سے خالی نہیں ہے وہ میرے سامنے سوتے ہیں میرے روبرو جاگتے ہیں' میرے سامنے جیتے ہیں' میرے روبرو مرتے ہیں۔ کوئی کام ان کا ایسا نہیں ہوتا' جس میں ان کی نگاہ میرے جمال سے ہٹ جائے۔ ان کا ہوش کبھی مجھے' میری ذات کو' میری یاد کو

کھو دے۔ ان کے دل کی کوئی دھڑکن میرے نام کے سوا ہو' ان کی کوئی حرکت کوئی سکون میری رضا کے علاوہ ہو یہ ممکن نہیں۔

یہ کمال معیت محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ اللہ نے اس کی جزا یہاں دال روٹی نہیں بتائی' معیت کا ثمر دولت نہیں بتایا' مرض سے شفا قرار نہیں دیا' دنیاداری اور دنیا کے معاملات کو معیت کا ثمر قرار نہیں دیا بلکہ اس نے ثمرات گنوائے ہیں کہ معیت رسالت تیری نگاہ کو' میرے جمال کو ایسا ٹھہرا دیتی ہے کہ پھر وہ واپس نہیں جاتا۔ ہر حرکت و ہر سکون رکوع و سجود کا درجہ رکھتا ہے اور فرمایا تو اگر مجھے دیکھنا چاہے اے مخاطب! اگر تو اس دار دنیا میں میرے جمال کو پانا چاہے' میرے نور کو دیکھنا چاہے تو ایسے ہی لوگوں کے چہرے پر نگاہ کر تو میرا جمال ان پہ رقصاں نظر آئے گا۔ ارے اگر تو دنیا میں کہیں ہمارا پتہ چاہتا ہے تو میرے جمال کو وہاں روشن پائے گا' میری تجلیات کو وہاں رقصاں دیکھے گا اور میرے انوارات کو وہاں جھلکتا ہوا دیکھے گا۔ وہی ان کا سرمایہ ہے' ان کی زندگی میں' ان کی موت میں' ان کی دنیا میں' ان کی آخرت میں' ان کی دوستی ان کی دشمنی میں' ان کے سونے میں' ان کے جاگنے میں۔ جہاں سے گزر جاتے ہیں زمین منور ہوتی چلی جاتی ہے جن فضاؤں میں سانس لیتے ہیں وہاں نور جھلکتا ہے۔ بات کرتے ہیں تو ان پر تجلیات برستی ہیں۔ سونا تو چھوٹی سی بات ہے وہ مر کر بھی جس خطہ زمین میں پیوند ہوتے ہیں وہ بھی منور ہو جاتا ہے۔ اب یہ دال روٹی قیمتی ہے یا جمال نبوی ﷺ قیمتی ہے' دنیا کی حکومت و سلطنت قیمتی ہے یا اللہ کی تجلیات قیمتی ہیں' اس کی ذات اور صفات کا قرب اور اس کا وصال قیمتی ہے۔

تخت قیصر تو کافر کو مل گیا   ملک سکندری تو ان کو مل سکتا ہے

لیکن یہ نعمت صرف اور صرف معیت رسالت میں پنہاں ہے ایک دیوانہ تو پا سکتا ہے اگر اسے معیت رسول اللہ ﷺ نصیب ہو۔ بڑے سے بڑا فاضل نہیں پا سکتا اگر وہ معیت رسول اللہ ﷺ سے محروم ہے۔

معیت رسالت کا امتحان

ہر مسلمان کو' ہر بات میں' معیت رسالت ﷺ پر بھروسہ ہے۔ خواہ وہ بات دنیا کی ہو یا آخرت کی' وہ بات ذاتی ہو یا خانگی' ملکی ہو یا بین الاقوامی امور کی ہو' وہ بات سیاست کی ہو یا وہ بات عبادت کی ہو ہم دعویٰ تو رکھتے ہیں کہ ہمیں معیت رسالت ﷺ نصیب ہے لیکن اللہ نے دعوے کی پرکھ اور ایک آئینہ بھی دے دیا ہے' کہ یہ آئینہ اپنے سامنے رکھو اگر تمہارے چہرے پہ یہی تاثرات ہیں' اگر تمہارے سینے میں یہی نور ہے' اگر تمہاری طلب میں اور تمہاری آرزو میں یہی رنگ ہے تو یہ معیت محمد رسول اللہ ﷺ کا رنگ ہے اور اگر یہ باتیں نہیں ہیں تو پھر سوچو دعویٰ تو کرتے ہو کچھ ہے بھی کہ نہیں۔ اگر یہ نعمتیں نصیب نہیں ہیں' اگر یہ ثمرات نصیب نہیں ہیں تو پھر قرآن حکیم دعوت دیتا ہے کہ دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ہے بھی سہی کہ نہیں۔

کیونکہ یہ دار دنیا' دار عمل ہے اور آنکھ بند ہو جاتی ہے تو آنکھ کھل جاتی ہے۔ آنکھ دنیا سے بند ہوتی ہے لیکن حقائق اخرویہ کے لئے کھل جاتی ہے۔ اعمال کی توفیق تو کبھی ہوتی ہے لیکن اعمال کے ثمرات سامنے آ جاتے ہیں' بھگتنا پڑتے ہیں۔ اس وقت آدمی تبدیل نہیں ہو سکتا' تبدیلی نہیں کر سکتا' نہ خواہش بدل سکتا ہے' عمل نہ عقیدہ نہ آرزو۔ اس لئے رب کریم نے یہاں آئینہ دکھا دیا کہ اب تک ہمارے پاس اصلاح کا موقع موجود ہے۔

میں بڑے واضح الفاظ میں کہہ دوں کہ کوئی پیر' کوئی ولایت کا مدعی کہے کہ میرے پاس آؤ میں تمہیں اولاد دوں جھوٹ بولتا ہے کوئی کہتا ہے تمہیں رزق دوں گا تو وہ دھوکا کرتا ہے کوئی کہتا ہے' تمہیں شفا دوں گا' تو تمہارے ساتھ فریب کرتا ہے' ارے یہ ساری چیزیں جو پیروں کو نہیں مانتے انہیں بھی ملتی رہتی ہیں' جو نبیوں کو نہیں مانتے انہیں ملتی رہتی ہیں' جو خود اللہ کو نہیں مانتے' انہیں بھی یہ نعمتیں وہ دیتا رہتا ہے ایسا کریم ہے کہ اس نے دنیا میں کسی

کا راستہ بند نہیں کیا۔ کافروں کو اولاد بھی ملتی ہے' صحت بھی ملتی ہے' رزق بھی ملتا ہے تو پھر کیوں یہ پیر کا بوجھ سر پر لادنے کی کیا ضرورت ہے ان چیزوں کے لئے جو بغیر پیر کے بھی لوگوں کو مل رہی ہیں۔

دنیا داری و معیت رسالت

اگر کوئی شخص اللہ اللہ کر کے یا نماز میں بیٹھ کر کہتا ہے کہ میں اسے دنیا داری یا منافع کا ذریعہ بنا لوں' میری شہرت ہو یا لوگ میری عزت کرنے لگ جائیں یا میں پیر بن جاؤں یا لوگ مجھے تحفہ دیں تو اس نے بڑا غلط کام شروع کیا۔ وہ ایسا بدنصیب ہے جو گاجروں پر ہیرے بیچ رہا ہے جیسے بنی اسرائیل نے من وسلوا چھوڑ کر مسور کی دال اور پیاز اور تھوم کا مطالبہ کیا تھا اللہ نے فرمایا تھا تمہیں اتنی عقل نہیں کہ بہترین نعمتیں دے کر کم ترین چیزیں لینا چاہتے ہو اور فرمایا۔

میں نے انہیں ذلیل کر کے رکھ دیا۔ جاؤ تم نے میری نعمت کی ناقدری کی' ہمیشہ ہمیشہ کی ذلت تمہارا مقدر ہے۔ اگر کوئی اللہ کے نام کو' مراقبات کو' ذکر اذکار کو دنیا کا ذریعہ یا اپنے پیر بننے کا سبب یا بڑائی کا ذریعہ بناتا ہے تو اس نے بنی اسرائیل جیسا سودا کیا کہ بہترین چیز کو بہت گھٹیا بھاؤ پر بیچ دیا اور اس جرم کی سزا یہ ہے۔

کہ ایسے لوگوں پر ذلت مسلط کر دی جاتی ہے اور اگر کسی میں طلب صادق ہو تو اسے خود تمیز ہونی چاہئے کہ وہ دنیا دینے کے لئے یہاں آتا ہے نہ دنیا لینے کے لئے یہاں آتا ہے دنیا کا ایک الگ سا نظام ہے ہر شخص اپنے مقدر لے کر آتا ہے۔ کوئی دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھتا جب تک اپنے حصے کا ایک ایک دانہ' ایک ایک گھونٹ پانی کا پی نہیں لیتا یہ جاننے والے اگر ایک ایک دانہ بقایا چھوڑتے تو یہاں پس خوردہ کے انبار لگے ہوتے اور اگر ایک ایک دانہ فالتو کھا کر مرتے تو ہمارے لئے کچھ بھی نہ بچتا۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا دنیا کو دنیاداروں

میں رکھو۔ دنیا کو اپنی دنیوی محنت کا سبب سمجھو اور جو جائز ذرائع اللہ نے دنیا کمانے کے دیئے ہیں ان سے کماؤ اور خوب کماؤ۔ حلال کماؤ اور محنت سے کماؤ اور خوب کماؤ۔ اچھا کھاؤ لیکن وہ حلال اور پاکیزہ ہونا چاہئے۔ بھوکا رہنے میں، کم کمانے میں اور پھٹا ہوا لباس پہننے میں دین نہیں ہے بلکہ دنیا کی نعمتیں سب آپ ہی کے لئے اللہ نے بنائی ہیں صرف کافر ان پر بے دریغ جھپٹتا ہے اور مومن اس کے بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق انہیں حاصل کرتا ہے۔ اگر دنیا چاہئے تو اس کے لئے بازار میں جاؤ، اس کے لئے دفتروں میں جاؤ، اس کے لئے تجارت کرو اس کے لئے محنت کرو۔

قوت کار اللہ کی عطا ہے

یہ کیفیات چاہئیں، معیت رسالت ﷺ چاہئے تو اس کے لئے وقت بچا کر یہاں آؤ نہ میں پیر ہوں نہ کوئی اور پیر۔ ایک ہی ہستی ہے جو ساری امت کی، سارے جہاں کی پیر ہے اور وہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ ہم نے جن کی جوتیاں سیدھی کر کے یہ نعمتیں پائی ہیں ہمیں حکم تھا کہ مجھے استاد کہو۔ میں معلم ہوں تمہارا، میرا کام تمہیں سکھانا ہے، میں پیر نہیں ہوں، نہ ہمارے شیخ پیر تھے، نہ ہم پیر ہیں۔ ہمیں مٹھیاں بھروانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر میں تھکتا ہوں تو تم بھی تھکتے ہو۔ میں تھکتا ہوں تو میں اپنی تھکاوٹ برداشت کروں، تم تھک گئے تو تم اپنی برداشت کرو۔ اگر میں تمہیں مٹھیاں نہیں بھر سکتا تو تمہیں کیا تکلیف ہے کہ تم مجھے مٹھیاں بھرو۔ مجھے کیا حق حاصل ہے کہ تمہیں کہوں کہ مجھے مٹھیاں بھرو۔ نہیں مجھے اپنی زندگی بسر کرنا ہے تمہیں اپنی بسر کرنا ہے۔ مجھے اپنی روزی کمانا ہے، تمہیں اپنی کمانا ہے۔ مجھے اپنا حساب دینا ہے، تمہیں اپنا دینا ہے۔ میرے ساتھ تمہارا معاملہ محض اللہ کے لئے معیتِ رسالت ﷺ کی طلب میں ہے۔

اس کے علاوہ اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ یہاں پر شفا ہو گی تو کسی میں حوصلہ ہے جو میرے ساتھ صرف مرض تبدیل کر لے اور پھر یہ دیکھے کہ وہ

کیا لذت پاتا ہے۔ تو جو شخص خود ایسا مریض ہے کہ جس کے مرض کا یہ حال ہے کہ مڈل ایسٹ کے ڈاکٹروں نے میرا چیک اپ کیا' امریکہ کے ڈاکٹروں نے چیک اپ کیا اور سارے ڈاکٹر کہتے ہیں کہ میڈیکلی ہم یہ بات نہیں مانتے کہ یہ شخص بستر سے اٹھ کر چلتا پھرتا ہے' یہ بات میڈیکلی ہم تسلیم نہیں کرتے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ ٹھیک ٹھاک ہے۔ ہم ملتان گئے ڈاکٹر عظمت میرے ساتھ تھا تو وہ بلڈ لے کر وہاں کے ڈاکٹروں سے چیک کرانے کے لئے گیا۔ اس کے استاد نے لیبارٹری گھر میں بنا رکھی تھی۔ میں نے کہا یار تم جاؤ میں فارغ نہیں بیٹھتا میں اپنی گاڑی صاف کرتا ہوں۔ میں کپڑا لے کر جیپ صاف کرنے لگ گیا۔ جب اس نے رزلٹ دیکھے تو کہا کہ مریض کو کہاں لٹایا ہے؟ اسے وہاں A.C. والے کمرے میں لٹاتے۔ یہ تو ڈینجرس کیس ہے۔ عظمت نے کہا کہ جی وہ اپنی گاڑی صاف کر رہا ہے۔ اس نے کہا میں پاگل ہوں یا تم پاگل ہو یا وہ شخص پاگل ہے۔ عظمت نے کہا آپ بھی پاگل نہیں ہیں' میں بھی پاگل نہیں ہوں اور وہ شخص بھی پاگل نہیں ہے' سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے اور وہ مجھے دیکھنے آیا کہ عجیب بات ہے کہ یہ آدمی ٹھیک چل پھر سکتا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ اللہ کریم نے توفیق دی' کام کرنے کی ہمت دی' بات کرنے کی ہمت دی یہ اس کی عطا ہے۔ آدمی نہ امراض کا محتاج ہے' نہ صحت کا' صحت میں بھی طاقت وہی دیتا ہے' بیماری میں بھی دے سکتا ہے جو بیماری دے دیتا ہے وہ صحت بھی دے سکتا ہے۔ یہ اس کا اپنا نظام ہے' اس کا اپنا کام ہے۔ ہم سے ایسی خطائیں ہوتی ہیں جو ہمارے لئے امراض کا بوجھ لے کر آ جاتی ہیں۔ ہم سے ایسی بدپرہیزیاں ہوتی ہیں جن کے نتیجے میں ہمیں بھگتنا پڑتا ہے۔ بعض وقات جو کچھ ہمیں مل جاتا ہے' ہم اس کا حق ادا نہیں کرتے' ایسی بلا طاری ہو جاتی ہے جو اس کی کمی پوری کر دیتی ہے۔ تو یہ اس کا اپنا ایک نظام ہے۔ میاں اگر کسی کو دنیا ہی چاہئے تو دنیا کے جائز وسائل اپنائے جائیں۔ سب کے سامنے ہیرا پھیری سے نہیں ملتی کہ آپ کہیں تعویذ دے دیں دنیا مل جائے گی۔ ایسا

نہیں ہوتا۔ وہ کسی کے تعویذوں سے اپنا پروگرام تبدیل نہیں کرتا اگر کرتا تو آج تک اس کا پروگرام چل ہی نہیں سکتا تھا ہر تعویذ والا نیا مشورہ دیتا کائنات کیسے چلتی۔ ایک ہی آدمی کو پھانسی لگوانے کے لئے پچاس پیر تعویذ دیتے' اسے بچانے کے لئے دو سو پیر تعویذ دیتے۔ تعویذوں کی جنگ ہوتی اور اللہ کی کائنات تو تباہ ہو چکی ہوتی۔ یہ سب افسانے ہیں کسی کا کسی سے کچھ نہیں بگڑتا' کچھ نہیں بنتا۔

خلاصہ بیان

اگر کچھ کمانا ہے تو بہت بڑی دولت ہے معیت محمد رسول اللہ ﷺ۔ اپنے دائیں بائیں دیکھو' وہاں کا زینہ تلاش کرو' وہاں کا راستہ تلاش کرو' وہاں تک پہنچو۔ تم تو دال روٹی پہ بیٹھے ہو۔ یہ تو جانور یا ایک چڑیا بھی اپنے بچوں کو روزی لا کر دیتی ہے اور گھونسلا بنا لیتی ہے۔ اس کی حفاظت کر لیتی ہے' دشمنوں سے لڑ لیتی ہے۔ اس سے اوپر جاؤ جہاں انسان بستے ہیں وہ انسان جو جمال باری سے نیچے کسی بات پر راضی نہیں ہے۔ وہ انسان جو رہنے کے لئے اللہ کا گھر تلاش کرتا ہے۔ ایک ایسا انسان جو بات کرنے کے لئے مالک حقیقی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ انسان جو پانی پینے کے لئے' کھانا کھانے کے لئے رب سے مشورہ کرتا ہے یہ کھا لوں نہ کھاؤں' سو جاؤں نہ سوؤں' اٹھوں نہ اٹھوں' وہاں کیوں نہیں جاتے۔

معیت رسالت ﷺ کا ثمر یہ کیفیات ہیں دال روٹی نہیں۔ اللہ کریم صحیح سمجھ بھی دے اور توفیق بھی دے۔

☆ ☆ ☆

عشق رسول ﷺ کے تقاضے

ہر چیز فانی ہے

اس دنیا کا نظام ہی ایسا ہے کہ رب جلیل کے قانون کے مطابق ایک چیز آتی بھی اور جاتی بھی رہتی ہے۔ ہر طلوع ہونے والے سورج کو ہم غروب ہوتے ہوئے بھی دیکھتے ہیں۔ ہر چھانے والی رات کو ہم صبح میں بدلتا دیکھتے ہیں۔ گرمیوں کو سردیوں میں اور سردیوں کو گرمیوں میں' بہار کو خزاں اور خزاں کو بہار میں بدلتے دیکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ ہم زندگی کے ساتھ موت کو دیکھتے ہیں۔ ان تمام انقلابات کو دیکھنے کے باوجود بھی پھر ہم اس قدر بے خبر کیوں ہو جاتے ہیں کہ ہم ذرا ذرا سی قدرتی تبدیلیوں پر مایوسی' پریشانی یا بے صبری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ بنیادی طور پر ہم اپنے آپ کو ان تبدیلیوں کے لئے تیار نہیں کرتے اور نہ کرنا چاہتے ہیں۔ دوام صرف ذات باری کو ہے اس کے علاوہ ساری مخلوق مختلف حالتوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہے' مختلف حالات آتے اور جاتے رہتے ہیں اور یہی تبدیلی دراصل قدرت کا بہت بڑا وعظ ہے۔

موت کی اہمیت

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ موت سے بڑھ کر کوئی واعظ نہیں ہے' کوئی نصیحت کرنے والا نہیں ہے۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ کس طرح لوگوں سے گھر چھڑوا دیتی ہے' محبوب چھڑوا دیتی ہے' والدین چھڑوا دیتی ہے'

کاروبار چھڑوا لیتی ہے۔ کس کس طرح کے انسان کتنی بے بسی سے ہر چیز کو چھوڑ چھاڑ کر چل پڑتے ہیں۔ ان تبدیلیوں میں ایک تبدیلی کا نام موت بھی ہے۔ یعنی بچپن' لڑکپن' جوانی' بڑھاپا' صبح شام' دن رات انہی کا ایک حصہ حیات اور موت بھی ہے۔ تو جب یہ سب کچھ اس قدر تغیر پذیر ہے تو ہمیں اپنے لئے اس میں سے کیا چننا چاہئے' کوئی ایسا کنارہ جہاں تبدیلی اثر نہ کرتی ہو' کوئی ایسا جزیرہ جہاں کبھی انقلاب نہ آتا ہو' کوئی ایسی پناہ گاہ جہاں کسی خطرے کا کوئی اندیشہ نہ ہو' ایسی حیات جس کے قریب انقلاب پھٹک نہ سکے' جس میں تغیر کا گزر نہ ہو۔ آدمی دوڑتا تو ساری زندگی اسی خواہش کے لئے ہے ساری زندگی دوائیں کھاتا ہے' مزدوری کرتا ہے' سفر کرتا ہے' دور دراز تک جاتا ہے' ملازمتیں کرتا ہے' محنتیں کرتا ہے' اس کے پیچھے فلسفہ صرف ایک ہوتا ہے کہ وہ مختلف تغیرات سے اپنے آپ کو بچا کر اپنے کو محفوظ کنارے کے ساتھ رکھنا چاہتا ہے' بھوک سے بچنا چاہتا ہے' مزدوری کرتا ہے' نوکری کرتا ہے' تجارت کرتا ہے' بیماری سے بچنا چاہتا ہے تو غذا میں پرہیز کرتا ہے اور رسوائی سے بچنا چاہتا ہے تو اس لئے بری جگہوں سے برے کاموں سے ڈرتا ہے۔

لیکن میرے بھائی ہم پناہ گاہ کی تلاش میں' آرام کی تلاش میں' راحتوں کی تلاش میں بھٹک جاتے ہیں۔ ہم اپنے دل سے فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ چیز مجھے بچا لے گی۔ حضرت نوح علیٰ نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کی امت پہ جب طوفان آیا اور آپ علیہ السلام کشتی میں سوار تھے۔ مومنین جو تھوڑے بہت جن کی تعداد مختلف روایات کے مطابق مرد عورتیں بچے ملا کر ۸۰ کے قریب بتائی جاتی ہے تو آپ کا بیٹا جوں جوں پانی چڑھ رہا تھا وہ بھاگ رہا تھا۔ شفقت پدری نے جوش مارا' تو انہوں نے کہا میاں توبہ کر لو اور ایمان لے آؤ اور اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ تو اس نے کہا اس پہاڑ پہ چڑھ جاؤں گا۔ مجھ تک طوفان نہیں پہنچ سکتا۔ میں آپ کی کشتی میں نہیں بیٹھتا' نہ میں آپ کا مذہب قبول کرتا ہوں۔ تو پہاڑ پر پیچھے پانی ہی پانی تھا آ گر آ گر ۔۔ تھا انہوں نے کہا بیٹا جب اللہ کی گرفت آتی ہے

تو لا عاصمہ الیوم کوئی بچانے والا نہیں ملے گا۔ یہ سب خشکیاں' یہ سب بلندیاں' یہ سب کنارے ایک ایک کر کے ڈوبتے چلے جائیں گے۔ تم غلط سوچ رہے ہو اور وہی ہوا وہ غرق ہو گیا۔

یعنی ہمارا فیصلہ جب ہماری عقل پر' ہماری رائے پر ہوتا ہے تو اس کا نتیجہ بالکل یہی ہوتا ہے۔ اس لڑکے کی طرح ہم اونچی چوٹیاں تلاش کرتے ہیں جو ہمیں اونچی نظر آتی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ کنارے فی الواقع اونچے ہوں ہمیں اونچے نظر آتے ہیں۔ لیکن جب تقدیر سے انقلابات اور اللہ کے احکام نافذ ہوتے ہیں تو اس کے سامنے کسی بلندی کو سر اٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ وہاں تو ہر چیز پست ہی پست ہوتی ہے اور ہر چیز روندی اور کچلی چلی جاتی ہے۔ تو جب ہماری ساری محنت' سارا تعلق' ساری کشاکش' اس کنارے پر پہنچنے' اس پہاڑ پر چڑھنے میں بسر ہو گئی اور جب پہاڑ پر چڑھ چکے تو پتہ چلا کہ پہاڑ بھی غرق ہونے کو ہے۔

یہی حال دنیا کی طلب میں عمر گنوانے کے بعد موت کے وقت ہوتا ہے اور اکثر ہم زندگی میں' بڑھاپے میں دیکھ لیتے ہیں۔ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ لوگ ساری عمر پیٹ کاٹ کاٹ کر ایک خوبصورت مکان بناتے ہیں جب بنا چکتے ہیں تو زندگی سے ریٹائر ہو جاتے ہیں' اولاد مالک ہو جاتی ہے اور وہ کہتی ہے یہ کمرہ خراب نہ کرو' اس میں مت تھوکو' اس طرف بھی مت جاؤ پھر اس کے لئے اس گھر میں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ وہ اسے کہتے ہیں بابا تم خرابی کرتے ہو' تم کیا کرتے ہو۔ یہ ہماری عمومی زندگی ہے۔ ہم محسوس کریں یا نہ کریں لیکن یہ ہماری زندگی ہے' ہمارے اردگرد ہمارے ماحول میں یہ موجود ہے۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ اس نے محنت کی تھی یہ جگہ خریدی ہو گی' بھوک برداشت کی ہو گی اور پیسے بچائے ہوں گے۔ اب وہ کہتے ہیں کہ اس بابے کو کہو مسجد چلا جائے یہاں کیا شور ڈال رکھا ہے۔ اسے وہاں ڈیوڑھی میں چارپائی ڈال دو۔ یہاں تھوکتا ہے۔

لیکن اس سے زیادہ حسرت ناک انجام تب ہوتا ہے جب موت آ جاتی ہے۔ جس کی منظر کشی اللہ کریم نے کتاب اللہ میں فرما دی ہے کہ بالکل دنیا کی طلب میں ساری عمر کھپانے اور قرب الٰہی کو پانے سے غفلت میں جب موت آتی ہے تو اللہ کریم نے فرمایا کہ مجھ سے بات کرتا ہے' مرنے والا کہتا ہے اللہ مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو' کچھ دن فرصت دے دو۔ آپ نے لوگوں کو نزع کی حالت میں دیکھا ہو گا۔ روح جب نکل رہی ہوتی ہے تو آنکھیں کھلی ہوتی ہیں' ایک جگہ ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہوتے ہیں' بیٹے' بیوی' بہن بھائی' ماں باپ' عزیز دوست' کاروبار جائیداد سب کچھ تو ہوتا ہے وہ بلاتے بھی رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی تو نظر ہی ٹک گئی اب چند لمحوں کا مہمان ہے۔

قرآن حکیم اللہ کریم نے اطلاع دی کہ اس وقت اس کی میرے ساتھ بات ہو رہی ہوتی ہے۔ کہتا ہے اے اللہ تھوڑی سی فرصت دے دو۔ کیا کرے گا کوئی مکان بنانا رہ گیا' کوئی کاروبار میں کمی رہ گئی' کوئی کام ابھی باقی ہے کہتا ہے نہیں' اگر تو مجھے مہلت دے دے تو میں تیری اطاعت کروں گا۔ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ کہ میں نیک لوگوں کے پاس کچھ لمحے بیٹھ کر گزاروں' میں تیرے یاد کرنے والے' تیرے طلب گار بندوں میں اپنے آپ کو شامل کر لوں' مجھے اتنی مہلت دے دے۔

بارالٰہی فرماتا ہے کہ یہ صرف بات ہے جو وہ کر رہا ہے۔ جب وقت آ جاتا ہے تو اس میں کوئی تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی کتنی بے بسی ہے کہ جب اسے پتہ چلتا ہے کہ حقیقتاً پناہ کہاں تھی اس وقت کنارہ اس سے دور ہوتا ہے آنکھ کھلی تو کشتی سے' کنارہ سے دور تھا۔ پیشتر اس کے کہ ایسی صورت حال پیش آئے رب جلیل نے اپنے نبی ﷺ کو مبعوث فرما کر اپنی کتاب عطا فرما کر یہ احسان فرمایا کہ ساری صورتحال ہمارے سامنے رکھ دی اور اتنی بڑی پناہ گاہ ہمیں عطا فرمائی کہ فرمایا تم میری طرف بڑھنے کا ارادہ کرو میں تمہیں سنبھال لوں گا۔ چھوڑو حوادثات زمانہ کو' انقلابات زمانہ سے مت ڈرو' موسموں کے تغیر و تبدل سے

مت ڈرو' عمر کے آنے اور جانے سے مت ڈرو لیکن یہ تب حاصل ہو گا جب سوائے میرے کہیں نہیں الجھو۔

یہ الگ بات ہے کہ اللہ کی راہ دکھائی دی تو حضور ﷺ کی محبت ہی دین ٹھہری اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ایماندار بن ہی نہیں سکتا جب تک میری محبت والدین' اولاد' مال ہر چیز پر غالب نہ آ جائے تاکہ وہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ میں مومن ہوں یعنی ایمان کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ محبت نبوی ﷺ ساری محبتوں پہ فائق ہو۔ یہ نہیں کہ اولاد سے اسے محبت نہ رہے' گھر سے محبت نہ رہے یہ تو فطری محبتیں ہیں۔ لیکن جو محبت اسے حبیب پاک ﷺ سے ہو اس کی راہ میں کوئی محبت حائل نہ ہو سکے۔

ایک دفعہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بات کی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عجیب خوش قسمت انسان تھے۔ کہ جن کی چار پشتیں صحابیؓ ہیں یعنی یہ واحد صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جن کی چار پشتیں صحابیؓ ہیں' باپ صحابیؓ' خود صحابیؓ' بیٹے صحابیؓ' پوتے صحابی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اللہ کا یہ برگزیدہ بندہ ایسا ہے جس کی چار پشتیں صحبت رسول اللہ ﷺ سے مستفید ہوئیں۔ علاوہ ازیں بہت سے ایسے منفرد کمالات ہیں جو پوری امت میں صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئے۔

؎ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

تو ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ ان کے پاس بیٹھے تھے جو بدر کے بعد ایمان لائے تھے۔ کہنے لگے ابو عجیب بات ہے۔ بدر کے دن آپ میری تلوار کی زد میں آ گئے تھے ہزار دشمنی کے باوجود میں آپ پر ہاتھ نہیں اٹھا سکا کہ میرا باپ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تم اس دن میری تلوار کی زد پر آ جاتے تو میں تمہارے پرخچے اڑا دیتا۔ بیٹے نے حیران ہو کر عرض کی کہ بابا جان آپ کو شفقت پدری مانع نہ ہوتی مجھے قتل کرنے سے۔ فرمایا تو لڑ کس سے رہا تھا۔ تو محمد رسول اللہ

ﷺ کے خلاف لڑ رہا ہو اور میں تجھے بیٹا سمجھتا۔

محبت رسول ﷺ کے ثمرات

یوں تو ہر مسلمان کو نبی کریم ﷺ سے محبت ہے تو شرط ایمان ہی جو ٹھہری لیکن جو محبت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کی شاید روئے زمین پر' کبھی کسی زمانے میں' کسی انسان نے اپنے محبوب سے ٹوٹ کر اس طرح کی محبت نہ کی ہو گی۔ عجیب لوگ تھے' ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے سونے کی انگشتری پہنی ہوئی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے دیکھی اور اس کی انگلی سے نکال کر پھینک دی۔ حضور ﷺ تشریف لے گئے تو کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بھائی اپنی انگوٹھی اٹھا لو' حضور ﷺ نے پہننے سے منع کر دیا ہے۔ پہنو نہیں لیکن یہ تو سونا ہے بیچ دو یا گھر کسی خاتون کو دے دو۔ کہنے لگا جسے حضور ﷺ نے پھینک دیا میں تو اسے نہیں اٹھاؤں گا۔ بظاہر چھوٹی سی بات ہے۔ لیکن اس میں محبتوں کا ایک سمندر بند ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان پر سرخ رنگ کی چادر تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ سرخ رنگ مردوں کو اچھا نہیں لگتا اتار دو۔ کئی دن بعد حضور ﷺ نے دیکھا تو خود ہی پوچھ لیا کہ وہ چادر کیا ہوئی۔ یارسول اللہ ﷺ میں سیدھا گھر گیا گھر والوں نے روٹیاں بنانے کے لئے تندرو گرم کررکھا تھا میں نے اس میں پھینک دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے مردوں کے لئے کہا تھا کہ سرخ رنگ ان کو زیب نہیں دیتا۔ تم اتار کر کسی خاتون کو دے دیتے خواتین کو تو منع نہیں۔ عرض کرنے لگا یارسول اللہ ﷺ جو چیز آپ ﷺ کو پسند نہیں آئی وہ بھلا دنیا میں رہے اور پھر میرے گھر میں رہے۔ بظاہر یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن یہ چھوٹی نہیں ہیں یہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مزاج کی آئینہ دار ہیں۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز ختم کرتے تو ان کا چھوٹا بچہ ہاتھ پکڑ کر انہیں

گھر لے جاتا۔ فجر کے لئے آتے تو بچہ ہاتھ پکڑ کر مسجد نبوی میں آ کر چھوڑتا۔ حدیث شریف میں موجود ہے کہ کسی ساتھی نے پوچھا کہ یار کیا تمہاری رات کی نظر ختم ہو گئی ہے۔ کہنے لگے نظر تو آتا ہے لیکن مجھے ایک مرض ہو گیا ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ عشاء پڑھ کر فارغ ہوتے ہی دعا فرماتے ہیں میں حضور ﷺ کو دیکھتا رہتا ہوں۔ جب آپ ﷺ حجرہ اطہر میں تشریف لے جاتے ہیں تو میں آنکھ بند کر لیتا ہوں کہ دن بھر میں میری آخری نگاہ جو پڑے وہ روئے حبیب ﷺ پر پڑے۔ اس کے بعد میں کچھ دیکھنا نہیں چاہتا۔ میں آنکھیں کھولتا ہی نہیں اور میں دن کی ابتدا حضور ﷺ کے رخ انور سے کرنا چاہتا ہوں۔ میں آنکھیں بند کر کے بیٹھا رہتا ہوں۔ جب تکبیر ہوتی ہے تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ سامنے کھڑے ہیں تو میں آنکھ کھول دیتا ہوں۔

کس قدر عشق رسول ﷺ ہے اس طرح کے اگر ہم واقعات بیان کرنے لگیں، تو ختم نہیں ہوتے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آقائے نامدار اپنے حبیب ﷺ کو اس قدر ٹوٹ کر چاہا کہ جس کی مثال چشم فلک نے نہیں دیکھی۔ نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر ان کی آنکھیں روشن ہو جاتی تھیں۔ حضور ﷺ حدیبیہ میں تشریف رکھتے تھے اور مکہ والوں نے روک رکھا تھا کہ مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ مکے والوں کا خیال یہ تھا کہ چودہ سو آدمی ساتھ ہیں اور چودہ کے چودہ سو شاید مختلف قبائل کے دو دو، چار چار، دس دس آدمی ہیں۔ جب جنگ بھڑکے گی تو ہر کوئی اپنی جان بچائے گا۔ تو یہ کیا مقابلہ کریں گے۔ کسی ایک قبیلے کے، کسی ایک خاندان کے، کسی ایک گروہ کے لوگ ہوتے پھر بھی کوئی بات تھی۔ مختلف نسلوں کے، مختلف خاندانوں کے لوگ ہیں تو ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اہل مکہ کی طرف سے جو سفیر تھے وہ بنو ثقیف کے سردار تھے۔ بعد میں انہیں ایمان نصیب ہوا، پھر شہادت بھی نصیب ہوئی وہ جب واپس گئے تو مکہ والوں کا فیصلہ سننے کے بعد انہوں نے انہیں منع کیا کہ لڑنے کی باتیں نہ کرو تم لڑ نہ سکو گے۔ یہ جو تمہارا خیال ہے کہ یہ لوگ چھوڑ جائیں گے بھاگ

جائیں گے ایسی کوئی بات نہیں۔ میں جتنی دیر وہاں رہا ۔

آن چہ من دیدم از یاران او
ہماں سربکف جاںنثاران او

انہوں نے کہا میں نے دنیا دیکھی ہے۔ وہاں جتنے لوگ ہیں ان میں سے ایک ایک آدمی کٹ کر مرے گا چھوڑ کر کوئی نہیں جائے گا تم کہتے ہو کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات کو چھوڑ دیں گے جب کہ ان کا حال یہ ہے۔

محمد ﷺ چوں اندازد آب دہن
بر آں آب خوں می کند انجمن

تم حضور ﷺ کی ذات کی بات کرتے ہو۔ میرا یہ مشاہدہ ہے کہ حضور ﷺ جب تھوکتے ہیں تو وہ اس طرح ٹوٹ کر پڑتے ہیں گویا کوئی خزانہ لٹ رہا ہے۔

گیرندو مالند بر چشم و رو
وزاں آب تازہ کنند آبرو

جس کے ہاتھ پر پڑ جائے وہ دوسرے کو نہیں دیتا' ہاتھوں پر مل کر اپنے منہ پہ ملتا ہے۔ ان سے تم توقع رکھتے ہو کہ وہ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے' وہ آپ ﷺ کی تھوک مبارک کو نہیں چھوڑ سکتے آپ کی ذات تو بہت قیمتی ہے۔

صلح حدیبیہ کا یہ سبب بنا تھا۔ مکہ والوں نے اس وجہ سے صلح کرنا قبول کیا تھا کہ یہ ڈیڑھ ہزار آدمی تمہیں ایک ایک کر کے ذبح کرنا پڑے گا تو ڈیڑھ ہزار اپنے بھی گنوا بیٹھو گے صرف مارتے تو نہیں رہو گے تمہارے بھی مریں گے۔ کیوں اس مصیبت میں پڑتے ہو یہ ناممکن بات ہے۔

رحلت کے وقت حالات

وصال نبوی بھی تو ہونا تھا ایسی محبوب ہستی کو بھی جانا تھا۔ حضور ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا اگرچہ اسی روضہ اطہر میں تشریف فرما تھے اور ہیں۔ یہ لوگ

بھی وہی تھے، شہر بھی وہی تھا، جگہ بھی وہی تھی لیکن عالم بدل گیا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ کا وصال ہوا تو ہم سمجھتے تھے رات ہو گئی۔ ہمیں نظر ہی نہیں آتا تھا۔ ہم سمجھتے تھے اندھیرا ہو گیا ہے اور بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بیٹھے تھے خبر سنی تو وہاں اعصاب شل ہو گئے پھر ساری زندگی اٹھ نہ سکے۔ ایسی ایسی کیفیتیں بیت گئیں لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ دار دنیا سے پردہ فرما گئے اور ان محبت کے دیوانوں نے حق محبت اس طرح ادا کیا کہ جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے تھے تو اعلان فرمایا تھا کہ ساری انسانیت کے لئے اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور جب آپ ﷺ کا وصال ہوا تو اسلام صرف جزیرۃ العرب میں نافذ ہو چکا تھا۔

محبت کا تقاضا

فان المحب لمن یحب مطیع محبت کرنے والا جب جس سے محبت کرتا ہے اس کی بات پر کٹ مرتا ہے اسے جانے نہیں دیتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ پیغام جو میں نے تم تک پہنچایا ہے اسے ساری انسانیت کو پہنچانا میری طرف سے یہ تمہارے ذمے ہے۔ تو جو گھر، جو حجرہ مبارک، جو مسجد نبوی ﷺ کو دو عالم سے زیادہ محبوب رکھتے تھے انہوں نے آپ ﷺ کے قرب تک کو، مدینہ منورہ کی سکونت تک کو روضہ اطہر کی زیارت تک کو قربان کر دیا۔ لیکن ارشادات نبوی کو مثل باد سحر لے کر روئے زمین پر پھیل گئے۔ کسی کا مدفن چین میں ہے، کسی کا قسطنطنیہ میں، کوئی ہسپانیہ میں دفن ہے، کسی کی قبر منور سری لنکا میں ہے، کوئی ہندوستان میں آسود خاک ہے۔ روئے زمین پر اللہ کے پیغام کو پہنچایا اگرچہ مدینہ منورہ ان کے لئے چھوڑنا بہت مشکل تھا۔

ابھی مدینہ کی آبادی نہیں بنی تھی تو ایک حکمران کا مکہ مکرمہ سے گذر ہوا چھوٹی سی آبادی تھی۔ اس نے حملہ کر کے شہر فتح کر لیا۔ اللہ کی شان اسے ایک مرض لاحق ہو گیا۔ پیلے رنگ کا پانی اس کے منہ ناک سے بہنا شروع ہو گیا جیسے

نزلے میں شروع ہوتا ہے جس میں سخت بدبو تھی۔ بڑا پریشان ہوا۔ ساتھ جو شاہی طبیب اور حکماء تھے وہ علاج کرتے رہے لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا اس کے ساتھ علماء بھی تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ جو پہلی کتابیں ہمارے پاس ہیں ان میں ایک عجیب خبر اس شہر کے بارے میں ہے کہ یہ شہر ایک خاص تقدس رکھتا ہے۔ آپ نے اسے فتح کر کے اور اس کے رہنے والوں کو ایذا دے کر اچھا نہیں کیا۔ آپ کی بیماری کا سبب صرف یہ ہے۔ اگر آپ ان لوگوں کو راضی کریں تو یہ بیماری انشاء اللہ جاتی رہے گی۔

اس نے پوچھا کہ ان لوگوں میں خوبی کیا ہے تو انہوں نے بتایا کہ یہاں اللہ کا آخری نبی ﷺ پیدا ہو گا۔ یہی شہر اور یہ گھر اس دنیا کا قبلہ ہو گا اور وہ رسول یہاں سے ہجرت فرمائے گا اور مدینہ منورہ میں جا کر رہے گا۔ انہوں نے وہ تاریخ جو ان تک محفوظ تھی بتائی تو اس نے نہ صرف شہریوں کو آزاد کر دیا بلکہ اعلان کر دیا کہ میں نے اہل مکہ کو پانچ چھ روز تک تکلیف دی ہے تو آئندہ چھ مہینے تمام شہریوں کی ضیافت میرے لنگر سے ہو گی۔ کسی گھر میں کوئی ہنڈیا نہیں پکے گی پورا شہر اور اس کی ساری آبادی شاہی لنگر سے کھائے گی تاکہ آپ لوگ مجھ سے راضی ہو جائیں اس پر اللہ نے اسے صحت دے دی۔ اس نے علماء سے کہا کہ وہ جگہ بھی مجھے بتاؤ جو تم کہتے ہو نبی آخر الزمان کا دار ہجرت ہو گا۔ مدینہ منورہ اس وقت جھاڑ جھنکار کی جگہ تھی اور کوئی آبادی نہیں تھی۔ لاوے کے جلے ہوئے پہاڑ تھے اور ویرانی تھی۔ اس نے اپنے ساتھ جو علماء تھے ان میں سے ایک وفد چن کر وہاں چھوڑا اور ایک چھٹی لکھ کر ان کے سپرد کی کہ وہ نبی جب بھی مبعوث ہو کر یہاں تشریف لائیں تو یہ میری چھٹی انہیں دے دینا اور اگر میں مر جاؤں تم بھی مر جاؤ تو اپنی نسل کو یہ چھٹی امانت دے جانا۔ جو بھی ان کا زمانہ پائے میرا خط ان تک ضرور پہنچانا۔ اس میں اس نے اپنے اطاعت گزار ہونے کا، اپنی محبت کا اپنی غلامی کا پورا اقرار ان الفاظ میں کیا۔ ؎

ولو مد عمری الی عمرہ

لکنت وزیراله و ابن امین

اگر مجھے اتنی مہلت ملے' میں اتنا عرصہ زندہ رہوں کہ حضورﷺ کی بعثت کو پاؤں تو سلطنت چھوڑ کر آپ کی غلامی کی ترجیح دوں گا۔ کاش مجھے یہ موقع ملے۔ وہ علماء بھی گزر گئے پھر وہ چھٹی ان کی اولادوں کے ہاتھوں چلتے ہوئے جب حضورﷺ ہجرت کر کے آئے تو مدینہ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس نسلاً" بعد نسلاً" موجود تھی کیونکہ آپ اس خاندان کے تھے۔

مدینہ منورہ میں شور اٹھا۔ ہر آدمی چاہتا تھا کہ حضورﷺ میرے گھر کو رونق بخشیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری ناقہ کو چھوڑ دو یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔ اسے اللہ نے سمجھا دیا ہے کہ کس گھر جانا یہ خود پہنچ جائے گی۔ جب آزاد چھوڑ دی گئی تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے صحن میں جا بیٹھی جہاں وہ خط موجود تھا۔ ان ساری باتوں کے باوجود کیا وہ گھر چھوڑنے کے قابل تھا لیکن ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ قسطنطنیہ میں دفن ہیں' اس لئے کہ اس گھر سے پیارا وہ حکم تھا جو حضورﷺ نے دے دیا کہ میری بات کو روئے زمین پر پہنچاؤ۔

مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا جب حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا۔ آپؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے لڑتے بھڑتے اندر تک لے جانا۔ جس قدر اندر میرا جنازہ لے جا سکو مجھے وہاں لے جا کر دفن کرنا یعنی مرنے کے بعد بھی مجھے پیچھے مت لے جانا میرے جسد خاکی کو آگے لے جا کر دفن کرنا۔ تو مسلمانوں نے آپ کے جنازے کو اٹھایا اور شہر پناہ تک لے گئے اور شہر پناہ کے نیچے قبر کھود کر وہاں دفن کر دیا۔ شہر پر مسلمانوں کا ابھی قبضہ تو نہیں ہوا تھا۔ لیکن اعلان کر کے عیسائیوں کو کہا کہ ہم اپنے بزرگ کو یہاں دفن کر رہے ہیں۔ اگر ان کی قبر کی بے حرمتی کی گئی تو بلاد اسلامی میں ہم کسی ایک گرجے کو کھڑا نہیں رہنے دیں گے' سب مسمار کر دیئے جائیں گے۔

محبت کا مزا تو آیا۔ مرنے کے بعد بھی وہ جسم تعمیل ارشاد کے لئے آگے لے جانے کی وصیت کر گئے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری بات پوری

شیطان کون ہوتا ہے روکنے والا۔ شیطان جو محبت کے نام ہی سے آشنا نہیں' جو مردود ہے جو نفرت ہی نفرت ہے۔ نفرت کا تعلق محبت سے کیا۔ اگر ہم پر وہ مسلط ہوتا ہے تو کوئی گوشہ نفرتوں کے لئے بھی ہے' محبت اور نفرت یکجا تو نہیں رہتے۔ آپ جانتے ہیں کہ ایک پورا ڈرم دودھ کا بھرا ہوا ہو اس میں چند قطرے غلاظت کے ڈال دیں تو وہ سارا بیکار ہو جائے گا۔ محبت تو عطر حیات ہے اس میں غلاظت کا ایک قطرہ بھی آیا تو اسے تباہ کر دے گا۔ تو کیوں نہ صرف محبت ہی محبت کی جائے اگر محبت ہی محبت ہو تو شیطان تو نفرت ہے اس کا ہمارے ساتھ کیا کام۔ یہ فکر تو شیطان کو ہونی چاہئے کہ یہ کہیں دنیا میں مجھے بھی رہنے دیں گے یعنی غلامی رسول اللہ ﷺ کا مزا تو جب ہے کہ شیطان کو فکر ہو کہ یہ لوگ کدھر جا رہے ہیں' کہیں کوئی کونہ میرے لئے بھی خالی چھوڑیں گے اور یہ صرف اور صرف محبت سے ہو سکتا ہے۔ وہ محبت جو اللہ سے ہو' اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے ہو۔

غرض جو ہوتی ہے وہ صرف لینے کی طلب کرتی ہے۔ یاد رکھیں محبت میں بہت کچھ دینا پڑتا ہے۔ یہ بڑا واضح فرق ہے۔ غرض اور محبت کو اکٹھا نہ کیا کیجئے جو ذاتی غرض ہوتی ہے وہ صرف لینے کا سوچتی ہے۔ محبت لٹانے کا نام ہے' دینا پڑتا ہے' صدمے سہنے پڑتے ہیں۔ وہ کسی نے کہا تھا ۔

غم زمانہ ہو غم یار ہو کہ تیر ستم
جو آئے آئے کہ ہم دل کشادہ رکھتے ہیں

محبت کے لئے تو بڑا وسیع دل چاہئے' بڑا وسیع ظرف چاہئے' بڑی وسیع سوچ چاہئے' ایسی سوچ جسے لوگ دیوانہ کہیں' ایسے جذبات جنہیں لوگ اصل سے بیگانہ نہ سمجھیں۔ ایسا طرز عمل جسے لوگ یہ کہیں کہ یہ پاگل ہو گیا۔ ایک ہی طرف لگ گیا۔ ارے ایک ہی تو طرف لگنے کے قابل ہے۔ پاگل یہ ہے کہ پاگل وہ ہیں جنہوں نے نوح علیہ السلام کے بیٹے کی طرح آسرے پکڑے۔

ساوی الی جبل یعصمنی من الماء میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا' وہ مجھے

بچا لے گا۔ فرمایا لا عاصم الیوم اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں۔ یعنی نفرتیں تمہیں بہا کر غضب الٰہی میں لے جائیں گی۔

یہ تو محبت کی گاڑی ہے' جو در حبیب ﷺ تک پہنچاتی ہے۔ یہ مانا کہ ہم اس قابل نہ سہی' ہم میں وہ جذبہ نہ سہی' وہ ہمت نہ سہی' وہ جنون نہ سہی' لیکن یہاں تو دعویٰ بھی خالی نہیں جاتا۔ اللہ فرماتے ہیں تمہارے پاس کچھ نہ سہی لیکن تم طے تو کر لو کہ تمہیں محبت کرنا ہے میں تمہیں سکھا دوں گا یھدی الیہ من ینیب۔ فرمایا جو ارادہ کرے اس کے لئے راستے میں خود بنا دیتا ہوں' فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ تم کس کے طالب ہو۔ اللہ کے طالب ہو' اللہ کے رسول ؐ کے طالب ہو یا اپنی خواہشات کے بندے ہو یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔

تو میرے بھائی! اگر محض میرے کہنے سے آپ میں تحریک رہے تو مجھے تو اس بات کا مزا نہیں آ رہا۔ اتنی سی دیا سلائی ہوتی ہے وہ لگا دی جائے تو سارا گھر بھڑک اٹھتا ہے۔ بار بار دیا سلائی تو نہیں سلگائی جاتی۔ یہ ٹھیک ہے شعلہ تو دکھانا پڑتا ہے۔ لیکن اس شعلے میں جلنا تو آپ کا کام ہے اور میں اس بات پہ خوش نہیں ہوں کہ ہم بہت کام کر رہے ہیں۔ اللہ نے جتنی سہولتیں ہمیں دی ہیں اس کے مقابلے میں کچھ نہیں کر رہے۔ آپ اندازہ کریں ہمیں یہاں آئے ہوئے کتنے سال ہوئے ہیں۔ کتنی آبادی اور کتنے لوگوں کو ہم اس نعمت سے آشنا کر سکے اس کا تناسب نکالیں تو کچھ بھی نہیں۔ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ جن لوگوں کو ہم بیگانہ دیکھتے ہیں یہ ہمارے ذمے ہے کہ ہم ان کو اس سے آشنا کریں' ان تک یہ پیغام پہنچائیں اگر وہ نہ مانیں تو پھر ان کے ذمے ہے۔ لیکن ساری عمر انہیں کوئی دعوت ہی نہ دے' اس کی پرسش تو ہم سے ہو گی۔ یہ تو ہماری ذمہ داری ہے' اس خوشبو کو پھیلائیں' اس بات کو عام کریں۔ ارے عجیب بات ہے ایک طبلے پر ناچتا ہے تو علی الاعلان سر بازار ناچتا ہے حالانکہ کتنا برا کام ہے' معیوب کام ہے' کنجروں کا کام ہے۔ شرفاء کی بیٹیاں ناچ سیکھ کر سربازار ناچتی ہیں اور فخر کرتے ہیں۔ ایک کسی کھیل کا مشاق ہے' وہ سربازار کھیلتا ہے اس پر فخر

کرتا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی فن اچھا یا برا جسے آتا ہے اس پر فخر کرتا ہے اور محبت حبیب ﷺ ہو اور ہمیں بات کرتے شرم آئے' جھجک آئے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمیں محبت میں وہ پختگی نصیب ہی نہیں ہوئی جو شرم اور حجابوں کو بالائے طاق رکھ دیتی ہے۔ جو ان معمولی سوچوں کو' چھوٹے چھوٹے نفع و نقصان کے جھگڑوں کو بھلا دیتی ہے۔

مجھ پر اللہ کریم کا احسان رہا ہے بحمد اللہ۔ اللہ ہی قادر ہے' آئندہ بھی اسی سے امید کرم ہے۔ میں بڑا جوان تھا جب مجھے اللہ نے اس کام پہ لگا دیا' میں بنیادی طور پر اس کام کا آدمی نہیں تھا۔ میں محبت وغیرہ کے نام سے آشنا ہی نہیں تھا۔ بڑا متکبر' بڑا خودسر' بڑا باغی قسم کا انسان تھا اور جو لوگ مجھے ابھی تک اس طرف سے نہیں سمجھ سکے وہ ابھی تک مجھے اُس پہلو سے جانتے ہیں۔ اگر آپ ہمارے علاقے میں جا کر سنیں۔ تو لوگ اُس پہلو سے مجھے ابھی تک یاد رکھتے ہیں۔ آج بھی کوئی بڑے سے بڑا ڈاکو' کوئی بڑے سے بڑا مفرور' کوئی بڑے سے بڑا جابر آدمی میرے سامنے کھڑا ہونے کی جرات نہیں رکھتا' اتنا میرا رعب ان پر اُس زمانے کا چلا آتا ہے۔

عظمت حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ

پتہ نہیں کیوں؟ رب کی مرضی' اس نے کیسے پکڑا' کہاں لگا دیا۔ بعض لوگوں میں عجیب سی مقناطیسی قوت ہوتی ہے۔ میں نہیں مانتا تھا نہ مولویوں کو' نہ پیروں کو' نہ کسی مذہب کو۔ میں مذہب والوں سے بھی مذاق کیا کرتا تھا۔ مولوی تقریریں کرتے تھے' اللہ مجھے معاف کرے' میں کہتا تھا کہ ایک دفعہ بات ہوئی' دو دفعہ ہوئی' چودہ صدیاں بیت گئیں' اس قصے سے کیا لیتے ہو کہ وہی بات فضول دہرانے لگ پڑو۔ کیا یہ عجب بات نہیں ہے کہ ایک عام آدمی کو میں نے دیکھا نہ اس کا کوئی فاخرانہ لباس دیکھا' نہ اس میں کوئی منفرد ناز و نخرہ دیکھا' نہ کوئی پتہ کیا تھا۔ مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی۔ لیکن کوئی بات تھی کہ جس نے کبھی اس

کے پاس سے اٹھنے نہیں دیا۔ ایسے بیٹھے' ایسے بیٹھے کہ پچیس برس بیت گئے اور مجھے پچیس برس تک کوئی ٹوک نہیں سکا کہ تم کیا کر رہے ہو۔ کیوں کر رہے ہو میں یہ سمجھتا ہوں کہ شیخ نے بھی میرے ساتھ زیادتی کی' تو میرا مزاج اس طرح ہو گیا تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ مجھے کوئی بلائے۔ جو ساتھی حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں وہاں جاتے تھے' یہ مجھے جانتے ہیں۔ کوئی کہتا تھا کہ مجھے اللہ اللہ سکھاؤ تو میں کہتا تھا کہ اس سے سیکھو۔ میں سمجھتا تھا کہ میں اس قابل ہی نہیں ہوں' مجھے اس جگہ رہنے دو جہاں میں ہوں میرا تعلق میرے حبیب سے رہے۔ یہ بڑی بات ہے' اس کے علاوہ میں کچھ بھی نہیں ہوں لیکن یہ عجیب لوگ ہوتے ہیں۔

دہلی پر شمس الدین التمش حکمران تھا اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت تھی' ساری عمر لوگ اسے بادشاہ ہی سمجھتے رہے۔ بڑا جابر' بڑا سخت مزاج تھا۔ خواجہ کا وصال ہوا تو دنیا سے جاتے جاتے آپ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس نے کبھی بے وضو آسمان نہ دیکھا ہو' عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں' تہجد کی نماز قضا نہ کی ہو۔ جس میں یہ تین باتیں ہوں' میرے جنازے کی امامت کرائے۔ بڑا مشہور واقعہ ہے' بڑے بڑے علماء' بڑے بڑے گدی نشین' بڑے بڑے پیر' بڑے بڑے فقیہان وقت اور بڑے بڑے دیندار لوگوں کا جمگھٹا تھا لیکن جب یہ تینوں شرطیں سامنے آئیں تو خاموش ہو گئے۔ تنگ آ کر شمس الدین التمش نے کہا آپ کو مجھ سے ایسا تو نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اس نے جنازہ پڑھایا۔ اتنی بڑی سلطنت کا حکمران اس مزاج کا تھا۔

یہ عجیب مزاج کے لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ جہاں اتنی عمر نبھ گئی' اللہ کرے یہ نبھ جائے۔ میرے بھائی! یہ میری تو مجبوری ہے' میرا تو اس کے بغیر چارہ نہیں' کوئی جائے پناہ نہیں' میرے سامنے تو کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ ہم سب کو یہی کرنا پڑے گا اور جب تک آدمی دیوانہ ہو کر اس کو پھیلانے کے لئے اٹھ کھڑا نہ ہو تب تک اسے کامل طور پر خود بھی یہ جذب نصیب نہیں ہوتا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ انسانی زندگی تو تغیر آشنا ہے' آدمی

آتے جاتے رہتے ہیں' کوئی نہیں کہہ سکتا کہ پھر جب اکٹھے ہوں گے کون ہو گا' کون نہیں ہو گا۔ کتنے لوگ دنیا کے مختلف حوادثات میں مبتلا ہو کر شہر سے نکل جاتے ہیں' کتنے لوگ اسی دنیا ہی سے سر پہ کفن باندھ کر چلے جائیں گے۔ شاید یہ مجلس ہو گی ہم نہ ہوں گے اور ایسا کارخانہ رب جلیل کا کہ کسی کے آنے جانے سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا' یہ رواں دواں چلتا رہتا ہے۔ آنے جانے والے اپنے لئے کچھ لے جاتے ہیں یا کھو جاتے ہیں۔ میں آپ سے صرف یہی کہوں گا کہ یہ بہت قیمتی نعمت ہے' جو آپ کو پہنچی ہے اور یہ سب انسانوں کا حق ہے' اسے جتنے لوگوں تک آپ پہنچائیں گے اتنی ہی یہ آپ کے پاس زیادہ ہو گی۔ یہ مین پاور ہاؤس سے تعلق قائم ہو جاتا ہے اور آگے آپ جتنی ڈسٹری بیوشن کم کر دیں اتنی پاور کم ہو جاتی ہے۔ آپ اس بات کو جتنے دلوں تک پہنچائیں گے اتنے انوارات اتنی برکات بارگاہ نبوت ﷺ سے آپ تک زیادہ پہنچیں گی۔ تو آپ ہمت کریں۔ دنیا کے کام ضرور کریں اور ڈٹ کر کریں اور خوبصورت انداز سے کریں' اچھا کمائیں' اچھا پہنیں' اچھی طرح رہیں لیکن یہ اچھائی تب ہی بجتی ہے جب ہم اپنا اپنا کام بھی کر رہے ہوں۔

اللہ کریم ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے' توفیق عمل دے اور پھر سے اس شعلے کو لے کر ایک طوفان بنا دے۔ دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے' دلوں کو روشن کر دو' محبتوں سے بھر دو اور پھر عشق نبی ﷺ کی' عشق رسول اللہ ﷺ کی اطاعت' نبی ﷺ کی یادیں تازہ کرو۔ اللہ کریم آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

☆ ☆ ☆

کشف و مشاہدہ ضروری ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ و کلا نقص علیک من انباء الرسل ما به فوادک

قلوب انبیاءؑ کی صفات

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا یہ کمال ہوتا ہے کہ ان کے قلوب تخلیقی طور پر جمال باری اور کمالات باری کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں اور انہیں وہ قوت مشاہدہ حاصل ہوتی ہے جو صرف اور صرف دل کے اوصاف میں سے ہے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ نبی رحمت ﷺ کے پاس پہلی دفعہ جب جبرائیل امین علیہ السلام آئے تو آپ ﷺ انہیں دیکھ رہے تھے' ان کی بات بھی سن رہے تھے۔ اول تو وہاں کوئی تھا ہی نہیں اگر وہاں کوئی ہوتا بھی تو وہ نہ دیکھ پاتا نہ ان کی آواز سن پاتا۔ اس کے بعد بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام ہمیشہ حاضر ہوتے رہے' کبھی وحی الٰہی لے کر اور کبھی زیارت و ملاقات کے لئے۔ کیونکہ جتنا قرآن حکیم نازل ہوا اس میں دوسرا کوئی شخص ایسا گواہ نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ جب حضور ﷺ کو جبرائیل امین علیہ السلام یہ پیغام سنا رہے تھے تو میں بھی سن رہا تھا۔ واقعی بات ایسی ہی تھی۔ یہ حضور ﷺ کا مقام تھا کہ آپ ﷺ فرشتے کو بھی دیکھتے تھے' فرشتے کی بات بھی سنتے تھے' پیغام بھی وصول کر لیتے تھے اور پھر آپ ﷺ ہی دوسروں کو بتاتے تھے کہ فرشتہ یہ آیات لایا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا مشاہدہ اتنا یقینی تھا کہ ایک ہستی کے مشاہدے پر

قیامت تک آنے والی انسانیت کے عقائد و اعمال کا مدار ہے' قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے عقائد و نظریات کا اور تمام عبادات کا مدار صرف اور صرف ایک ہستی کے مشاہدے پر تھا۔ اتنا مضبوط مشاہدہ ہونے کے باوجود اور اس قدر کمالات باری اور اس قدر تجلیات خداوندی کا قریبی مشاہدہ ہونے کے باوجود ارشاد ہوتا ہے۔

مشاہدہ اور وحی

وکلا نقص علیک من انباء الرسل۔

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے احوال اور ان کی باتیں نقص علیک آپ پر بیان فرماتے ہیں۔ یہ جو بیان حضور اکرم ﷺ ذات باری سے یا وحی الٰہی سے یا جبرائیل امین علیہ السلام سے سنتے تھے' تو یہ دل ہی کے کانوں سے سنا جاتا تھا اور دل ہی کی آنکھوں سے فرشتوں کو بھی دیکھا جاتا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ دل کی نگاہ بہت وسیع ہوتی ہے اور پھر حضور اکرم ﷺ کے قلب اطہر کی نگاہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ آپ ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک آنے والی ساری انسانیت کی تمام نیکیوں اور اعمال کا مدار آپ ﷺ ہی کی نگاہ پر اور آپ ﷺ کے مشاہدے پر ہے۔ تو جب یہ تذکرہ ہوتا تھا' تو حضور اکرم ﷺ ان حالات کو اپنے روبرو ملاحظہ فرماتے تھے۔

چونکہ دل کی نگاہ جب کھلتی ہے تو اس کے لئے ماضی' حال' مستقبل کوئی معنی نہیں رکھتا اور جس طرف سے اشارہ کر دیا جائے اللہ کریم اسے قوت دے تو پھر وہ واقعات کو ان کی اصلی حالت میں دیکھتی ہے۔ پھر جب بیان من جانب اللہ ہو رہا ہو اور قلب اطہر محمد رسول اللہ ﷺ کا ہو تو پھر جو نقص علیک ہے' جب اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی بھی نبی اور رسول کا ذکر بذریعہ وحی ارشاد فرمایا جس کی تفصیل قرآن حکیم میں موجود ہے' تو اس کے ساتھ یہ امر یقینی ہے کہ وہ سارے حالات آپ ﷺ ملاحظہ فرما رہے تھے۔

اگر موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور کا اور نزول وحی کا ذکر ہو گا تو جب وہ ذکر ہو رہا ہو گا' تو بات اگر فرشتہ لایا ہے' تو فرشتے کی بات بھی تو حضور ﷺ کا قلب اطہر ہی سن رہا ہے' فرشتے کو بھی تو آپ کا قلب اطہر ہی دیکھ رہا ہے۔ تو جب قلب متوجہ ہوتا ہے تو جو بات چل رہی ہوتی ہے اس کی ساری تصویر اس پر واضح ہوتی چلی جاتی ہے اس سارے واقعہ کو اپنے روبرو دیکھتا چلا جاتا ہے۔

تو جس ہستی کے مشاہدے پر ساری دنیا کے ایمانیات کا مدار ہے اس کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ انبیاءؑ و رسلؑ کے قصص اور ان کے واقعات جو ہم نے آپ ﷺ پر بیان فرمائے وہ آپ کو دکھلا دیئے گئے یہ اس لئے کیا گیا۔

انبیاءؑ کی بشری خصوصیات اور مشاہدہ کی ضرورت

لنثبت بہ فوادک۔ انبیاء علیہم السلام سے خصوصیات بشری کبھی بھی نفی نہیں ہوتیں نبیوں کو بھی بھوک پیاس لگتی ہے' گرمی سردی لگتی ہے' صحت و بیماری ہوتی ہے' زخمی ہوتے ہیں' آرام و تکلیف میں پڑتے ہیں' انسانی ضروریات و حالات کا انہیں سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے کمالات اور ان کی قوت برداشت اور ان حالات کا عام انسان مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ غیر نبی نبی علیہ السلام کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں ہوتا۔ لیکن اوصاف انسانی بتقاضائے بشریت نبی علیہ السلام سے نفی نہیں کر دیئے جاتے۔ انسانی خصوصیات میں سے ایک بات ہے کہ انسان کے دل کی بہت ہی کسی گہری جگہ' بہت نیچے جا کر' پھر بھی کچھ کھٹ کھٹ رہ جاتی ہے۔ آپ اسے دلائل سے سمجھائیں' شواہد سے سمجھائیں' ایک بات بتائیں اور وہ آپ کی بات مان بھی لے' قبول بھی کر لے' اس پر عمل بھی کر لے پھر بھی یہ انسانی مزاج ہے کہ دور کسی نہاں خانہ میں' کسی وقت' ایک شک سا گزر ہی جاتا ہے کہ یار مولانا کی بات تو مان ہی لی کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں گڑ بڑ ہو۔ وہ اس بات پر عمل بھی کر چکتا ہے اس کے باوجود یہ انسانی مزاج کا حصہ ہے کہ پھر بھی نہاں خانہ دل میں'

انتہائی گہرائی میں' چھوٹا سا شائبہ سا رہ جاتا ہے۔

قصص انبیاء کا مقصد

تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ انبیاءؑ و رسلؑ کے حالات و واقعات ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیئے۔ نقص علیک بڑا مزے دار ترجمہ بنتا ہے کہ ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیئے اس لئے کہ وہ جو نہاں خانہ دل میں بتقاضائے بشریت کسی لمحہ کوئی کھٹکا سا گذر جاتا ہے آپ ﷺ کو اس سے بھی محفوظ کر دیا جائے آپ ﷺ دوسرے نبیوںؑ اور رسولوںؑ کے حالات' دوسری امتوں کے حالات و واقعات' ان کے اعمال اور اس کے نتائج خود ملاحظہ فرمائیں یہ سب جب آپ اپنی قلب اطہر ﷺ کی نگاہ سے دیکھ لیں گے تو وہ خطرہ بھی نہیں رہے گا کہ کسی لمحے شک کا کوئی معمولی سا خیال آپ ﷺ کے قلب اطہر پر گزر جائے۔

تو حاصل آیت کریم یہ ہوا کہ دل کی روشنی کے لئے محنت کرنا اور اللہ کی طرف سے مکاشفات و مشاہدات کا عطا ہونا ایمان کو کروڑوں درجے مضبوط کر دیتا ہے۔ جب مکاشفات کی ضرورت انبیاءؑ و رسلؑ کو ہے تو غیر نبی یا عام آدمی جو سن کر جانتا ہے اور جو سنے ہوئے کو دیکھنے کی قوت رکھتا ہے ان دونوں کے یقین میں کروڑوں میلوں کا فاصلہ ہے۔

صوفیاء کا مجاہدہ

تو میں عرض کر رہا تھا' کہ یہ محنت و مجاہدہ جو صوفیاء نے اختیار کیا ہے یہ فضول نہیں ہے اور یہ بڑے قیمتی لوگ تھے۔ ان کی عمریں اور ان کے اوقات بڑے قیمتی تھے' یہ بڑے اولعزم' بڑے پرہمت' بڑے جفاکش اور بڑے پرعزم لوگ تھے جنہوں نے اس وادی میں قدم رکھا۔ یہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی اور اسے محض ایک جملے میں اڑا دینا اور یہ کہہ دینا کہ ان مشاہدات

کی کیا ضرورت ہے' اس کے لئے اتنی محنت کرنے کا کیا فائدہ' یہ بہت بڑی نادانی کی بات ہے' ناسمجھی کی بات ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بہت بڑی زیادتی ہے۔ جب انبیاءؑ و رسلؑ میں جو طبعاً" اور تخلیقاً" معصوم ہوتے ہیں جن سے گناہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایمانیات اور یقینیات کے بارے میں اللہ کریم ان کے فواد یعنی دل کی گہرائی کو مطمئن فرماتا ہے۔

جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی بارالٰہا! کیف تحی الموتی مُردوں کو کیسے زندہ کریں گے فرمایا افلم تومن تمہیں یقین نہیں ہے تو ایمان نہیں رکھتا' قال بلی' تو کہنے لگے بالکل یقین رکھتا ہوں' پختہ ایمان رکھتا ہوں' اس بات پر یقین ہے کہ آپ مُردوں کو زندہ کریں گے' لیکن اگر دکھا دیں تو اس یقین میں یقیناً فرق پڑے گا۔ و لیطمئن قلبی وہ جو دل کی گہرائیوں میں ایک بات ہوتی ہے خدایا اگر مشاہدہ ہو جائے تو کھٹ کھٹ سے بھی نجات مل جائے اور دل میں اطمینان آ جائے' سکون آ جائے۔ تو اللہ کریم نے پورا واقعہ ارشاد فرما دیا۔ پرندوں کے ذبح کرنے کا اور ان کو پہاڑوں پر پھینک دینے کا حکم دیا۔ ارشاد ہوا ایک ایک کو بلاتے جاؤ دیکھو کس طرح خون کے قطرے' ٹوٹے ہوئے پر اور گوشت کے چیتھڑے اڑ اڑ کر آتے ہیں اور جسم سلامت ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے اس لئے دیکھا کہ وہ مانتے بھی تھے' انہیں یقین بھی تھا اور ابراہیمی یقین کا یہ حال ہے کہ غیر انبیاء کی ساری انسانیت کے تولو تو پھر بھی یقین کا وزن زیادہ ہے۔ اس کے باوجود انسان کی وہ جو ایک خصوصیت ہے اور جو بشریت کا تقاضا ہے اس سے مفر نہیں۔

حضور ﷺ کی گود میں آپ ﷺ کے فرزند گرامی کا وجود اقدس تھا۔ جب سیدنا ابراہیم وفات پا گئے تو آپ ﷺ کی چشمان مبارک سے آنسوؤں کا ایک سیل رواں تھا تو صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ رو رہے ہیں۔ فرمایا یہ تو شفقت پدری ہے' مجھے کوئی شکایت تو نہیں ہے یہ تو ایک تقاضائے بشریت ہے اور آدمی کی ایک خصوصیت ہے کہ جو غیر اختیاری بات

ہے۔

مشاہدہ کی ضرورت

اسی طرح دل کی اتھاہ گہرائیوں میں ایک ہلکا سا اثر ضرور رہ جاتا ہے اور دل کی یہ خصوصیت ہے کہ جب تک وہ خود کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کر لیتا' جتنی مضبوط روایت بھی اس کے پاس ہو' اس پر عمل کر بھی گزرتا ہے' اس کو مانتا بھی ہے' پھر بھی کسی لمحے ایک سایہ سا دل پر گزر جاتا ہے کہ یار سب کچھ کر تو لیا ہے شاید اس میں خطرے کی کوئی بات ہو۔

تو اللہ کریم اپنے مقبول بندوں کو اس سے بھی بالاتر لے جاتا ہے اور اس سے بھی نجات عطا فرما دیتا ہے جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حضرت عزیر علیہ السلام کے حالات دکھائے' جیسے آقائے نامدار ﷺ کو ارشاد ہوا کہ انبیاءؑ و رسلؑ کے حالات و واقعات ہم نے آپ کے سامنے اس لئے رکھ دیئے' لنثبت به فوادک کہ آپ کے دل کی اتھاہ گہرائی میں بھی ایمان جم جائے' کسی لمحہ تھوڑا سا شائبہ بھی نہ گزرے۔

اس بات سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ غیر نبی کو اس کی کتنی زیادہ ضرورت ہے۔ جب انبیاءؑ اور اولوالعزم انبیاءؑ اور امام الانبیاء ﷺ کو اس کی ضرورت ہے تو ماوشما کس قطار میں ہیں۔ ہم تو اتنے نالائق ہیں کہ ہمیں اللہ قلب کی روشنی عطا فرما دیتے ہیں' دل کی آنکھیں عطا فرما دیتے ہیں' مشاہدات ہو جاتے ہیں اس کے بعد بھی ایسے بدنصیب اور بدبخت لوگ ہیں' جو اپنے ان مشاہدات پر شک کر کے پھر تباہی میں جا گرتے ہیں' یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جو خود دیکھ پاتے ہیں اسے دیکھنے کے بعد بھی اس پر پھر قائم نہیں رہتے اور پھر تباہ ہو جاتے ہیں۔

تو جنہیں ساری زندگی صرف سننا نصیب ہوا' مشاہدہ نصیب نہیں ہوا' ان سے آپ یہی امید رکھتے سکتے ہیں کہ وہ نماز کے وقت نماز پڑھ لیں گے اور مسجد

سے نکلیں گے تو گناہ کر لیں گے کیونکہ انہوں نے نماز کی عظمت کو بچشم خود نہیں دیکھا اور اس دیکھنے کے لئے تو دل کی آنکھ چاہئے تھی اور نہ انہوں نے گناہ پر جو غضب وارد ہوتا ہے یا اس سے جو کیفیت انسانی قلب کی ہوتی ہے یا اس سے جو کیفیت انسانی اعمال میں ہوتی ہے یا گناہ کرنے والوں پر جو بیت رہی ہے وہ دیکھا نہ یہ دیکھا' وہ بھی سنا ہی سنا یہ بھی سنا ہی سنا اور مادی حالات اور دنیوی لذات کو وہ دیکھ رہے ہیں محسوس کر رہے ہیں۔

عمل کرنے کے لئے تو یہ کتنا بڑا فرق پیدا ہو گیا کہ وہ سنی ہوئی بات پر جم جائے یا اس کی جو اپنی آنکھ دیکھ رہی ہے اس کو حاصل کرے۔ اس کے سامنے ایک خوبصورت ماحول ہے' ایک لذت بھرا کھانا ہے' ایک دولت بھرا تھیلا ہے اور آپ اسے یاد کرا رہے ہیں ثواب و عذاب کے حالات جسے اس نے کبھی نہیں دیکھا۔ مجھ سے سنا آپ سے سنا اور سننے میں بھی بڑا فرق ہے۔ ایک شخص نبی رحمت ﷺ سے سنتا ہے' ایک شخص صحابہ کرامؓ سے سنتا ہے' ایک شخص کسی ولی کامل سے سنتا ہے' اس سننے کا بھی ایک اثر ہوتا ہے' وہ دیکھتا نہیں' لیکن اس سننے پر جم جاتا ہے۔ اک سنانے والے بھی' جب میں اور آپ ہیں یا ہمارے مبلغ کہ ہم دوسروں کو سناتے ہیں اور اس پر ہمیں خود یقین نہیں ہوتا پھر دوسرے کو کیا حاصل ہو گا۔

ایک دفعہ ایک بہت بڑے فاضل کی قبر پر جانے کا اتفاق ہوا اور ایک گونہ عقیدت سے حاضر ہوئے کہ چلو فاتحہ پڑھتے' حاضری دیتے چلیں۔ تو دیکھا یہ گیا کہ قبر میں تاریکی ہے۔ بڑی حیرت ہوئی کہ خدایا اس شخص نے ساری زندگی مسجد میں گزاری' ساری زندگی قرآن شریف پڑھاتے گزار دی تو جب ان سے بات ہوئی تو وہ بتانے لگے کہ میں نے ساری عمر دین پڑھایا ہے' اتنی بار میں نے قیامت کا تذکرہ کیا کہ مجھے وقوع قیامت کے بارے میں خود شک سا ہو گیا کہ ایسا ہو گا بھی یا نہیں۔ ساری زندگی دوسروں کو پڑھاتا رہا کہ قیامت قائم ہو گی ہمیں حساب دینا ہو گا' ہمیں میزان عدل کے سامنے جانا ہے اور ان تفصیلات کو بار بار

دہراتے خود یقین کھو بیٹھا۔ ایک آدمی ایک بات کو سن کر چلا جاتا ہے تو وہ کسی حد تک اس پر اعتماد رکھتا ہے ایک آدمی اسی بات کو بار بار دہراتا رہے اور اگر اسے اس کے ساتھ مشاہدہ نصیب نہ ہو تو اکثر شک میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ آپ کسی طالب علم کو سائنس کا کوئی ایک ہی اصول ایک مہینہ' دو مہینے' تین مہینے یاد کراتے رہیں اور اسے تجربہ نہ کرائیں' اسے الفاظ یاد رہ جائیں گے اس کی حقیقت سے اس کا دل اچاٹ ہو جائے گا اور خیال کرے گا کہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔

تو میں نے بارہا یہ آیت کریمہ پڑھی ہو گی لیکن مجھے اس طرح سے یہ یاد نہیں تھی۔ جب اس صاحب قبر سے ملاقات کے بعد میں اس آیت پر پہنچا ان الساعة اتیة لا ریب فیھا تو ان کی بات مجھے یاد آئی کہ وقوع قیامت میں اگر کوئی ریب' جو شک کا انتہائی کمزور حصہ' سب سے چھوٹا حصہ کم ترین درجہ ہوتا ہے' میں بھی آدمی مبتلا ہو جائے تو یہ ایمان کی نفی کر دیتا ہے۔ اتیتہ لا ریب فیھا یہ آیت میں نے ہزاروں مرتبہ پڑھی ہو گی لیکن اس کو اس نظر سے تب دیکھا اور میرے دل میں تب بیٹھی جب ان سے بات ہو چکی۔

عدم مشاہدہ کے نقائص

تو آپ اندازہ کریں کہ مشاہدہ نہ ہونے کا کتنا بڑا نقصان ہوا۔ اگر یہ شخص صرف اس بات پر نہ بیٹھ رہتا کہ میں نے الفاظ یاد کر لئے ہیں اور کیفیات کو تلاش کرتا' کسی ایسے شخص کو تلاش کرتا جو اسے دل کی روشنی عطا کرتا اور اس کے پاس مشاہدات بھی ہوتے اور جو دوسروں کو بتاتا کم از کم اسے اس کا مشاہدہ بھی ہوتا تو کتنی عظیم بات تھی۔ سننے والوں پر اس کا اثر ہوتا اور وہ اس مصیبت میں خود گرفتار نہ ہوتا۔

تو یہ کہہ دینا کہ یہ فضول ہے اس کی کیا ضرورت ہے۔ احکام قرآن و سنت میں موجود ہیں ان کے مطابق نماز' روزہ کرنا ضروری ہے باقی سب

فضولیات ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ انسان کے ہاتھ پاؤں کا سلامت ہونا ضروری ہے اس میں روح رہے یا نہ رہے تو یہ کون سی عقلمندوں والی بات ہے۔ کوئی شخص کہتا ہے کہ فلاں مکان سے گر کر مر گیا' دیکھنے والوں نے اسے ٹٹولا اور کہنے لگے شکر ہے اس کی ٹانگ یا بازو نہیں ٹوٹا اب ٹانگ یا بازو کی سلامتی کو یہ کیا کرے گا جب مر ہی چکا سارے بازو ٹانگیں چور چور ہو جائیں یا سلامت رہیں تو اس کو کیا فرق پڑا۔ لوگ جو کہہ دیتے ہیں کہ یہ مشاہدات سب فضول ہیں بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہا جائے کہ وجود سلامت ہونا چاہئے روح کی ضرورت نہیں۔ دراصل اعمال کا بھی ایک جسد ہوتا ہے اور ایک روح ہوتی ہے۔

اب آپ دیکھیں کہ امت مرحومہ میں اول سے لے کر آج تک اس وادی میں ان لوگوں نے قدم رکھا ہے جن پر آپ اور آپ کی پوری قوم فخر کرتی ہے' جو ارادوں کے مضبوط' جو مجاہدے کرنے والے' صبر کرنے والے' صاحب علم' صاحب عزم و ہمت اور ورع و تقویٰ میں مثالی لوگ تھے تو کیا امت کے یہ سارے مثالی لوگ ایک فضول کام پر متفق ہو گئے۔ یہ بات بدکاروں کو سمجھ آئی اور ان کو سمجھ نہیں آئی جن کی عملی زندگیاں مثالی' سنت نبویہ ﷺ کے مطابق اور حضور ﷺ کا عشق اور آپ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ پر قربان ہونے کا جذبہ ان کے ایک ایک بال میں موجود ہے۔ ان کے نام اتنا وزن رکھتے ہیں کہ ایک شخص کا نام پوری قوم کو کھڑا کر دیتا ہے وہ جو کہا گیا ہے ۔

همه شیران جهاں بستہ ایں سلسلہ اند

یہ تو وہ زنجیر ہے جس میں دنیا بھر کے سارے شیر جکڑے ہوئے ہیں کوئی کمزور آدمی تو اس میں رہ ہی نہیں سکتا۔

تو اسے اس طرح ایک جملے میں اڑا دینا کہ یہ مشاہدات فضول ہیں بہت بڑی زیادتی ہے جب کہ فواد کے اثبات کے لئے انبیاء و رسلؑ کو آقائے نامدار ﷺ کی ذات گرامی کو' من جانب اللہ ان کیفیات کی ضرورت ہے تو ماوشما کو ذکر و

ازکار کی اور کیفیات و مشاہدات کی کروڑوں گنا زیادہ ضرورت ہے۔ آپ خود اپنا تجربہ کر لیجئے اگر مشاہدہ نہ بھی ہوا ہو تو ذکر میں بیٹھ کر جو کیفیت نماز و روزہ اور آخرت پر یقین کی ہے کیا وہ ذکر سے پہلے نصیب تھی۔ آدمی تو ساری بات پہلے بھی جانتا ہے۔ ہم مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے' بچپن سے لے کر موت' مابعد الموت' برزخ قبر' حشر نشر' قیامت' جنت دوزخ سب کچھ ہم نے سن رکھا ہوتا ہے' مان رکھا ہوتا ہے لیکن اس کیفیت کو پا کر جو ماننا نصیب ہوتا ہے وہ اس کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔

اللہ کریم تمام احباب کو یہ دولت اور انعامات عطا فرمائے اور انہیں ثابت قدم رکھے اور تمام مسلمانوں کو اس کے حصول کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆

کشف و مشاہدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ و اوحینا الی موسیٰ ان ارضیعہ فا
اذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک
جاعلوہ من المرسلین۔ (۲۸-۷)

تعارف

ایک عجیب صورتحال ہمارے سامنے ہے کہ اللہ کی کتاب من و عن جیسے نازل ہوئی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے پہنچائی' ویسے کی ویسی ہمارے پاس موجود ہے اس کی جو تشریحات جو تعبیر و تفسیر آپ ﷺ کے ارشادات عالی سے آپ ﷺ کے علم و عمل سے انسانیت تک پہنچیں وہ بفضل اللہ تعالیٰ اہل سنت و الجماعت کے پاس بالکل حرف بہ حرف بغیر کسی شک و شبہ کے محفوظ ہیں۔ ان میں کوئی شک کی گنجائش نہیں اور جو لوگ حدیث پہ اعتراض کرتے ہیں ان کی نظروں میں مسلمانوں کا وہ مجاہدہ نہیں ہے کہ انہوں نے محض حدیث کے تحفظ کے لئے سترہ فنون' سترہ علوم ایجاد کئے جو مسلمانوں سے پہلے دنیا میں نہیں تھے۔ جن میں صرف و نحو اور گرائمر سے لے کر اسماء رجال تک ایسا عجیب علم کہ جس کسی نے حدیث روایت کی وہ بندہ کیسا تھا' وہ کس خاندان کا تھا' کس قوم کا تھا' اس کا حافظہ کیسا تھا' اس کا کردار کیسا تھا' ذرا ذرا سی بات کی پوری تفصیل مل جاتی ہے اور پھر جب حدیث کی صحت پر اہل سنت و الجماعت شہادت دیتے ہیں تو اس میں بہت سی چیزیں دیکھتے ہیں۔ حدیث بیان کرنے والا بندہ کتنا کھرا ہے۔ جس سے وہ

بیان کر رہا ہے وہ بندہ کون ہے اور کیا تاریخی اعتبار سے اس بندے سے اس کی ملاقات ہوئی ہے یا نہیں۔ پھر درایت کو سب پہ مقدم رکھتے ہیں کہ جو کچھ یہ کہہ رہا ہے کیا یہ آپ ﷺ کو زیب دیتا ہے۔ بات حضور ﷺ کی شان کے مطابق ہے۔ اسے درایت کہتے ہیں کہ جس کی طرف نسبت کی جا رہی ہے کیا اس سے یہ بات میل کھاتی ہے۔ پھر دوسری احادیث اس کی تائید کرتی ہیں یا نہیں۔

سب سے ضروری بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ہر ارشاد قرآن کی تفسیر ہے اس سے متصادم نہیں ہے۔ اس ساری تحقیقات سے گزار کر کہا جاتا ہے کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔ مگر کچھ لوگ آرام سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ حدیث پر کوئی اعتبار نہیں۔ یہ کہہ دینا اتنا آسان نہیں ہے۔ حدیث کا انکار تو قرآن کا انکار ہے۔ آپ اس قرآن کا انکار کریں' جو کتاب ہدایت جو ناطق ہے' جو بولتا ہے قرآن مجسم ہے۔

حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے آپ ﷺ کے بارے میں سوال کیا کہ آپ ﷺ کے اخلاقیات عالیہ' آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا' ملنا جلنا کیسا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کان خلقه القرآن۔ مجھ سے مت پوچھو' قرآن سے پوچھ' کیسے بیٹھتے تھے' کیسے کھاتے پیتے تھے' کیسے سوتے جاگتے تھے' کیا کرتے تھے کیا نہیں کرتے تھے۔ قرآن پڑھتے جاؤ حضور ﷺ کی عادات ہی بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ ایک بڑی نعمت ہے جو ہمارے پاس ہے اور یہ نہ سوچو کہ ہم یورپ سے یا اور کسی طاقت سے مغلوب ہو رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے پاس نور ہے' روشنی ہے' سورج ہے' مگر یہ اندھیروں میں چھپتا جا رہا ہے۔ امریکہ' یورپ کا نام نہ لو وہ سارا کفر کیا ہے' ظلمت ہے' تاریکی ہے' اندھیرا ہے۔ اب یہ قندیل ہمارے پاس ہے لیکن ہمارے سامنے راستہ نہیں ہے۔ ہمیں سجھائی کچھ نہیں دیتا۔ اندھیروں میں گم ہو رہے ہیں' کیوں؟

کمالات نبوت

اس قندیل میں کوئی کمی ہے یا ہم میں کوئی کمی ہیں۔ ارے بھائی! کسی کے

پاس چراغ ہو لیکن اس نے جلایا نہ ہو۔ کیا صرف چراغ سے راستہ دیکھ لے گا۔ چراغ جلتا ہوا چاہیے اس میں تیل بھی چاہیے اس میں بتی بھی چاہیے۔ ارشادات نبوی ﷺ چراغ ہیں لیکن ان کا تیل تیرا اور میرا خون ہے' ان کی بتی تیرا اور میرا دل ہے یہ جلے گا' یہ روشن ہو گا' اس میں آگ بھڑکے گی تو ظلمت ہٹنا شروع ہو جائے گی۔ آپ کو ظلمت اور اندھیرے کو دھکیلنا نہیں پڑے گا وہ خود بخود بھاگنا شروع کر دے گی' روشنی پھیلنا شروع ہو جائے گی اگر اس میں آپ تیل بھی نہیں ڈالتے' اسے اپنے جگر کا خون بھی نہیں پلاتے' اپنی جان بھی بچاتے ہیں' اسے جلانا بھی نہیں چاہتے' تو خالی چراغ کو سر پر اٹھائے رکھو راستہ تو نظر نہیں آئے گا۔

جواب طلبی یہ ہو گی کہ تو نے چراغ کیوں نہ جلایا تاکہ دنیا سے ظلمتیں اٹھ جاتیں اور نور پھیل جاتا۔ جواب دینا پڑے گا کہ یورپ کے ساحلوں پر حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی اولاد ننگی کیوں پھرتی تھی؟ اگر تو یہ چراغ جلاتا' اگر تیرا خون جگر جلتا' اگر تیرا درد دل اسے آگ لگاتا تو حضرت حوا علیہما السلام کی بیٹیاں بازاروں کی زینت کیوں بنتیں؟ تیری بیٹیاں' کلمہ گو کی بیٹیاں' مسلمان کی بیٹیاں' گھنگھرو باندھ کر کیوں ناچتیں۔ یہ سارا دن جو ہم ٹیلی ویژن دیکھتے ہیں اس پر امریکہ کی بیٹیاں تو نہیں ناچتیں۔ میرا اپنا ایمان یہ ہے کہ جو امریکہ یا یورپ یا دنیا کے غیر اسلامی ملکوں میں بے حیائی ہو رہی ہے ہم اس کے بھی ذمہ دار ہیں' وہ بھی ہمارا قصور ہے۔ ارے جس کے پاس اندھیرے ہٹانے کا چراغ ہے گنہگار تو وہ ہے' چراغ ہمارے پاس ہے ان کے پاس تو ظلمت ہے۔ اب یہ جو پاکستان ٹیلی ویژن پر گھنگھرو باندھ کر ناچتی ہیں یہ کس کی بیٹیاں ہیں کیا ہم ویسے ہی بے وقوف ہو گئے ہیں جیسا غیر مسلم بے وقوف ہے۔ قرآن کو غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں جنہیں ہم مستشرقین کہتے ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ کو بھی وہ پڑھتے ہیں اور جتنے اعتراض کرتے ہیں وہ قرآن و حدیث پڑھ کر کرتے ہیں۔ قرآن کا یہ خاصہ ہے کہ یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا۔ بے شمار لوگوں کو

قرآن پڑھ کر گمراہی نصیب ہوتی ہے' بے شمار لوگ ہدایت پاتے ہیں۔ گمراہ قرآن پڑھ کے گمراہ رہتے ہیں جیسے کسی کو بخار ہو اور اسے آپ دبا کر کھانا کھلائیں تو وہ مرے گا نہیں؟ پھر کہنے والا کہے کہ یہ دو روٹیاں یا گندم کی چوری دیسی گھی میں کھا کر کیوں مر گیا۔ ارے دیسی گھی اور چوری تو زہر نہیں تھی کھانے والے میں قوت برداشت نہیں تھی وہ مر گیا۔ صحت مند کو دیتے تو اسے یہ طاقت دیتی اور بیمار کو کھلائی تو وہ مر گیا۔

طفل را گر نان دہی بر جائے شیر
طفل بے چارہ ازاں مردہ گیر

آپ شیر خوار بچے کو روٹی کھلا دیں وہ روٹی سے بیمار ہو جائے گا۔ قرآن سے بھی وما یضل بہ الا الفسقین۔ جو بدکار ہوتے ہیں' جو برائی کرتے ہیں' جو گناہ کرتے ہیں' وہ قرآن پڑھ کے بھی گمراہ ہی ہوتے ہیں۔ والذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ اور وہ لوگ بھی جو اللہ سے وعدہ کر کے توڑتے ہیں۔ یہاں کہتے ہیں لا الہ الا اللہ' باہر نکلتے ہیں تو امیدیں غیر اللہ سے وابستہ کرتے ہیں۔ زبان سے کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری ساری امیدیں تیرے ساتھ ہیں۔ باہر نکلتے ہیں تو اللہ کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں' غیر اللہ سے امید وابستہ کرتے ہیں کہتے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ' حضرت محمد ﷺ ہمارے رسول ہیں۔ رسول ماننے کا مطلب یہ ہے کہ میں وہ کروں گا جو حضور ﷺ کہیں گے اور جب کرنے کی باری آتی ہے تو ایسا کرتے نہیں' وعدہ کر کے اس کی مخالفت کرتے ہیں' توڑ دیتے ہیں۔ تو ایسے لوگ قرآن سے بھی گمراہ ہوتے ہیں۔ یہ بے چارے اتنے بیمار ہیں کہ یہ بہترین کھانا کھانے سے مر جاتے ہیں۔

ہمارا حال کہیں وہ تو نہیں کہ جتنا جتنا ہم قرآن پڑھتے ہیں گمراہی بڑھتی جاتی ہے۔ گذشتہ پچاس سال کا اندازہ کرنے سے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ گمراہی ہر دن بڑھ رہی ہے۔ قرآن پڑھنا محض الفاظ نہیں ہوتے قرآن ایک کیفیت ایک حال عطا کرتا ہے اور وہ حال یہ کہ مومن صرف رب کو مانتا نہیں

رب کو اپنے اندر موجود پاتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں مکہ مکرمہ میں جن لوگوں پر سختی کی گئی ان میں اکثریت صرف غریبوں کی تھی بلکہ وہ لوگ غلام ابن غلام ابن غلام تھے یعنی بدی پشتی غلام۔ آنکھ اٹھا کر کسی سردار کے سامنے بات کرنا ان کی نسلوں میں کسی نے نہیں سیکھا تھا۔

ان میں اتنی جرات کیسے آ گئی کہ ابوجہل کو کہتے ہیں جو ہو سکتا ہے کر لے۔ میں کیسے کہہ دوں کہ اللہ ایک نہیں۔ ارے سورج سامنے ہے تو ابوجہل دس ہو جائیں' پچاس ہو جائیں اور وہ کہہ دیں کہ سورج نہیں ہے لیکن وہ کہے گا یہ سامنے ہے تو اندھا ہے یہ نہیں تھا کہ وہ بندے بدل گئے ہیں' قد نہیں بدلا تھا' حلیہ نہیں بدلا تھا' رنگ نہیں بدلے تھے' شکلیں نہیں بدلی تھیں' صحت نہیں بدل گئی تھی کہ وہ پہلے بیمار تھے تب غلام تھے' کلمہ پڑھا تو بڑے پہلوان ہو گئے تھے۔ بس نگاہ مصطفوی ﷺ نے ان کے اندر رب العلمین کو بسا دیا وہ ان کے سامنے تھا ان کے پاس تھا اور وہ جو جگہ جگہ کہتا ہے ان اللہ مع المحسنین۔ میں مخلص لوگوں کے ساتھ ہوتا ہوں۔

حدیث قدسی میں آتا ہے کہ بندہ جب مجھ میں فنا ہوتا ہے تو میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں' پاؤں بن جاتا ہوں' آنکھیں بن جاتا ہوں' کان بن جاتا ہوں وہ مجھ سے سنتا ہے' مجھ سے دیکھتا ہے' مجھ سے چلتا ہے' مجھ سے پکڑتا ہے یعنی اسی صورت حال کو فنا فی اللہ کہتے ہیں۔ آپ ﷺ کی نگاہ کرم نے' ان کے انگ انگ میں رب العلمین کو رچا بسا دیا اور اسی وجہ سے وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کہلائے۔ نفلیں پڑھنے سے کوئی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں بنا' وظیفے پڑھنے سے' چلے لگانے سے تبلیغ کرنے سے صحابی رضی اللہ عنہم بنے۔ سارا دین ہی صرف اتنا تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ۔ تب بھی لوگ صحابیؓ بن گئے۔ احکام بعد میں آئے' قرآن بعد میں نازل ہوا' نمازیں بعد میں فرض ہوئیں' روزے بعد میں فرض ہوئے' شراب بعد میں حرام ہوئی' حلت حرمت کے احکام بعد میں آئے اور لوگ صحابیؓ پہلے بن گئے اور جو نگاہ مصطفوی ﷺ میں آ تا گیا' صحابیؓ بنتا

چلا گیا۔

عظمت صحابہؓ

تو میرے بھائی! صحابیؓ کو کیا حاصل تھا۔ صحابہ کرامؓ سے یہ چیزیں کثرت سے اس لئے روایت نہیں ہیں کہ یہ ایک عام چیز تھی اور عام چیز کو بطور خاص لکھا نہیں جاتا۔ اب ہمارے ہاں جہالت زیادہ ہے تو یہاں روز یہ بات ہوتی ہے کہ مشاہدات کی کیا ضرورت ہے یا مثلاً" فلاں بندہ کتنا پڑھا لکھا ہے لیکن جن ملکوں کی ہر گلی میں سکول کالج ہے اور ہر بندہ پڑھا لکھا ہے وہاں کوئی نہیں پوچھتا کہ کون کتنا پڑھا ہوا ہے بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ ہر بندہ پڑھا لکھا ہے صحابہ کرامؓ سارے صاحب نظر ہوتے تھے اس لئے ان کی روایات عام نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی بے شمار ملتی ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ مسجد نبویؐ حاضر ہوئے تو حضور ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے آپ ﷺ نے پوچھ لیا کیف اصبحت کہ کس حال میں تم نے صبح کی' آپ ﷺ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ مومن ہوں' ایمان کے ساتھ صبح کی بحمد اللہ۔ فرمایا' تمہارے پاس مومن ہونے کی کیا دلیل ہے۔ کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ یہاں کھڑا ہوا میں میدان حشر کو دیکھ رہا ہوں' جنتیوں کو جنت میں جاتے اور دوزخیوں کو دوزخ میں گرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اللہ کا دربار میری نظروں میں ہے اور آپ ﷺ کی کرسی پر میری نگاہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے سچ کہا یہ تیرے ایمان کی دلیل ہے۔

غیر نبی کو الہام یا القا

حضور ﷺ سے پہلی امتوں میں یہ کمال خال خال تھا۔ میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے اس میں براہ راست ایک ولیہ سے اللہ کی بات ہے۔ باتفاق علماء کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔ اللہ فرماتا ہے کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے بات کی' و اوحینا الی ام موسی۔ اور کوئی معمولی بات نہیں کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو ان کی امی سے میں نے کہا کہ اسے دودھ پلا، گود میں رکھ۔ لیکن فاذا خفت۔ جب خطرہ محسوس ہو کہ فرعونی سپاہی اسے آ کر قتل کر دیں گے تو فالقیہ فی الیم۔ تو اسے دریا میں پھینک دینا۔ رب العٰلمین نے بڑا نسخہ بتایا۔ سپاہیوں نے قتل نہ کیا، خود دریا میں ڈال دو، ماں کی گود تو خالی ہو گئی، بچہ تو موت کے منہ میں چلا گیا۔ فرمایا نہیں! ڈرنے کی بات نہیں ہے، ولا تخافی پھینکتے ہوئے ڈرنا نہیں، یہ رب بات کر رہا ہے ام موسیٰ سے۔ ولا تحزنی۔ اور فکرمند بھی نہیں ہونا کہ کہیں میرے بیٹے کو کوئی نقصان ہو جائے گا نہیں ہو گا۔

انا رادوہ الیک۔ میں اسے لوٹا کر تیری ہی گود میں لاؤں گا۔ تو دریا میں پھینک دے اور میری قدرت کا تماشہ دیکھ کہ میں اسے واپس تیری گود میں لاتا ہوں اور صرف یہ نہیں کہ تیری گود میں واپس لاؤں گا۔ و جاعلوہ من المرسلین۔ میں اسے اپنا رسول علیہ السلام مبعوث کروں گا، فکر نہ کر یہ کیا تھا اسے ہی الہام و القا کہا جاتا ہے۔

وحی اصطلاحی صرف نبی علیہ السلام پر آتی ہے ولی اللہ کے لئے جب اس کا استعمال ہو تو اسے الہام یا القا کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے وہ بات انہیں سنائی دی، ان کے دل میں ڈال دی۔ یہ رب کی مرضی کیسے کی لیکن رب نے ان سے بات کر لی۔ ام موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ مجھ سے میرا رب ہم کلام ہے اور اس ساری بات پر عمل بھی کیا معمولی عمل نہیں تھا کہ چند دن کے بچے کو اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ عمل بھی کیا، بچہ واپس بھی آیا اور بچہ رسولؑ بھی مبعوث ہوا۔

اگر امت موسوی کی ولیہ کو یہ کمال حاصل ہے تو امت محمدیہ میں کیوں نہیں ہو سکتا، کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ فرشتے سے بات کر سکتی ہیں تو محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام کیوں نہیں کر سکتے یقیناً کر سکتے ہیں۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت

اس سلسلہ عالیہ پر یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں میں نے دیکھا اور زندگی میں ایک ہی مسجد دیکھی جس کا پانی بھرنے والا خادم بھی فنا فی الرسول تھا۔ میں نے زندگی میں یہ دیکھا ہے کہ عموماً" مساجد کے خدام بے نماز ہوتے ہیں۔ یہ پانی بھرنے والے' صفائی کرنے والے نمازی تک نہیں ہوتے۔ آئے پانی بھرا اور چلے گئے۔ لیکن جب ہم سبق لینے جاتے تھے تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد کا خادم بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہمارے ساتھ کیا کرتا تھا۔ ایسا عجیب آدمی تھا ایک دن ہم گئے تو حضرت جی فرمانے لگے اس بڈھے کو دیکھو اس کا دماغ چل گیا ہے۔ تو میں نے پوچھا کہ بابا تو نے کیا کیا۔ کہتا ہے کچھ نہیں یار حضرت جی ناراض ہو گئے۔ میں ذکر کر رہا تھا تو کہیں سے ایک سانپ نکل آیا وہ جو چھاج والا سانپ ہوتا ہے۔ اس کی تو عادت ہے کہ جدھر کوئی سر مارتا ہے ادھر وہ ڈنگ مارتا رہتا ہے۔ میں نے اوپر کوئی کپڑا سا لے رکھا تھا۔ تو جس طرف میں ضرب لگاتا سانپ اس طرف ڈنگ مارتا۔ تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ خفا ہیں کہ تو ذکر چھوڑ کر اسے دفع کرتا' میں نے کہا کون ذکر چھوڑے تھک کر چلا جائے گا۔ میں اپنے موج میں تھا میں نے بھی سانپ کو محسوس تو کیا لیکن میں نے کہا دفعہ کرو تھک جائے گا خود بخود چلا جائے گا۔ میں کیوں ذکر کا تسلسل چھوڑ دوں۔ اس بندے نے اس حال میں بھی اپنے لطائف کا تسلسل نہیں توڑا تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر ناراض ہو رہے تھے کہ یہ تو زیادتی ہے اسے بھگا دیتا' مار دیتا' پھر ذکر شروع کر دیتا۔ مگر مجھے شرم آتی تھی کہ میں ذکر چھوڑ دوں اگر مرنا ہے تو ویسے بھی مرنا ہے' سانپ کاٹے یا نہ کاٹے۔ مرنا تو ہر حال میں ہے پھر سانپ کو دفعہ کرنے یا نہ کرنے سے کیا فرق پڑے گا۔ ذکر کرتا مر جاؤں تو کیا حرج ہے۔ ہم نے تو مسجد کے ایسے خادم دیکھے ہیں۔

مشاہدات پر پابندی کا سبب

لیکن یہ نعمت بعد میں بہت کم ہو گئی تھی۔ کچھ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پہ پابندی لگائی۔ آج تک قدرتی طور پر جس کو مشاہدہ ہوتا ہو ورنہ میں نے آج تک اسے بند ہی رکھا۔ پتہ ہے کیوں؟ یار لوگوں میں احساس مرچکا ہے کہ کس چیز کی قیمت کیا ہے۔ یہ میں سارا فسانہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اب مجھے جو اگلے دن ایک دو خط آئے جن میں یہی کشف مشاہدات کی باتیں تھیں۔ میں نے جواب میں لکھا کہ یار یہ کشف اس لئے نہیں جس کے لئے تم استعمال کر رہے ہو۔ ایک نے خط میں لکھا کہ مجھے مشاہدہ ہو گیا ہے۔ میں نے کشف میں دیکھا کہ شیخ نے تو اقربیت تک مراقبات کرائے تھے۔ لیکن مجھے سالک المجذوبی ہو گئی۔ پھر میں ساتویں عرش میں چلا گیا میں نے اسے لکھا کہ ہم نے تو بغیر باپ کے اولاد پیدا ہوتے نہیں دیکھی۔ تمہارے ہاں کیسی ہو گئی مجھے سمجھ نہیں آئی اگر شیخ نے اگلے مراقبات نہیں کرائے تو تجھے کیسے ہو گئے۔ جس اولاد کا کوئی باپ ثابت نہیں ہوتا وہ اولاد ثابت نہیں ہوتی اور جو کچھ تو کہہ رہا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کشف ہوتا ہے اللہ کو روبرو دیکھنے کے لئے' احکام الٰہی کی حکمتیں سمجھنے کے لئے' اسرار و رموز شریعت سمجھنے کے لئے' گناہ کی ظلمت دیکھنے کے لئے۔ خطا ہو جائے تو پتہ چلے کہ یہ تو اندھیرا ہو گیا اور سجدے میں قبولیت کا نور دیکھے یہ تسبیح قبول ہو گئی۔

روئے زمین سے' امریکہ سے جاپان تک تو یہاں لوگ آتے ہیں لیکن رب العلمین کا کتنا عجیب احسان ہے کہ مدینتہ الرسول سے بھی ساتھی یہاں اعتکاف کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ یہ مدینہ منورہ سے کوئی بہتر جگہ ہے۔ ساری روئے زمین ہزاروں بار بھی پیدا ہو تو اُن گلیوں پہ نثار کی جا سکتی ہے۔ بات صرف ایک ہے کہ یہاں دل کی آنکھوں کا وہ اپریشن ہوتا ہے کہ مدینے والا نظر آتا ہے۔ اس کے بغیر مدینہ منورہ بھی جاؤ تو در و دیوار تو نظر آتے ہیں' صاحب خانہ کی زیارت اور بات ہے۔ ارے اس گھر کی' اس در کی' اس

خاک کی، ان گلیوں کی، ان فضاؤں، ان پہاڑوں کی زیارت بھی بہت زیادہ قیمتی ہے جس کا میں اور آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ لیکن کہاں وصال محمدی ﷺ کہاں رخ انور رسول اللہ ﷺ، کہاں انوارات رسول اللہ ﷺ، کہاں وہ مشاہدات باطنی اور کہاں وہ آنکھ۔

خوشا چشم کہ با تو باز گردد

عجیب بات ہے آنکھ جو کھلے تو رخ انور پہ جا ٹھہرے۔ اس کے لئے لوگ یہاں آتے ہیں۔ میں نے دس برس مشاہدات کو روکے رکھا۔ انشاء اللہ آج میں چھوڑ رہا ہوں۔ جنہیں گمراہ ہی ہونا ہے ان کو تو میں بچا نہیں سکتا۔ جنہیں استقامت نصیب ہونی ہے انہیں روک کر کیوں رکھوں۔ میرا خیال تھا کہ شاید میں اچھا کر رہا ہوں لیکن جنہیں گمراہ ہونا ہے وہ اس کے باوجود بھی ہو رہے ہیں۔

یاد رکھو! مشاہدات سے جو لوگ گمراہ ہوتے ہیں انہوں نے یقیناً ایسی کوئی بدعہدی اللہ سے کی ہوتی ہے کہ یہ حیات کا نسخہ ان کے لئے موت کا سبب بن جاتا ہے اور ہم نے یہ ہوتے دیکھے اپنے سے پہلے صاحب کشف جو ساتھی تھے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا۔ ہمارے ساتھ جو تھے انہیں مشاہدات ہوئے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا ہم سے بعد میں آئے انہیں مشاہدات ہوئے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا۔ اس لئے میں اس سے ڈرتا تھا لیکن دس سال بعد مجھے یہ سمجھ آئی کہ اس میں میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جنہیں گمراہ ہونا ہے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہوتے ہیں کشف کی وجہ سے نہیں۔ تو پھر ان سے کشف کو کیوں روکیں ٹھیک ہے جسے اللہ دیتا ہے اسے لینے دیں۔ لیکن میری ایک بات سن لو کل عرصہ محشر میں یہ شکوہ نہ کرنا کہ ہمیں خبر نہ تھی۔

کشف مومن کا ورثہ ہے، ملکیت ہے، حق ہے۔ جب موت آتی ہے تو کافر بھی فرشتے سے بات کرتا ہے۔ قرآن ناطق ہے، فرشتے کافر کو کہتے ہیں فیما کنتم۔ دنیا میں کیا کرتے رہے۔ ابھی زندہ ہوتا ہے فرشتے سے بات ہو جاتی ہے

لیکن توبہ کی قبولیت کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ مرتا ہے تو فرشتے سے سوال و جواب کرتا ہے۔ دوزخ کو صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ کافر دوزخ کو محسوس کرتا ہے۔ اس کی قبر دوزخ کا گڑھا بن جاتی ہے۔

اگر مومن نے بھی مر کر ہی جنت دیکھنی ہے تو وہ ایمان کس کام کا۔ اگر ساری زندگی سنی سنائی باتوں پہ رہنا ہے تو ایسے ہی مومن پیدا ہوں گے جو کفر کے غلام ہوں گے جن پر کافر حکومت کریں گے جو اسلام کے لئے ذلت و رسوائی کا سبب ہوں گے۔ اسلام کے خادم وہ مومن ہوں گے جو رب العلمین کو روبرو دیکھیں گے' جو محمد رسول اللہ ﷺ کا نور دیکھیں گے' جو قرآن کے الفاظ ہی نہیں ہر ہر لفظ پر اترتے ہوئے انوارات کا مشاہدہ کریں گے۔ جن کے سجدے ان کے قلوب میں مزید جذب پیدا کریں گے اور جن کی تسبیحات برکات الٰہی کو متوجہ کریں گی یہ وہ مومن ہوں گے جو دنیا کی تقدیر بدل دیں گے۔

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مومن ہونے کا مشاہدہ آخرت کو دلیل قرار دیتا ہے۔ تم اور میں محروم ہیں تو ہمارے مومن ہونے کی دوسری دلیل کیا ہے۔ اور یہی اندھا پن ہے کہ ہمیں اسلام پر عمل کی توفیق ارزاں نہیں ہوتی' اندھے کبھی راستوں پہ چلے ہیں؟ اندھے کو راستہ سجھتا ہے کہ راستے پر چلے۔

مشاہدات کا آزاد کرنا

اس لئے اللہ مجھے معاف کرے میں نے جو روکے رکھا۔ میں نے اب چھوڑ دیا ہے۔ موج کرو اور انشاء اللہ العزیز ساتھیوں کو اس طرح مشاہدات ہوں گے کہ تاریخ میں ریکارڈ رہے گا۔ لیکن یاد رکھو کہ یہ مشاہدہ اللہ کی عظمت سمجھنے کے لئے ہے' تمہیں غوث بنانے کے لئے نہیں ہے۔ جب کشف ہوتا ہے تو شیطان کی بات سننا اور شیطان جو تصویریں پرنٹ کرتا ہے وہ بھی دیکھنا آسان ہو جاتا ہے۔ جب آنکھ کھلتی ہے تو صرف کعبہ ہی نظر نہیں آتا گردوارہ بھی نظر آتا

ہے۔ فرق یہ ہے کہ حق بات کے دیکھنے سے اپنا نہ ہونے کا اور اللہ کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ شیطان کی طرف سے جو وسوسہ آتا ہے اس میں اپنی بڑائی ہوتی ہے' تو فلاں عرش پر پہنچ گیا' تو غوث بن گیا' تو قطب بن گیا' تو فلاں بن گیا وغیرہ۔ ان پر یقین کا احساس تباہی ہے۔

ایک ساتھی بہت اور اچھا کام کر رہا ہے۔ بے شمار لوگوں کو ذکر کرایا۔ اس کا خط آیا کہ میں رات کو سوتا ہوں تو دو تین بزرگ آ جاتے ہیں' مجھے اٹھا دیتے ہیں اور بڑا ذکر کراتے ہیں میں نے لکھا کہ یہ شیطان ہیں' کوئی بزرگ نہیں۔ ارے بے وقوف جب تجھے سیدھا کلمہ نہیں آتا تھا اس وقت یہ بزرگ کہاں تھے۔ تیرا لطیفہ قلب جاری نہیں تھا تجھے ذکر کا طریقہ نہیں آتا تھا اس وقت یہ بزرگ کہاں مرگئے تھے۔ تجھے سیک سیک کر تو انڈوں سے ہم نے نکالا۔ اب جب کل پرزے نکلے تو بزرگ آ گئے تجھے چلانے والے اور اڑانے والے۔ یہ شیطان ہیں تمہیں گمراہ کریں گے۔ تمہاری بزرگی کو ہم کافی ہیں ہم سے رہنمائی لو۔ جو بات سمجھ نہ آئے پوچھ لو اور اتباع شریعت تمہارا کام ہے اور عظمت اللہ کے لئے ہے' اللہ کے رسول ﷺ کے لئے ہے۔ تمہارے لئے غلامی ہی سب سے بڑی عظمت ہے۔ زندگی بھر مت سمجھو کہ میں کچھ بن گیا ہوں تو کچھ نہیں بگڑ سکتا۔ تیرے ایک ایک ذرے میں اصلی اور حقیقی ظلمت ہے۔ اسے منور کرنا انوارات نبوی ﷺ کا کام ہے۔ جب بھی انوارات جائیں گے تیری ظلمت باقی رہ جائے گی۔ تیرے پاس کچھ نہیں ہے' تو غوث بنے گا نہ قطب' تو کچھ بھی نہیں بنے گا۔

چنگیز خان کے پوتے نے ایک ولی اللہ سے مذاق کیا تھا۔ اس کے ساتھ شکاری کتا تھا۔ شکار کے لئے نکلا تو شکار گاہ میں ان سے ملاقات ہو گئی۔ درویش تھے جنگل میں کہیں اپنے کام سے جا رہے تھے۔ اسے بڑا غصہ آیا کہ میرا راستہ اس نے کیوں کاٹا۔ میرے شکاری جانور بھگا دے گا۔ شکاری جب کہیں گھات پہ جا رہا ہو اور وہاں اسے کوئی بندہ نظر آئے' تو بڑا پریشان ہوتا ہے کہ اس نے

جانور بھگا دیئے ہوں گے۔

اس نے کہا کہ تو بہتر ہے یا میرا یہ کتا؟ انہوں نے فرمایا اگر میں ایمان پر مرا پھر تو میں تجھ سے اور تیرے جیسے لاکھوں سے بہتر ہوں اور اگر ایمان پر خاتمہ نہ ہوا تو پھر تیرا کتا بہتر ہے۔ لیکن یہ میرے خاتمے پر ہو گا آج اس کا جواب نہیں ہے۔ نزع کے وقت انہوں نے بیٹے کو بلا کر کہا کہ جانا اور اس کے پاس میرا پیغام لے جانا اور اسے کہنا کہ میں تیرے کتے سے بہت اچھا تھا۔ جہاں سے تاتاریوں میں اسلامی انقلاب آیا وہ اس شہزادے کے مسلمان ہونے سے آیا۔ اس کی پوری سلطنت مسلمان ہو گئی۔ ایک بندہ مرتے مرتے ایک کافر طاقت کو پکڑ کر اسلام کی غلامی دے گیا۔

مکاشفین کو انتباہ

مشاہدات کا حاصل یہ نہیں کہ تو غوث ہو گیا تو قطب بن گیا۔ مشاہدات کا حاصل یہ ہے کہ تجھے گناہ کا احساس ہونے کا شعور ہو' اللہ کا خوف ہو اور غیر اللہ کا خوف دل سے نکل جائے۔ کفر کے لئے تو تیغ برہنہ بن جائے اور احقاق حق کے لئے شمع صداقت بن جائے۔ دنیا میں تجھ سے نور' روشنی اور حق غالب آئے کفر کے اندھیرے سمٹنا شروع ہو جائیں' برائی ہٹنا شروع ہو جائے' یہ تیرے مشاہدات و مکاشفات کی دلیل ہے۔

انشاء اللہ مشاہدات ساتھیوں کو بہت زیادہ ہوں گے۔ فرشتوں سے باتیں ہوں گی' بیت اللہ شریف نظر آئے گا' بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضری ہو گی' اندھوں کی آنکھیں کھل جائیں گی لیکن سنبھل کر رہنا تمہاری اپنی ذمہ داری ہے اور میں میدان حشر میں بھی یہی کہوں گا جو آج کہہ رہا ہوں کہ بارالٰہا! میں نے دس سال روکے رکھا تو بھی جنہیں گمراہ ہونا تھا وہ ہوتے ہی رہے۔ میں نے عام کر دیا کہ جنہیں ہدایت پانی ہے وہ تو پائیں۔

اب تک ساتھیوں کو منازل ہوتے تھے اکثر کو مشاہدات نہیں ہوتے تھے

اس لئے کہ روکے ہوئے تھے کہ میں سمجھتا تھا اس سے گمراہ ہوں گے لیکن جنہیں ہونا ہے وہ پھر بھی ہو رہے ہیں۔ باپ کو کوئی خط لکھے کہ تو تو گھر چھٹی نہیں آیا لیکن میرا بھائی پیدا ہو گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ شیخ بارگاہ نبوی ﷺ اور تمہارے درمیان رابطہ ہوتا ہے۔ شیخ کے اپنے پاس' ہمارے اپنے پاس کچھ نہیں ہے' میں کوئی شیخ نہیں ہوں مجھے تو پکڑ کر اس خدمت پر لگا دیا گیا۔ میں تو ایک عام مزدور پیشہ آدمی ہوں اور اپنی اصلاح کے لئے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا مجھے پیری نہیں چاہئے تھی اور میں وہ بندہ ہوں جس نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی عرض کیا تھا کہ حضرت اگر تو فقیری کپڑے پھاڑنے میں ملتی ہے' تو ہم نے تو بڑی زور دار لڑائیاں بھڑائیاں کر کے شادیاں کی ہیں اور اچھے گھر بنائے ہیں' محنت مزدوری کر کے پیسہ کمایا ہے' گاڑیوں پہ پھرتے ہیں' یہ چیزیں ہم تو نہیں چھوڑیں گے۔ تو یہ فقیری مجھے قبول نہیں ہے آپ نے فرمایا یہ فقیری نہیں ہے۔ فقیری یہ ہے کہ ان چیزوں میں غرق ہو کر اللہ کو نہ چھوڑ دیں اور اللہ کا قرب اتنا نصیب ہو کہ کائنات کی سلطنت بھی تمہارے پاس آ جائے تو تم فقیر ہی رہو۔ تب سے فقیر میرے نام کا حصہ ہے۔ یہ میں نے نہیں رکھا تھا یہ تب سے اس واقعہ سے آ رہا ہے۔

تو اس پر گھبرانے کی کوئی بات نہیں کہ کوئی اعتراض کرے کہ یہ کہتا ہے ہمیں کشف ہوتا ہے۔ ہمیں ہوتا ہے تم سے کوئی فیس نہیں مانگتے کہ ہمیں کشف ہوتا ہے اگر کوئی کہے کہ شرعاً" ثبوت نہیں ہے۔ شرعاً" تو ثبوت ہے کہ سارا دین کشفاً" نبی علیہ السلام کو حاصل ہوا۔ فرشتے سے بات کر کے حاصل ہوا' اللہ سے بات کر کے حاصل ہوا۔ اسلام کی تو بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ اسلام تو بات ہی آخرت کے لئے جینے کی کرتا ہے اور اسلام کہتا ہے ان جھنم لمحیطتہ بالکفرین۔ کافر دوزخ میں ہی جی رہا ہے' دوزخ کے اور کافر کے درمیان حیات دنیاوی کا ہلکا سا پردہ ہے اور کافر کو جہنم گھیرے ہوئے ہے۔ جہنم کا پرتو اس کی زندگی پر پڑتا ہے اس لئے تو وہ نادیدہ خوف (Fear of the unknown)

میں مبتلا ہے۔

مشاہدات کا مقصد

لیکن یاد رکھو کہ یہ سارے کمالات' عظمت رسالت کو جاننے کے لئے' نیکی کی قدر و قیمت پہچاننے کے لئے' اسلام پر جان دینے کے لئے' اللہ پر اعتماد پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ تمہیں بڑا بنانے کے لئے نہیں ہیں اور جب اپنی بڑائی کی کوئی بات آئے تو سمجھ لینا شیطان کی طرف سے ہے اور میں تمہیں ایک اور نشانی بھی بتاتا چلوں کسی بھی صاحب کشف' صاحب ذکر' قلبی ذاکر کو جب شیطان کا القا ہوتا ہے تو اس کے بدن کا بال بال کھڑا ہو جاتا ہے۔ بالکل اندھا ہو تو اس کی بات پہ اعتبار کر لے گا ورنہ شیطان کافر کے پاس بھی آئے تو اس کے دل میں بھی خوف پیدا ہوتا ہے۔

میں وہ سارے واقعات تو دہرا نہیں سکتا جو حضرت جیؒ سے سنے ہیں۔ ہاں ایک واقعے پر بات ختم کرتا ہوں۔ تقسیم ملک سے پہلے ایک ہندو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ ہندو بھی بڑا مجاہدہ کرتے تھے اور تنہائی میں بیٹھے رہتے تھے۔ اس نے کہا مجھے یہ کمال حاصل ہے کہ جب اپنے مراقبے میں بیٹھتا ہوں تو ایک صورت آ جاتی ہے اور جہاں میں کہوں مجھے لے جاتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایک بات بتاؤ کہ وہ شکل جب آتی ہے یا تمہیں اٹھاتی ہے تو تمہیں ڈر لگتا ہے یا خوشی ہوتی ہے۔ کہنے لگا ڈر لگتا ہے۔ فرمایا ڈر کیوں لگتا ہے اگر وہ تو تمہارا نوکر ہے' خادم ہے' سینکڑوں میل تمہیں اٹھا کر لے جاتا ہے' پھر ڈرتے کیوں ہو۔ کہنے لگا یہ سمجھ نہیں آتی لیکن دل میں ڈر پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا یہی دلیل ہے کہ وہ شیطان ہے۔ انسان کافر بھی ہو شیطان قریب آئے تو اس کے دل میں ایک لرزہ سا گزر جاتا ہے دشمن جو ہے۔ انہ لکم عدو مبین۔ یہ انسانیت کو خطاب ہے۔ کافر کو بھی اللہ یہ بتا رہا ہے کہ دوست تیرا بھی نہیں ہے' تو بھی انسان ہے' تیرا بھی یہ دشمن ہے۔

پھر پتہ نہیں کیوں کر اس کے القا پہ ساتھی بھی اعتبار کر لیتے ہیں اللہ کریم

آپ کے سینوں کو روشن کرے۔ دل کی آنکھیں بینا کرے لیکن یاد رکھنا اللہ کی عظمت کے لئے دے رہا ہوں' تمہاری بڑائی کے لئے نہیں۔ اللہ کریم آپ کو نصیب کرے۔

☆ ☆ ☆

راہ سلوک و مجاہدات

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لتبلون فی امرالکم و انفسکم.... فان ذلک من عزم الامور۔ (سورۃ آل عمران : ۱۸۶)

راہ حق کی تین آزمائشیں

اللہ جل و علیٰ نے اس آیت کریمہ میں تین طرح کی آزمائشوں کا ذکر فرمایا ہے جو راہ حق میں ضرور آتی ہیں اور جو مجاہدہ ہونے کے اعتبار سے اپنی ایک انفرادی اہمیت رکھتی ہیں۔

اسلام جہاد مسلسل ہے

اسلام نام ہی ایک مسلسل ... کا ہے اور جہاد سے مراد اپنی پوری طاقت کے ساتھ حق کو نافذ کرنے کے لئے' حق کو باقی رکھنے کے لئے' حق کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے کوشش کرنے کا نام ہے۔ چونکہ مسلمان کی جنگ بھی اسی کوشش کا ایک حصہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ احقاق حق کے لئے لڑتا ہے' نہ حصول دنیا کے لئے اور نہ اپنے آپ کو کسی پر مسلط کرنے کے لئے۔ اس لئے اسلامی جنگوں کو بھی جہاد کہا جاتا ہے۔ لیکن صرف جنگ ہی جہاد نہیں ہے بلکہ حقیقتِ جہاد یہ ہے کہ پوری زندگی اپنے آپ کے ساتھ' اپنی خواہشات کے ساتھ اپنی ضروریات کے ساتھ مسلسل مقابلہ کرتا رہے اور دین کو اور دین کے نفاذ کو اپنی ذاتی ضروریات پہ ہمیشہ ترجیح دے۔ اگر تقابل آ جائے تو نقصان ہمیشہ اپنی

ضروریات کی طرف کرے' اپنی حاجات کی طرف کرے' دنیا کی طرف کرے' دین کی طرف یا نفاذ دین کی طرف جہاں تک ممکن ہو' جہاں تک انسان کا بس چلے نقصان کو نہ ہونے دے۔ تو گویا اسلام نام ہی مسلسل جہاد کا ہے اور مجاہدہ جہاد ہی کی ایک صورت ہے۔ مجاہدات تو دو طرح کے ہوتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر مجاہدہ اپنے اندر کچھ مشکلات رکھتا ہے جیسے نوافل میں مسلسل روزے رکھنا یا مسلسل صدقات دینا یا مسلسل ذکر اذکار کرنا' سحری کو نوافل کے لئے باقاعدگی سے اٹھنا لطائف کرنا' یہ سب مجاہدہ ہے۔ اس میں آپ دیکھتے ہیں کتنی مشقت ہے' کتنی شدت ہے' کتنی تکلیفیں ہیں۔ لیکن ان مجاہدات کی افادیت یا ان کا فائدہ بہت زیادہ ہوتا ہے' تکلیف بہت کم ہوتی ہے۔ اٹھنے میں چند لمحے صبح ہونے سے پیشتر اٹھ گیا تو اتنی مشقت نہیں ہے۔ اس تکلیف کے بدلے جو اجر مرتب ہوتا ہے وہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

مجاہدات کی اقسام

مجاہدات دو طرح کے ہوتے ہیں' ایک اختیاری اور دوسرے اضطراری۔ اختیاری مجاہدات وہ ہیں' جیسے کوئی محنت کرتا ہے' سحری کو اٹھتا ہے' وضو کرتا ہے' نماز پڑھتا ہے' ذکر اذکار کرتا ہے' وقت لگاتا ہے' مجاہدہ زور سے اور محنت سے کرتا ہے۔ اسی طرح باقی عبادات کو بخوبی ادا کرتا ہے اور پھر مزید نفلی عبادات میں بھی محنت اور مشقت کرتا ہے تو یہ سب مجاہدات ہیں اور ان پر بہت بڑا اجر ملتا ہے۔ ان ہی سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔ ان ہی سے دین کا علم حاصل ہوتا ہے۔ ان ہی سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ ان ہی سے خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے اور خشیت قرب الٰہی کا پھل ہے۔

جس طرح اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا' اذھب الی فرعون انه طغی فقولا له قولا لینا لعله یتذکر اویخشی کہ آپ اسے کہیں کہ کیا تو طلب رکھتا ہے کہ میں تیرا تزکیہ کر دوں' تجھے اللہ کی طرف راہنمائی

کروں، تجھے اللہ کی بارگاہ میں حاضر کر دوں۔ اور اس قرب کے نتیجے میں تیرے دل میں بھی اللہ کی خشیت پیدا ہو جائے یہ قرب، یہ ہدایت اور اس پر مرتب ہونے والی خشیت قرب کا ثمرہ ہے اور قرب الٰہی مجاہدات کا ثمرہ ہے اسی لئے راتوں کو اٹھ کر اللہ اللہ کرتا ہے، دن کو سفر کرتا ہے، احقاق حق کے لئے کوشش کرتا ہے، یہ سب مجاہدات اختیاری ہیں جو ایک مومن اپنی پسند سے، اپنے اختیار سے کرتا ہے۔

دوسرے مجاہدات اضطراری ہوتے ہیں جن میں انسان کا اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا، اپنا کوئی بس نہیں چلتا بلکہ وہ اس کے اختیار کے بغیر اس پر مسلط ہو جاتے ہیں جیسے بیمار ہو جانا۔ مومن کا بیمار ہونا بھی ایک مجاہدہ ہے اس پر بھی اجر مرتب ہوتا ہے، اس پر بھی کیفیات مرتب ہوتی ہیں۔ پھر ان اضطراری مجاہدات کی دو قسمیں ہیں۔

ایک ہوتے ہیں جو اپنی ذات، اپنے وجود کے ساتھ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ یہ کہ بیمار ہو گیا یا من جانب اللہ، کوئی اور افتاد پڑی کہ وہ معذور ہو گیا، چوٹ لگ گئی۔ اور دوسری قسم کے اضطراری مجاہدات وہ ہوتے ہیں جن کا سبب خارجی ہوتا ہے۔ جیسے کوئی شخص مال لے اڑا۔ پھر ان میں بھی سخت ترین وہ ہوتے ہیں جہاں اپنی پسند سے، اپنے اختیار سے، مال و جان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا پڑ جاتا ہے۔ مال بھی اپنے پاس ہو، اختیار بھی اپنے پاس ہو لیکن یا دین بچے یا مال بچتا ہو یا جان بچتی ہو [illegible] بچتا ہو تو مال کو ہار دے اور دین کو بچا لے، جان کو ہار دے اور ایمان کو بچا لے یہ مجاہدہ اضطراری کی دوسری قسم ہے۔ اب اس میں اس کو اختیار نہیں ہے کہ دونوں چیزوں کو بچا لے۔

تو مجاہدہ اضطراری ہو یا اختیاری ہو، مجاہدہ بہرحال مجاہدہ ہے اور جتنے خلوص سے کیا جائے گا اس پر اتنا ہی اجر مرتب ہو گا۔ یعنی دوا کوئی اپنی پسند سے پی لے یا کوئی پکڑ کر اس کے منہ میں ڈال دے، اثر پیدا کرے گی۔

اپنے اختیار سے مجاہدہ نہیں کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے اس پر مجاہدہ

بھیج دیا جاتا ہے تو دونوں طرح سے اس پر اللہ کے قرب کا اور اللہ کی خشیت کا اور اللہ کی رضامندی کا اجر اور ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔ تو اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ نے ان مجاہدات کا ذکر فرمایا ہے جو راہ حق میں ہر حال میں موجود ہوتے ہیں۔ کسی کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ ان سے بچ کر نکل جائے۔

راہ حق کی پہلی آزمائش مال و دولت سے

جو بھی اللہ کی راہ پر، حق پر، دین پر، اللہ کے سیدھے راستے پر چلے گا اللہ کریم فرماتے ہیں اس کے لئے یہ تین باتیں سامنے آئیں گی۔ سب سے پہلی کیا۔

لتبلون فی اموالکم اسے اپنے مال میں، اپنی دولت میں آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس کی زندگی میں ایسے مواقع آتے رہیں گے، جب اسے اپنا سرمایہ، اپنی پونجی، اپنی محنت اور مشقت سے کمائی ہوئی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنی پڑے گی، اللہ کے دین کے لئے خرچ کرنی پڑے گی اور یہ ضروری ہے کوئی بھی دین دار شخص اس سے بچ نہیں سکتا۔ یہ اس راستے کی منزل ہے یہاں سے یقیناً ہو کر گزرے گا، لتبلون فی اموالکم اللہ کریم تمہیں تمہارے مال و دولت میں جانچیں گے اور یہ دو طرح سے ہوتا ہے۔ کبھی تو تمہیں ناجائز دولت جمع کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اس کے ساتھ اللہ کا حکم موجود ہو گا کہ یہ حرام ہے، اسے جمع نہ کر، اسے حاصل نہ کر، یہ اس طرح آزمائش بن جائے گی کہ مال لیتا ہے یا اللہ کے حکم کی اطاعت کرتا ہے۔

یا پھر دوسری طرح ایسا موقع پیدا ہو جائے گا کہ مال خرچ کرنا پڑ جائے گا حالانکہ دل یہ چاہتا ہو گا، اپنا بدن، اپنا جسم، اپنا گھر، اپنی ضروریات یہ چاہتی ہوں گی کہ یہ ہم پر صرف ہو لیکن اس کے مقابلے میں دین پر صرف کرنی پڑ جائے گی۔ فرماتے ہیں لتبلون فی اموالکم تمہیں تمہاری دولت میں آزمایا جائے گا

ایک آزمائش تو یقیناً سب کو سامنے آئے گی۔ خواہ کوئی ہو' بادشاہ ہو تو اس کی حیثیت کے مطابق' فقیر ہو تو اس کی حیثیت کے مطابق' ایسے مواقع اس کی زندگی میں ضرور آتے رہیں گے جہاں اکثر اوقات اپنی حاجات اپنی ضروریات کو روک کر اللہ کے لئے اپنے پیسے کو خرچ کرے گا۔

راہ حق کی دوسری آزمائش جانوں سے

و انفسکم تمہیں تمہاری جانوں میں بھی آزمایا جائے گا۔ یہ آزمائش بھی کئی طرح سے ہے۔ کبھی تو سرے سے اپنی جان دینا پڑتی ہے جیسے مجاہد جو میدان جہاد میں جا کر شہید ہوتا ہے۔ کبھی پتھر کھانے پڑتے ہیں' کبھی گرم ریت پر لیٹنا پڑ جاتا ہے' کبھی کسی کو گرم انگاروں پر پر لٹایا جاتا ہے۔ خداوند عالم قادر ہے اگر خدا چاہتا تو ان سب چیزوں کو مسلمانوں سے روک سکتا ہے۔ لیکن اپنی بارگاہ کا دروازہ ہی اس نے انسان کی پسند پہ چھوڑ دیا ہے اور اس راستے کی یہ رکاوٹیں ہیں جو وہاں تک پہنچنا چاہتا ہے وہ انہیں عبور کر کے جاتا ہے۔ اور پھر جتنا کسی کا مقام و مرتبہ ہو اتنی بڑی آزمائش آتی ہے جیسے آپ دیکھ لیں کہ سب سے بڑا مرتبہ انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ہے تو سب سے بڑی آزمائش صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پہ آئیں اور انگاروں پہ انہیں لٹایا گیا حتیٰ کہ جسم کی چربی اور خون نے رس رس کر انگارے بجھا دیئے۔ گوشت جل گیا' کھال جل گئی لیکن اللہ کی اطاعت سے وہ باز نہیں آئے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان کے چچا نے ایک چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیا تھا اور نیچے کپڑے کا دھواں دھکانا شروع کیا تھا۔ یہ منظر اتنا اذیت ناک اور اتنا کرب ناک تھا۔ لیکن اس کے باوجود اللہ کے ساتھ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے پیمان وفا کو وہ نبھاتے ہی رہے۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تکلیف کو دیکھا جائے تو آج کا انسان سوچ ہی نہیں سکتا' کہ کوئی

محض اپنے محبوب کے لئے اتنی قربانی دے سکتا ہے۔

دوسری طرح کا فی انفسکم میں یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات اعزہ و اقارب چھوڑنے پڑ جاتے ہیں وہ بھی تو اپنی جانیں ہیں۔ کبھی تو بیٹا چھوڑنا پڑتا ہے کہ وہ اللہ کا نافرمان ہے' کبھی بھائی سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ اس راستے میں کبھی رشتہ داری و برادری اس کو چھوڑ دیتے ہیں کہ تم اس ملا ازم کو نہیں چھوڑتے ہو' تمہیں اپنی مسلمانی کی پڑی ہے' اس طرح ہم تمہارے ساتھ گزارا نہیں کر سکتے۔ پھر یہ انسان کے لئے ایک بڑی آزمائش بن جاتی ہے کہ دنیا میں' عالم اسباب میں رشتہ دار' برادری اور اعزہ و اقارب اپنی ذاتی طاقت کا ایک بہت بڑا سبب ہوتے ہیں۔ اور بہت مبارک فعل ہے صلہ رحمی کرنا' اعزہ و اقارب کو اپنے ساتھ رکھنے کا اللہ جل شانہ نے بڑی شدت سے حکم دیا ہے لیکن تب تک سب چیزیں موجود ہیں جب تک ان کا وجود یا ان کا ہونا دین پہ حرف آنے کا سبب نہ بن جائے۔ لیکن اگر ان کا ہونا دین کو رخصت کرنے کا سبب بن جائے تو پھر ان کو رخصت کیا جاتا ہے۔ دین دار کے لئے یہ آزمائش بن جاتی ہے کہ اب کسے رکھے اور کسے چھوڑ دے۔ تو اسے کئی جانیں جو اس کی عزیز بھی ہوتی ہے' اسے محبوب بھی ہوتی ہیں' ان سے تعلق بھی ہوتا ہے پھر وہ ساری چیزیں چھوڑ چھاڑ کر بھول جانا پڑتا ہے اس لئے کہ ان کا تعلق اللہ کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے اور اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے ان افراد سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

تیسری طرح کا اتلا جانوں میں یہ آتا ہے کہ سرے سے اپنی جان قربان کرنا پڑتی ہے یا اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے قربان کرنے پڑتے ہیں یا اپنے ہاتھوں اپنے بھائی یا اعزہ و اقارب میدان جہاد میں یا راہ حق میں نچھاور کرنا پڑ جاتے ہیں اور کم تر درجہ اس کا یہ ہے کہ کم از کم عبادات الہی پہ تو وجود کو کاربند کرنا ہی پڑتا ہے' کتنی سردی ہو اور اسے وضو تو کرنا ہی پڑتا ہے' کتنی گہری نیند ہو' اسے اللہ کی عبادت کے لئے اٹھنا ہی پڑتا ہے اور کتنے آرام چھوڑنا پڑتے ہیں' اور کتنے

شدائد برداشت کرنا پڑتے ہیں جو بعض اوقات اپنا جسم برداشت کرنے سے کتراتا بھی ہے' حیلے بھی تلاش کرتا ہے' بچنے کی راہیں بھی ڈھونڈتا ہے' لیکن اللہ کا حکم ہے اور اطاعت الٰہی کے لئے سب کام ضروری ہوتے ہیں' تو آدمی کے لئے یہ آزمائش بن جاتی ہے کہ وہ اپنے جسم کی سہولت کو تلاش کرتا ہے یا اللہ کی اطاعت پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ یہ دوسرا بہت بڑا امتحان ہے جو اس راہ میں ضرور آتا ہے۔

لتبلون فی اموالکم پہلا مال ہے کہ تمہیں اپنے مال میں آزمائش میں ڈالا جائے گا۔ تمہارا امتحان کیا جائے گا اور و فی انفسکم اور دوسرا تمہیں تمہاری جانوں میں آزمایا جائے گا۔

راہ حق کی تیسری آزمائش

تیسرا اور ان دونوں سے مشکل ایک اور امتحان ہے جو کم از کم ہر سالک کے سامنے ضرور آتا ہے اور راہ سلوک کی مشکل ترین اور کٹھن ترین وادی ہے اور وہ ہے و لتسمعن من الذین اوتوا الکتب من قبلکم و من الذین اشرکوا اذی کثیرا۔ کہ تمہیں تم سے پہلے دیئے گئے اہل کتاب جو موجود ہیں یعنی یہود و نصاریٰ سے یا مشرکین سے بہت ہی زیادہ تکلیف دہ کلمات سننے پڑیں گے۔ یہ بات نہیں ہے کہ سوائے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے سوا کوئی تم پر طنز ہی نہیں کرے گا۔ بات یہ ہے کہ اصولاً" یہ فعل یہ عادت یہ خصوصیت ان کی ہوگی جو دین کو اپنی دنیا کا ذریعہ بنا کر اپنی اجارہ داری قائم کئے بیٹھے ہیں جیسے علمائے یہود و نصاریٰ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے دین کو' اللہ کے احکام کو' اللہ کے فرامین کو' فراموش کر کے بیٹھے ہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ انہوں نے سب کچھ پس پشت ڈال دیا اور اپنی دنیا کمانے کے لئے مختلف حیلے بہانے اور مختلف احکام پیش کرتے رہتے تھے۔ جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے سمجھا کہ پہلے تو پہلے بھی چھوڑا تھا اب اس شخص ﷺ کا وجود ہمارے وقار کے لئے خطرہ

بن گیا ہے۔ تو ان سے اور تو کچھ نہ بن پڑا لیکن حضورﷺ کو گالیاں دیتے' آپ ﷺ پر بہتان لگاتے اور آپ ﷺ پر طرح طرح کے طعنے تراشتے تھے جو ہر مسلمان کے لئے سب سے زیادہ اذیت دینے والا کام ہے' جس کی نسبت جان کا دے دینا بھی آسان تھا لیکن وہ کام انتہائی مشکل ترین تھا جو مشرکین اور یہود و نصاریٰ نے اختیار کیا۔ اللہ کریم تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں و لتسمعن تمہیں اہل کتاب سے اذی کثیرا بہت ہی تکلیف دہ باتیں اور بہت کثرت سے سننے کو ملیں گی' ایک آدھ دو چار نہیں بلکہ بہت کثرت سے سننے کو ملیں گی۔ کبھی تو دین پر طنز ہو گا کبھی احکام شرعی پر طنز ہو گا' کبھی کتاب پر نزول کتاب پر ہو گا اور کبھی ذات پیغمبرﷺ پر ہو گا اور کبھی تمہاری اپنی ذات پر ہو گا۔

مجاہدات کی مثالیں

یہ تین مقامات راستے کی مختلف منازل ہیں جن سے ہو کر ہر دین دار کو گزرنا پڑتا ہے۔ خصوصاً" سالک کو ان تین میں سے خواہ مخواہ گزرنا پڑتا ہے اور ان تینوں میں پہلی دو باتیں تیسری کی نسبت آسان ہیں۔ اپنی ذات میں تو وہ بھی آسان نہیں ہیں' اپنے وجود میں تو بہت مشکل ہیں' مال کا دینا بھی اور جان کا دینا بھی لیکن تکلیف دہ باتوں کے سننے سے' یاوہ گوئی اور خرافات اور بیہودہ کلمات کے سننے سے جان و مال کا دینا نسبتاً" آسان ہے۔

اس آیت کا شان نزول بھی یہ ہے کہ جب صدقات و زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب ایک مشرک کو یہ کہتے سنا کہ ہم تو غنی ہیں ہمیں اللہ کریم دینے کو کہہ رہا ہے کیا وہ فقیر ہے کہ خود نہیں دے سکتا۔ ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء (آل عمران ۱۸۱) کہ اگر خدا نے دینا تھا تو اپنے پاس سے دیتا ہمیں دینے کو کیوں کہتا ہے زکوٰۃ دینے کو کیوں کہتا ہے' صدقات دینے کو کہتا ہے تو گویا معاذ اللہ خدا خود تو فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ یہ درحصل دین کے اس حکم زکوٰۃ و صدقات پر طنز تھا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر گیا لیکن پھر رک گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ اگر کوئی خاص بات ہو تو مجھے آکر بتانا' کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میرے پاس ضرور آنا۔ بات سن کر ایک بار ہاتھ تلوار کے قبضہ تک گیا پھر رک گیا اور واپس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے گئے۔ واقعہ جاکر بیان کیا تو اس کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی کہ یہ تو اس راہ کی منزل ہے۔ تمہیں اس میں سے گزرنا پڑے گا۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین اور یہ بے دین لوگ تم پر طنز کریں گے' تم پر بہتان لگائیں گے' تم پر الزام لگائیں گے' تمہیں گالیاں دیں گے' نہ صرف تمہیں دیں گے' بلکہ تمہارے پیامبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں گے' تمہارے معمولات تمہارے فرائض اور واجبات پر طنز کریں گے۔

ثابت ہوتا ہے کہ گویا خدا نے لوگوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک وہ ہیں جنہیں اللہ مال کو اپنی ذات' اپنے نام' اپنے دین پر خرچ کرنے کو کہتا ہے اور دوسرے وہ ہیں جن کا مال خدا قبول نہیں کرتا۔ جب خدا قبول نہیں کرتا جب خدا ناراض ہوتا ہے تو ان کی قسمت سے رزق حلال بھی ختم کر دیتا ہے اور وہ چھین کر کھانے والے ہو جاتے ہیں۔ کوئی خرچ کرتا ہے' کوئی دیتا ہے اللہ کی راہ میں اور کوئی اللہ کے نام پر لوگوں کو دھوکا دے کر ان سے وصول کر لیتا ہے۔ یہ دوسری قسم کے لوگ جو ہیں یہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین میں سے ہیں اور اگر کوئی ان میں سے نہیں ہونا چاہتا ہے تو انہیں سمجھ آ جانی چاہئے کہ جو خصائص انہوں نے اپنا رکھے ہیں کہیں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے تو نہیں۔

دوسرے درجے میں اللہ کو بعض لوگ ایسے پسند آتے ہیں کہ ان سے جان مانگتا ہے' انہیں اپنی جان اپنی راہ میں نچھاور کرنے کو کہتا ہے' انہیں اپنے اعزہ و اقارب کو اپنے نام پر' اپنی ذات پر' قربان کرنے کا موقع عطا فرماتا ہے۔

اور کچھ ایسے بدنصیب اور بدقسمت ہوتے ہیں کہ وہ جان لینے والوں میں کھڑے ہوتے ہیں۔ انسان تو وہ بھی ہیں اور انہیں اللہ نے اس نعمت سے محروم

کر دیا' وہ اللہ کی راہ میں جان نہیں دے رہے بلکہ اللہ والوں کی جان لینے پہ نکلے ہیں آگے خواہ قتل بھی ہو جائیں تو وہ ملعون ہی ہیں اور وہ بدکار ہی ہیں اور وہ جہنم ہی کا ایندھن ہیں کہ وہ گئے تو لینے کے لئے تھے مگر قتل ہو گئے جیسے بدر واحد میں یا غزوات مقدسہ میں کافر بھی تو قتل ہوئے اور وہ کافر اللہ کے لئے یا کسی اعلیٰ مقصد کے لئے قربان ہونے نہیں نکلے تھے' بلکہ اللہ والوں کی جانیں لینے نکلے تھے۔ مرگئے تو اور بات ہے لیکن خدا نے جب مومنین کی تقسیم کی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اپنی راہ میں جان دینے کو پسند کر لیا اور کفار پر یہ سزا مسلط کر دی کہ اللہ کے نیک بندوں کو ایذا دیں اور ان کی جانیں لینے کا سبب بن جائیں۔

تیسری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں کہ ان کے دل کو' ان کے ضمیر کو' ان کے دماغ کو' ان کی سوچ کو' ان کے فکر کو' اپنے لئے اور اپنی ذات کے لئے وقف کر لیتا ہے اور پھر اس کو دنیا پہ یوں ظاہر کرتا ہے کہ وہ سب کچھ خود تو جانتا ہے لوگوں پر اس کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ جب ان کی ذات پر طعنہ زنی ہوتی ہے' طنز کیا جاتا ہے تو اللہ کے لئے برداشت کر لیتے ہیں۔

ایک شخص وہ ہوتا ہے جس پر اللہ کی راہ میں کیچڑ اچھالا جاتا ہے وہ خوش نصیب ہوتا ہے اور ایک بدبخت وہ ہوتا ہے جو بجائے فائدہ حاصل کرنے کے ان دین دار یا نیک لوگوں کی برائیاں شمار کرنے' برائیاں چسپاں کرنے' تہمتیں لگانے میں لگا رہتا ہے۔ تو ان دونوں کی حیثیت یہ ہوتی ہے کہ ایک گروہ اللہ کو پسند ہے اس کی آزمائش یوں کی جا رہی ہے کہ اللہ کے نام پر اس کی ذات پر طعنے کسے جا رہے ہیں لیکن وہ ان سے بددل ہو کر اپنا راستہ نہیں بدلتا۔

اور دوسرا بدنصیب کہ ایک دین دار' ایک نیک' اللہ کی راہ پر چلنے والے شخص کو طعنے دے کر' اپنی بدکلامی سے' اپنی بدزبانی سے رنج پہنچاتا ہے' تکلیف کا سبب بنتا ہے' دکھ کا سبب بنتا ہے۔ یہ دکھ دینے والا شخص جو ہوتا ہے اسے یہ دیکھ لینا چاہئے' کہ جو فعل وہ کر رہا ہے وہ فعل اللہ نے ارشاد فرمایا ہے

کہ یہود و نصاریٰ کا ہے' مشرکین کا ہے' مسلمان کا شیوہ نہیں ہے۔ تو پھر ان سب کے جواب کا کیا انتظام کیا جائے' کیا اہتمام کیا جائے۔ بارالٰہ اگر مال بھی تیری راہ میں دینا پڑ جائے' جان بھی دینی پڑ جائے یا پھر ان دونوں سے سخت ترین بات طنز و طعنہ و گالیاں و بہتان برداشت کیا جائے۔ خداوند عالم نے قرآن کریم میں کیسی ترتیب رکھی ہے کہ پہلے مال رکھا' پھر جان رکھی کیونکہ جان مال سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اور جہاں مال دے کر جان بچتی ہو تو ایک آدمی جان بچا لیتا ہے' مال دے دیتا ہے۔ کسی کو ڈاکو گھیر لیں تو وہ روپیہ دے دیتا ہے اور جان بچا لیتا ہے' روپے کے لئے وہ قتل ہونا پسند نہیں کرتا' وہ کہتا ہے روپیہ پھر کما لیں گے۔

خداوند عالم نے یہ ترتیب رکھی ہے کہ پہلے مال پہ آزمائش آئے گی' اس سے بڑھ کر دوسرے درجہ میں عزیز ترین متاع جان ہے' جان پر آزمائش آئے گی اور پھر اس سے بڑھ کر اپنے خلاف پسند' خلاف ضمیر کچھ کے سہنا پڑیں گے' اس راہ میں گالیاں سہنا پڑیں گی' طعنے تشنے پڑیں گے' بہتان برداشت کرنا پڑے گا۔ گویا اللہ کی بیان کردہ ترتیب میں بھی یہ مشکل ترین مقام ہے کہ کسی شخص کو اللہ کے نام پر بدنام ہونا پڑ جائے۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دوسری شادی کی تو اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر کافی تھی لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ کی عمر بہت تھوڑی تھی۔ یار لوگوں نے جو پہلے بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ایذا کے درپے رہتے تھے انہوں نے فتویٰ دینے میں کوئی دیر نہ کی۔ انہوں نے کہا دیکھو یہ ان کا حال ہے' یہ پیر بنے پھرتے ہیں اور انہیں خدا کا اتنا بھی خوف نہیں ہے کہ جو عورتیں مریدوں کی بیٹیاں یا مریدنیاں ہوتی ہیں وہ تو پیر کی بیٹیاں ہوتی ہیں اور یہ اس عمر میں شادیاں مریدنیوں سے کر رہے ہیں۔ یہ دیکھو تماشہ اور اس بات کو اتنی ہوا دی گئی' اتنا چھپایا گیا کہ ہر طرف سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو یہی بات سننے کو ملتی تھی تو تنگ آ کر انہوں نے طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا بلکہ ایک طلاق رجعی دے بھی دی۔ جب

انہوں نے طلاق دی تو پاس بیٹھنے والے سب احباب جمع ہو گئے۔ انہوں نے کہا حضرت آپ یہ کیا غضب کرتے ہیں آپ طلاق کیوں دیتے ہیں۔ فرمایا یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے' میں ان کی باتیں سن سن کر تھک گیا ہوں' اس بڑھاپے میں یہ پراپیگنڈہ اور روز نئی بات مجھے بے انتہا رنجیدہ کرتی ہے۔ تو انہوں نے کہا اب آپ ﷺ تک کی جتنی باتیں یا جو کچھ ہونا تھیں ہو چکیں' اب یہ ختم نہیں ہوں گی۔ اب آپ ﷺ طلاق بھی دیں تو کیا بات کرنے والے رک جائیں گے وہ تو کرتے رہیں گے۔ لیکن آپ ﷺ کے طلاق دینے سے اس غریب لڑکی کا یا اس غریب بی بی کا کیا ہو گا' جسے آپ طلاق دے دیں گے۔ اس نے کیا گناہ کیا ہے کہ آپ اسے سزا دے رہے ہیں اس کا تو گھر اجڑ جائے گا پھر کوئی دوسرا بھی اس کے ساتھ نکاح کرنے پہ تیار نہیں ہو گا۔ تو اس میں جو سزا آپ اس کے لئے تجویز کر رہے ہیں اس کا جواز آپ کے پاس کیا ہے۔ وہ تو دین دار آدمی تھے۔ گھبرا گئے۔ کہنے لگے یہ تو بڑی زیادتی ہے اور اس کا جواب میں کیا دوں گا تو آپ نے رجعت فرما لی۔ جو کسر پراپیگنڈہ میں پہلے رہ گئی تھی وہ نکاح لوٹانے پہ پوری ہو گئی۔ لوگوں نے کہا لو دیکھ لو بھائی! کبھی نکاح کرتے تھے' کبھی طلاق دیتے ہیں کبھی پھر کر لیتے ہیں یہ کیا تماشہ ہے۔ تو جب یہ پروپیگنڈا اپنی انتہا کو پہنچا تو فرمانے لگے کہ مجھے اب سمجھ آئی ہے' میں خواہ مخواہ گھبرا گیا تھا' اس راستے میں یہ گھاٹی تو ضرور آتی ہے۔ یہ سب کچھ ہو چکا تو آپ نے فرمایا کہ میں اب سمجھا ہوں۔ یہ تہمت اس طرح بہتان اور یہ کثرت کے ساتھ ایذا دہ باتوں کا سننا جو ہے اس راہ سے مجھے گزرنا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ میں پوری عمر صرف کر کے بالوں کو سفیدی لگا کر یہاں تک پہنچا ہوں یعنی ساری زندگی اللہ کی راہ میں صرف کی۔ سر اور بھنویں سفید ہو جانے پر اس منزل سے گزرے تو فرمانے لگے کہ میں اب سمجھا کہ یہ تو اس راہ کی ایک وادی تھی یہاں سے تو مجھے گزرنا تھا میں خواہ مخواہ گھبرا رہا تھا۔

تو خداوند عالم جل و علیٰ نے فرمایا۔ یہ تین آزمائشیں اس راستے میں

موجود ہیں لیکن سالک کو کیا کرنا ہے اس کا حل کیا ہے۔ اللہ جل شانہ نے اس کا حل بتایا ہے و ان تصبرو اوتتقوا کہ تم صبر کرو' اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا پڑے تو اپنے مال پہ صبر کرو اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اللہ کی راہ میں اوقات صرف کرنا پڑیں تو انہیں صرف کرو اور صبر کرو۔ جان دینی پڑ جائے تو جان ہار جاؤ اور صبر کرو۔ اگر افترا و بہتان اور اذیت دہ باتیں' تکلیف دہ باتیں سننا پڑ جائیں تو صبر کرو۔ اگر دوسرا کوئی اپنی زبان کو آلودہ کرتا ہے تو اسے کر لینے دو لیکن مومن کو' طالب کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس کے مقابلے میں اپنی زبان کو آلودہ کرے۔ چونکہ اسلام برائی کو مٹانے کا نام ہے برائی پھیلانے کا نام نہیں ہے کہ ایک شخص تمہارے ساتھ اس طرح کی باتیں کرتا ہے تو جواباً" تم بھی ویسی طرز کلام اور اسلوب گفتار اپنا لو۔ اس سے برائی بڑھے گی کم نہیں ہو گی اور دین نام ہے برائی کو مٹانے اور نیکی کو پھیلانے کا تو اللہ کی راہ میں نیکی کرو۔

ہاں یہ نہ ہو کہ تم اختیار ہی برائی کر لو' شریعت کو ترک کر دو' غلط راستے پہ چلنا شروع کر دو اور کوئی تمہیں سمجھائے کہ یہ راستہ غلط ہے تو تم کہو تم مجھے برا کہہ رہے ہو۔ ایسی بات نہ ہو بلکہ تم حق پر چلو' انصاف پر چلو' نیکی کرو۔

اور اگر پھر بھی کوئی تم پر کیچڑ اچھالے تمہیں برا کہے یا تمہیں گالیاں دے تو ان تکلیف دہ باتوں میں پہلا درجہ بہتان کا ہوتا ہے لیکن جب کوئی شخص اس حد تک عاجز آ جائے کہ وہ سمجھے کہ میں اس آدمی پر بہتان بھی نہیں باندھ سکتا' اس کا کردار اتنا مضبوط ہے کہ میرے بہتان اس پر اثر نہیں کرتے تو جو ہر طرف سے عاجز ہو جائے تو آخری درجہ بدکلامی کا ہوتا ہے یا گالی دینے کا ہوتا ہے۔

آزمائشوں میں صبرو تقویٰ کا حکم

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اس کا علاج بھی مومن کے لئے صبر ہی ہے اور صبر کرے اور تقویٰ اختیار کرے' ان تصبروا وتتقوا صبر اس لئے کرتا ہے کہ

اسے اللہ سے حیا آتی ہے' تقویٰ اسی حیا کا نام ہے۔ تقویٰ اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ کے حکم کے خلاف کام کرنے سے روک دے اور انسان کے دل میں اللہ سے حیا پیدا ہو جائے کہ میں اللہ کے سامنے اللہ کا بندہ ہو کر اور نہ صرف بندہ بلکہ اس کا طالب بن کر' اس کے قرب کا متلاشی بن کر' اس کے ملک میں' اس کی کائنات میں' اس کی خدائی میں' اس کے سامنے اس کی نافرمانی کیسے کر سکتا ہوں۔ اسے اس بات سے حیا آئے کہ میرا اللہ مجھ سے ناراض ہو جائے گا اسے تقویٰ کہتے ہیں۔

فرمایا وان تصبرو اوتتقوا اگر تم صبر کرو' نیکی کا راستہ اختیار کرو اور اللہ کی اطاعت کا راستہ اختیار کرو۔ ان ذلک من عزم الامور۔ تو یہ بہت بڑا کام ہے۔ بہت بڑی ہمت کا کام یہی ہے جو کوئی بہت بڑا شخص ہی کر سکتا ہے جسے اللہ جل شانہ نے فراخ دلی سے نوازا ہو اور جسے بہت زیادہ اپنی نوازشات سے مالا مال کر دیا ہو' وہی یہ بات کر سکتا ہے کہ یہ بہت ہمت کا کام ہے' بڑی قوت اور بہت عظیم ارادے کا کام ہے کہ محض اللہ کے لئے' اس میں دنیا کا کوئی ذاتی مفاد نہ ہو' کوئی غرض وابستہ نہ ہو' احقاق حق کے لئے اللہ کی راہ میں کوئی شخص گالیاں تو کھائے لیکن جواب گالی سے نہ دے اور اپنی زبان کو اللہ کی حمد و ثنا میں صرف کرے اس میں محو رکھے۔

جیسے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے کسی نے کہا تھا کہ ہم نے تو آپ کی زبان سے کبھی شیطان کی بھی برائی نہیں سنی تو آپ رحمتہ اللہ علیہا نے فرمایا کہ جتنی دیر شیطان کو برا کہوں گی اتنی دیر اللہ کو یاد کرنا مجھے زیادہ عزیز ہے کہ وقت بھی لگے' زبان بھی چلے' بات بھی منہ سے نکلے' تو وہ شیطان کی برائی بیان ہو اتنی دیر اس کے بجائے میں اللہ کی بڑائی کیوں نہ بیان کروں' اللہ کی عظمت کیوں نہ بیان کروں۔

اگر کوئی یہ وطیرہ اختیار کرے کہ وہ دین دار اور نیک لوگوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دے تو اس شخص کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ یہ یہود د

نصاریٰ کا اور مشرکین کا شیوہ ہے' یہ خدا کے بندوں کا شیوہ نہیں ہے' دیندار لوگوں کا وطیرہ نہیں ہے لیکن دین دار لوگوں کو ان چیزوں کو برداشت کرنا ہو گا کیونکہ یہ اس راہ کی مصیبتیں ہیں۔

حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ سے ہی کسی نے اس بات کو پوچھا تھا کہ اہل اللہ کے ساتھ اگر کوئی شخص بدسلوکی کرے' ان کی بے عزتی کرے' ان کا احترام نہ کرے یا ان کا انکار کر دے' قبول نہ کرے تو آپ نے فرمایا: ولی اللہ کا انکار کفر نہیں ہے' ولی کی ولایت کا انکار کر دینا کفر نہیں ہے' نبیؑ کی نبوت کا انکار کرنا کفر ہے لیکن اگر کوئی شخص ولی اللہ ہے اور ہم اسے ولی اللہ نہیں سمجھتے تو اس سے کافر نہیں ہو جائیں گے۔ لیکن فرمانے لگے کہ پھر بھی انکار نہ کرے' انکار اگرچہ کفر نہیں ہے' لیکن انکار کرنے والے عموماً" مرتے کفر پر ہی ہیں۔ کیونکہ یہ انکار اہل اللہ کی برکات سے محروم کر دیتا ہے۔ اگر ان سے استفادہ نہ کرے تو ان کا انکار بھی نہ کرے۔ اس بات کا ضرور اقرار کرے کہ یہ شخص نیک ہے۔ یہ اور بات ہے کہ میں اس شخص کے ساتھ نہیں چل سکتا' میں استفادہ نہیں کر سکتا اور پھر اگر کوئی ان کی توہین ہی پر اتر آئے تو وہ مولوی سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے تو بہت پہلے فیصلہ کر دیا تھا۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ نیکاں کند

جب خدا کسی کو تباہ کرنا چاہے تو پھر اس کی زبان کو نیک لوگوں پہ طعنہ زنی کرنے میں لگا دیتا ہے۔ یعنی یہ اللہ کی طرف سے بعض لوگوں پر بطور سزا مسلط ہو جاتا ہے کہ جب ان کے کسی فعل پر اللہ ان سے ناراض ہوتا ہے تو سزا کے طور پر انہیں اپنے نیک بندوں کو گالیاں دینے پہ لگا دیتا ہے۔ ان کا یہ فعل ان کے لئے مزید غضب الٰہی کا اور مزید تباہی و بربادی کا سبب بنتا ہے۔ تو یہ افعال قبیحہ اپنے پہلو میں کفر کو ساتھ رکھتے ہیں۔ یہ یہود و نصاریٰ' مشرکین کی روش ہے یعنی یہ فعل کفر کے نتیجہ میں صادر ہوتے ہیں اور جو فعل کفر کے نتیجہ

میں صادر ہوتا ہو اسے اختیار کر لیا جائے تو پھر رفتہ رفتہ اس کے نتیجہ میں کفر تک بات پہنچ جاتی ہے۔

جیسے تمام عبادات کو بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہوا ان سب کا ماحصل ذکر الٰہی ہے لیکن اگر کوئی ذکر الٰہی شروع کر دے تو "نتیجتاً" وہ عبادات اس کے لئے سہل ہو جاتی ہیں اور اس کا مزاج اس طرف جاتا ہے' حالانکہ ذکر تمام عبادت کا نتیجہ اور ماحصل ہے۔ و لذکر اللہ اکبر سب سے عظیم شے ہے اور مقامات اس کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ ثم تلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللہ (سورۃ الزمر: ۲۳) تمام مجاہدات کے بعد جا کر یہ منزل آتی ہے کہ دل ذاکر ہو جائے' گوشت پوست ذاکر ہو جائے کھال ذاکر ہو جائے' ثم تلین جلودھم کھال' وجود' گوشت پوست وقلوبھم دل ذاکر ہو جاتے ہیں یعنی نہ صرف دل بلکہ سارا وجود ذاکر ہو جائے یہ مقام بڑے مجاہدات اور عبادات کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی ذکر شروع کر دے اور اللہ اللہ کرنا شروع کر دے تو پھر اس کے نتیجہ میں عبادات سہل ہو جاتی ہیں اور وہ توفیق ارزاں ہو جاتی ہے اگر کافر کو بٹھا دو اللہ اللہ مسلسل کرتا رہے تو خدا اسے ایمان نصیب کر دیتا ہے۔

یعنی باقی تمام عبادات میں خلوص شرط ہے۔ اگر ریا ہو تو عبادت کو کھا جاتی ہے۔ ذکر ایک ایسی نعمت ہے کہ کوئی ریاکارانہ طور پر دکھاوے کے لئے شروع کر دے' ترک نہ کرے' مسلسل کرتا رہے' خلوص پیدا ہو جائے گا اور اس شخص کو نیکی کی طرف لے جائے گا۔

یہاں مولوی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب مثال لکھی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کپڑے کو صابن لگایا جائے۔ تو ریا سے ذکر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی عدم توجہی سے کپڑے کو صابن لگائے لیکن پھر بھی وہ میل تو ضرور کاٹے گا خواہ تھوڑا سہی۔ تو عبادات کا یہ اتنا بڑا ثمرہ ہے کہ اگر ریا سے بھی یہ شروع کر دیا جائے تو بھی "نتیجتاً" وہی چیزیں حاصل ہونا شروع ہو جاتی ہیں جن کا یہ نتیجہ ہے۔

اس طرح اللہ کے نیک بندوں کو گالیاں دینا یہ کافروں کا وطیرہ ہے۔ کفر

کے نتیجہ میں یہ ذہنیت بنتی ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ وطیرہ اختیار کرے تو عین ممکن ہے کہ یہ راستہ اسے کفر تک لے جائے اور دوسری طرف اللہ کا ارشاد یہ ہے کہ وان تصبروا و تتقوا اگر صبر کو اور اللہ سے حیا کو اپناؤ اور تقویٰ الٰہی کو اختیار کرو وان ذلک من عزم الامور یہ بہت بڑا کام ہے۔ کرنے کا کام یہی ہے۔

اور آپ دیکھیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس زندگیوں کو کہ کوئی ایک صحابی ؓ بھی ایسا نہیں ہے جس پر یہ ساری آزمائشیں بیک وقت نہ پڑی ہوں۔ ہر شخص پر اس کی ہمت اور حوصلے کے مطابق وقت آتا ہے۔ تو سب پہلے جو لوگ تھے انہیں ساری جائیداد' سارے مال' گھربار قربان کرنے پڑے' اللہ کی راہ میں جانیں ہارنا پڑیں' اعزہ و اقارب میدان میں جا کر کٹوانے پڑے اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ اتنے عظیم لوگ تھے کہ آج بھی جس شخص پہ اللہ ناراض ہو جائے' وہ انہیں کو بھونکنا شروع کر دیتا ہے۔ یعنی وہ اتنے عظیم لوگ تھے کہ آج بھی اسلام کی ڈھال وہی ہیں اور آج بھی کوئی کسی طرح سے اسلام کو ڈھانے کی کوشش کرے' آج بھی کسی طرح سے کوئی اسلام پر حملہ آور ہونا چاہے تو ہر حملہ آور کا تصادم پہلے انہی سے ہوتا ہے اور وہ اسلام کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والے ہیں۔ آج بھی اسلام کی حفاظت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہی کرتے ہیں۔ اگر قادیانی کا دماغ خراب ہوا تو اعتراض صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم پر' شیعہ تحریک پیدا ہوئی تو انہیں اعتراض بھی انہی پر ہے۔ کوئی بابی اور بہائی پیدا ہوئے تو ان کا اعتراض بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم پر ہے یعنی جہاں سے بھی اور جس پر بھی اللہ ناراض ہو گیا اسے دین سے خارج کرنا ہو تو اس کی زبان سب سے پہلے ان ہی مقدس ہستیوں پر چلی یہ ان کا اتنا بلند اور اہم مقام ہے کہ جس طرف سے کوئی زبان کی قینچی چلے تو سب سے پہلے وہ اپنی جان پیش کرتے ہیں اور آج بھی یہی حال ہے۔ یعنی یہ ان کے خلوص کا' قرب الٰہی کا کمال اور ثمرہ ہے۔ وہ دنیا

سے گزر گئے انہیں صدیاں بیت گئیں' چودہ سو سال ہو گئے' لیکن اسلام کی راہ میں ابھی تک ایذا دیے جاتے ہیں' راہ حق میں ابھی تک قربان ہوتے ہیں۔ وہی بات ہے ان کی و لتسمعن الذین اوتو الکتاب من قبلکم من الذین اشرکوا اذی کثیرا۔ آج بھی ہم بہت تکلیف دہ ایذا دینے والی باتیں اور بہت خلاف مزاج باتیں سنتے ہیں۔

اس راہ میں مشکلات ضروری

اگر کسی کو یہ چیزیں راہ حق میں پیش آئیں تو اسے گھبرانا نہیں چاہئے کہ یہ اس کی قبولیت کی دلیل ہیں۔ اللہ ان بدنصیبوں میں سے نہ کرے جو اللہ کے نیک بندوں پہ کیچڑ اچھالنے والے ہوتے ہیں۔ اس بات سے بچنا چاہئے کہ اللہ ہماری زبان کو بدکلامی اور بدزبانی سے آلودہ نہ کرے اور اللہ ہمیں اپنی راہ میں مال دینے اور مال قربان کرنے والوں میں رکھے اپنے نام پر لوٹنے والوں میں شمار نہ کرے۔ اللہ ہمارے اوقات کو' ہماری محنت کو' ہمارے مجاہدات کو' ہماری جان کو اپنی راہ میں قبول فرمائے اور ہمیں دوسروں پر مسلط ہو کر شادیانے بجانے والوں میں شامل نہ فرمائے کہ اصل یہ ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی راہ میں قربان کی جائیں۔ وقت اللہ کی راہ میں دیا جائے۔ اللہ کے دین کو اللہ کے بندوں تک پہنچایا جائے اور اس راہ میں اپنی جان کو بھی تکلیف میں ڈالا جائے' اپنا مال بھی خرچ کیا جائے اور پھر اسی راہ میں یہ سب کچھ کرنے کے بعد جب کوئی بدکلامی یا بدزبانی کرے تو اس لئے گوارا کرلی جائے کہ میں یہ کام نہیں چھوڑ سکتا کہ یہ کام خدا کا ہے' خدا کے پیغمبر ﷺ کا ہے' بزرگان دین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا ہے' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے' مشائخ عظام کا ہے میں اسے چھوڑ نہیں سکتا خواہ ساری زندگی کوئی برا بھلا کہتا رہے اللہ کریم فرماتے ہیں ذلک من عزم الامور یہ بہت بڑا کام ہے۔

کوئی انسان اللہ کے قرب کا متلاشی ہے' عظمت کا متلاشی ہے' عزت کا

متلاشی ہے تو یہ باتیں قرب الٰہی میں پوشیدہ ہیں اور اسے یہ وطیرہ اپنانا چاہیے۔

خداوند عالم ہماری عاجزانہ کوششوں کو قبول فرمائے اور استقامت اور توفیق عمل ارزاں فرمائے۔

☆ ☆ ☆

راہ سلوک کے لوازم

اطاعت اللہ اور اطاعت رسول ﷺ

اسلام نے انسان کی پوری زندگی اور دنیا میں اسے جن جن ضروریات سے سابقہ پڑتا ہے سب میں اس کی راہنمائی فرمائی اور اسلام دراصل بھرپور زندگی گزارنے کا نام ہے جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں ہو اور احکام الٰہی اور سنت رسول اللہ ﷺ کے اجرا میں صرف ہو۔ ہر مسلمان پر بقدر ہمت دین کے لئے کوشش کرنا واجب ہے اور یہ تو یقینی بات ہے کہ جو لوگ دین کی سربلندی کے لئے کوشش نہیں کرتے عموماً" انہیں خود دین پر عمل کرنے کی توفیق کم ملتی ہے۔ لیکن اس میں یہ بات خصوصی طور پر ذہن نشین ہونی چاہئے کہ ہم سب کچھ نہیں ہیں' ہماری کوئی حیثیت نہیں' نہ میں' نہ آپ' نہ کوئی دوسرا۔ اسلام کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ انسان اپنی پسند و ناپسند کو اور اپنی رائے کو فنا کرنے کے طریقے سیکھے۔

مذاہب باطلہ کے طریقے

اسلام سے باہر زندگی گزارنے کے جتنے طریقے ہیں ان کی بنیاد اس پر ہے کہ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کی خواہشیں پوری ہوں۔ آپ مذاہب باطلہ کو اگر دیکھیں تو یہ ہندو برہمن اور بدھ بڑے سخت مجاہدے کرتے ہیں۔

ہمارا علاقہ سخت پہاڑی علاقہ ہے یہاں کئی ندی نالے ملتے ہیں وہاں پر بڑی گہرائیوں میں بڑی ڈراؤنی جگہ ہیں جہاں پر یہ لوگ ایک چھوٹی سی ایک کوٹھڑی

تعمیر کرتے تھے جس میں آدمی لیٹ نہیں سکتا تھا بیٹھا رہتا تھا اور اس میں بند ہو کر مہینوں بیٹھے رہتے تھے۔ وہ روزانہ غذا کے چند دانے اور پانی کے چند قطرے استعمال کرتے تھے وہ بھی ان کا کوئی خادم اندر دے دیتا تھا۔ مہینوں باہر نہیں جھانکتے تھے۔ لیکن یہ ان کے مجاہدے کا ماحاصل یہ ہوتا تھا کہ مجھے دنیاوی مفاد کا کوئی کمال حاصل ہو جائے یعنی ساری محنت کرنے کے بعد ہیر پھیر کر اپنی انا کی تسکین کے اسباب ملتے تھے۔

اسلام نے گوشہ نشینی سے منع نہیں کیا۔ کوئی شخص دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر اپنا بوجھ کسی پر ڈالے نہ کسی پر بار بنے۔ ہاں تنہائی میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا رہے اس سے منع بھی نہیں کیا لیکن اس کی تائید نہیں فرمائی اسے مستحسن نہیں سمجھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اعمال پر جو اجر مرتب ہوتا ہے وہ معاشرہ ہی میں رہ کر کرنے پر مرتب ہوتا ہے۔ جب آپ معاشرے سے نکل کر کوئی عمل کریں گے' معاشرہ کو چھوڑ دیں گے تو آپ کی زندگی اس طرح ہو جائے گی جس طرح کوئی قبر میں زندگی بسر کرتا ہے' دنیا سے چلا گیا ہے اور اعمال سے عاری ہوتا ہے۔

اگرچہ بعض بڑے بڑے جلیل القدر صوفیاء رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہمیں اس حال میں ملتے ہیں کہ انہوں نے تنہائیوں میں' جنگلوں میں زندگی بسر کی لیکن اس کے پیچھے اسباب و عوامل تھے۔ انہیں آبادیوں میں رہنے نہ دیا گیا حکمرانوں نے اپنے لئے خطرہ سمجھ کر شہروں سے نکال دیا لوگوں نے' بدعتیوں یا رواج پسندوں نے انہیں برداشت نہ کیا انہیں تنگ کر کے شہروں سے نکال دیا تو شوقیہ نہیں مجبوراً" انہوں نے کسی جنگل میں پناہ لی۔ اس کے باوجود حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس پہلو میں بڑی تحقیق کی ہے جب تک آبادی میں رہ کر توجہ اخذ کرتے رہے تو ان کے منازل ترقی کرتے رہے اور آبادی چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے تو جس منزل پر تھے اس منزل پر ان کی وفات ہوئی ہے پھر ترقی نہیں ہوئی۔

ترقی درجات کے لئے مجاہدہ شرط ہے

دراصل ترقی درجات کے لئے وہ مجاہدہ شرط ہے جو آپ عملی زندگی میں رہ کر کرتے ہیں۔ کسی کے ساتھ آپ کا لین دین نہیں ہے تو حرام حلال جائز ناجائز کا کیا پتہ چلے گا۔ کسی کے ساتھ آپ کے معاملات نہیں ہیں تو آپ کے سچا یا جھوٹا ہونے کا کیا پتہ چلے گا۔ کوئی کام کرنے کو نہیں ہے تو پھر آپ کی عبادات یا آپ نے نماز پڑھ لی یا سجدہ ادا کر لیا تو اس پر اتنی قیمت نہیں ملے گی۔

اصلاح فرد لازمی فریضہ ہے

یہ تو ایک بنیادی نقطہ ہے جس میں بیشتر ہمیں ٹھوکر لگتی ہے۔ چونکہ ہر انسان کے ساتھ نفس بھی ہے اور شیطان بھی ہر آن کوشش کرتا ہے تو کسی بھی آدمی کو' کسی بھی لمحے' ٹھوکر لگ سکتی ہے اور اگر کسی ساتھی کو ٹھوکر لگے تو یہ دوسروں کا' جو ساتھ ہوتے ہیں' اردگرد ہوتے ہیں ان کا بھی حق ہے کہ ہم اسے بچانے کی کوشش کریں۔ کسی سے کوئی خطا ہو جائے تو اسے اچھالنے کی بجائے اسے اس سے روکنا مناسب اور بہتر ہے۔ یہ دین اللہ نے ہمیشہ کے لئے نافذ فرمایا ہے۔ جب دین اسلام دنیا سے اٹھ جائے گا' تو قیامت قائم ہو جائے گی اس کے بعد کوئی آسمانی مذہب نہیں آئے گا۔ جب اللہ نے اس دین کو قائم رکھنا ہے' تو وہ ایسے بندے بھی ضرور رکھے گا جو دین کے حامل ہوں گے' دین کی خدمت کریں گے اور اس ضمن میں اگر آپ کو یا مجھے خدا نے کوئی توفیق دی ہے تو یہ اس کا احسان ہے ہمارا نہیں چونکہ اللہ نے دین کو قائم رکھنا ہے وہ جسے چاہے اس سے کام لے۔

دینی بگاڑ تباہی کا سبب ہے

مسلمان جب بگڑے تو بگڑتے چلے گئے اور یہ بگاڑ تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ وہ عیاشی میں غرق ہو گئے۔ شرابیں پیتے تھے' عبادات میں کوتاہیاں ہوتی تھیں'

مسلمانوں کے حکمران ظلم کرتے تھے' اپنی پسند کو نافذ کرتے تھے۔ رب جلیل نے تاتاریوں کا طوفان بھیجا اور اتنے رسوا ہوئے' اتنے ذلیل ہوئے' اتنے مارے گئے' اتنے قتل ہوئے کہ آبادیاں تہس نہس ہو گئیں اور جنگلی جانور تک اس عذاب سے محفوظ نہ رہے۔ وہ ایسے ظالم تھے کہ جہاں پانی دیکھتے زہر ملا دیتے اور ان کے سامنے اگر کوئی جنگلی جانور بھی گزرتا تو اس پر بھی تیر چلا دیتے۔

چنگیز نے' اس کے بیٹوں نے بھی' اس کے پوتوں نے بھی پورا زور لگایا' ان کی تین پشتیں اس بات میں کھپ گئیں کہ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دو۔ جو مسلمان ہوتے ہوئے بھی اسلام کے خلاف عمل کرتے تھے انہوں نے ان لوگوں کی گردنیں اڑا دیں لیکن خود اسلام قبول کر لیا۔ رب ایسا قادر ہے کہ مسلمان کو ان کے ہاتھ سے سزا دلوائی اور انہیں ایمان عطا کر دیا اسی طرف شاعر نے اشارہ کیا ہے ۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

جو اسلام کو ڈھانے نکلے تھے وہ اس کی خدمت کے لئے مقرر ہو گئے۔ تو وہ قادر ہے جس سے چاہے کام لے اور جب وہ اپنا کام لینا چاہتا ہے تو دنیا اور دنیا کے اسباب شل ہو کر رہ جاتے ہیں' کچھ نہیں کر سکتے جس پر تمام انبیاء علیہم السلام کی تاریخ شاہد ہے۔ آپ خود حضورﷺ کی بعثت کو دیکھیں۔ کفر کی طاقتوں نے' شرک کی طاقتوں نے کتنا زور لگایا حضورﷺ کے پاس نہ افراد تھے' نہ دولت تھی' نہ اسلحہ تھا' نہ کوئی حکومت' نہ کسی کی تائید حاصل تھی کچھ بھی نہیں تھا لیکن حکومتیں اور حکمران آج تک آپ ﷺ کے نقش کف پا کو ترستے ہیں اور روکنے والے مٹتے مٹتے مٹ گئے۔ مکہ مکرمہ میں آج بھی جب میناروں سے آواز بلند ہوتی ہے' اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمد رسول اللہ

تو اللہ کی قدرت یاد آتی ہے' کہ اسی آواز کو مٹانے کے لئے دنیائے کفر نے ساری طاقتیں ختم کر دیں اور اس سے ٹکرا کر کفر کے بڑے بڑے بت پاش پاش ہو گئے۔ لیکن یہی کلمہ طیبہ آج بھی فضائے آسمانی کو منور کرتا ہے۔ یہ اللہ

کی اپنی قدرت ہے وہ جو کام لینا چاہتا ہے' کرنا چاہتا ہے' وہ کرتا ہے۔ لیکن اس کے لئے طریقہ کار یہ ہے کہ انسان کے بس میں جو مجاہدہ جو کوششیں ہوں وہ خالص اللہ کے لئے ضرور پیش کرے۔ بدر میں اگر فتح ہوئی تھی تو یہ حضورﷺ کا معجزہ تھا ورنہ دنیاوی اعتبار سے' کسی بھی قاعدے سے مسلمانوں کے جیتنے کا کوئی چانس نہیں تھا۔ ان کے مقابلے میں افرادی قوت بہت ہی کم' جنگی تجربہ نہ ہونے کے برابر' جو اس طرف سپاہی ہیں ان کے مقابلے میں ادھر بہت کم' کچھ ضعیف ہیں' کچھ بچے ہیں' اسلحہ نام کو نہیں' پورے لشکر کے پاس چھ زرہیں تھیں اور کوئی تین تلواریں تھیں' یہ کوئی لڑنے کے اسباب تھے؟ کھانے کو چند کھجوریں' حضورﷺ نے چار پانچ کھجوریں تقسیم فرمائی تھیں کہ میدان جنگ میں صف بندی کرتے وقت کچھ کھا پی لو' اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے پینے کے لئے بارش کا پانی روکا تھا' اہل مکہ چشمے پر قابض تھے۔ تو یہ کوئی لڑنے کی تک؟ لیکن ان کے ساتھ ایک بات تھی انہیں میدان میں کھڑا کر کے نبی رحمتﷺ نے عرض کیا تھا' بارالہا! سارے کا سارا اسلام میں کفر کے مقابلے پر لے آیا' اب یہ بے سروسامان سپاہی اگر اس میدان میں کھیت رہے' فلن تعبد ابدا پھر کبھی کوئی تیرا نام لینے والا نہیں ہو گا۔ سارے کا سارا اسلام کا سرمایہ ہے۔

اب یہ دعا تو حضورﷺ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر بھی کر سکتے تھے اور وہاں بھی حضورﷺ کی دعا کو وہی مقام حاصل تھا جو یہاں تھا۔ لیکن جو اسباب تھوڑے یا بہت تھے' جو اسباب اپنے پاس تھے وہ حضورﷺ نے پہلے پیش کر دیئے۔

احقاق حق کے لئے ہمہ تن کوشاں رہنے کا حکم

آپ کو نبی رحمتﷺ کی ساری زندگی میں یہی قانون نظر آئے گا کہ نفاذ دین کے لئے' ترویج دین کے لئے' احقاق حق کے لئے جو بات بس میں ہو وہ کر دی جائے اور پھر رب العالمین سے درخواست کی جائے کہ بارالہا ہم تو کچھ کر نہیں پاتے کرنا تو تجھی کو ہے۔ اس طرح سے ممکن ہے اللہ کریم ہمیں قبول فرما

لے اور ہمیں اسی کام پر لگائے رکھے اور کام وہ اچھا ہوتا ہے جس کا انجام اچھا ہو۔ خاتمہ کہاں ہوتا ہے' کس طرح سے ہوتا ہے' اس راہ کے مختلف فتنے ہیں جن میں ایک بہت بڑا فتنہ یہ ہے کہ جب آدمی کو کچھ تھوڑی سی شہرت مل جاتی ہے' کچھ لوگ اس کا احترام کرنے لگتے ہیں تو نفس اور شیطان دونوں اسے یقین دلانا شروع کر دیتے ہیں کہ تم دین کی ضرورت ہو' تم نہ ہو گے تو کام نہیں بن سکتا۔ لیکن میرے سمیت کوئی بھی اللہ کی ضرورت نہیں ہے ہم سب کو اللہ کی ضرورت ہے اسے ہماری احتیاج نہیں ہے ہم چھوڑ دیں گے تو اس کا کیا ہے۔ تم نہ سہی تو اس کے چاہنے والے اور بھی بہت۔ اس کی کتنی مخلوق ہے اس کے نام کے لئے ترستی ہے۔ لیکن نتیجہ یہ ہو گا۔

ترک تعلق کرنے والو تم تنہا رہ جاؤ گے
کون دے پھر اس کو بیٹھنے
جو تیرے آستاں سے اٹھتا ہے

مسلسل محاسبہ نفس لازمی فریضہ

لہٰذا ہر ساتھی ہمیشہ اپنا محاسبہ کرتا رہے کہ میں کیا سوچ رہا ہوں اور میں کیا کرنا چاہتا ہوں اور جو میں سوچ رہا ہوں اور جو میں کرنا چاہتا ہوں کیا میں اسے لے کر میدان حشر میں اللہ کے حضور کھڑا ہو سکوں گا۔ اسے دوسروں پر مت چھوڑیں اپنا معاملہ آپ خود روزانہ پڑتال کرتے رہیں۔

نفس سرکش اور شیطان ہر وقت پیچھے لگے ہیں

یہ نفس نہ کبھی سرکشی سے باز آتا ہے اور نہ شیطان کبھی شرارت کرنے سے رکتا ہے۔ یہ ایسا بے ضمیر' ایسا بے غیرت اور ڈھیٹ ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ خود اس کا اقرار اور اللہ کا حکم موجود ہے۔ ان عبادی لیس لک علیہ شیطان میرے بندوں کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور جہاں اس نے بنی آدم کو

ورغلانے کا دعویٰ کیا وہاں اس کا اقرار موجود ہے' الا عبادک منهم اصالحیىن کہ تیرے نیک بندوں کے سوا میں سب کو رگڑوں گا۔ سب سے چوٹی کی ہستیاں انبیاء و رسلؑ ہیں جن کی حفاظت کا اللہ نے ارشاد فرمایا ہے' جو سب سے پہلے اس زمرے میں آتے ہیں اور جن کے بارے میں شیطان خود کہتا ہے کہ ان پر میرا زور نہیں چلے گا۔ اس کے باوجود کسی نبی اور کسی رسولؑ کے ساتھ شرارت کرنے سے باز نہیں آیا یہ جانتے ہوئے کہ میں ان کا بگاڑ کچھ نہیں سکوں گا کیونکہ اس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ میں انہیں چھیڑوں گا ہی نہیں۔

بلکہ خود حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں مسجد جا رہا تھا مدینہ منورہ کی گلی میں اور یہ جلتی ہوئی لکڑی لے کر میری طرف لپکا لیکن میرے قریب آنے سے پہلے جبرائیل امین علیہ السلام نے اسے تھپڑ مارا اور یہ کہیں دور افق پہ جا گرا لیکن باز تو نہ آیا' کر تو گزرا جو اس سے ہو سکا۔ تو وہاں جہاں صرف اسے ذلت اٹھانا پڑتی ہے' جوتے کھانا پڑتے ہیں وہاں بھی شرارت سے باز نہیں آتا تو مجھے اور آپ کو چھوڑ دے گا۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ جو لوگ ذکر قلبی سیکھتے ہیں' اس میں وقت لگاتے ہیں' اس کا وہ خاص نشانہ ہوتے ہیں۔ ان کے لئے اس کے دل میں ہمیشہ درد پڑا رہتا ہے کہ کسی دل کو یہ منور نہیں دیکھ سکتا۔ کثرت سے نمازیں پڑھنے سے اور کثرت سے حج کرنے سے یہ نہیں گھبراتا۔ یہ جانتا ہے کہ ایک شوشہ ریاکاری کا دل میں چھوڑ دیا تو یہ ساری عبادتیں نفی ہو جائیں گی لیکن جب دل میں نورانیت آنا شروع ہو جاتی ہے تو اس کی رسائی قلب تک نہیں رہتی' قلب پر براہ راست اس کا حملہ نہیں ہوتا پھر یہ نفس کو اکساتا ہے۔ صوفیوں میں جتنے لوگ اس راستے سے بھٹک گئے اگر آپ تجزیہ کریں گے تو ان میں نفس کی شرارت پائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب دل منور ہو جاتا ہے تو براہ راست یہ قلب میں بات نہیں ڈال سکتا۔ پھر یہ نفس کے ساتھ محنت کرتا ہے اور نفس کی کوئی نہ کوئی خواہش انہیں اس منزل سے گرا دیتی ہے۔ یہ سب کچھ اس کے

کرنے کے طریقے ہیں جن پر معروف محققین نے ارشادات فرمائے ہیں۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ بالخصوص ہمیں سمجھایا کرتے تھے کہ یہ سب سے پہلے انسان کے عقائد میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتا ہے' مختلف سوچیں نفس کو آنی شروع ہو گئیں' قیامت کیا ہو گی' یہ کیسے ہے' یہ خدا کا کیسا حکم ہے' یہ حضور ﷺ کی سنت کیسی ہے' یعنی کہیں نہ کہیں سے عقائد میں تلاش کرے گا کہ کوئی جگہ مل جائے۔ اور اگر یہ سمجھے کہ یہ شخص عقائد میں بات نہیں سنتا تو پھر دوسرا حملہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ جہاں سے اسے برکات ملتی ہیں یعنی شیخ کے ساتھ اس کا ٹکراؤ کرایا جائے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ پر یہ باتیں آتی ہیں جو لوگ بوڑھے ہوتے ہیں' وہ بھی بچپن' لڑکپن' جوانی گزار کر بڑھاپے میں داخل ہوتے ہیں۔ ہم بھی اس سارے پراسس سے گزر کر آئے ہیں۔

اعتراض شیخ سے اعراض

مجھے بڑی اچھی طرح یاد ہے جب میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے پیدل آ رہا تھا تو اس وقت اتنی گاڑیاں نہیں ہوتی تھی' نہ سڑک ہوتی تھی۔ یہاں ونڈے سے پیدل چل کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جایا کرتے تھے تو راستے میں مجھے وہاں کے مقامی لوگ ملتے' اکثر کو میں جانتا تھا' زیادہ واقف بھی ہو گئے تھے' تو وہ بھی اسی طرف آ رہے تھے۔ انہوں نے حضرت پر بے شمار الزامات اور بہتانوں کا ایک بڑا پلندہ کھولا' ان کی اپنی ایک نگاہ تھی جس سے وہ دیکھتے تھے' فلاں فتویٰ انہوں نے غلط دیا' فلاں جگہ یہ کیا' فلاں ہوا' فلاں ہوا۔

تو اتنی باتیں کرنے کے بعد انہوں نے مجھے پوچھا پھر آپ ان کے پاس کیا لینے آ جاتے ہیں۔ میں نے کہا جتنی باتیں تم نے کیں ہیں یہ غیر ضروری ہیں ان سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں ان کے پاس تصوف سیکھنے کے لئے' ذکر سیکھنے کے لئے' اللہ اللہ کرنے کے لئے آتا ہوں۔ وہ اگر تمہارے پاس ہے تو تم بتا دو دیکھ لیں گے کہ وہ اچھا سکھا رہے ہیں یا تم۔ کہنے لگے ہمیں تو پتہ نہیں۔ میں نے کہا

تمہیں پتہ ہی نہیں اور وہ تو اس فن کے ماہر ہیں اور میرا مطلب حل ہو رہا ہے۔ باقی ان کی جو زندگی ہے اس کا انہیں جواب دینا ہے مجھے تو نہیں دینا ہے اس کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں۔ وہ کیسے ہیں اور کیسے نہیں ہیں اس کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن جو کام میں چاہتا ہوں وہ تو بڑے اچھے طریقے سے ہو رہا ہے تو ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں نے کہا تم سکھا دو' تم میں سے کوئی ہے یا کوئی اور آدمی بتا دو' میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں' اور موزانہ کر کے دیکھتے ہیں کہ اس فن میں اسے کیا واقفیت حاصل ہے۔ وہ کہنے لگے کہ بھائی آپ کی بات ٹھیک ہے۔

شیطانی وسواس کے طریقے

شیطان کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس کے نمائندے بہت ہیں' خود محنت کرتا ہے' اس کی بے شمار اولاد ہے۔ انسانوں اور جنات میں ہیں جو اس کی بات مان کر اس کا کام کرتے ہیں۔ اور نبی رحمت ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ شیطان کی اولاد اور جنوں کی نسبت وہ انسان زیادہ خطرناک ہے جو شیطان کی نمائندگی کرتا ہے۔ کیونکہ آدمی اس کے ساتھ جلدی مانوس ہو جاتا ہے شیطان تو صرف وسوسہ ڈال سکتا ہے جب کہ انسان عملاً کر کے دکھاتا ہے۔ تو اس طرح سے یہ اس کی دوسری کوشش ہوتی ہے لیکن اگر آدمی اس سے بھی بچ جائے تو پھر اعمال میں کوشش کرتا ہے۔ چھوڑو یار کل ذکر کر لینا آج کیا ضرورت ہے ابھی تو لیٹے ہو' ابھی اٹھنے کی کیا ضرورت ہے' بتیرا ہو گیا' بس کرو۔ ہمارے ساتھ بھی یہی ہوتا تھا' جب ہم لطائف کرتے تھے تو ہمیں بھی بار بار گھڑی دکھاتا تھا کہ اتنے منٹ ہو گئے۔ میں نے تنگ آ کر گھڑی کے ڈائل سے منٹوں کی سوئی ہی نکال دی۔ میں نے کہا تمہاری بالکل ضرورت نہیں۔ بڑا عرصہ میری گھڑی میں منٹوں کی سوئی نہیں ہوا کرتی تھی اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ ہم صبح کا معمول بڑا عرصہ' سالوں کے حساب سے سردیوں کی راتوں میں دو سے چھ تک صرف سات

لطائف کیا کرتے تھے' مراقبات نہیں ہوتے تھے' لطائف مسلسل بغیر سانس توڑے ہوا کرتے تھے۔ ایسا تجربہ ہو گیا تھا کہ سانس نہیں ٹوٹتی تھی اور چھینک بھی نہیں آتی تھی یہ میری روٹین بن گئی تھی۔ تو ان محاذوں پر مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور اللہ سے دعا کرنا پڑتی ہے کہ مجھے اس راستے میں بچا سب کو اسی راستے سے گزرنا ہے اور کوئی راستہ نہیں ہے آپ کے سامنے بھی یہ چیز آئے گی لیکن اللہ کی تائید سے اور اگر اللہ ہمت دے دے تو آدمی گزر جاتا ہے۔ یہ راستہ انسانوں ہی کے گزرنے کا ہے۔ سارے لوگ اس سے گزر کر گئے ہیں۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب اس سے کچھ نہ ہو سکے تو پھر یہ کتے کی طرح بھونکتا ہی رہتا ہے لیکن آدمی کو پھر بھی تنگ کرنے سے باز نہیں آتا۔ کسی اپنے نمائندے کو اس پر مقدمہ کرنے کا مشورہ دے دیا' کسی کو اس پر بہتان لگانے کا مشورہ دے دیا' کسی کو اس سے جھگڑا کرنے کا کہہ دیا تو اس طرح سے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ پھر اس سے بھی بڑھ کر خود محنت کرتا ہے۔ اور کچھ نہیں ہوتا تو رات سونے نہ دیا' جگا دیا' یہ اپنا کوئی نہ کوئی طریقہ جاری رکھتا ہے بالخصوص ایسے گھروں میں جہاں ذکر کم ہوتا ہے یا نہیں ہوتا تو وہاں اس کا بڑا داؤ چلتا ہے۔

پچھلی دفعہ جب میں ایبٹ آباد گیا تو رات ہم دیر سے سوئے۔ جیسے آنکھ لگی تو جو باتھ روم میرے کمرے سے ملحقہ تھا اس نے پوری ٹوٹی کھول دی۔ دھڑا دھڑ' دھڑا دھڑ پانی گر رہا ہے۔ مجھے جاگ آ گئی پھر اٹھنا پڑا اور جا کر ٹوٹی بند کی۔ اس نے کھڑکیاں کھڑکانا شروع کر دیں۔ میرے خیال میں تو بمشکل آدھا گھنٹہ یا گھنٹہ نیم بے ہوشی کی حالت میں آنکھ لگ گئی۔ لیکن ساری رات اس نے اپنا تماشا کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بالکل نئی جگہ تھی' وہاں پہلے سے کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا' تو اسے وہ موقع مل گیا۔

ذکر الٰہی شیطان سے حفاظت کا بہترین قلعہ

ورنہ جن مکانوں میں ذکر ہوتا ہے وہ مکان بھی منور ہو جاتے ہیں وہاں

اس طرح آسانی سے دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ لیکن جو کچھ اس سے ہو سکے کرتا ہی رہتا ہے۔ ان سب چیزوں کا ہمیں اپنے روزمرہ کے امور سے تجزیہ کرتے رہنا ہے۔ صوفی کے لئے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اپنے جذبات قابو میں رکھے۔ جذبات ہی میں آ کر آدمی دھوکہ کھاتا ہے اور ان ساری باتوں میں میں آپ کے ساتھ ہوں میں بھی ویسا ہی ہوں جیسے آپ ہیں۔ چونکہ آدمی کا موت تک اعتبار نہیں ہے کہ کب اس کا قدم پھسلتا ہے الا یہ کہ اللہ کریم اس کی حفاظت فرمائے۔ تو یہ اللہ کا احسان ہے کہ ہم سے اللہ کریم نے وہ کام لیا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے غالباً" آپ میں بہتیرے لوگ اس کے گواہ بھی ہوں گے کہ یہ لوگ نہیں مٹیں گے' یہ جماعت بڑھے گی' چلے گی' حتیٰ کہ مہدی آخرالزماں کو کام کے جو لوگ ملیں گے وہ اسی جماعت کے ہوں گے۔

توفیق ذکر اللہ کا عظیم احسان

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا فرمایا تھا اور پرانے ساتھی اس بات کے گواہ ہوں گے کیونکہ یہ بات کئی مجالس میں کی گئی کہ خدانخواستہ اگر ہم بھی چھوڑ دیں تو اللہ ہماری جگہ کسی اور کو توفیق دے دے گا کام تو چلتا رہے گا یعنی جماعت ہماری محتاج نہیں ہے۔ ہم دین کے' دینی امور کے اور اللہ کے محتاج ہیں۔ تو یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اس گئے گزرے زمانے میں ہم سے خوبصورت لوگ بھی ہیں' ہم سے زیادہ پڑھے لکھے لوگ بھی موجود ہیں' ہم سے زیادہ صحت مند' زیادہ مالدار اور دولت مند بھی موجود ہیں تو اس نے اگر اپنی اتنی وسیع کائنات میں ہمیں اپنے کام کے لئے چن لیا ہے۔ یہ اس کا کتنا احسان ہے۔ آپ دیکھیں کہاں تک آبادیاں پھیلی ہیں اور لوگوں کے پاس کیا کیا وسائل کتنی دولت' کتنے اختیارات اور کتنی مخلوق اللہ کی صفحہ ہستی میں ہے۔ میرے پاس تو وقت کم ہوتا ہے اور یہ کوئی وقت نہیں جو میں آپ لوگوں کو دیتا ہوں سال کے بعد اگر چند لمحے میسر بھی ہو گئے تو اس میں صرف آپ میں تحریک پیدا کر سکتا ہوں۔ اس پر

عمل کرنا اور اس شرارے کو ایک شعلہ جوالہ بنانا' اس کے لئے آپ کو اپنی محنت کی ضرورت ہے۔

دوسرے اس چیز کے حصول کا بنیادی سبب صحبت شیخ سے مستفید ہونا ہے جس کے لئے آپ سال کا انتظار نہ کریں کہ میں ہی آپ کے ہاں آؤں۔ یہ جو ہم ریفریشر کورسز چلاتے ہیں ان سے مراد یہی ہوتی ہے کہ ایک آدمی دو تین دن یا ہفتہ اپنے باقی فکروں سے آزاد ہو کر پوری طرح متوجہ ہو کر احکام دین بھی سیکھے اور دارالعرفان آ کر پوری طرح اسے توجہ حاصل کرنے کا موقعہ ملے۔ یہاں جو کام بھی ہوتا ہے اس پر اتنا اثر مرتب نہیں ہوتا کیونکہ آپ یہاں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ آتے ہیں اور باقی دن کے دس گیارہ گھنٹے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ تو اتنا نتیجہ مرتب نہیں ہوتا جتنا وہاں منارہ جا کر یکسوئی حاصل کر کے آپ پہ مرتب ہوتا ہے۔ آپ ایک ہفتہ بھر یا دو دن یا چار دن یا ایک دن جتنی فرصت مل جائے وہاں ضرور جایئے اور اس کے لئے امیر حضرات' ذمہ دار حضرات' بالخصوص مجازین حضرات سب ساتھیوں کو آگاہ کیا کریں اور ساتھی خود بھی پروگرام چیک کرتے رہا کریں کہ کس مہینے کی کن تاریخوں میں وہاں اجتماع ہے اس طرح سے شاید ہر مہینے ایک آدھ بار ملاقات کا موقعہ ملتا رہے گا۔

سلسلہ عالیہ کی برکات

جہاں تک برکات کا تعلق ہے تو میں ایک بات آپ کو بتا دوں کہ ہمارا صرف اپنا سلسلہ نہیں کہ روئے زمین پر آج تصوف کے جتنے سلسلے چل رہے ہیں وہ سارے ہم سے فیض لیتے ہیں اور یہ تاریخ تصوف میں پہلا واقعہ ہے کہ تمام سلاسل کو ایک سلسلے سے منسلک کر دیا گیا ہے کہ تم براہ راست نہیں یہاں سے لو۔

اس دفعہ عمرہ کے فوراً" بعد ایک ساتھی نے مجھ سے پوچھا کہ اپنے مشائخ کی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ وہ تو ہم پر شفقت فرماتے ہیں لیکن آج یہ ہر

سلسلے کے مشائخ سعی میں ہمارے ساتھ کیوں بھاگ رہے تھے۔ یہ اس کا مشاہدہ تھا۔ میں نے کہا کہ پچھلے سال سے ان کی ضرورت بن گئی ہے۔ ہر کوئی اپنی ضرورت کے لئے بھاگ رہا ہے اور یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے باہر سے اب کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔

ہمارے ایک ساتھی روضہ اطہر پر جالی کو صاف کرنے پر ڈیوٹی تھی۔ نوکری تھی کہ سرکاری کپڑا لے کر جالی پر مارتا رہے اور پانچ چھ گھنٹے وہیں کھڑے کھڑے گزارے۔ اسے وہاں سالوں بیت گئے کسی نے اسے ہمارے خلاف جو اعتراضات کا پلندہ بنایا گیا تھا ڈاک کے ذریعے پہنچا دیا اس غریب نے دو تین اور ساتھیوں کو بھی دکھایا کہ دیکھو یہ باتیں ہیں حالانکہ ذکر وہ ہمارے ساتھ کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہے۔ اس نے جن لوگوں کو وہ پلندہ دکھایا شاید انہیں کوئی نقصان پہنچا یا مذبذب ہو گئے لیکن اس کی نوکری وہاں سے ختم ہو گئی۔ پاکستان واپس آ گیا اور ایک سال بعد اگلے دن اس کا مجھے خط ملا کہ ٹھوکریں کھاتے مجھے سال ہو گیا پاکستان میں بھی کوئی نوکری نہیں ملتی۔ میں اب سمجھا ہوں کہ مجھ سے خطا ہوئی ہے جو وہ کاغذ میں نے لوگوں کو دکھائے ہیں تو آپ مجھے بارگاہ نبوی ﷺ سے معافی دلائیں۔ میں نے اسے جواب لکھا کہ جن جن لوگوں کو وہ دکھایا ہے انہیں یہ ساری حالت خط لکھ کر بتاؤ تاکہ بھئی میں تو یہ کچھ بھگت رہا ہوں اب دیکھئے تم کیا کرتے ہو اور اس کے بعد خلوص سے خود توبہ کرو' اللہ سے معافی چاہو میں بھی تمہارے لئے دعا کروں گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ اللہ کریم سب کو سلامتی کے ساتھ پار لے جائے۔ جو شخص ایک ایک آدمی کے لئے ساری عمر آوارہ گردی کرتا ہے کہ اللہ کا کوئی ایک بندہ اس راستے پر چلنا شروع کر دے' اس کے ساتھ جو چل رہے ہوتے ہیں ان میں سے کسی کو چھوڑنا اسے کیسے پسند ہو سکتا ہے۔ ایسا تو کوئی لکڑہارا بھی نہیں کرتا کہ مزید لکڑیاں چنتا رہے اور جو چنی ہوئی ہیں وہ پھینکتا رہے۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ ضروریات ہر شخص کے ساتھ ہوتی ہیں اور اس

کے ساتھ ہر شخص کے ذاتی امور ہوتے ہیں۔ اللہ نے مجھے توفیق دی ہے کہ میرے اپنے ذاتی امور موخر ہوتے رہتے ہیں اور آپ کی خدمت اور سلسلے کی خدمت میرے لئے مقدم رہتی ہے۔ لاہور میں ایک چھوٹا سا مقدمہ سالوں کے حساب لٹک رہا ہے اتنی فرصت نہیں ملی کہ جا کر اسے حل کرا لیں۔ اگر جاتے ہیں تو پھر کام سلسلے کا شروع ہو جاتا ہے اور دفتروں کا چکر رہ ہی جاتا ہے' ہفتہ ہفتہ رہ کر واپس آ جاتے ہیں اور کام نہیں ہوتا۔

تو میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ان سب باتوں کا تجزیہ کرتے رہا کریں مجھ سے بھی غلطیاں ہوتی ہیں میرے لئے دعا بھی کیا کریں اور جہاں غلطی ہو مجھے بھی بتا دیا کریں کہ میں ساتھ ساتھ اپنی اصلاح بھی کرتا رہوں اور اس میں آپ کا حصہ بھی ہو۔ میں آپ حضرات کے لئے ہمہ وقت دعا کرتا ہوں اور میری ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ بارالہا یہ جو چند نفوس تو نے ہمراہ کر دیئے ہیں انہیں سلامتی سے پار لے جانا۔ قانون فطرت کی زد میں لوگ آتے رہتے ہیں تو اس میں تو کوئی چاہے کتنے محبوب ہوتے ہیں' جنہیں ہم بیمار بھی دیکھنا برداشت نہیں کرتے' وہ مرجاتے ہیں' دفن کرنے پڑتے ہیں۔ اب کوئی یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اسے گھر والے نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے ہر شخص کو اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے' اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔ لوگوں کی آوازوں پر مت جائیں۔ اپنے تعلقات اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ درست رکھیں' اپنی وفائیں سلسلے کے ساتھ مضبوط رکھیں اور وہ آدمی کیا ہوا جو گھڑی میں جھول جائے اللہ نے اپنے بندوں کے لئے تو بنیان المرصوص کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ کام کرنے والے لوگ ایسے ہوتے ہیں جیسے لوہے کی دیوار' طوفان آئے اور ٹکرا ٹکرا کے چلا جائے۔ لہٰذا عزم و ہمت کے ساتھ' حوصلے اور تسلی کے ساتھ ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھیں' ہر بڑا اپنے چھوٹے سے شفقت کے ساتھ بات کرے اور ہر چھوٹا اپنے سے بڑے کے ساتھ عزت سے بات کرے۔

برکات نبوت کا ایک تقاضا

یاد رکھیں برکات نبوی ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ جن دو آدمیوں میں حضور ﷺ کی برکات آتی ہیں ان کے درمیان محبت آ جاتی ہے۔ یہ کمالات نبوی ﷺ سے ہے۔ اپنا جائزہ لیتے رہیں کہ جیسے اللہ نے فرمایا کنتم اعداء لوگو! تمہارے سب کے دلوں میں دشمنیاں بھری تھی فالف بین قلوبکم میرے نبی ﷺ نے دشمنیوں کو نکال کر تمہارے دلوں میں الفتیں بھر دیں۔ تو اگر آپس میں محبت نہیں آئے گی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم میں حضور ﷺ کا پرتو نہیں آ رہا۔ آپ ﷺ کے جمال جہاں آرا کی کرنیں نہیں آ رہیں اور اگر آئیں گی تو یقیناً محبت سے لبریز آئیں گی۔ تو ان سب باتوں کا جائزہ لیتے رہا کریں۔ میرے سر پر ڈاک کا بوجھ بہت ہوتا ہے لیکن میں کوشش کرتا ہوں کہ ہر ساتھی کو خود ذاتی طور پر خط کا جواب دوں کوئی بات پوچھنا چاہیں تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ آزادی سے خط لکھیں اور بے تکلف لکھیں جو بھی بات ذہن میں آ گئی ہے۔ اگر باتیں اندر رہیں تو پکتی رہتی ہیں اور فساد بنتی ہیں اور اگر کوئی بات ہوتی ہے تو اس کا تجزیہ کر لینا یا پوچھ لینا یا دوسرے کو بھی صفائی کا موقع دینا یہ اچھی بات ہوتی ہے۔ کوئی ایسی بات' کوئی ایسا معاملہ ہو تو بڑے شوق سے اسے لکھ دیں' پوچھ لیں' ڈسکس کر لیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور اجتماعی اذکار کا خصوصی اہتمام کریں کم از کم مہینے میں ضلعی لیول پر ایک اجتماع ضرور ہونا چاہئے۔

اس کے ساتھ ساتھ گھروں میں بہت سی مستورات نے بیعت بھی کر لی ہوئی ہے اور اللہ اللہ بھی کرتی ہیں۔ ہمارے پاس یہاں بفضل اللہ ایسی بیبیاں بھی ہیں جنہیں علم میں بھی اور عمل میں بھی اللہ نے ایک خاص فوقیت دی ہے تو ان کے اجتماعات کا بھی اہتمام کیا کریں۔ یہاں ہمارے خان صاحب کی اہلیہ اچھی طرح بیان بھی کر سکتی ہیں' تفسیر بھی' حدیث بھی ذکر بھی کرتی ہیں۔ ایسے لوگوں کا دم غنیمت ہے۔ بیبیوں کو' بچیوں کو ان سے مستفید ہونے کے لئے کوئی نہ کوئی

موقعہ مہیا کیا کریں تاکہ ان کو بھی یہ برکات پہنچتی رہیں اور روز محشر مل جل کر کسی سمت جا سکیں۔ یہ نہ ہو کہ ہم انہیں دیکھتے رہیں یا وہ اس پار چلی جائیں اور ہمارا انتظار کرتی رہیں۔

چونکہ بڑے خاندان بچھڑیں گے' بڑی دوستیاں ٹوٹیں گی' بڑے رشتے منقطع ہوں گے' کوئی کسی سمت جائے گا' کوئی کسی سمت جائے گا۔ لیکن اللہ کے بندوں کے لئے جنت کی لازوال نعمتیں ہوں گی۔ ہر جنتی نے دینداری کے لئے اپنی کوشش کی ہو گی اور خود اس کا عمل ساتھ ہو گا۔ اللہ نے فرمایا کہ پھر میں خاندانوں کو نہیں بکھیروں گا۔ کتنے خوش نصیب خاندان ہوں گے جو میدان حشر میں اپنے اہل و عیال اور اپنے والدین اور دوستوں کے ساتھ' جہاں نفسا نفسی کا عالم ہو گا اور ایک ایک شخص منتشر ہو رہا ہو گا۔ ایک دوسرے سے مل جل کر پورا خاندان جنت کو رواں دواں ہو گا۔

اللہ کریم ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں۔ ہماری عاجزانہ کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائیں۔ توفیق تو اسی کے پاس ہے۔ بہرحال اجتماعات کا اہتمام کیا کریں اور جو پروگرام چلتے ہیں نئے ساتھیوں کو بتایا کریں اور پرانے ساتھی بھی اپنا وقت بچایا کریں۔ ہر جگہ سالانہ پروگرام بھیجا جاتا ہے۔ تو پہلے سے پتہ کر کے کچھ کاموں کو آگے پیچھے کر کے وقت نکالا کریں اگر سات دنوں کا وقت نہیں ہے' تو دو دن نکال لیں' تین نکال لیں' چار نکال لیں' کچھ نہ کچھ تو شمولیت ہو جائے۔ آدمی کچھ عملاً سن سکے اور کچھ عملاً حاصل کر سکے۔

میں بھی نفس اور شیطان کی زد سے باہر نہیں ہوں اور میں اپنی ہمت سے بھی زیادہ آپ لوگوں کی خدمت کرتا ہوں۔ آپ پر واجب بنتا ہے کہ میرے لئے بھی دعا کریں۔ آپ پر یہ میرا حق بنتا ہے کہ میں اپنے کام کاج چھوڑ کر' اپنی راتیں آپ کے لئے ودیعت کرتا ہوں۔ آپ مجھے بھی ضرور دعائے خیر میں شامل کیا کریں اور اس بات پر مطمئن نہ ہو جائیں کہ میں کوئی بالکل کسی ایسے کارنر میں پہنچ گیا ہوں جہاں کوئی خطرہ نہیں بلکہ آپ سب کے خطرات مل کر اکیلے مجھ

پر آتے ہیں۔ سب کو جو مصیبت پیش آ سکتی ہے وہ مجھ اکیلے پر آتی ہے۔ جتنا آپ پر انفرادی دباؤ ہوتا ہے وہ سارا جمع ہو کر مجھ پر آتا ہے کیونکہ میں ایسی جگہ کھڑا ہوں۔ تو میرے لئے بھی دعا کیا کریں۔ اللہ کریم آپ کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشے۔

☆ ☆ ☆